فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّيْنِ

فتاویٰ قاسمیہ

منتخب فتاویٰ

حضرت مولانا مفتی شبیر احمد القاسمی

خادم الافتاء و الحدیث جامعہ قاسمیہ

مدرسہ شاہی مرادآباد، الہند

(جلد ۲۲)

المجلد الثانی والعشرون

الغصب، الرهن، الصيد، الذبائح بتمام انواعها الاضحية بتمام انواعها، العقيقة، الحقوق باكثر ابوابها إلى باب حقوق الاقارب

۹۷۳۶ ——— ۱۰۲۴۵

ناشر

مکتبہ اشرفیہ، دیوبند، الہند

01336-223082

مکمل اجمالی فهرست ایک نظر میں

❖❖ ❍❖❍

فہرست عناوین

مسئلہ نمبر	۳۲ کتاب الغصب	صفحہ

٣٣ کتاب الرهن ٦٥

۳۵ کتاب الذبائح

	(۳) باب من یجب علیه الأضحیة ومن لا یجب	۲۵۷

(۸) باب فی مصرف جلد الأضحية ۴۵۲

۳۸ کتاب الحقوق

(۳) باب حقوق الأقارب ۶۴۸

۳۲ کتاب الغصب

کاغذ میں ناحق اندراج کرانے کی شرعی حیثیت

سوال [۹۷۳۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کی زمین ہے اس نے ۲۵؍سال قبل مکان تعمیر کروایا تھا، بغل میں اور سامنے اپنی کچھ زمین چھوڑ رکھی تھی، بکر نے رشوت دے کر زید کی زمین کو چکروڈ میں خفیہ طور پر تبدیل کرا دیا جس کی کسی کو کانوں کان خبر نہ تھی کہ بکر نے کیا کیا ہے، امسال جون ۱۹۹۸ء زید نے اپنی بقیہ زمین پر تعمیر کے لیے بنیاد کھودنی چاہی تو بکر مع خاندان جھگڑا فساد کرنے پر اتر آیا، علاقہ کے لوگ اور گرام پردھان وغیرہ اکٹھا ہوئے سب نے کہا کہ یہ زمین زید کی ہے، چکبندی کے زمانہ میں کبھی یہاں چکروڈ کا تذکرہ نہ ہوا تھا اور بکر نے خود چکروڈ کی چکبندی کے زمانہ میں مخالفت کی تھی لیکن اب بکر زبردستی قبضہ کرنے پر آمادہ ہے جبکہ علاقہ والے متفقہ طور پر کہہ رہے ہیں اور گرام پردھان بھی، کہ زمین زید ہی کی ہے؛ لیکن بکر نے حکام کو رشوت دے کر فرضی مقدمہ میں زید کو کھڑا کر دیا ہے، لہٰذا مندرجہ بالا دونوں سوالات کے جوابات قرآن وحدیث کی روشنی میں بیان فرمائیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جھوٹا دعویٰ کر کے زید کی زمین عدالت میں ناحق اندراج کرانے اور اس پر غاصبانہ قبضہ کر لینے کے باوجود زمین زید کی ملکیت سے خارج نہیں ہوئی، بلکہ اس طرح ناحق کسی کی زمین دبا لینے پر حدیث شریف میں سخت ترین وعید آئی ہے۔

أن سعید بن زید قال سمعت رسول اللّٰہ ﷺ یقول: من ظلم من الأرض شیئا طوقه من سبع أرضین. (بخاری شریف، کتاب المظالم، باب أثم من ظلم شیئا من الأرض ۱/۳۳۲، رقم: ۲۳۸۸، ف: ۲۴۵۲، ابو داؤد شریف، کتاب الأدب، باب من یاخذ الشیئ من مزاح، النسخة الهندیة ۲/۶۸۳، دار السلام رقم: ۵۰۰۳، صحیح

مسلم، کتاب المساقات والمزارعة، باب تحریم الظلم و غصب الأرض، النسخة الهندية ۲/ ۳۲، بیت الأفكار رقم: ۱٦۱۰، مشكوٰة شريف ۲٥٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۸۰۵)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/۶/۶ھ

بڑے بھائی نے چھوٹے بھائی کے مکان کو اپنے نام کرالیا

سوال [۹۷۳۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص امیر قریشی نے ایک مکان خریدا اس کے بعد اس کو کچھ روپیوں کی ضرورت ہوئی، تو اس نے اس مکان کو رہن پر رکھ دیا، پھر جب اس کے پاس روپئے ہو گئے تو اس نے اپنے بڑے بھائی بندن کو روپئے دیئے اور کہا کہ رہن پر رکھا ہوا مکان چھڑا لینا تو اس نے اس روپئے سے مکان چھڑا کر اپنے نام کر لیا، پھر ایک تہائی اپنے چھوٹے بھائی امیر قریشی کے نام وصیت کی اس کے بعد اس کا انتقال ہو گیا تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ وہ شخص بندن اس مکان کا مالک ہوا یا نہیں؟ اور اس کی وصیت نافذ ہوگی یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر امیر قریشی نے اپنے بڑے بھائی بندن کو رہن چھڑا لینے کے لیے وکیل بنا کر بھیجا ہے اور بندن نے بجائے رہن چھڑانے کے مالک مکان امیر قریشی کی مرضی کے خلاف اپنے نام کرالیا ہے تو بندن شرعاً غاصب ہے، اور اس غصب کی وجہ سے بندن مذکورہ مکان کا مالک نہیں ہوا ہے، اس پر لازم تھا کہ امیر کو واپس کر دیتا اور اس کی موت کے بعد اس کے ورثاء پر لازم ہے کہ امیر کو پورا مکان واپس کر دیں اور جب مالک نہیں ہوا تو وصیت بھی نافذ نہیں ہوگی۔

عن عبد اللہ بن السائب بن یزید عن أبیه عن جده أنه سمع النبی ﷺ یقول: لا یأخذن أحدکم متاع أخیه لاعبا ولا جادا، وقال سلیمان: لعبا

و لا جدا، ومن أخذ عصا أخيه فليردها. (سنن أبی داؤد، کتاب الأدب، باب من يأخذ الشيئ من مزاح، النسخة الهندية ۲/ ۶۸۳، دار السلام رقم: ۵۰۰۳، سنن الترمذی، الفتن، باب ماجاء لا يحل لمسلم أن يروع مسلما الخ، النسخة الهندية ۲/ ۳۹، دار السلام رقم: ۲۲۴۹)

لقوله عليه السلام: لايحل لأحدكم أن يأخذ مال أخيه لاعبا ولاجادا و إن أخذه فليرده عليه الخ. (شامی، کتاب الغصب، مطلب فی رد المغصوب وفيما لو أبی المالك، زکريا ۹/ ۲۶۶، کراچی ۶/ ۱۸۲، هدایه اشرفی دیو بند ۳/ ۳۷۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰/ ذی الحجہ ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/ ۲۵۰۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۱/۱۲/۳۰ھ

دعا تعویذ کرا کے دو بھائی کی زمین پر قبضہ کرنے کا حکم

سوال [۹۷۳۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: جناب مولانا فضل الرحمٰن صاحب نے اپنے بھائی کو دعا تعویذ کھلا پلا کر دماغ خراب کر کے اس کی ساری زمین وجائیداد بھی لے لی اور اس کے ساتھ ساتھ شرک کروایا ہے جو شرک کروایا ہے اس میں پورا حصہ لیا ہے، جو روپیہ لگا وہ سب انہوں نے دیا، کیا شرک کروانے پر شرعاً کوئی حکم ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بشرط صحت واقعہ صورت مسئولہ میں مالک زمین کو ایسے تعویذ کھلا پلا کر جس سے اس کا ذہنی توازن برقرار نہیں رہا اس کی زمین وجائیداد پر قبضہ کر لینا اور اپنے نام بیع نامہ کرا لینا ناجائز وحرام ہے؛ بلکہ مذکورہ شخص مظلوم ہے، اس کی زمین سے کسی قسم کا فائدہ حاصل کرنا جائز نہیں ہے بلکہ اس کو واپس کرنا ضروری ہے۔

عن أبی حرة الرقاشی عن عمه أن رسول الله ﷺ قال: لا يحل مال امرئ مسلم إلا بطيب نفس منه. (شعب الإيمان للبيهقی، دار الكتب العلمية بيروت

۳۸۷/٤، رقم: ٥٤٩٢، السنن الكبرىٰ للبيهقي دار الفكر بيروت ٥٠٦/٨، رقم: ١١٧٤٠)

نیز اس طرح کے تعویذات جو انسانی ذہنوں کو ماؤف کردیں سحر کے حکم میں ہیں اور سحر ناجائز وحرام ہے۔

عن أبي هريرة عن النبي ﷺ قال: اجتنبوا السبع الموبقات، قالوا: يا رسول الله! وماهن قال: الشرك بالله والسحر الخ. (صحيح البخاري، كتاب الوصايا، باب قول الله تعالىٰ: إن الذين ياكلون اموال اليتٰمى ظلما الخ، النسخة الهندية ٣٨٨/١، رقم: ٢٦٨٥، ف: ٢٧٦٦)

السحر حرام بلا خلاف بين أهل العلم. (شامي، كتاب الجهاد، مطلب: في الساحر والزنديق، زكريا ٣٨١/٦، كراچی ٢٤٠/٤)

اورصورت مذکورہ میں جو شرک وغیرہ کروایا گیا اس سے توبہ کرنا اور تجدید اسلام ضروری اور لازم ہے۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰى اِثْمًا عَظِيْمًا. [النساء: ٤٨] ﴾ **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۵۰۳)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۴/۶/۱۶ھ

بھانجے کی جائیداد پر ماموں کا ناحق قبضہ

سوال [۹۷۴۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میری والدہ کا انتقال ہوگیا اس کے بعد والد کا بھی انتقال ہوگیا، بوقت انتقال ہم لوگ یعنی میں محمد عمران گیارہ سال کا تھا اور ایک مجھ سے بڑی بہن تھی، ہم دونوں کی پرورش ماموں کے حق میں آئی، انہوں نے میرے والد والدہ کا سامان، جائیداد جس میں سونا، چاندی، پیتل اور تانبا وغیرہ سبھی تھا، اپنے قبضہ میں لے لیا، اور کہا کہ ہم ان دونوں کی پرورش کریں گے،

اس کے بعد بہن کی شادی ماموں نے کی اور وہ فرماتے ہیں کہ میں نے سب کچھ تمہاری بہن کی شادی میں خرچہ کر دیا، اور بہن بھی اس بات کی مقر ہے کہ ماموں نے مجھے چڑھایا ہے، تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ ہمارے والد والدہ کے مال وجائیداد کے کیا مالک ماموں تھے؟ ان کو دینا پڑے گا یا نہیں؟ اس میں ہمارا حق ہے یا نہیں؟ ماں باپ کے ترکہ سے مجھے کچھ بھی نہیں ملا، کیا شرعاً ماموں پر لازم ہے کہ وہ مجھے میرا حق دیں؟

المستفتی: محمد عمران لاالباغ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آپ کو شرعاً اپنے والدین کے ترکہ میں سے شرعی حق حاصل ہے، اور کل ترکہ کو تین حصوں میں تقسیم کر کے دو حصے آپ (محمد عمران) کو اور ایک حصہ آپ کی بہن کو ملے گا اور آپ کے ماموں کو صرف حفاظت کا حق تھا اس میں تصرف کا حق نہیں تھا، لہٰذا جو بھی چیز ترکہ میں سے تھی اس میں سے آپ کو دو تہائی اور آپ کی بہن کو ایک تہائی حصہ ملے گا، لہٰذا جو اشیاء موجود ہیں، ان کو بعینہٖ آپ حاصل کر سکتے ہیں، اور جو بعینہٖ موجود نہیں ہیں ان کا تاوان آپ کے ماموں پر لازم ہوگا، کیونکہ ماموں کو آپ کے حصہ کا مال نہ آپ کی بہن کو دینے کا حق تھا اور نہ ہی اس میں مالکانہ تصرف کا۔

عن أبی حرة الرقاشی عن عمه أن رسول الله ﷺ قال: لا یحل مال امرئ مسلم إلا بطیب نفس منه. (شعب الإیمان للبیهقی، دار الکتب العلمیة بیروت ٤/٣٨٧، رقم: ٥٤٩٢، السنن الکبریٰ للبیهقی دار الفکر بیروت ٨/٥٠٦، رقم: ١١٧٤٠)

لایجوز لأحد أن یتصرف فی ملک الغیر بغیر إذنه. (قواعد الفقه اشرفی دیوبند ص: ١١٠، الأشباه، کتاب الغصب، کراچی ٢/٩٨)

یبیع الأب لأن له ولایة التصرف لا الأم، ولا بقیة أقاربه. (الدر المختار باب النفقة زکریا ٥/٣٦٧، کراچی ٣/٦٣١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲ ربیع الاول ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/ ۲۵۹۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۲/۳/۱۴۱۲ھ

دوسرے کی زمین ہڑپنے کا حکم

سوال [۹۷۴۰]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں افسری اور میری بہن جعفری نے مل کر ایک بیگہ زمین خریدی جو تقریباً ایک ہزار گز ہے میں نے دوسو روپیہ دیئے تھے، میری بہن نے ڈیڑھ سو روپیہ دیئے تھے، پھر بیعنامہ کے وقت جعفری نے کل ایک بیگہ ایک ہزار گز اپنے نام بیعنامہ کرالیا، میرا نام بھی نہیں ڈلوایا اور یہ کہتی رہی کہ میں تمہارے ساتھ دھوکہ نہیں کروں گی، پھر اس نے ایک ہزار گز میں سے مجھے دوسو گز دی اور خود آٹھ سو گز لے لی، میں نے اپنی زمین پر مکان بھی بنالی تھا، اب وہ کہتی ہے کہ تم کو صرف ۲۵؍گز دوں گی، اور سب میری ہے تو آپ سے دریافت یہ کرنا ہے کہ اس ایک ہزار گز میں سے شرعاً ہمارا کتنا حق بنتا ہے، جبکہ ہم نے دوسو روپیہ دیئے تھے، اور اس جعفری نے ڈیڑھ سو دیئے تھے، شریعت کا فیصلہ تحریر فرمادیں، نوازش ہوگی۔

المستفتی: افسری خاتون، محلّہ پی اے سی نیا گاؤں مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آپ کی بہن جعفری کا یہ کہنا کہ مذکورہ زمین میں سے تم کو پچیس گز دوں گی، یہ سراسر ظلم وزیادتی ہے، حدیث شریف میں اس پر سخت وعید آئی ہے، بلکہ سوال نامہ کے مطابق ہزار گز زمین میں سے دوسو روپیہ کے تناسب سے افسری کو ۷/۳-۵۷۱ گز اور ڈیڑھ سو روپیہ کے تناسب سے جعفری کو ۷/۴-۴۲۸ گز زمین ملے گی، اس کے خلاف کرنا جائز نہیں ہے، اگر اس کے خلاف کرے گی تو جعفری گنہگار ہوگی، اور قیامت کے دن سات زمینوں اور سات آسمانوں کا طوق اس کو پہننا پڑے گا۔

عن سعید بن زید بن عمرو بن نفیل أن رسول الله ﷺ قال: من اقتطع شبرا من الأرض ظلماً طوقه الله إياه يوم القيامة من سبع أرضين. (مسلم شریف، کتاب المساقات والمزارعة، باب تحريم الظلم وغصب الأرض، النسخة الهندية ۲/ ۳۲، بيت الأفكار، رقم: ۱۶۱۰، صحيح البخاری، کتاب المظالم، باب إثم من ظلم شيئا من الأرض، النسخة الهندية ۱/ ۳۳۲، رقم: ۲۳۸۸، ف: ۲۴۵۲، سنن أبی داؤد، کتاب الأدب، باب من

يأخذ الشيئ من مزاح، النسخة الهندية ٢/ ٦٨٣، دار السلام رقم: ٥٠٠٣) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
١٤ ربیع الاول ١٤٢١ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٣٥/ ٦٥٤٨)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
١٤/ ٣/ ١٤٢١ھ

دوسروں کی زمین پر ناحق قبضہ کا حکم

سوال [٩٧٤١]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اللہ عز وجل اور آپ کے رسول اللہ ﷺ کا کیا فرمان ہے ان لوگوں کے متعلق جو دوسروں کی زمینوں پر ناجائز قبضہ کر کے اپنی ملک بنا لیتے ہیں؟

المستفتی: مسٹر ریاست علی ترمذی قدیری، بابریاب، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو لوگ دوسروں کی زمین اور جائیداد پر ناجائز قبضہ جما کر مالکانہ تصرف کرتے ہیں ان کے لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں سخت ترین وعید نازل فرمائی ہے، ان کے ساتھ آخرت میں سخت خطرناک اور سنگین معاملہ ہوگا۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَأْكُلُوْا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِنْكُمْ وَلَا تَقْتُلُوْا اَنْفُسَكُمْ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا، وَمَنْ يَفْعَلْ ذٰلِكَ عُدْوَانًا وَظُلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِيْهِ نَارًا وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا. (النساء: ٢٩)

ترجمہ: اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کے مال وجائیداد کو ناجائز اور حق تلفی کر کے نہ کھاؤ، ہاں البتہ آپسی رضامندی اور خریداری کے ساتھ کھا سکتے ہو اور آپس میں خونریزی مت کرو، بے شک اللہ تمہارے ساتھ رحم کا معاملہ کرنے والا ہے، اور قرآن وحدیث کے باوجود اگر کوئی شخص ظلم وتعدی سے کسی کا مال ناحق لے لے تو عنقریب اس کو جہنم میں ڈالا جائے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٧ ربیع الثانی ١٤١١ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٢٦/ ٢١٨٦)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
٧/ ٤/ ١٤١١ھ

بیوی سے زبردستی اس کا زیور لینا

سوال [۹۷۴۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے والد نے ہماری امی کو دو زیور کان اور ناک کے دیے تھے، پھر انہوں نے دوسری شادی کر لی اور وہ زیورات لے لیے تھے، اب ہماری امی کو نانی نے کچھ چاندی کے زیورات دیے تھے جس میں سے کچھ بیچ کر نانی کا علاج ومعالجہ ہوا، کچھ بچے ہیں ان کے بارے میں بھی ہمارے والد کہتے ہیں کہ مجھے دو ورنہ گھر سے نکال دیں گے، اس سے پہلے بھی کئی دفعہ گھر سے نکال چکے ہیں، تو آپ سے دریافت یہ کرنا ہے کہ نانی کے دیئے ہوئے زیور زبردستی مانگنا شرعاً کیسا ہے؟ اور اپنی بیوی کو بار بار گھر سے نکال دینا اور کھانا خرچہ نہ دینا شرعاً کیسا ہے؟ شرعی حکم کیا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جو زیور آپ کی نانی نے آپ کی والدہ کو دیا ہے وہ والدہ کی ذاتی ملکیت ہے، آپ کے والد صاحب کے لیے اسے زبردستی ان سے لینا قطعاً جائز نہیں ہے۔

عن أبي حرة الرقاشي عن عمه أن رسول الله ﷺ قال: لا يحل مال امرئ مسلم إلا بطيب نفس منه. (شعب الإيمان للبيهقي، دار الكتب العلمية بيروت ٤/٣٨٧، رقم: ٥٤٩٢، السنن الكبرىٰ للبيهقي دار الفكر بيروت ٨/٥٠٦، رقم: ١١٧٤٠)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱/ ذی قعدہ ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۶۰۹)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۱/ ۱۱/ ۱۴۲۵ھ

سالے کی چیز اس کی اجازت کے بغیر لینا

سوال [۹۷۴۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: اگر مفتی محمد ہارون قاسمی اپنے سالے کی کوئی چیز بغیر اس کی اجازت کے لیں تو اس کا کیا حکم ہے؟ جواب سے نوازیں۔

المستفتی: عبداللہ خاں محلّہ نت گنجا بازار، ملاواں ہردوئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر مفتی محمد ہارون کو یہ معلوم ہے کہ سالے کی چیز لینے سے وہ ناراض نہ ہوگا بلکہ خوش ہونے کی امید ہے تو مفتی محمد ہارون گنہگار نہ ہوں گے اور اگر سالے کو معلوم ہونے پر ناراض ہونے کا خطرہ ہے تو لینا جائز نہ ہوگا۔

عن أبی حرة الرقاشی عن عمه أن رسول الله ﷺ قال: لا یحل مال امرئ مسلم إلا بطیب نفس منه. (شعب الإیمان للبیهقی، دار الکتب العلمیة بیروت ۳۸۷/٤، رقم: ۵٤۹۲، السنن الکبریٰ للبیهقی دار الفکر بیروت ۵۰٦/۸، رقم: ۱۱۷٤۰)

لایجوز لأحد أن یتصرف فی ملک الغیر بغیر إذنه. (قواعد الفقه، اشرفی دیوبند ص: ۱۱۰، الأشباه کراچی ۹۸/۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍رمضان المبارک ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/۲۸۵۰)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۲/۹/۲۳ھ

بھائی کی اجازت کے بغیر اس کا حصہ فروخت کرنا

سوال [۹۷۴۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے اپنے بھائی کی کچھ جائیداد بھائی کی رضامندی کے بغیر فروخت کردی، اس طرح کیا وہ غاصب نہ ہوا؟

المستفتی: محمد ارشد نگم قاضی سرائے

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دوسرے کے مال میں اس کی اجازت کے بغیر

تصرف کرنا جائز نہیں اور احادیث میں اس کی وعید آئی ہے لہٰذا وہ غاصب اور سخت گنہگار ہے، اور یہ گناہ محض توبہ کر لینے سے معاف نہیں ہو جاتا، کیونکہ اس کا تعلق حقوق العباد سے ہے۔

عن سعيد بن زيد بن عمرو بن نفيل أن رسول الله ﷺ قال: من اقتطع شبرا من الأرض ظلما طوقه الله إياه يوم القيامة من سبع أرضين.

(مسلم شريف، كتاب المساقات والمزارعة، باب تحريم الظلم وغصب الأرض، النسخة الهندية ۲/ ۳۲، بيت الأفكار، رقم: ۱٦۱۰، صحيح البخارى كتاب المظالم، باب إثم من ظلم شيئا من الأرض، النسخة الهندية ۱/ ۳۳۲، رقم: ۲۳۸۸، ف: ۲٤٥۲، سنن أبى داؤد، كتاب الأدب، باب من يأخذ الشيئ من مزاح، النسخة الهندية ۲/ ٦۸۳، دار السلام رقم: ٥۰۰۳)

لا يجوز التصرف من مال غيره بلا إذنه ولا ولايته. (الدر المختار، كتاب الغصب، مطلب: فيما يجوز من التصرف بمال الغير الخ، كراچی ٦/ ۲۰۰، زكريا ۹/ ۲۹۱، الأشباه كراچی ۲/ ۹۸، قواعد الفقه، اشرفی ديوبند ص: ۱۱۰، الموسوعة الفقهية الكويتية ۲۸/ ۲۹٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۳۵۵)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۸/۶/۲۷ھ

مشترکہ زمین پر کسی ایک شریک کے تنہا قبضہ کرنے کا حکم

سوال [۹۷۴۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: والد صاحب کی متروکہ جائیداد میں ایک حصہ پر کچھ مکان تعمیر تھا، اور اس کے برابر میں تھوڑی زمین خالی پڑی ہوئی تھی، مذکورہ جائیداد ہم دو بھائی، محمد نعیم ومحمد یوسف کے درمیان تقسیم ہونی تھی، جس کی صورت یہ ہوئی کہ تعمیر شدہ مکان آدھا آدھا ان دونوں بھائیوں کے درمیان تقسیم ہو گیا اس کے بعد محمد یوسف نے محمد نعیم کے حصہ سے تقریباً ۷/ فٹ زمین راستہ سے نکلنے کے لیے بلا معاوضہ لے لی، جبکہ ان کے مکان کے قریب میں مین روڈ موجود تھا، اس کے بعد محمد نعیم نے اپنا مکان از سرِ نو تعمیر کیا پھر محمد یوسف نے تعمیر کیا، اور اپنی

چھت بوقت تعمیر محمد نعیم کی دیوار پر رکھنا چاہتے تھے، محمد نعیم نے بلا معاوضہ دیوار پر چھت رکھنے سے منع کر دیا، اور معاوضہ طلب کیا تو محمد یوسف نے معاوضہ دینے سے انکار کرتے ہوئے اپنی چھت محمد نعیم کی دیوار پر نہیں رکھی، اس کے بعد محمد یوسف نے خالی زمین جس میں نصف حصہ محمد نعیم کا بھی تھا، اس پر اپنا قبضہ کرلیا، محمد نعیم کو نہ زمین دی اور نہ معاوضہ دیا، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ: (۱) محمد یوسف نے محمد نعیم کے مکان سے جو راستہ لیا ہے تو کیا محمد نعیم اپنے اس حصے کا معاوضہ لینے کا حقدار ہے یا نہیں؟

(۲) کیا محمد یوسف محمد نعیم کی دیوار پر بلا معاوضہ چھت رکھنے کا حقدار تھا یا نہیں؟

(۳) محمد یوسف نے خالی پڑی ہوئی زمین جس میں محمد نعیم کا آدھا حصہ تھا اس پر قبضہ کرلیا تو محمد نعیم کو اس کا معاوضہ یا آدھی زمین لینے کا حق ہے یا نہیں؟ تفصیلاً لکھئے۔

نوٹ: جو راستہ محمد یوسف نے لیا ہے اس میں محمد نعیم کی شرکت نہیں ہے بلکہ ان کا راستہ علیحدہ ہے البتہ اس میں محمد نعیم نے بند نالی بنوائی تھی جس کو محمد یوسف نے توڑ کر پھینک دیا۔

المستفتی: مولانا نعیم الدین صاحب ضلع بستی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: محمد یوسف کے لیے محمد نعیم کے مکان کا حصہ جس میں اس نے بند نالی بنا رکھی تھی، اس کو توڑ کر اپنے ذاتی راستہ میں شامل کرنا جائز نہیں ہے، محمد نعیم کو شرعی طور پر اس کا معاوضہ ملنا چاہیے، نیز مشترکہ زمین جس میں دونوں برابر کے حصہ دار ہیں اس پر تنہا محمد یوسف کا قبضہ جمالینا جائز نہیں ہے، اس کے آدھے حصے کا حقدار محمد نعیم ہے، لہٰذا محمد نعیم کو نصف زمین یا اس کی قیمت دیدینا لازم ہے، ورنہ محمد یوسف سخت ترین ظالم ہوگا اور عند اللہ سخت ترین عذاب کا مستحق ہوگا۔

من أخذا شبرا من الأرض بغير حقه طوقه فی سبع أرضين يوم القيامة الحديث. (مسلم شريف، كتاب المساقاة والمزارعة، باب تحريم المظالم و غصب الأرض، النسخة الهندية ۲/ ۳۲، بيت الأفكار رقم: ۱۶۱۰، صحيح البخاری، كتاب المظالم باب من أثم من ظلم شيئا من الأرض، النسخة الهندية ۱/ ۳۳۲، رقم: ۲۳۸۸، ف:

۲۴۵۲، معجم کبیر للطبرانی، دار إحیاء التراث العربی ۱۶۳/۱۲، رقم: ۱۲۹۲۱)

اور جہاں تک محمد نعیم کی دیوار پر چھت رکھنے کی بات ہے اس میں محمد نعیم کی طرف سے اخلاقاً اجازت ہوئی تو وہ مستحق ثواب ہوگا، لیکن اگر وہ اجازت نہیں دیتا ہے تو اس پر اس کو مجبور بھی نہیں کیا جاسکتا۔

لا یمنع جار جاره أن یغرز خشبة فی جداره و تحته فی فتح الباری: اشتراط إذن المالک فإن امتنع لم یجبر و هو قول الحنفیة الخ. (فتح الباری، کتاب المظالم، باب لا یمنع جار جاره، دار إحیاء التراث العربی بیروت ۱۳۲/۵، اشرفیه دیو بند ۱۳۹/۵، تحت رقم الحدیث ۲۴۶۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍ صفر المظفر ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۳۳ ۵۶۳۳)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/۲/۱۳ھ

کرایہ دار کا مطالبہ کے باوجود دوکان خالی نہ کرنا اور نفع کا حکم

سوال [۹۷۴۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: احقر نے آپ کی خدمت میں چند روز قبل دو فتوے ارسال کیے تھے، ان میں سے ایک کرایہ دار کے مطالبہ کے باوجود دوکان خالی نہ کرنے اور اس میں سامانِ فروخت کرتے رہنے کے سلسلے میں لکھا تھا کہ جو آج تک نفع کمایا وہ اس کرایہ دار کے لیے گندہ، خبیث اور حرام مال ہوگا، اس کی دلیل میں بندہ نے مجمع الأنہر ۴/ ۸۱ کی بھی عبارت پیش کی تھی، اس کا آخری جزء یہ تھا:

و (یأخذ) الغاصب (رأس ماله) ...... (ویتصدق بالفضل) عند الطرفین ...... (وعند أبی یوسف لا یتصدق) أی بالباقی لأن الزیادة حصلت فی ضمانه وملکه ولهما أنه صار ملکا له ملکا خبیثا و حراما لخبث السبب وهو التصرف فی ملک الغیر.

آپ نے اس عبارت کا کوئی جواب نہیں دیا، کہ آیا طرفین رحمہما اللہ کا قول مفتیٰ بہ ہے یا

نہیں؟ اب اس دلیل مذکور کے علاوہ مزید دلائل حدیث شریف، محدثین اور فقہاء کرام کے اقوال سے قلمبند کرتا ہوں، پھر آپ تحریر فرمائیں کہ ان دلائل کا کیا مطلب ہے؟ اور مفتی بہ قول کیا ہے؟

دلائل

(۱) قال رسول الله ﷺ من زرع في أرض قوم بغير إذنهم فليس له من الزرع شيئ وله نفقته. (رواه أبو داؤد، رقم: ۳٤۰۳)

قال الشيخ مولانا خليل احمد رحمه الله تعالیٰ ”فمعنى قوله ”ليس له من الزرع شيئ“ أي لا يحل له من الزرع شيئ ، لأنه حصل له بطريق غصب الأرض. (بذل المجهود، باب في زرع الأرض بغير إذن صاحبها ۱۱/۱۰۸، مطبوعه دار البشائر الإسلامية)

(۲) وكان ينبغي أن يتصدق بما زاد على ما ضمن عندهما لا بالغلة كلها كمافي المسألة الأولىٰ. (تبيين الحقائق زكريا، كتاب الغصب ۶/۳۲۱)

(۳) شیخ الاسلام حضرت مفتی تقی عثمانی دامت برکاتہم اپنی معروف کتاب درس ترمذی ۴/۳۱۰ ”باب ما جاء من زرع في أرض قوم بغير إذنهم“ کے ذیل میں فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص دوسرے کی زمین میں اس کی اجازت کے بغیر کاشت کرتا ہے تو اول وہ زمین کو غصب کرنے کا گناہگار ہوگا، دوسرے اس مسئلہ پر صاحب ارض کے لیے ضمان نقصان ہوگا، تیسرے جو پیداوار حاصل ہوگی وہ اگر چہ اس کی ملکیت ہوگی، لیکن ملک خبیث ہوگی، اس پیداوار سے انتفاع اس کے لیے طیب نہ ہوگا، البتہ نفقہ کے بقدر طیب ہوگا، پھر آگے مفتی صاحب نے حنفیہ کی دلیل ذکر کی، پھر قیاس کا تقاضہ اور پھر حدیث باب کا جواب دیا کہ ”لیس لہ من الزرع شئ“ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس پیداوار سے انتفاع اس کے لیے جائز نہیں، طیب نہیں، اگر چہ وہ اس کی ملکیت میں آگئی ہے، آپ نے ذخیرہ کی جو عبارت بحر الرائق کے حوالہ سے ذکر فرمائی ہے اس سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ غاصب نے ارض مغصوبہ میں جو کھیتی کی ہے وہ اس کی ملکیت ہے، لیکن وہ

ملکیت کیسی ہے؟ آیا خبیث، حرام یا حلال؟ یہ معلوم نہیں ہورہا ہے بلکہ اس کی وضاحت مجمع الانہروغیرہ کتب سے ہورہی ہے کہ وہ ملکیت ''ملکاً خبیثاً وحراماً'' ہے۔(۸۱/۴)

آپ نے یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ وہ آمدنی واجب التصدق نہیں، جبکہ آپ کی ذکرکردہ بحرالرائق کی عبارت سے تقریباً ۱۸ر سطر نیچے لکھا ہے:

وفي الكافي: ويأخذ الغاصب رأس ماله أي البذر و ما أنفق و ماغرم من النقصان و يتصدق بالفضل و هذا عند أبي حنيفة و محمد، و عند الثاني لا يتصدق. (البحر الرائق زكريا ۹/۲۰۳)

اوراسی کتاب کے دوصفحہ بعد یہ لکھا ہے:

وكان ينبغي أن يتصدق بما زاد على ما ضمن عندهما لا بالغلة كلها كما في المسألة الأولىٰ. (البحر الرائق زكريا ۹/۲۰۵ كتاب الغصب)

حضرت امام ابو یوسفؒ کے نزدیک بھی وہ نفع واجب التصدق اس وقت نہ ہوگا جبکہ غاصب نے ضمان ادا کردیا ہواوراگر ضمان ادانہ کرے تو وہ نفع واجب التصدق ہوگا۔

وقال أبو يوسف رحمة الله لايتصدق به لأن المنهي ربح مالم يضمن وهو قد ضمن. (الكفاية على الهداية ص: ۹،مع البحر الرائق زكريا ص: ۹۳)

اس عبارت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کرایہ دار مالک دوکان کی مرضی کے مطابق یا اس جیسی دوکان کے کرایہ کے مطابق کرایہ ادانہیں کرتا بلکہ سالہائے سال سے بہت مختصر کرایہ ادا کرتا ہے جبکہ مالک دوکان بار بار کہہ چکا کہ کرایہ بڑھاؤ ورنہ دوکان خالی کرو، تو یہ نہ دوکان خالی کرتا ہے اور نہ کرایہ بڑھاتا ہے اوراگر خالی بھی کرتا ہے تو بقیہ مناسب کرایہ ادانہیں کرتا جیسا کہ عصر حاضر میں ہورہا ہے بلکہ برعکس کرایہ دار مالک سے خالی کرنے کے پیسے مانگتا ہے، توان شکلوں میں حضرت امام ابو یوسفؒ کے نزدیک بھی وہ نفع واجب التصدق ہوگا، یہ جو کچھ بندہ نے لکھا ہے اگراس میں کچھ خامی ہوتو بحوالہ کتب اصلاح فرمادیں، اصح اور مفتی بہ قول کی نشاندہی فرمائیں، احسان عظیم ہوگا۔

المستفتی: عبدالقادر قاسمی، خادم دارالافتاءاشرفیہ سعدالعلوم چاندپور بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حضرت مولانا مفتی عبدالقادر صاحب، ۳۰/ جمادی الثانیہ ۱۴۳۳ھ کو لکھا ہوا جواب جو مدرسہ شاہی مرادآباد کے دارالافتاء سے جاری ہوا ہے اس جواب سے متعلق آنجناب کا بھیجا ہوا والا نامہ موصول ہوا، اور اس میں تحریر کردہ تمام جزئیات ودلائل پر خوب اچھی طرح غور کیا گیا، پھر یہاں سے لکھے ہوئے جواب پر بھی غور کیا گیا، بالآخر اس نتیجہ پر پہنچے کہ ہمارے یہاں سے لکھا ہوا جواب اپنی جگہ بدستور صحیح اور درست ثابت ہوا ہے، اور اس جواب میں اصل مسئلہ سے متعلق شامی زکریا ۹/ ۱۱۵، شرح المجلۃ ۱/ ۲۶۴ رقم: ۴۷۲ سے نقل کردہ جزئیات بھی جواب کے مطابق صحیح ہیں، اور اس کے بعد آخر میں شامی زکریا ۹/ ۲۸۵ اور البحر الرائق کوئٹہ ۸/ ۱۱۱ کے جزئیات اس مسئلہ میں بے موقعہ نقل کیے گئے ہیں، اور ان جزئیات کے نقل کرنے میں ہم سے غلطی ہوئی ہے، اس لیے اس مسئلہ سے متعلق ان جزئیات کو نقل کرنے کے بارے میں ہم رجوع کا اعلان کرتے ہیں کہ یہ دونوں جزئیات اس مسئلہ سے متعلق نہیں ہیں، اور ان دونوں جزئیات کو چھوڑ کر لکھا ہوا اصل جواب اور اوپر کے دونوں جزئیات اپنی جگہ صحیح اور درست ہیں، اور آخر کے دونوں جزئیات کی وجہ سے آنجناب کو اتنے سارے جزئیات نقل کر کے پیش کرنے کا موقع ملا، جو اصل مسئلہ سے متعلق نہیں، اور ایسے ہی دو جزئیہ احقر نے بھی خواہ مخواہ نقل کردیئے، جو اصل مسئلہ سے متعلق نہیں۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ دوکان ومکان اور اسی طرح کسی بھی عمارت کی کرایہ داری اور کھیتی کی زمین کی کرایہ داری کا مسئلہ بالکل الگ الگ ہے، ایک کو دوسرے پر قیاس نہیں کیا جاسکتا، اور دونوں مسئلوں کا حکم بھی الگ الگ ہے، کیونکہ کرایہ کی عمارت میں سے کوئی چیز پیدا نہیں ہوتی، بلکہ باہر سے خارجی اشیاء کو لاکر کے اس جگہ پر بیچا جاتا ہے، اس میں کبھی نفع بھی ہوسکتا ہے، گھاٹا بھی ہوسکتا ہے، اور کھیتی کی زمین ایسی نہیں ہے بلکہ اس میں بیج بونے کے بعد زمین خود پیداوار اگا کردیتی ہے، اس لیے دونوں میں بہت بڑا فرق ہے، اور فقہاء کرام نے دونوں کے لیے الگ الگ جزئیات پیش کیے ہیں، آنجناب نے جتنے بھی جزئیات اپنی تحریر میں پیش

کیے ہیں وہ سب کے سب کھیتی کی پیداوار سے متعلق ہیں، اور زیر بحث مسئلہ کھیتی کی پیداوار سے متعلق نہیں ہے، بلکہ کرایہ کی دوکان سے متعلق ہے، جس کے جزئیات اسی کے موافق فقہ کی کتابوں میں موجود ہیں، اس کا حکم شرعی یہی ہے کہ کرایہ داری کی مدت ختم ہونے کے بعد باقی جتنے عرصہ تک اس دوکان کو قبضہ میں رکھ کر اس میں تجارت کرکے نفع حاصل کرے گا وہ سارا نفع کرایہ دار کے لیے حلال ہے، اور اس عرصہ کا کرایہ مالک کے لیے اس کے اوپر لازم ہے، اور اس عرصہ کا مثلی کرایہ جو ان دنوں کا مناسب اور صحیح ہوسکتا ہے وہ ادا کرنا کرایہ دار پر لازم ہے۔

استاجر دارا أو حماما أو أرضا شهرا فسكن شهرين هل يلزمه أجر الثاني إن معدا للاستغلال؟ نعم و إلا لا . (شامی، کتاب الإجارة، باب فسخ الاجارة کراچی ٦/٨٤، زکریا ٩/١١٥)

لو آجر دارا شهرا بمائة فسكنها المستاجر شهرين لزمه الأجر المسمى عن الشهر الأول و أجر المثل عن الشهر الثاني إذا كانت الدار معدة للاستغلال. (شرح المجلة، اتحاد دیو بند ١/٢٦٤، رقم المادة: ٤٧٢)

إذا استأجر الرجل من أخر دارا، وفي الفتاوىٰ الخلاصة: أو حماما شهرا فسكنها شهرين فعليه أجر الشهر الأول –إلى قوله– و ذكر في بعض الروايات أنه يجب عليه الأجر في الشهر الثاني أيضا. (تاتارخانية زكريا ١٥/٥٨، رقم: ٢٢١٥١)

إذا سكن بعد الموت أو بعد انقضاء المدة فلا أجر عليه قبل الطلب و إذا سكن بعد الطلب فعليه الأجر لما سكن بعد الطلب سواء كان في الشهر الأول أو في الشهر الثاني. (المحیط البرهاني كوئٹه ٩/١٣٧، المجلس لعلمی ١١/٢٨٣، رقم: ١٣٦٩٤)

غصب حانوتا فعمل و ربح طاب له الربح؛ لأنه حصل بالتجارة.

(تاتارخانية زكريا ١٦/٥٣٩، رقم: ٢٦٠٣٧)

غصب حانوتا و اتجر فيه وربح يطيب الربح كذا في "الوجيز" لكردري.

(هندیه کتاب الغصب، الباب الثامن زکریا قدیم ٥/١٤٢، جدید ٥/١٦٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱/ جمادی الثانیہ ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۷۳۱)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۳/۶/۲۱ھ

کرایہ دار کا مکان خالی نہ کرنا ظلم اور گناہ ہے

سوال [۹۷۴۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں ایک قطعہ مکان دومنزلہ کی مالکہ کامل ہوں، اس مکان کا اوپری حصہ میں نے اپنی ضرورت کے لیے عدالت سے خالی کراکر اپنی دختر کلدن کے واسطے رہائش بنا کسی لالچ وطمع اور بغیر کسی رقم کے لیے اور بغیر کرایہ طے کیے ہوئے دیدیا اور میرا ارادہ نیچے کی منزل بھی خالی کراکر اپنے کسی بچے کو دے دینے کا ہے، اور یہ کام میں اپنی زندگی ہی میں کرنا چاہتی ہوں چونکہ زندگی مستعار ہے، اور ایک لمحہ کا بھی بھروسہ نہیں ہے، لیکن نیچے کے مکان میں جو صاحب رہتے ہیں بطور کرایہ داری کے تقریباً چودہ سال سے رہتے ہیں وہ مکان مذکور کو خالی کرنے پر تیار نہیں ہیں اور آمادۂ مقدمہ بازی ہیں، مجبوراً میں نے عدالت سے رجوع کیا ہے ایسی حالت میں کرایہ دار موصوف بغیر مالکہ کی رضا مندی کے مکان مذکورہ بالا میں شرعاً رہنے کے مستحق ہیں یا نہیں؟

المستفتیہ: نواب بیگم مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مالک جب کرایہ داری ختم کر کے اپنا مکان واپس لینا چاہے تو کرایہ دار پر لازم اور ضروری ہے کہ مکان خالی کر کے مالک کو واپس کردے ورنہ کرایہ دار شدید ظلم اور معصیت کا مرتکب ہوگا، اور مالک کی بغیر مرضی کے مکان میں رہنا جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ قدیم ۳/ ۲۵۷، جدید زکریا ۹/ ۲۸۵)

وللمؤجر بيعها اليوم وتبطل الإجارة به يفتىٰ الخ. (الدر المختار كتاب الإجارة كوئٹه ٥/ ٤ كراچی ٦/ ٦، زكريا ٩/ ٨)

(وقوله) والفتوىٰ على أنه يجوز البيع وتبطل الإجارة المضافة. (شامی قبيل كتاب المكاتب، كراچی ٦/ ٩٦، زكريا ٩/ ١٣٢، كوئٹه ٥/ ٦٦، حاشية چلبی على التبيين، امداديه ملتان٥/ ١٤٨، زكريا ٦/ ١٦٥، مجمع الأنهر قديم ٢/ ٣٦٩، دار

الکتب العلمیة بیروت ۳/ ۵۱۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم رجب المرجب ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۷۷۸)

چوری کی بجلی کرایہ پر لینا

سوال [۹۷۴۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید سلائی کا کام کرتا ہے اس کا اپنا میٹر بھی ہے، زید نے دوسری لائن بھی لے رکھی ہے جو کرایہ کی ہے، جہاں سے کرایہ پر زید نے بجلی لے رکھی ہے وہ بتی چوری کی ہے، اس چوری کی بتی کو زید کرایہ پر استعمال کرسکتا ہے یا نہیں؟ اگر اس کی اجازت نہیں ہے تو زید کیا کرے؟ ضرورت کے بقدر ایک لائن تو آتی نہیں، ایسی حالت میں زید کرایہ پر وہ بتی حاصل کرسکتے ہیں یا نہیں؟ اور اتنی گنجائش نہیں ہے کہ زید جنریٹر وغیرہ کا انتظام کرسکتا ہو، قرآن و حدیث کی روشنی میں مدلل جواب تحریر فرما کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔

المستفتی: محمد نعیم بڑا احاطہ اصالت پورہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: یہ جانتے ہوئے کہ یہ بجلی چوری کی ہے زید کے لیے استعمال کرنا جائز نہیں ہے، اس کے بجائے کوئی جائز طریقہ اختیار کرے ان شاء اللہ اسی میں برکت ہوگی۔ (مستفاد: آپ کے مسائل اوران کا حل قدیم ۶/ ۵۱، جدید زکریا ۷/۴، فتاویٰ محمودیہ قدیم ۶/ ۳۴۸، جدید ڈابھیل ۱۸/ ۴۳۷)

عن أبی هریرة عن النبی ﷺ أنه قال: من اشتریٰ سرقة و هو یعلم أنه سرقة فقد شرک فی عارها و إثمها. (المستدرك للحاکم، مکتبه نزار مصطفی الباز بیروت ۳/ ۸۵۲، رقم: ۲۲۵۳، المنصف لابن أبی شیبة، مؤسسة علوم القرآن بیروت ۱۱/ ۳۳۶، رقم: ۲۲۴۹۵، شعب الإیمان، دار الکتب العلمیة بیروت ۴/ ۳۸۹، رقم: ۵۵۰۰)

أما لو رأى المكاس مثلا يأخذ من أحد شيئا من المكس ثم يعطيه آخر ثم يأخذ من ذلك الآخر آخر فهو حرام. (شامی، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد، مطلب الحرمة تتعد، کراچی ۵/ ۹۸، زکریا ۷/ ۳۰۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍شعبان المعظم ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۴۰۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۸/۸/۹ھ

سرکاری زمین میں مکان تعمیر کرنا

سوال [۹۷۴۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ممبئی میں ایک شخص نے حسب معمول سرکاری زمین پر قابض ہوکر ایک کمرہ بنالیا اسے دیکھ کر کچھ متعلقین نے کہا کہ ہمیں بھی یہاں کمرہ بنوادیں، اس شخص نے کہا میرا فی کمرہ اتنا خرچ آیا ہے، اتنی رقم تم دیدو تمہارے کمرے بھی بن جائیں گے، لوگوں نے رقمیں دیں، لہٰذا کمرے بھی بنے، ابھی تکمیل ہونے ہی والی تھی کہ سرکاری عملہ آگیا، اوراس نے سارے کمروں کو مسمار کردیا، اورتمام سامان تعمیری جولاکھوں روپیوں کا تھامع زمین کے اپنی تحویل میں لے لیا، اس کے بعد ایک شخص آیا اس نے کہا میں تمہیں زمین کا قبضہ مع سامان دلاسکتا ہوں اور کاغذات بھی بنوادیتا ہوں، اس میں اتنی اتنی رقمیں خرچ ہوں گی، جولاکھوں میں تھی، مشورہ کیا تو لوگ راضی ہو گئے، رقم دیدی گئی، مگر وہ شخص بھی دھوکہ باز نکلا اور رقم لے کر بیٹھ گیا، کچھ کرکے نہ دیا، صورت مذکورہ میں کیا یہ رقم جو لوگوں کی تھی شرعی اعتبار سے سائل پر واجب الأدا ہوگی؟ جبکہ زمین کی نوعیت اور تعمیر سے سبھی واقف تھے، خیال رہے کہ اس میں سائل کو کوئی منافع کمانا مقصد نہیں تھا۔

المستفتی: قاری حسین احمد ممبئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: سرکاری زمین پر سرکار کی باضابطہ اجازت کے بغیر تعمیر کرنا درست نہیں تھا، اور بعد میں سرکاری عملہ کا آکر عمارت کو مسمار کرکے زمین کو قبضہ میں لینا ان کا حق تھا۔

عن سعید بن عمرو بن نفیل أن رسول الله ﷺ قال: من اقتطع شبراً من الأرض ظلماً طوقه الله إیاه یوم القیامة من سبع أرضین. (مسلم شریف، کتاب المساقات والمزارعة، باب تحریم الظلم وغصب الأرض، النسخة الهندیة ۲/۳۲، بیت الأفکار رقم: ۱۶۱۰، صحیح البخاری، کتاب المظالم، باب إثم من ظلم شیئا من الأرض، النسخة الهندیة ۱/۳۳۲، رقم: ۲۳۸۸، ف: ۲۴۵۲، سنن أبی داؤد، کتاب الأدب، باب من یأخذ الشیئ من مزاح، النسخة الهندیة ۲/۶۸۳، دار السلام رقم: ۵۰۰۳)

غصب من آخر دارا أو أرضا فبنی فیها أو زرع فیها زرعا فقلع صاحبها الزرع و هدم البناء لایضمن. (هندیه، کتاب الغصب، الباب الثانی، زکریا قدیم ۵/۱۲۵، جدید ۵/۱۴۶)

ومن بنی أو غرس فی أرض غیره بغیر إذنه أمر بالقلع والرد. (شامی کراچی ۶/۱۹۴، زکریا ۹/۲۸۳)

پھر اس کے بعد اسلم نامی آدمی کا زمین اور عملہ کی واپسی کی ذمہ داری کا پیسہ لینا اور پیسہ لے کر بیٹھ جانا اس کی طرف سے دھوکہ دہی ہے، شرعی طور پر اس پر لازم ہے کہ جس سے جتنا جتنا پیسہ لیا ہے اتنا اتنا سب کو واپس کردے، یا سرکار سے اس زمین کی منظوری کرادے۔

عن أبی حمید الساعدی أن رسول الله ﷺ قال: لایحل لمسلم أن یأخذ مال أخیه بغیر حق. (مجمع الزوائد، دار الکتب العلمیة بیروت ۴/۱۷۱، مسند أحمد بن حنبل ۵/۴۲۵، رقم: ۲۴۰۰۳)

لایجوز لأحد من المسلمین أخذ مال أحد بغیر سبب شرعی. (شامی، کتاب الحدود، مطلب: فی التعزیر بأخذ المال، کراچی ۴/۶۱، زکریا ۶/۱۰۶، البحر الرائق کوئٹه ۵/۴۱، زکریا ۵/۶۸، هندیه زکریا قدیم ۲/۱۶۷، جدید ۲/۱۸۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵؍صفر المظفر ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۸۸۲/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۲/۷ھ

کسی شخص کی مقبوضہ سرکاری زمین کو خفیہ طور پر اپنے نام کرانے کا حکم

سوال [۹۷۵۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے ایک دوکان پر اپنی تجارت کو جاری کیا جو واقعی حکومت کی جگہ ہے کیونکہ وہ نالہ کے کنارے پر ہے، ایک شخص نے اس کو اپنے نام کرالیا تھا، زید نے اس زمین کو نواب کے دور کی تاریخ ڈلوا کر اپنے نام کرالیا گویا کہ زید کے نام سے پہلے ہوئی اور دوسرے فریق کے نام بعد میں اب دریافت یہ کرنا ہے کہ اس پر شرعی اعتبار سے ملکیت کس کی ہے، شرعی دلائل سے مدلل فرمائیں؟

المستفتی: عبدالرحمٰن سول لائن رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب شروع ہی سے زید کا قبضہ چلا آرہا ہے اور حکومت نے زید ہی کو اجازت دے رکھی ہے اور دوسرے نے خفیہ طور پر اپنے نام کرالیا ہے، اس کا یہ عمل درست نہیں ہے، اور اس کی کاٹ کے لیے زید نے دوسرا خفیہ ہتھکنڈہ استعمال کیا کہ اس سے پہلے کی تاریخوں سے اپنے نام کرالیا تو اس معاملہ میں دونوں آدمی جھوٹے ہیں اس لیے دونوں میں سے کسی ایک کے بھی عمل کو صحیح نہیں کہا جائے گا، ہاں البتہ اگر زید نے حکومت کی اجازت سے تجارت شروع کی ہوتی پھر کوشش کرکے اپنے نام بھی کرالیا ہوتا تو یہ صحیح اور درست ہوجاتا۔

إن أذن له الإمام في ذٰلك و لو تركها بعد الإحياء و زرعها غيره فالأول أحق بها في الأصح. (تنویر الأبصار مع الشامی، کتاب احیاء الموات، کراچی ۶/، زکریا ۱۰/ ۵، ہندیہ زکریا قدیم ۵/ ۳۸۶، جدید ۴۴۳، تبیین الحقائق، امدادیہ ملتان ۶/ ۳۵، زکریا ۷/ ۷۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱/ محرم الحرام ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۶۴۰)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۱/۲۱ھ

سرکار کی طرف سے بھائی کو دی گئی زمین پر بہن کا قبضہ

سوال [۹۷۵۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید ایک معذور اور مفلس شخص ہے اس کی ایک بہن فاطمہ ہے جو مالی حیثیت سے ٹھیک ہے اب سرکار کی طرف سے کچھ زمین غریبوں اور معذوروں کو دی جاتی ہے ان کی مفلسی کی وجہ سے فاطمہ اپنے بھائی زید (جو مفلس ومعذور اور مستحق زمین ہے) کے نام سے وہ زمین لے لیتی ہے حالانکہ فاطمہ زمین کی مستحق نہیں ہے اور زید اپنے نام سے زمین دلانے پر راضی بھی ہے، اور سرکاری کارروائی مکمل کرانے میں جو خرچ ہوتا ہے اس کو فاطمہ ہی برداشت کرتی ہے، اور سرکاری کارروائی مکمل ہونے سے پہلے اور فاطمہ کو قبضہ دینے سے پہلے زید اور فاطمہ کے مابین جھگڑا ہو جاتا ہے جس کی بنا پر زید اپنے نام پر دلانے والی زمین کو اسے دینے سے انکار کر دیتا ہے اور اپنے قول سے رجوع کر لیتا ہے اور سرکاری کارروائی مکمل کرانے میں فاطمہ نے جو خرچ برداشت کیا تھا، زید اسے بھی فاطمہ کو واپس دینے پر راضی ہو جاتا ہے، لیکن فاطمہ نے زمین پر جبراً قبضہ کر لیا اس کے بعد زید کا انتقال ہو جاتا ہے، انتقال کے بعد زید کے ورثاء فاطمہ سے اس مقبوضہ زمین کا مطالبہ کرتے ہیں، آیا ان کا مطالبہ کرنا شریعت کی روشنی میں جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد شہزاد بجنوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: غریبوں کے لیے سرکار کی طرف سے دی جانے والی زمین میں سے زید مفلس غریب کے نام سے سرکار نے جو زمین دی ہے اس کا مالک صرف زید ہی ہے اور زید کے جتنے بھی شرعی ورثاء ہیں وہ سب اس میں حصہ شرعی کے حساب سے شریک ہوں گے، اور فاطمہ کا قبضہ اس زمین پر غاصبانہ ہے، لہٰذا فاطمہ پر یہ زمین زید کے ورثاء کو واپس کرنا لازم ہے۔

عن سعید بن زید بن عمرو بن نفیل أن رسول الله ﷺ قال: من أخذ شبرا من الأرض ظلما فإنه یطوقه یوم القیامة من سبع أرضین. (مسلم شریف، کتاب

المساقات والمزارعة، باب تحريم الظلم وغصب الأرض، النسخة الهندية ۲/ ۳۲، بيت الأفكار رقم: ۱٦۱۰، صحيح البخاری، كتاب المظالم، باب إثم من ظلم شيئا من الأرض، النسخة الهندية ۱/ ۳۳۲، رقم: ۲۳۸۸، ف: ۲٤٥۲، سنن أبی داؤد، كتاب الأدب، باب من يأخذ الشيئ من مزاح، النسخة الهندية ۲/ ٦۸۳، دار السلام رقم: ۵۰۰۳، مشكوٰة المصابيح ص: ۲۵۵)

عن عبد الله بن عمر عن النبی ﷺ قال: الكبائر: الإشراک بالله ...... واليمين الغموس. (صحيح البخاری، الأيمان والنذور، باب اليمين الغموس، النسخة الهندية ۲/ ۹۸۷، رقم: ٦٤١٩، ف: ٦٦٧٥)

عن جابر قال قال رسول الله ﷺ لا يحل لمسلم أن يأخذ مال أخيه بغير حق . (مجمع الزوائد، دار الكتب العلمية بيروت ٤/ ۱۷۱، مسند أحمد بن حنبل ٥/ ٤٢٥، رقم: ٢٤٠٠٣)

التركة ما بقی بعد الموت من ماله صافيا عن تعلق حق الغير بعينه. (دليل الوارث علی هامش السراجی ص: ۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹/ ذی قعدہ ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۲۲۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۱۱/۲۹ھ

جنگلات کی لکڑیاں سرکاری اجازت کے بغیر استعمال کرنا

سوال [۹۷۵۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہم لوگ جنگل میں رہتے ہیں اور جنگل کی لکڑی کاٹنے کا حکم نہیں ہے، مگر پھر بھی ہم ان کو جلاتے ہیں اور چارپائی بھی بناتے ہیں اور بہت سے کام کرتے ہیں، تو کیا اس لکڑی کا پکا ہوا کھانا درست ہوگا اور اس چارپائی پر لیٹنا درست ہوگا یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جنگلات کی لکڑیاں حکومت کی اجازت کے بغیر لا

کر استعمال کرنا جائز نہیں ہے، البتہ ان سے تیار کردہ کھانا اور چارپائی وغیرہ کا استعمال مباح ہے، لیکن ایسا عمل کرنا جس سے عزت وآبرو کو خطرہ لاحق ہو شرعاً درست نہیں۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۸/ ۱۲۵، فتاویٰ محمودیہ قدیم ۶/ ۳۵۳، جدید ڈابھیل ۱۸/ ۴۲۳)

بخلاف الأشجار لأن الكلأ ما لا ساق له والأشجار لها ساق فلا تدخل فيه حتى جاز بيعها إذا نبت في أرضه. (هنديه، كتاب البيوع، الباب التاسع، قبيل الفصل الثالث، زكريا قديم ۳/ ۱۱۰، جديد ۳/ ۱۱۱، شامي، باب البيع الفاسد، مطلب: استثناء الحمل في العقود على ثلاث مراتب، زكريا ۷/ ۲۵٦، كراچی ۵/ ٦٦، البحر الرائق كوئٹه ٦/ ۷۸، زكريا ٦/ ۱۲۷)

لايجوز التصرف في مال غيره بلا إذنه. (در مختار، كتاب الغصب، مطلب: فيما يجوز من التصرف بمال الغير، كراچی ٦/ ۲۰۰، زكريا ۹/ ۲۹۱، الأشباه كراچی ۲/ ۹۸، قواعد الفقه اشرفي ديو بند ص: ۱۱۰، الموسوعة الفقهية ۲۸/ ۲۹٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰؍ رجب المرجب ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۸۲۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۰/ ۷/ ۱۴۲۱ھ

انجانے میں دوسرے کی زمین میں لگائے گئے درخت کا حکم

سوال [۹۷۵۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص کی زمین تھی لیکن اس کو معلوم نہیں تھا کہ یہ زمین میری ہے، بلکہ یہ معلوم تھا کہ یہ زمین چیتو نامی غیر مسلم کی ہے اور اس نے الکھی نامی شخص کو ہبہ کر دیا ہے اور اس نے زمین میں آم کے درخت بھی لگا لیے اور برابر اس سے فائدہ اٹھاتا رہا ہے، تقریباً بیس سال کے بعد جب زمین کی پیمائش ہوئی اور نقشہ سامنے رکھا گیا تو معلوم ہوا کہ یہ زمین نجیب احمد صاحب کی ہے تو اب اس کا کیا حکم ہے؟ وہ درخت کس کے ہوں گے، نجیب احمد صاحب ان درختوں کو بغیر کسی چیز کے دیئے لے سکتے ہیں، یا نہیں؟ جبکہ الکھی اس سے مسلسل فائدہ

اٹھاتا رہا ہے اس کے پھلوں، لکڑیوں اور زمین سے، اگر ان درختوں کے بدلے کوئی چیز دینی پڑے تو پھر اس نے اتنے دنوں تک جو فائدہ اٹھایا ہے، اس کا کیا حکم ہوگا؟ عندالشرع ان درختوں کا لینا کیسا ہے؟ وہ درخت کس کے ہوں گے، بالتفصیل مع دلائل تحریر فرمائیں گے۔

المستفتی: نجیب احمد صاحب ضلع بہرائچ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں چیتو نامی غیر مسلم شخص ہی ان درختوں کا مالک ہے، نجیب احمد کا ان درختوں کو بلا معاوضہ لینا شرعاً درست نہیں، البتہ سالوں سے جو اس غیر مسلم نے زمین پر مالکانہ قبضہ کر رکھا تھا، اس کا کرایہ نجیب احمد کے لیے وصول کرنا شرعا درست ہے۔

عن سعيد بن زيد عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: من أحى أرضا ميتة فهي له وليس لعرق ظالم حق، وعن محمد بن المثنى قال: سألت أبا الوليد الطيالسي عن قوله ”وليس لعرق ظالم حق“ فقال: العرق الظالم الغاصب الذي يأخذ ماليس له، قلت: هو الرجل الذي يغرس في أرض غيره قال: هو ذاك. (سنن الترمذي، الأحكام، باب ما ذكر في أرض إحياء الموات، النسخة الهندية ۱/۲۵۶، دار السلام، رقم: ۱۳۹۴-۱۳۹۶)

ومن غرس في أرض غيره بغير إذنه أمر بالقلع – وعليه أجر مثل الأرض. (در مختار على شامي، كتاب الغصب، كراچی ۶/۱۹۴، زكريا ۹/۲۸۳، جامع الفصولين ۲/۱۵۹، هدايه اشرفی ديو بند ۳/۳۷۹، مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ۴/۸۷، تبيين الحقائق، امداديه ملتان ۵/۲۲۹، زكريا ديو بند ۶/۳۲۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹/ ذیقعدہ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۹۵۷)

غاصب کے مال سے اپنے حصہ کی مقدار وصول کرنا

سوال [۹۷۵۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: میرے مکان میں ایک شخص ۱۸؍سال قبل میری اجازت کے بغیر قابض ہوگیا اب کسی طرح اس مکان کا قبضہ مجھ کو مل گیا، اس مکان میں اس شخص کا کچھ سامان رہ گیا ہے جس کی مالیت میرے کرایہ سے جو آج سے ۱۸؍سال پہلے کسی شرعی پیسے سے کم تھی، اس سے بھی کم ہے، کیا میں اس سامان کو کرایہ میں مجریٰ سمجھ کر اپنے استعمال میں لاسکتا ہوں، شرعاً کیا حکم ہے؟

المستفتی: مٰنن محلہ نئی سڑک مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر باوجود مطالبہ کے آپ کا کرایہ ادا نہ کرے تو حاکم کی اجازت سے مجریٰ کر لینا درست ہے۔ (مستفاد: حاشیہ امداد الفتاویٰ ۳/ ۴۴۶، کفایت المفتی قدیم ۸/۱۶۳، جدید زکریا مطول ۱۱/ ۱۵۹)

إن عدم جواز الأخذ من خلاف الجنس کان فی زمانهم لمطاوعتهم فی الحقوق والفتویٰ الیوم علی جواز الأخذ عند القدرة من أی مال کان لا سیما فی دیارنا لمدواتهم العقوق. (شامی، کتاب الحجر، مطبوعہ کوئٹہ ۵/ ۱۰۵، کراچی ۶/ ۱۵۱، زکریا ۹/ ۲۲۱، کفایة السرقة ۳/ ۲۲۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴؍جمادی الثانیہ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/۲۴ ۷۶)

دوسرے کی زمین پر مکان تعمیر کرلیا تو اب کیا کرے؟

سوال [۹۷۵۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کسی کی زمین پر زبردستی مکان بنالیا گیا ہے تو ایسی صورت میں صاحب زمین اپنی زمین پر کیسے قبضہ کرے گا؟ مدلل تحریر کریں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب غاصب زمین پر قبضہ کر کے مکان بنائے تو

صاحب زمین کے لیے زمین پر قبضہ کرنے کی دوصورتیں ہیں ایک صورت یہ ہے کہ وہ غاصب کو مکان توڑ کر زمین خالی کرنے کا حکم دے دوسری صورت یہ ہے کہ اس سے صلح کرے اور مکان کو باقی رکھ کر غاصب کو مکان کے ملبے کی رقم دیدے۔ (مستفاد: محمودیہ ڈابھیل ۱۷/۱۴۴، میرٹھ ۲۸/۲۶)

عن سعيد بن زيد عن النبى ﷺ قال: من أحى أرضا ميتة فهى له وليس لعرق ظالم حق، وعن محمد بن المثنى قال: سألت أبا الوليد الطيالسى عن قوله ''وليس لعرق ظالم حق'' فقال: العرق الظالم الغاصب الذى يأخذ ماليس له، قلت: هو الرجل الذى يغرس فى أرض غيره قال: هو ذاک. (سنن الترمذى، الأحكام، باب ما ذكر فى أرض إحياء الموات، النسخة الهندية ۱/۲۵٦، دار السلام رقم: ۱۳۹٤-۱۳۹٦)

إن كان المغصوب أرضا فبنى الغاصب فيها بناء يؤمر بقلعها و رد الأرض. (شرح المجلة رستم باز اتحاد ديوبند ۱/۵۰۲، ماده نمبر ۹۰٦)

من غصب أرضا فغرس فيها أو بنى قيل له اقلع البناء والغرس و ردها...... فإن كانت الأرض تنقص بقلع ذٰلک فللمالک أن يضمن له قيمة البناء و قيمة الغرس مقلوعا ويكونان له لأن فيه نظراً لهما ودفع الضرر عنهما. (هدايه، كتاب الغصب، فصل فيما يتغير بفعل الغاصب، اشرفى، ۳/۳۷۹، شامى، كتاب الغصب، كراچى ٦/۱۹٤، زكريا ۹/۲۸٤، مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ٤/۸۷، تبيين الحقائق، زكريا ديوبند ٦/۳۲۹، امداديه ملتان ۵/۲۲۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲ر ربیع الاول ۱۴۳۵ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۱۱۴۵۵/۴۰)

ایک شخص نے دوسرے کی زمین زبردستی جوت لی تو کیا کرے؟

سوال [۹۷۵٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کسی شخص نے دوسرے شخص کی زمین پر اس کی اجازت کے بغیر زمین کو جوت کر کھیتی کا غلہ بودیا، اوراسی غلہ سے پیداوار ہوگئی اب سرکاری دباؤ کے ذریعہ سے اسی درمیان صاحب زمین کو زمین پر قبضہ مل گیا تو اب مذکورہ صورت میں کھیت کا غلہ کس کو ملے گا اور کھیتی کرنے والے کو کیا ملے گا؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب مالک زمین نے اپنی زمین پر قبضہ کرلیا تو وہ بلا اجازت کھیتی کرنے والے کو کھیتی کاٹنے کا حکم دے سکتا ہے اور زبردستی کھیتی کرنے والے پر مالک زمین کو اتنی مدت کا زمین کا کرایہ دینا لازم ہے، یہ حکم قضاء ہے لیکن اگر یہ دونوں مصالحت کریں اور مالک زمین کھیتی کو رکھ لے اور غاصب کو اس کھیتی میں خرچ ہونے والی رقم ادا کردے تو جائز ہے۔

عن رافع بن خديج أن النبي ﷺ قال من زرع في أرض قوم بغير إذنهم فليس له من الزرع شيئ و له نفقته. (ترمذی شریف، أبواب الأحكام، باب ماجاء من زرع في أرض قوم بغير إذنهم، النسخة الهندية ۱/۲۵۳، دار السلام رقم: ۱۳٦٦)

ما حصل من الزرع فهو لصاحب البذر و عليه أجرة الأرض من يوم غصبها إلى يوم التفريغ. (هامش الترمذی، ابواب الأحكام، باب ما جاء من زرع في أرض قوم بغير إذنهم، رقم الحاشية: ۱۵/۲۵۳)

مذهب الجمهور: أن الزرع لمن زرع فيها و لصاحب الأرض المؤنة والأجرة. (التقرير للترمذی ص: ۳۹)

من زرع في أرض قوم بغير إذنهم قال أبو حنيفة أن الزرع تبع البذر فإذا زرع في أرض مغصوبة فالغاصب له الخارج بملك خبيث و عليه كراء الأرض. (العرف الشذی ۱/۲۵٤)

فحكم القضاء أنه إن أدرك الزرع فهو للغاصب و عليه ضمان نقصان الأرض. (اعلاء السنن، كتاب الغصب، باب الزرع في الأرض المغصوبة، كراچی ۱٦/۳۲۹، دار الكتب العلمية بيروت ۱٦/۳۹۱)

ينبغي أن يحمل الحديث على حكم المصالحة ويقال أنه ﷺ قضى

بهٰذا الحكم على وجه المصالحة لكونه أنفع الفريقين. (إعلاء السنن، كراچی ۳۲۹/۱۶، دار الكتب العلمية بيروت ۳۹۱/۱۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍ربیع الاول ۱۴۳۵ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۱۱۴۵۶/۴۰)

دوسرے کی مملوکہ زمین پر عرس کے لیے مزار تعمیر کرنا

سوال [۹۷۵۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں نے ۷؍جنوری ۱۹۷۵ء کو محمد شاہ رحمت شاہ اور ننھے شاہ سے ۱۶۵ گز مربع آراضی خریدی تھی، جس کا بیع نامہ منسلک ہے، آراضی کے متصل پچھّم جانب چاہ پختہ میونسپل بورڈ کا ہے اور اس سے متصل ایک مزار ہے اس آراضی کی ۱۰۰ گز زمین میں نے بیچ دی تھی، اور تقریباً ۶۵؍گز زمین باقی ہے، جس پر مجاور مزار نے ۷۸-۱۹۷۷ء سے غاصبانہ قبضہ کر رکھا ہے اور چاہ پختہ کے لیے میونسپل بورڈ سے مزار کے نام پر اجازت لے لی ہے اور اس پر عرس کے لیے مکان بنانا چاہتا ہے، جس میں میری آراضی بھی آرہی ہے، اور میں دینا نہیں چاہتا۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس طرح میری ملکیت کی زمین پر قبضہ غاصبانہ کر لینا اور اس کو مزار کے لیے مکان میں شامل کرنا جائز ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوالنامہ میں درج شدہ صورت میں آپ کی مرضی کے بغیر آپ کی مملوکہ آراضی پر مجاور مزار کا قبضہ غاصبانہ کر کے ذاتی یا عرس کے لیے مکان تعمیر کرنا ناجائز اور حرام ہے، مجاور مزار پر واجب ہے کہ آپ کی زمین کو واپس کر دے ورنہ عند اللہ سخت ترین دردناک عذاب کا مستحق ہوگا۔

عن سعيد بن زيد بن عمرو بن نفيل أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: من أخذ شبراً من الأرض ظلما فإنه يطوقه يوم القيامة من سبع أرضين. (مسلم شريف، كتاب

المساقات والمزارعة، باب تحريم الظلم وغصب الأرض، النسخة الهندية ٢/٣٢، بيت الأفكار رقم: ١٦١٠، صحيح البخارى كتاب المظالم، باب إثم من ظلم شيئا من الأرض، النسخة الهندية ١/٣٣٢، رقم: ٢٣٨٨، ف: ٢٤٥٢، سنن أبى داؤد، كتاب الأدب، باب من يأخذ الشيئ من مزاح، النسخة الهندية ٢/٦٨٣، دار السلام رقم: ٥٠٠٣، مشكوٰة شريف ١/٢٥٤)

الغصب (إلى قوله) أنه حرام محرم على الغاصب ذٰلک و حکمه وجوب رد المغصوب إن كان قائما الخ. (البحر الرائق، كتاب الغصب، كوئٹه ٨/١٠٨، زكريا ٨/١٩٦، هكذا الدر المنتقى قديم ٢/٤٥٥، جديد دار الكتب العلمية بيروت ٤/٧٨ مجمع الأنهر قديم ٢/٤٥٥، جديد دار الكتب العلمية بيروت ٤/٧٨، هكذا فى الهندية زكريا قديم ٤/١١٩، جديد ٥/١١٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰؍رجب المرجب ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/۷۹۵)

غیر کی آراضی میں اس کی اجازت کے بغیر قبریں بنانا اور مردے دفن کرنا

سوال [۹۷۵۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرا ذاتی مکان تھا لوگوں نے وہ مکان مجھے اکیلا سمجھ کر میری غیر موجودگی میں بالکل مسمار کردیا، اور سب محلے والوں نے سازش کر کے چند فرضی قبریں بنادیں، اب آئندہ اس میں مردے دفن کرنے کا باقاعدہ پروگرام ہے تو کیا کسی کی آراضی میں کسی مسلمان کو بغیر اس کی اجازت کے دفن کرنا جائز ہے، نیز اگر اس میں زبردستی دفن کردیا جائے تو پولیس کی مدد سے اس قبر کو اکھاڑ کر اس مردے کو کہیں اور دفن کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد یاسین پہلوان، مغل پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اسلامی شریعت میں کسی کی زمین میں مالک کی

اجازت اوراس کی مرضی کے بغیر مردہ دفن کرنا جائز نہیں ہے، اور دفن کرنے والے شرعاً غاصب ہیں، اور مالک کو اختیار ہے کہ مردہ کے ادب کو ملحوظ رکھتے ہوئے قبر سے نکال کر دوسری جگہ منتقل کرا دے اوراگر ورثاء منتقل نہ کریں اور نہ ہی مالک زمین کو منتقل کرنے دیتے ہیں تو ایسے حالات میں مالک زمین کو اختیار رہے کہ قبر کی زمین کو برابر کرکے اپنے استعمال میں لائے، نیز بصورت مجبوری پولیس کی مدد سے بھی یہ کام کیا جا سکتا ہے۔

إذا دفن الميت فی أرض غيره بغير إذن مالكها، فالمالك بالخيار إن شاء أمر بإخراج الميت و إن شاء سوى الأرض وزرع فيها الخ. (فتاویٰ عالمگیری، باب الجنائز، الفصل السادس، زکریا قدیم ۱/۱۶۷، جدید ۱/۲۲۸، تبیین الحقائق امدادیه ملتان ۱/۲۴٦، زکریا دیوبند ۱/۵۸۸، در مختار الشامی کراچی ۲/۲۳۸، زکریا دیوبند ۳/۱٤۵، البحر الرائق زکریا ۲/۳٤۱، کوئٹه ۲/۱۹۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍صفر المظفر ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/ ۲۵٦۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۲/۲/۲۹ھ

تعزیہ رکھنے کے لیے کسی کا گھر چھیننا

سوال [۹۷۵۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ خالد کے گھر میں تعزیہ رکھا جاتا ہے اب اس کو معلوم ہوا تعزیہ کے حرام ہونے کے بارے میں اور جس وقت تعزیہ رکھنے کی اجازت دی تھی تو اس وقت خالد کے پاس گھر زائد تھے، لیکن اب اس کے پاس گھروں کی کمی ہے تو اس نے تعزیہ رکھنے سے لوگوں کو منع کیا تو گاؤں والے لوگ اس کا ایک گھر چھین لینا چاہتے ہیں تو کیا خالد کو اپنا گھر بچانے کے لیے اور ان لوگوں کو تعزیہ رکھنے کے لیے دوسری جگہ خرید کر دینا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: علی احمد رامپوری، متعلم مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اپنا حق بچانے کے لیے دوسری جگہ خرید کر دینا جائز ہوگا،

اس زمین میں جولوگ ناجائزاور خلاف شرع حرکات کرنے والے ہوں گے، وہ لوگ گنہگار رہوں گے، زمین خرید کردینے والے پر کوئی گناہ نہیں ہوگا، کیونکہ شرعاً یہ صلح عن الانکار ہے جو جائز ہے۔

الصلح على ثلاثة أضرب: صلح مع إقرار، و صلح مع سكوت، وهو لا يقر المدعى عليه ولاينكر و صلح مع إنكار و كل ذلك جائز لإطلاق قوله تعالىٰ "الصلح خير" (إلى قوله) **لأن المدعى يأخذه عوضا عن حقه فى زعمه وهذا مشروع والمدعى عليه يدفعه لدفع الخصومة عن نفسه وهذا مشروع أيضا إذا المال و قاية الأنفس ودفع الرشوة لدفع الظلم أمر جائز.** (هدايه، كتاب الصلح، اشرفى ديوبند ٣/٢٢٩، مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ٣/٤٢٣)

وكما استفاد عن عبارة الشامى ولو آجر نفسه ليعمل فى الكنيسة و يعمرها لا بأس به لأنه لا معصية فى عين العمل. (شامى، كتاب الحظر والإباحة، فصل فى البيع، كراچى ٦/٣٩١، زكريا ٩/٥٦٢)

فلو ادى مجرىٰ فى دار أو مسيلا على سطح أو شربا فى نهر فأقر أو أنكر ثم صالحه على شئ معلوم الخ. (شامى، كتاب الصلح، كراچى ٥/٦٣٠، زكريا ديوبند ٨/٤٠٨) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶؍صفر المظفر ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/۱۱۳۶)

ناجائز طریقہ سے حاصل شدہ زمین سے انتفاع اور صدقہ وخیرات کرنا

سوال [۹۷۶۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: جو زمین ناجائز طریقہ سے حاصل کی گئی ہو اس کی پیداوار سے کھانا یا کسی طرح کا فائدہ اٹھانا یا کرانا مثلاً اس زمین کی پیداوار اور جو اس شخص کے قبضہ میں ہے کسی شخص کو بطور امداد دینا جائز ہے یا نہیں؟ اور اس کی پیداوار کا کیا حکم ہے؟ جائز ہے یا نہیں؟ اور اس سے

صدقہ وخیرات کر سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتی: محمد شفیع بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس کی زمین ہے اس کو واپس کر دینا واجب ہے، مالک کی بلا اجازت اس کی پیداوار سے کھانا، فائدہ اٹھانا، اور بنیت ثواب اس میں سے صدقہ وخیرات کرنا یا کسی کو بطور امداد دینا سب ناجائز ہے، بلکہ اصل مالک کو واپس کرنا واجب ہے، مگر مالک تک رسائی کی کوئی شکل نہ ہو تو بلا نیت ثواب فقراء کو دید ینا لازم ہے، اپنے تصرف میں لانا جائز نہیں ہے۔

صرح الفقهاء بأن من اكتسب مالا بغير حق فإما أن يكون كسبه بعقد فاسد كالبيوع الفاسدة، والاستئجار على المعاصى، والطاعات أو بغير عقد كالسرقة والغصب والخيانة والغلول ففى جميع الأحوال المال الحاصل له حرام عليه ولكن إن أخذه من غير عقد ولم يملكه يجب عليه أن يرده على مالكه إن وجد المالك (إلى قوله) **لايمكنه أن يرده إلى مالكه و يريد أن يدفع مظلمته عن نفسه فليس له حيلة إلا أن يدفعه إلى الفقراء.** (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، مكتبه يحىٰ سهارنپور ۱/۳۷، دار البشائر الاسلاميه بيروت ۱/۳۵۹، تحت رقم الحديث: ۵۹)

اور اس مال سے صدقہ وخیرات کرنے سے ثواب نہیں مل سکتا۔

فيلزم عليه أن يدفعه إلى الفقراء ولكن لا يريد بذٰلك الأجر والثواب ولكن يريد دفع المعصية عن نفسه . (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، مكتبه يحىٰ سهارنپور ۱/۳۷، دار البشائر الاسلاميه بيروت ۱/ ۳٦۰، تحت رقم الحديث: ۵۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲ رجمادی الاولی ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ٦٦۸)

۳۳ کتاب الرهن

زمین کو رہن پر رکھنا

سوال [۹۷۶۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے یہاں عام رواج ہے کہ کسی ضرورت کے موقع پر اپنی زمین بطور رہن دوسرے کو دیدیتے ہیں اور قرض لے کر اپنی ضروریات میں استعمال کرتے ہیں اور جب روپئے کا انتظام ہو جاتا ہے تو روپئے واپس دے کر زمین اپنے قبضہ میں کر لیتے ہیں، اس دوران مرتہن زمین سے فائدہ اٹھاتا رہتا ہے، کھیتی کرتا ہے، تو کیا ایسی صورت میں یہ طریقہ درست ہے؟ اور مرتہن کا فائدہ اٹھانا یا مدت متعینہ تک کے لیے زمین کو رکھنا یا جب کھیتی کھڑی ہو اس وقت زمین واپس کر سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتی: عبداللہ مدھوبنی متعلم مدرسہ شاہی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ضرورت کی وجہ سے اپنی زمین دوسرے کو رہن کے طور پر دینا اور اس سے قرض لینا جائز ہے اور قرض کی ادائیگی کے بعد اپنی زمین کو واپس بھی لے سکتا ہے، لیکن مرتہن کے لیے مرہونی زمین سے نفع اٹھانا جائز نہیں ہے۔

عن فضالة بن عبيد صاحب النبي ﷺ أنه قال: كل قرض جر منفعة فهو وجه من وجوه الربا. (السنن الكبرىٰ للبيهقي، البيوع، باب كل قرض جر منفعة فهو ربا، دار الفكر ۲۷٦/۸، رقم: ۱۱۰۹۲)

عن علي رضي الله عنه قال كل قرض جر منفعة فهو ربا. (كنز العمال، الدين و السلم، دار الكتب العلمية بيروت ۹۹/٦، رقم: ۱۵۵۱۲، جامع الأحاديث الكبير للسيوطي ٤۳۸/٦، رقم: ۱۵۸۲۱)

لایحل للمرتهن أن ینتفع بشيئ منه بوجه من الوجوه و إن أذن له الراهن لأنه أذن له في الربا. (شامی، کتاب الرهن، زکریا ۱۰/۸۳، کراچی ۶/۴۸۲، مطلب: کل قرض جر نفعا حرام، زکریا ۷/۳۹۵، کراچی ۵/۱۶۶، مجمع الأنهر مصری قدیم ۲/۵۸۸، دار الکتب العلمیة بیروت ۴/۲۷۳، ۲۷۴) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸؍ربیع الثانی ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۸۷۹۵)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۸/۴/۱۴۲۶ھ

والد کے رہن میں رکھے ہوئے مکان کو لڑکا چھڑالے تو کیا حکم ہے؟

سوال [۹۷۶۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک صاحب ماسٹر نذیر احمد مرحوم ایک سو چھبیس گز کے ایک مکان کے مالک تھے، انہوں نے اپنی ضرورت سے اس مکان کو ۱۹۳۶ء میں ساہوکار کے پاس رہن رکھ دیا، بعد کو ان کا انتقال ہو گیا، ان کے وارثوں کی تفصیل یہ ہے کہ عبد اللطیف، عبد السلام دو لڑکے، مسماۃ اختری بیگم ایک لڑکی اور ایک اپنی بیوہ مسماۃ امیر اًیہ کل چار وارث چھوڑے، مکان میں سب کی رہائش تھی، ۱۹۴۳ء میں عبد السلام نے ساہوکار کا تمام روپیہ مع سود کے ادا کر دیا، ساہوکار نے کاغذ کی پشت پر لکھ دیا کہ میں نے اپنا روپیہ وصول کر کے کاغذ عبد السلام کو واپس کر دیا، لڑکی شادی کے بعد اپنے گھر چلی گئی تھی، بعد ازاں عبد السلام نے اسی ۱۲۶؍گز کے کل مکان کو ۱۹۷۵ء میں اپنی بیوی مسماۃ جمیلہ بیگم کو ہبہ زبانی وتحریری کر دیا، اب ۱۹۸۸ء میں اس مکان کے صرف ۴۴؍گز کو اپنا حصہ مان کر ایک دیگر شخص کو فروخت کر دیا، اور رجسٹری کروالی، جمیلہ بیگم کا کہنا ہے کہ مکان سب میرا ہے، عبد السلام ہبہ کے منکر ہیں، جبکہ کاغذ پر جو دستخط ہیں انہیں کے ہیں، درج ذیل سوال کا جواب مطلوب ہے۔

کیا عبد السلام کل مکان کے مالک تھے، کیا یہ صرف انہیں کا ترکہ تھا؟

المستفتی: عبد القیوم انصاری مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اپنے پیسے سے باپ کا رہن چھڑانے کی وجہ سے عبد السلام پورے مکان کے مالک نہیں بن سکتے ہیں بلکہ اس مکان میں تمام ورثاء کا حق ہے البتہ رہن چھڑانے میں جو رقم خرچ ہوئی ہے ورثاء سے اپنے اپنے حصہ کے بقدر منہا کر کے لے سکتے ہیں صرف پورے مکان میں ۲/۲۰-۴۴ گز عبد السلام کو مل سکتا ہے مابقیہ دوسرے ورثاء کا حق ہے۔

ولو قضى الولد دين أبيه وأفتك الرهن لم يكن متبرعا ويرجع بجميع ما قضى على أبيه لأنه مضطر إلى قضاء الدين (إلى قوله) فكان له أن يرجع عليه بما قضى الخ. (بدائع الصنائع، كتاب الرهن، كراچی ١٣٦/٦، زكريا ١٩٦/٥، هنديه زكريا قديم ٤٣٢/٥، جديد ٤٨٩/٥)

لايبطل الرهن بموت الراهن و لابموت المرتهن ولا بموتهما ويبقى الرهن رهناً عند الورثة. (الدر مع الرد، كتاب الرهن، قبيل فصل فى مسائل متفرقة، زكريا ١٤٢/١٠، كراچى ٥٢٠/٦، هنديه زكريا قديم ٤٣٨/٥، جديد ٤٩٤/٥، تنقيح الفتاوىٰ الحامدية دار الكتب العلمية ٢٣٨/٢، لسان الحكام ٣٧٥/١، مجمع الضمانات ١٠٤/١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳/صفر المظفر ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۱۱۰۸)

رہن بالدرک باطل کیوں؟ جبکہ کفالت بالدرک باطل نہیں؟

سوال [۹۷۶۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ رہن بالدرک جائز نہیں ہے اس کے ناجائز ہونے کی وجہ کیا ہے؟ اس کے برخلاف کفالت بالدرک جائز ہے، اس کے جواز کی کیا وجہ ہے؟ واضح فرمائیے۔

المستفتی: ذاکر اللہ میسور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: رہن بالدرک کی صورت یہ ہوتی ہے کہ بائع نے مشتری کوکوئی چیز فروخت کی اور مشتری کے حوالہ کردی، لیکن مشتری کوخوف ہے کہ اس کا کوئی مستحق نہ نکل آئے تو اس لیے اس نے بائع سے ثمن کے عوض کوئی چیز رہن رکھ لی، اور رہن کا مقصد یہ ہے کہ مبیع کے استحقاق کے وقت اس شئ مرہون سے ثمن کا ضمان حاصل کرلے، یہ رہن بالدرک ہے جس کو فقہاء کرام نے باطل قرار دیا ہے، اوراس کے بطلان کی وجہ یہ ہے کہ رہن ادائیگی کو پختہ کرنے کے لیے ہوتا ہے لیکن کسی چیز کے وجوب اور ثبوت سے پہلے اس چیز کی ادائیگی ممکن نہیں ہے، اس لیے رہن بالدرک شرعاً باطل ہے اس کے برخلاف کفالت بالدرک جائز ہے، اس کے جواز کی وجہ یہ ہے کہ کفالت مطالبہ کو لازم کرنے اور افعال کو لازم کرنے کے لیے ہوتا ہے، مطالبہ اور افعال کا زمانۂ مستقبل پر معلق کرنا اور منسوب کرنا جائز ہے، جیسا کہ صوم منذور اور صلاۃ منذورہ کا زمانۂ مستقبل پر معلق کرنا درست ہے اسی طرح کفالت بالدرک بھی جائز اور درست ہے۔

قال: والرهن بالدرک باطل، والكفالة بالدرک جائزة، والفرق أن الرهن للاستيفاء ولا استيفاء قبل الوجوب وإضافة التمليک إلى زمان في المستقبل لا تجوز. (هدايه، كتاب الرهن، اشرفی ۴/۵۲۷، بنايه اشرفيه ديوبند ۱۲/۵۰۱)

صورته: أن يبيع شيئا ويسلمه إلى المشترى فيخاف المشترى أن يستحقه أحد فيأخذ من البائع رهنا بالثمن. (هامش الهداية اشرفی ديوبند ۴/۵۲۷)

يراد به ضمان الثمن عن استحقاق المبيع. (البناية اشرفيه ۱۲/۵۰۱)

والكفالة بالدرک جائزة ...... أما الكفالة فلالتزام المطالبة والتزام الأفعال يصح مضافا إلى المآل كما في الصوم والصلاة ولهذا تصح الكفالة. (هدايه اشرفی ۴/۵۲۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍شعبان المعظم ۱۴۳۴ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۲۳۷)

شئ مرہون کے چھڑانے میں لگی رقم سے زائد رقم وصول کرنا

سوال [۹۷۶۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مسمی یعقوب علی نے چندہ بیگم سے ایک مکان بذریعہ رجسٹری خرید کیا، جس میں شرط یہ تھی کہ ۵/سال کے بعد مکان واپس کردیا جائے، اب ۲۲/سال کے بعد چندہ بیگم یہ چاہتی ہیں کہ یہ مکان انہیں واپس مل جائے، تو یعقوب علی نے یہ شرط لگائی کہ پانچ سال کا عرصہ کم کرکے ۱۷/سال کا ۳۰۰/روپیہ ماہوار کے حساب سے چندہ بیگم سے مکان کا کرایہ وصول کرکے ان کے نام رجسٹری کرسکتا ہوں، واضح رہے کہ ۲۲/سال کے عرصہ کے درمیان چندہ بیگم اس مکان سے فائدہ اٹھاتی رہیں کچھ فروخت کیا اور کچھ کرایہ داری وغیرہ پر دیا اور اسی وقت سے اب تک رہائش بھی اختیار کررکھی ہے، اوراس وقت بھی مکان اونچی پوزیشن پر ہے، شرعی مسئلہ تحریر فرمائیں کہ یعقوب علی کرایہ وصول کرسکتے ہیں یا نہیں، یا جواز کی کیا شکل ہوسکتی ہے؟

نوٹ: یہ مکان ایک بنئے کے پاس رہن تھا یعقوب علی نے بنئے سے اس کی رقم ادا کرکے اپنے نام رجسٹری کروالیا تھا اور چندہ بیگم نے رجسٹری کردی تھی۔

المستفتی: محمد یعقوب علی محلّہ مغل پورہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوالنامہ کے نوٹ سے معلوم ہوا کہ یعقوب علی صاحب نے چندہ بیگم سے باقاعدہ خریدا نہیں ہے بلکہ اس رہن کے مکان جس کو چھڑانے سے چندہ بیگم عاجز ہوگئی تھی، یعقوب علی نے چندہ بیگم کی اجازت سے اس کو اپنے نام سے چھڑوالیا تھا، لہٰذا اب شرعی حکم یہ ہوگا کہ یعقوب علی نے جتنی رقم دے کر رہن کا مکان چھڑایا ہے اتنی ہی رقم چندہ بیگم سے وصول کرکے مکان چندہ بیگم کے حوالہ کرسکتا ہے اور سوالنامہ میں جو ۳۰۰/سوروپیہ ماہانہ کا طریقہ لکھا ہے وہ شرعاً غلط ہے۔

ولو أن الراهن عجز عن فكاك الرهن فقضى المعير دين الراهن كان للمعير ان يرجع على الراهن بقدر ما سقط من الدين عند الهلاک ولایرجع

بأكثر من ذلك. (فتاویٰ قاضی، خان، كتاب الرهن فصل فيمن يرهن مال الغير، زكريا جديد ٣/٥١٤، وعلى هامش الهندية ٣/٦٠٤، مجمع الضمانات ١/٦٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸/ربیع الاول ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۹/ ۲۳۸۵)

شئ مرہونہ کے حفاظت کی اجرت

سوال [۹۷۶۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: جدید اسلامی بیت المال یا مسلم فنڈ میں زیور رکھ کر قرض دیا جاتا ہے اور زیور کی رکھوالی اور حفاظت کے بدلے معمولی اجرت لی جاتی ہے تو کیا یہ اجرت لینا جائز ہے اگر جائز ہے تو کیا اس طرح کے ادارے کچھ لوگ کمیٹی بنا کر تنہا تجارت کے طور پر چلا سکتے ہیں، جس میں غریب عوام کا بھی فائدہ ہو اور ادارہ چلانے والے کو بھی فائدہ پہنچے؟

المستفتی: وکیل احمد نگینہ بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: (۱) گروی رکھی اشیاء کی حفاظت کی اجرت ظاہر روایت کے مطابق لینے کی گنجائش ہے۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۱/۱۷۱)

وأجرة البيت الذى يحفظ فيه الرهن على المرتهن و كذلك أجرة الحافظ والراعى (إلى قوله) وهذا فى ظاهر الرواية. (هدايه، كتاب الرهن، اشرفى ٤/٥٢٣)

وعن أبى يوسف أن كراء الماوىٰ على الراهن بمنزلة النفقة. (هدايه، كتاب الرهن، اشرفى ٤/٥٢٣)

(۲) اس طرح کے ادارے تجارت وغیرہ کی غرض سے چلانے کی اجازت نہیں ہے البتہ اگر مسلمانوں کو سودی لین دین سے بچانے اور ان کو فائدہ پہنچانے کی غرض سے چلائے جائیں تو اس کی اجازت ہے، اور مسئولہ صورت میں چونکہ سودی لین دین سے بچانا مقصود

نہیں، بلکہ تجارت مقصود ہے، اس لیے ایسے اداروں کے قیام کی شرعاً اجازت نہیں ہے۔

عن فضالة بن عبيد صاحب النبي ﷺ أنه قال: كل قرض جر منفعة فهو وجه من وجوه الربا. (السنن الكبریٰ للبيهقي، البيوع، باب كل قرض جر منفعة فهو ربا، دار الفكر ۸/۲۷٦، رقم: ۱۱۰۹۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵ / رجب المرجب ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ٦۸۵٦)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۵ / ۷ / ۱۴۲۱ھ

مرتہن کے پاس شئ مرہون ضائع ہوجائے تو کیا حکم ہے؟

سوال [۹۷٦٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں نے ایک شخص سے بطور قرض پچاس ہزار روپئے لیے اور اس کے عوض اپنی بیوی کے زیورات جو تقریباً گیارہ تولے سونے کے تھے، ان کے پاس رکھ دیئے، کچھ سال بعد ہمارے اور ان کے درمیان یہ بات ہوئی کہ آپ کے روپئے دے کر میں اپنے زیورات واپس لینا چاہتا ہوں، تو ان صاحب نے کہا کہ زیورات کو میں نے تلاش کیا، مگر مل نہیں رہے ہیں، اور اب پرانے حساب سے اپنے زیورات کے روپئے لے لو جبکہ اس وقت سونے کا بھاؤ ساڑھے چار ہزار روپئے تولہ تھا تو کیا ان کا قول وعمل درست ہے؟ جبکہ میں اپنا سونا لینا چاہتا ہوں، جواب سے سرفراز فرمائیں۔

المستفتی: عبد السلام لکڑی کا احاطہ اصالت پورہ مراد آباد

دار العلوم دیوبند کا جواب

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آپ (راہن) کا مطالبہ درست ہے، وہ صاحب (مرتہن) اگر زیورات مل جائیں تو زیورات دیدیں اور ظاہر ہے کہ اس صورت میں تو

کوئی نزاع ہی نہیں اگر زیورات مرہونہ نہیں ملتے تو سونے کی موجودہ (بوقت ادائیگی) قیمت کو محسوب کر کے ادائیگی کریں۔

فتاویٰ محمودیہ میں ہے کہ جس وقت رہن کا معاملہ ختم کیا جارہا ہے، اس وقت کی قیمت کا اعتبار ہوگا......اگر زیور ڈوب گیا اور رہن ختم کر دیا گیا تو اس کی موجودہ قیمت لازم ہوگی۔ (مستفاد محمودیہ ۲۰/ ۱۴۰)

وفی شرح المجلة الوديعة متی وجب ضمانها فإن كانت من المثليات تضمن بمثلها وإن كانت من القيميات تضمن بقيمتها يوم لزوم الضمان.

(شرح المجلة، رستم اتحاد ۱/ ٤٤٦، رقم: المادة: ۸۰۳) **فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: محمود الحسن بلند شہری غفرلہ، دار العلوم دیوبند
۱۸/۱۱/۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۷۵۵)

الجواب صحیح
فخر الاسلام عفی عنہ
حبیب الرحمٰن عفا اللہ عنہ

جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مراد آباد کا جواب

[۹۷۶۷]:

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سائل نے سوالنامہ میں جو واقعہ ذکر فرمایا ہے اس کو شریعت میں معاملۂ رہن کہا جاتا ہے اور اردو میں ”گروی رکھنے کا معاملہ“ کہا جاتا ہے، یعنی اپنا سامان زیور یا کوئی دوسری اشیاء گروی میں رکھ کر بطور قرض پیسہ لیا اور جب قرض کا پیسہ واپس ہو جائے گا تو گروی میں رکھی ہوئی چیز واپس ہو جائے گی اور اس طرح کے رہن کا معاملہ پیش آجانے کے بعد اگر گروی میں رکھی ہوئی چیز ہلاک ہو جائے یا ڈوب جائے یا چوری ہو جائے یا ضائع ہو جائے تو ایسی صورت میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ تو اس سلسلے میں کتب فقہ میں اس حکم کی صراحت موجود ہے کہ اس کا حکم یہ ہے کہ جس دن وہ شئ یعنی زیورات رکھ کر پیسہ لیا گیا ہے اس دن کی قیمت کا اعتبار ہوگا، لہٰذا سائل نے جو واقعہ لکھا ہے اس واقعہ میں جس وقت گیارہ تولہ

سونا گروی میں رکھ کر پچاس ہزار روپۓ بطور قرض لیے تھے، اس وقت سونے کی جو قیمت تھی اس قیمت کے اعتبار سے حساب لگانے کا حکم ہے اور سائل کی تحریر کے مطابق گروی رکھتے وقت سونے کا بھاؤ ساڑھے چار ہزار روپۓ فی تولہ تھا، تو اس حساب سے گیارہ تولہ کی قیمت ساڑھے انچاس ہزار بیٹھتی ہے، اور سائل کے کہنے کے مطابق جس شخص کے پاس سونا رکھا تھا اس کے ہاتھ سے سونا ضائع ہو چکا ہے، لہٰذا اس کے دیئے ہوئے پچاس ہزار کے قرض میں سے ساڑھے انچاس ہزار سونے کی قیمت میں مجریٰ ہو جائے گا قرض لینے والے کے اوپر پانچ سو روپۓ واپس کرنا لازم ہوگا، اس حکم کی صراحت فتاویٰ کی مشہور کتاب فتاویٰ تاتارخانیۃ، فتاویٰ عالمگیری، اور محیط برہانی میں صاف الفاظ کے ساتھ موجود ہے، ملاحظہ فرمایئے:

لو هلك المرهون في يد المرتهن أو في يد العدل ينظر إلى قيمته يوم القبض و إلى الدين فإن كان قيمته مثل الدين سقط الدين بهلاكه و إن كان قيمته أكثر من الدين سقط الدين وهو في الفضل أمين وإن كانت قيمته قل من الدين سقط من الدين قدر قيمة الرهن و يرجع المرتهن على الراهن بفضل الدين، و في الكافي: بيانه إذا رهن ثوبا قيمته عشرة بعشرة فهلك عند المرتهن سقط دينه فإن كان قيمة الثوب خمسة يرجع المرتهن على الراهن بخمسة أخرىٰ وإن كانت قيمته خمسة عشر فالفضل أمانة عندنا و عند زفر رحمه الله يرجع الراهن على المرتهن بخمسة لأن الرهن عنده مضمون بالقيمة. (فتاویٰ تاتارخانية زكريا ١٨/٥٢٧، رقم: ٢٩٨٨٣- ٢٩٨٨٤، المحيط البرهاني، المجلس العلمي ١٨/٧١، رقم: ١٨٠٢٥، هنديه زكريا قديم ٥/٤٤٧، جديد ٥/٥٠٢)

سائل نے جو دارالعلوم دیوبند کا جواب سوالنامہ کے ساتھ پیش کیا ہے اس کو بھی دیکھ لیا گیا ہے اس جواب میں معاملہ ودیعت اور مسائل غصب سے متعلق ایک عبارت سے استدلال کر کے یوم الأدا اور یوم لزوم کی قیمت کا اعتبار کرنے کو لکھا گیا ہے اور یہاں سائل کے مسئلہ کا تعلق مسئلہ ودیعت اور مسئلہ غصب سے نہیں ہے بلکہ مسئلہ رہن سے متعلق ہے اور سائل کے مسئلہ کے مطابق مسئلہ رہن کا حکم صراحت کے ساتھ ہم نے عبارت میں لکھ دیا ہے، لہٰذا ہم کو دار

العلوم دیوبند کے جواب سے اتفاق نہیں ہوسکا، شئ مرہون چونکہ پہلے ہی دن سے مضمون ہوجاتی ہے اس لیے دار العلوم دیوبند کے جواب میں جو عربی عبارت لکھی گئی ہے اس پر غور کیا جائے تو وہ عبارت بھی ہمارے ہی فتویٰ کی تائید میں ہوجاتی ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸/ربیع الثانی ۱۴۳۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۷۵۵)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۸/۴/۱۴۳۰ھ

شئ مرہون کی ہلاکت کے ضمان میں کس وقت کی قیمت کا اعتبار ہوگا؟

سوال [۹۷۶۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: تقریباً ۲۲/۲۳ سال قبل زید نے عمر کے پاس کچھ سونے کے زیورات رکھ کر پچاس ہزار قرض کا مطالبہ کیا دونوں کے درمیان نہ ادائیگی کی مدت متعین ہوئی، اور نہ اس کی بابت کوئی تحریر لکھی گئی، عمرو نے وہ زیورات اپنے بھائی خالد کو دے دیئے، اور پچاس ہزار کی رقم خالد سے زید کو دلوادی، عرصہ دراز تک زید نے قرض کی رقم زیورات سے زائد ہونے کی بناء پر عمر سے کوئی مطالبہ ہی نہ کیا، جس کی بنا پر یہ معاملہ عمرو کے ذہن سے نکل گیا اور نہ اس دوران کبھی عمرو نے اپنے بھائی خالد سے اس کا تذکرہ کیا یہاں تک کہ خالد نے اپنا سابقہ مکان چھوڑ کر دوسرے مکان میں رہائش اختیار کرلی اور زید نے نہ تو اس معاملہ کی یاد دہانی کرائی اور نہ کبھی رقم کی ادائیگی کے متعلق کوئی تذکرہ کیا، اب ۲۰۰۹ء میں خالد کو ایک دوسرے مکان میں رہتے ہوئے بھی ایک عرصہ ہوگیا، اور سونے کی قیمت بھی سترہ ہزار روپے تولہ ہوگئی یعنی زیورات کی قیمت مقدار قرض سے بڑھ گئی، اب زید خالد سے کہتا ہے کہ اپنے پچاس ہزار روپئے لو اور ہمارے ۱۱/تولہ سونے کے زیورات واپس کردو جبکہ خالد کو نہ تو زیورات کی مقدار کا کوئی علم ہے اور نہ عمر وکو، زید کی یاد دہانی پر خالد نے ان زیورات کو انتھک تلاش کیا لیکن وہ نہ مل سکے، اور خالد حلفیہ یہ بات کہتا ہے کہ مجھے ذرہ برابر بھی یہ بات نہیں یاد رہی کہ عمر نے زید کے زیورات میرے پاس رکھوا کر مجھ سے پچاس ہزار روپئے دلوائے ہیں، البتہ طویل عرصہ کے بعد جبکہ زیورات کی رقم مقدار قرض سے کئی گنا

زیادہ ہوگئی، زید کی یاددہانی پر کچھ کچھ یادآیا اور تلاش بسیار کے باوجود وہ امانت نہ مل سکی، ایسا لگتا ہے کہ وہ امانت گھریلو پرانے زیورات کے ساتھ فروخت ہوگئی ہو کیونکہ ۲۰۰۶ء میں پرانے زیورات فروخت ہوئے تھے اب ایسی صورت میں دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا خالد شرعی اعتبار سے موجودہ سونے کی قیمت کے اعتبار سے رقم کی ادائیگی کرے گا یا اس پر کوئی ادائیگی لازم نہیں ہوگی؟ شریعت کے مطابق جواب دے کر عنداللہ ماجور ہوں۔

المستفتی: سعود عالم گلشہید مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ۲۲/۲۳ سال پہلے جو زیور گروی میں رکھا گیا ہے اور اس کے عوض میں پچاس ہزار روپئے قرض لیے گئے اور طویل مدت تک قرض کی واپسی نہیں ہوسکی، اور اس درمیان میں مذکورہ زیورات ہلاک ہو گئے یا فروخت ہو چکے ہیں تو ایسی صورت میں ۲۲/۲۳ سال بعد اس زیور کی جو قیمت بنتی وہ قیمت نہیں ملے گی، بلکہ جس وقت گروی رکھا جارہا تھا اس وقت کی جو قیمت ہے اسی قیمت کا اعتبار ہوگا، ہاں البتہ اگر معلوم ہو جائے کہ کس دن وہ زیورات فروخت کیے گئے ہیں تو اس دن کی جو قیمت بنتی ہے اس قیمت کا بھی اعتبار کیا جا سکتا ہے، لہٰذا اگر ۲۰۰۶ء میں یہ زیور بیچا گیا ہے تو ۲۰۰۶ء میں اس کی جو قیمت بنتی ہے اس میں سے پچاس ہزار روپیہ روک کر باقی زائد روپیہ قرض دار کو واپس کر دینا لازم ہے اور ۲۰۰۶ء کے بعد سونے کی قیمت مزید بڑھ جانے کی وجہ سے قرض دار کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ جتنے کا سونا فروخت کیا گیا ہے اس سے زیادہ کا مطالبہ کرے، عربی عبارت ملاحظہ فرمائیں: گروی رکھنے کے دن کی قیمت کے اعتبار کی عبارتیں ملاحظہ فرمائیں:

وإذا استهلك المرتهن الرهن أو أتلفه بتعد أو تقصير من جهته ضمن قيمته إن كان قيميا و مثله إن كان مثليا والمعتبر قيمته يوم قبضه.

(الفقه الاسلامی و أدلته، هدى انٹر نیشنل دیوبند ٥/١٦٠، دار الفكر ٤٣٠٧/٦)

واحترز بهذا عن استهلاك المرتهن حيث يجب عليه قيمته يوم قبض وكذلك إذا هلك بدون الاستهلاك يعتبر قيمته يوم القبض لا يوم

الهلاک قوله فإنه يعتبر قيمته يوم القبض و سواء فی ذٰلک الهلاک والاستهلاک. (حاشية چلپی، کتاب الرهن زکريا ۱۸٦/۷، امدادیہ ملتان٦/۸۷)

بخلاف ضمانه على المرتهن تعتبر قيمته يوم القبض –إلى– والمضمون من جنسه حقه استوفىٰ المرتهن منه دينه و رد الفضل على الراهن إن كان فيه فضل. (مجمع الأنهر، دار الکتب العلمية بيروت ٤/۲۹٦، مصری قديم ۲/٦۰٥)

وقيمة الرهن معتبرة يوم قبضه الخ. (الفقه الحنفی و أدلته دار الکتب العلمية بيروت ۲/۱۰۳)

وإنما قيد بقوله على هذا المستهلک احترازا عن استهلاک المرتهن، فإن عليه قيمته يوم قبضه. (البناية، کتاب الرهن، اشرفیہ ۱۳/۲٦، حاشية الطحطاوی على الدر کوئٹہ ٤/۲٤۸)

فروختگی کے دن کی قیمت کی عبارتیں ملاحظہ فرمائیں:

قال الشامی: أقول يمكن حمل مافی الأشباه على ما إذا استهلكه المرتهن ولذا قال الرملی بعد كلام: وأنت إذا أمعنت النظر ظهر لک الفرق بين الهلاک والاستهلاک فقطعت فی صورة الهلاک بأن المعتبر قيمته يوم القبض وفی صورة الاستهلاک يوم الهلاک. (شامی، کتاب الرهن زکريا ۱۰/۸۱، کراچی ٦/۳۸۰)

ووجب عليه الباقی بالإتلاف وهو قيمته يوم التلف. (مجمع الأنهر، دار الکتب العلمية بيروت ٤/۲۹٦، مصری قديم ۲/٦۰٥)

قال بعض الفضلاء: و أنت إذا أمنعت النظر فی كلام الزيلعی و غيره قطعت بأنه فی صورة الهلاک تعتبر القيمة يوم القبض و فی صورة الاستهلاک يوم الهلاک. (الحموی مع الأشباه، کراچی الفن الثالث ۲/۲۲۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰؍رجب المرجب ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۲۰۸)

مرتہن مرہونہ سونے کو فروخت کردے تو کس قیمت سے واپس کرے گا

سوال [۹۷۶۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے بکر کے پاس ۱۹۹۰ء میں گیارہ تولہ سونا گروی رکھ کر پچاس ہزار روپیہ قرض لیا اور اس زمانہ میں سونے کا بھاؤ ڈیڑھ ہزار روپیہ تولہ تھا، اس کے بعد زید لوٹ کر واپس نہیں آیا، اس لیے کہ گیارہ تولہ سونے کی قیمت اس زمانے میں پچاس ہزار روپیہ سے بہت ہی کم تھی، پھر ۲۰۰۶ء میں تقریباً سولہ سال کے بعد بکر نے وہ سونا فروخت کردیا اس لیے کہ اس سونے کا مالک کون ہے؟ یہ بھی یاد نہیں رہا اور اس وقت گیارہ تولہ سونے میں سے ٹانکے کاٹ کر جو پیسے ملے ہیں وہ لگ بھگ بہتر ہزار چھ سو روپئے ہیں، پھر زید ۲۰۰۹ء میں تقریباً ۱۹؍ سال بعد جب سونے کی قیمت ۱۷/۱۸؍ ہزار روپیہ ہوگئی تو زید آکر مطالبہ کرتا ہے کہ پچاس ہزار روپئے لے لو اور ہمارا گیارہ تولہ سونا دیدو، بکر کہتا ہے کہ تو نے ۱۹؍ سال تک پیسہ واپس نہیں کیا اس پیسے سے فائدہ اٹھالیا اور ہم نے تیرا اتا پتہ نہ ہونے کی وجہ سے سولہ سال تک انتظار کرنے کے بعد وہ گیارہ تولہ سونا فروخت کردیا، اور اس میں سے ہمیں تقریباً ۷۲؍ ہزار روپیہ ملا ہے، لہٰذا تیرا صرف ۲۲؍ ہزار چھ سو روپیہ بنتا ہے، لہٰذا ۲۲؍ ہزار چھ سو روپیہ لے اور چلا جا مگر زید اس بات پر بضد ہے کہ میں سونا ہی لوں گا جبکہ اس کا سونا ۲۰۰۶ء میں فروخت ہو چکا ہے اب شریعت کی رو سے مفتی صاحب بتلائیے کہ زید کو سونا ہی ادا کرنا لازم ہے یا اس کا سونا جو ۷۲؍ ہزار چھ سو روپیہ میں بکا ہے اسی کا مستحق ہے، جس میں سے پچاس ہزار روپیہ قرضہ میں مجریٰ ہو گئے اور اب ۲۲؍ ہزار چھ سو روپیہ دینے سے ۷۲؍ ہزار چھ سو روپئے پورے ہوجاتے ہیں اس لیے مفتی صاحب دلائل کی روشنی میں حکم شرعی واضح فرمادیں، اور قرضہ کی ادائیگی کی کوئی مدت متعین نہیں ہوتی جب پیسہ لاکر واپس دیں تب شئ مرہون واپس کردیں گے۔

المستفتی: شاہ زماں گل شہید مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب زید بکر کے پاس گیارہ تولہ سونا گروی رکھ کر

پچاس ہزار روپئے قرض لے کر گیا اور ۱۹۹۰ء تک تقریباً سولہ سال گزر جانے تک قرض کا پیسہ واپس لے کر نہیں آیا ہے اور بکر نے سولہ سال کے بعد گیارہ تولہ سونے کے زیورات ۲۰۰۶ء کے بھاؤ کے حساب سے ۷۲/ ہزار چھ سو روپیہ میں بیچ دیے ہیں، تو اس رقم میں سے پچاس ہزار روپیہ بکر کو اپنے پاس قرض کے عوض روک لینے کا حق ہے، اور بقیہ ۲۲/ ہزار چھ سو روپیہ زید کو واپس کر دینا لازم ہے، اور ۲۰۰۶ء کے بعد سونے کی قیمت مزید بڑھ جانے کی وجہ سے زید کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ جتنے میں سونا فروخت کیا گیا ہے اس سے زیادہ قیمت کا مطالبہ کرے، یا گیارہ تولہ سونا جو فروخت ہو چکا ہے اسی سونے کا مطالبہ کرے، بلکہ شرعی طور پر زید کو صرف ۲۲/ ہزار چھ سو روپیہ کے مطالبہ کا حق ہے اس سے زائد کا مطالبہ کرنا شرعی طور پر جائز نہیں ہے؛ بلکہ اکثر فقہاء نے یہی لکھا ہے کہ زید کو اس دن کے سونے کی قیمت لینے کا حق ہے جس دن گروی میں رکھا تھا یعنی ۱۹۹۰ء کی قیمت کا، مگر بعض فقہاء نے اس کی بھی گنجائش دی ہے کہ جس دن سونا فروخت ہو چکا ہے اس دن کی قیمت کا حساب لگایا جائے، لہٰذا زید کو نہ گیارہ تولہ سونے کے حساب سے مطالبہ کرنے کا حق ہے اس لیے کہ سونا فروخت ہو چکا ہے اور نہ ہی ۲۰۰۹ء کی قیمت کے اعتبار سے مطالبہ کا حق ہے، یوم القبض کی عبارت ملاحظہ فرمائیے:

وإذا استهلك المرتهن الرهن أو أتلفه بتعد أو تقصير من جهته ضمن قيمته إن كان قيميا و مثله إن كان مثليا والمعتبر قيمته يوم قبضه.

(الفقه الاسلامی و أدلته، هدی انٹر نیشنل دیوبند ۵/۱٦۰، دار الفكر ٦/۴۳۰۷)

واحترز بهذا عن استهلاك المرتهن حيث يجب عليه قيمته يوم قبض وكذٰلك إذا هلك بدون الاستهلاك يعتبر قيمته يوم القبض لا يوم الهلاك قوله فإنه يعتبر قيمته يوم القبض و سواء في ذٰلك الهلاك والاستهلاك. (حاشية چلپی، كتاب الرهن، زكريا ۷/۱۸٦، امداديه ملتان ٦/۸۷)

بخلاف ضمانه على المرتهن تعتبر قيمته يوم القبض –إلى– والمضمون من جنسه حقه استوفىٰ المرتهن منه دينه و رد الفضل على الراهن إن كان فيه فضل. (مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ۴/۲۹٦، مصرى قديم ۲/٦۰۵)

وقيمة الرهن معتبرة يوم قبضه فإن تصرف المرتهن فيه ببيع أو إجارة أو إعادة أو رهن و نحوه ضمنه بجميع قيمته. (الفقه الحنفى و أدلته، دار الكتب العلمية بيروت ٢/١٠٣)

والواجب على هذاالمستهلک احترازا عن استهلاک المرتهن، فإن عليه قيمته يوم قبضه. (البناية، كتاب الرهن، اشرفيه ١٣/٢٦، حاشية الطحطاوى على الدر كوئٹه ٤/٢٤٨)

فروختگی کے دن کی قیمت کی عبارتیں ملاحظہ فرمائیں:

قال الشامی: أقول يمكن حمل مافى الأشباه على ما إذا استهلكه المرتهن ولذا قال الرملى بعد كلام: وأنت إذا أمعنت النظر ظهر لک الفرق بين الهلاک والاستهلاک فقطعت فى صورة الهلاک بأن المعتبر قيمته يوم القبض وفى صورة الاستهلاک يوم الهلاک. (شامى، كتاب الرهن، زكريا ١٠/٨١، كراچى ٦/٣٨٠)

ووجب عليه الباقى بالإتلاف وهو قيمته يوم التلف. (مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ٤/٢٩٦، مصرى قديم ٢/٦٠٥)

قال بعض الفضلاء: و أنت إذا أمنعت النظر فى كلام الزيلعى و غيره قطعت بأنه فى صورة الهلاک تعتبر القيمة يوم القبض و فى صورة الاستهلاک يوم الهلاک. (الحموى مع الأشباه، كراچى الفن الثالث ٢/٦٢١) **فقط** واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/ جمادالاولیٰ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۱۲۶)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۴/۵/۲۲ھ

گروی رکھی زمین سے نفع اٹھانا

سوال [۹۷۷۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک کسان دو بیگھے زمین تین ہزار روپیہ میں ایک سال کے لیے رہن رکھنا چاہتا ہے جس کے بدلے دو کوئنٹل باسمتی دھان اور دو کوئنٹل گیہوں دینا چاہتا ہے، تو ایسا کرنا جائز

ہے یانہیں؟ اور ایک سال پورا ہونے کے بعد مجھے اپنے تین ہزار روپیہ واپس کرنے ہیں؟

المستفتی: ریاض الدین سرائے مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: زمین گروی رکھنے والے کے لیے اس زمین سے نفع اٹھانا جائز نہیں ہے، اس کا نفع زمین والے کسان کا حق ہے، پیسہ دینے والے کو صرف گروی لینے کا حق ہوتا ہے کہ اگر مقروض پیسہ ادا نہ کر سکے تو زمین بیچ کر اپنا پیسہ وصول کر سکے، اس لیے آپ کا مذکورہ معاملہ شرعی طور پر جائز نہیں ہے۔

لايحل للمرتهن أن ينتفع بشيئ منه بوجه من الوجوه و إن أذن له الراهن لأنه اذن له فى الربا لأنه يستوفى دينه كاملا فتبقى له المنفعة فضلا فتكون ربا وهذا أمر عظيم. (شامی، کتاب الرهن، زكريا ١٠/ ٨٣، كراچی ٦/ ٤٨٢، مطلب: كل قرض جر نفعاحرام، زكريا ٧/ ٣٩٥، كراچی ٥/ ١٦٦، مجمع الأنهر، مصری قديم ٢/ ٥٨٨، دار الكتب العلمية بيروت ٤/ ٢٧٣، ٢٧٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ رصفر المظفر ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۱۹۶)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۸/۲/۲۹ھ

ارض مرہونہ سے فائدہ اٹھانے کی شرط

سوال [۹۷۷۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص کو کچھ پیسوں کی ضرورت پڑی لیکن کسی نے بھی اس شخص کو پیسے نہیں دیئے، اس نے مجبور ہو کر ایک شخص کو اپنی زمین گروی رکھی، جس میں یہ بات طے پائی کہ تم مجھے ایک ہزار روپئے دیدو اور میری زمین لے لو، چھ مہینے کے بعد تمہارے ایک ہزار روپئے واپس کر دوں گا، تو آپ مجھے زمین واپس کر دینا تو کیا زمین کو گروی رکھنا جائز ہے یا نہیں؟ شرعی حکم تحریر فرمائیں۔

المستفتی: سعید احمد دھنگیر پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوالنامہ میں قرض لے کر زمین کو گروی رکھنے کی جو شکل بیان کی گئی ہے وہ جائز نہیں ہے کیونکہ مالک زمین کو جو اس نے روپیہ قرض دیا ہے اس کی وصولیابی کی اعتماد کے لیے اس نے زمین کو رہن میں لیا ہے تاکہ اگر وہ روپیہ نہ دے سکے تو زمین بیچ کر اپنا قرض وصول کیا جا سکے، لیکن اس درمیان روپئے دینے والا زمین سے جو فائدہ حاصل کرے گا وہ شرعاً جائز نہیں ہے، اس لیے یہ معاملہ شرعاً فاسد ہے، ہاں البتہ اس کے جواز کی یہ شکل ہوسکتی ہے کہ قرض دینے والا اس زمین کی ہر فصل کے لیے کرایہ متعین کردے اور جو قرض مالک زمین نے لے رکھا ہے اس قرض میں سے کرایہ مجریٰ ہوتا رہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۱/ ۳۱۵، جدید ڈابھیل ۲/ ۱۳۵، امداد الفتاویٰ ۳/ ۴۰۴)

لایحل للمرتهن أن ینتفع بشیئ منه بوجه من الوجوه و إن أذن له الراهن لأنه أذن له فی الربا. (شامی، کتاب الرهن، زکریا ۱۰/ ۸۳، کراچی ۶/ ۴۸۲، مطلب: کل قرض جر نفعاحرام، زکریا ۷/ ۳۹۵، کراچی ۵/ ۱۶۶، مجمع الأنهر، مصری قدیم ۲/ ۵۸۸، دار الکتب العلمیة بیروت ۴/ ۲۷۳، ۲۷۴)

ولیس للمرتهن أن ینتفع بالرهن لابالاستخدام و لا سکنیٰ ولا لبس. (هدایه، کتاب الرهن، اشرفی ۴/ ۵۲۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
۵/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۳ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۶۲۱)	۱۴۲۳/۵/۵ھ

مرہون زمین میں راہن ومرتہن کا غلہ پیدا کرنا

سوال [۹۷۷۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے اپنی زمین بکر کو دس ہزار روپئے میں گروی پر دی، پھر بکر نے زید سے کہا کہ اس زمین کی کاشت تم کرو اور جو غلہ پیدا ہوگا اس میں کا آدھا غلہ ہمارا اور آدھا غلہ تمہارا ہوگا، بکر نے زید سے کہا کہ جب ہم کو پورا روپیہ واپس کروگے تو تم اپنی زمین کی کاشت کا پورا غلہ لے لینا، کیا ایسا کرنا جائز ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مرتہن کا شئ مرہون سے نفع حاصل کرنا ناجائز ہے، لہٰذا جو زمین زید نے بکر کے پاس گروی رکھی ہے اسی زمین کو بکر کا زید کو اس شرط پر بٹائی پر دینا کہ اس کی پیداوار کا آدھا حصہ ہمارا ہوگا اور آدھا تمہارا ہوگا اس طرح کا معاملہ کرنا ناجائز ہے کیونکہ اس صورت میں بکر کا شئ مرہون سے نفع حاصل کرنا لازم آتا ہے جو ناجائز ہے۔

(مستفاد: احسن الفتاویٰ زکریا ۸/ ۴۹۵، امداد الفتاویٰ زکریا ۳/۴۶۱)

لایحل للمرتهن أن ینتفع بشيئ منه بوجه من الوجوه و إن أذن له الراهن لأنه إذن له فی الربا لأنه یستوفیٰ دینه کاملا فتبقی له المنفعة فضلا فتکون ربا وهذا أمر عظیم. (شامی، کتاب الرهن، زکریا ۱۰/۸۳، کراچی ٦/٤٨٢، مطلب: کل قرض جر نفعا حرام، زکریا ٧/٣٩٥، کراچی ٥/١٦٦، مجمع الأنهر، مصری قدیم ٢/٥٨٨، دار الکتب العلمیة بیروت ٤/٢٧٣، ٢٧٤)

ثم رأیت فی جواهر الفتاویٰ إذا کان مشروطا صار قرضا فیه منفعة وهو ربا. (شامی، کتاب الرهن، زکریا ١٠/٨٣، کراچی ٦/٤٨٢، مطلب: کل قرض جر نفعا حرام، زکریا ٧/٣٩٥، کراچی ٥/١٦٦، مجمع الأنهر، مصری قدیم ٢/٥٨٨، دار الکتب العلمیة بیروت ٤/٢٧٣، ٢٧٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍ ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۵۷۹)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۴/۲۳ھ

مرتہن کا شئ مرہون سے فائدہ اٹھانا

سوال [۹۷۷۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے خالد سے کچھ روپیہ قرض لیا اور اس کے عوض خالد نے زید کی زمین لی، اس شرط پر کہ جب زید روپیہ واپس کردے گا تو خالد زمین واپس کردے گا، اور زمین زید کو

واپس مل جائے گی، تو اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ خالد کے لیے رہن کی زمین سے فائدہ اٹھانا کیسا ہے؟ اور شرعاً اس معاملہ کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: محمد غفران گونڈوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: خالد کے لیے زید کو قرض دے کر قرض کی واپسی تک اس کی زمین کو رہن میں لے کر اس سے فائدہ اٹھانا جائز نہیں ہے، ہاں البتہ زمین کا کرایہ متعین کر دیا جائے، اور وہ کرایہ قرض کے روپیہ میں سے کٹتا جائے تو یہ جائز ہے یا الگ سے اس کا کرایہ متعین کرلیا جائے، چاہے اس کی مقدار کم زیادہ کچھ بھی ہو، تب بھی جائز ہے۔
(مستفاد: فتاویٰ محمودیہ جدید ڈابھیل ۲۰/۱۳۴)

ایسی صورت میں رہن کا معاملہ ختم ہو جائے گا اور اجارہ کا معاملہ ہو جائے گا۔

ولیس للمرتهن الانتفاع بالرهن لأن حق المرتهن الحبس إلى أن يستوفي دينه دون الانتفاع. (مجمع الأنهر، كتاب الرهن، دار الكتب العلمية بيروت ٤/٢٧٣ مصري قديم ٢/٥٨٧)

كل قرض جر نفعاً حرام فكره للمرتهن، سكنى المرهونة بإذن الراهن. (الدر المختار، مطلب: كل قرض جر نفعا حرام زكريا ٧/٣٩٥، كراچي ٥/١٦٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵ رمحرم الحرام ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۸۵۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۶/۱/۱۴۳۱ھ

مسلم فنڈ کا تین مہینے زیور رکھنے کے عوض رقم وصول کرنا

سوال [۹۷۷۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مسلم فنڈ، زیور رہن رکھ کر قرض دیتا ہے اور ۳ رمہینے کی مدت مقرر کرتا ہے اور اس

۳/ مہینے زیور رکھنے پر کچھ پیسے لیتا ہے اگر متعینہ مدت تک قرض ادانہیں ہو پاتا تو پھر ۳/ مہینے کی مدت بڑھا کر پھر ۳/ مہینے کا چارج لیتا ہے کیا یہ طریقہ مسلم فنڈ کا صحیح ہے، اگر صحیح نہیں ہے تو صحیح طریقہ تحریر فرمادیجئے، تاکہ مسلم فنڈ والوں کو بتادیا جائے۔

المستفتی: عبدالرشید سیڈھا بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مسلم فنڈ والوں کا تین مہینے زیور رہن رکھنے کے عوض رقم وصول کرنا شرعاً درست نہیں ہے، اس لیے کہ زیور کی حفاظت کرنا مسلم فنڈ والوں پر ضروری ہے، کیونکہ مسلم فنڈ مرتہن کے درجہ میں ہے، اور مرتہن پر مال رہن کی حفاظت لازم ہے۔

ولو استقرض دراهم و سلم حماره إلى المقرض ليستعمله إلى شهرين حتى يوفيه دينه أو داره ليسكنها فهو بمنزلة الإجارة الفاسدة. (شامی، کتاب الرهن، زکریا ۱۰/ ۸۷، کراچی ٦/ ٤٨٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/ شعبان المعظم ۱۴۲۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۱۳۴)

ارض مرہونہ سے استفادہ کی متبادل شکل

سوال [۹۷۷۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: سود بھرنا، یعنی ایک آدمی کا کھیت ہے، دوسرا آدمی اس کھیت کو لیتا ہے جو کھیت لے رہا ہے وہ اس کو روپیہ دیتا ہے، جب کھیت والا اس سے اپنی زمین لینا چاہتا ہے تو اس کو پورا روپیہ واپس کرنا پڑتا ہے، جب اس کو پورا روپیہ مل جاتا ہے تب وہ کھیت چھوڑتا ہے اسی کے درمیان اس زمین کو بوتا ہے اور فائدہ اٹھاتا ہے، اور اگر کوئی یہ چاہتا ہے کہ میں نے اس کو اپنی زمین دی ہے اور اس سے روپیہ لیا ہے، اب میرے پاس روپیہ ہو گیا ہے تم روپیہ لے کر میری زمین واپس دیدو اس پر وہ کہتا ہے کہ بھائی آپ سے زمین لی روپیہ دیا، جب تک اس زمین

سے ایک فصل نہ لے لوں اس وقت تک نہیں دیتا؟

المستفتی: محمد اطہر بن عبدالجلیل ارریہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سود بھرنے کی جو شکل لکھی گئی ہے، یہ قرضہ لے کر زمین کو رہن رکھنے کی شکل ہے، مالک زمین کو جو پیسہ قرض میں دیا گیا ہے اس کی وصولیابی کے اعتماد کے لیے زمین رہن میں ہے، اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اگر قرض وصول نہ کرسکے تو زمین بیچ کر اپنا قرض وصول کیا جاسکے، لیکن اس درمیان زمین سے فائدہ حاصل کرنا مرتہن کے لیے جائز نہیں ہے، اس لیے یہ معاملہ شرعاً فاسد ہے، اس کے جواز کی صرف یہ شکل ہوسکتی ہے کہ مرتہن اس زمین کا ہر فصل کے لیے کرایہ متعین کردے، اور جو قرضہ مالک زمین نے لے رکھا ہے اس قرضہ سے کرایہ مجریٰ ہوتا جائے، اس کے بغیر یہ جائز نہیں ہوسکتا ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۳۱۵/۱۱، جدید ڈابھیل ۱۳۵/۲۰)

لایحل للمرتهن أن ینتفع بشیئ منه بوجه من الوجوه و إن أذن له الراهن لأنه أذن له فی الربا. (شامی، کتاب الرهن، زکریا ۸۳/۱۰، کراچی ۴۸۲/۶، مطلب: کل قرض جر نفعاحرام، زکریا ۳۹۵/۷، کراچی ۱۶۶/۵، مجمع الأنهر، مصری قدیم ۵۸۸/۲، دار الکتب العلمیة بیروت ۲۷۳/۴، ۲۷۴)

ولیس للمرتهن أن ینتفع بالرهن لا باستخدام و لا سکنیٰ ولا لبس. (هدایه، کتاب الرهن، اشرفی ۵۲۲/۴) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲؍ربیع الثانی ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۷۶۱۱/۳۶)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۴/۲۳ھ

زمین سے فائدہ اٹھانے کی شرط پر قرض لینا

سوال [۹۷۷۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک ایکڑ زمین ایک سال کے لیے آٹھ ہزار روپیہ میں اٹھتی ہے لیکن زمین

والے کوبیس ہزارروپیہ کی ضرورت ہے وہ بات چیت کرتا ہے کہ مجھے بیس ہزارروپیہ دیدو، میری ایک ایکڑ زمین میں ایک سال تک تم کاشت کرو میں تمہیں ایک سال میں بیس ہزار روپیہ واپس کردوں گا، اوراپنی زمین لےلوں گا، اس صورت کو کاشت کار جائز نہ سمجھتے ہوئے صاحب زمین کو پانچ سوروپیہ چھوڑ دیتا ہے بتلایئے یہ صورت جائز ہوگی یانہیں؟

المستفتی: قمرالدین قاسمی معرفت مولانا عبدالناصر صاحب

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگرایک ایکڑ زمین ایک سال تک کے لیے آٹھ ہزارروپیہ میں دیدی جاتی ہے تو آٹھ ہزارروپیہ لےکرزمین کوایک سال تک کے لیے دینا جائز ہے، مگران میں سے کوئی پیسہ پھرواپس نہ ہوگا اب ایک سال کے درمیان کرایہ دار کو کچھ بھی بونے کا حق ہوگا، لیکن جوصورت سوالنامہ میں ہے کہ بیس ہزارروپیہ میں ایک سال کے لیے زمین دےکر بیس ہزارروپیہ ادھارلیا گیا اورسال گذرنے پربیس ہزارروپیہ واپس کرنے کے بعد زمین واپس ہوگی یہ قطعا جائزنہیں ہے اس لیے کہ بیس ہزارروپیہ قرض ہوااورقرض دینے والے نے قرض دےکرایک سال تک زمین سے فائدہ اٹھایا یہ ’’**کل قرض جر نفعا**‘‘ کے قاعدہ کےتحت داخل ہوکرناجائزاورحرام ہےاور بعدمیں پانچ سوروپیہ چھوڑ دینے سے وہ جائزنہیں ہوگا، کیونکہ معاملہ شروع ہی سےفاسد ہو چکا ہے۔

عن فضالة بن عبيد صاحب النبي ﷺ أنه قال: كل قرض جر منفعة فهو وجه من وجوه الربا. (السنن الکبریٰ للبیهقی، البيوع، باب كل قرض جر منفعة فهو ربا، دار الفكر ۲۷۶/۸، رقم: ۱۱۰۹۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیراحمدقاسمی عفااللہ عنہ
۴رذیقعدہ ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۱۸۰)

الجواب صحیح:
احقرمحمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۲۴/۱۱/۴ھ

ارض مرہونہ سے فائدہ اٹھانا

سوال [۹۷۷۷]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: زید نے بکر سے پانچ ہزار روپیہ لیا اور بکر کو زید نے ایک بیگہ زمین اس کے عوض میں دی اور اس سے یہ کہا کہ جب تک میں پانچ ہزار روپیہ واپس نہ کردوں آپ اس کی پیداوار کھاتے رہیں اور اس کھیت کو جس طرح چاہیں استعمال کریں، جب میں تمہارے روپئے واپس کردوں گا، تو تم میرے حوالے وہ کھیت کر دینا اس صورت میں شریعت کی رو سے اس طرح کا تبادلہ روپئے کے عوض صحیح ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد حبیب الرحمٰن بھاگلپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: پانچ ہزار روپیہ قرض دے کر مقروض کی ایک بیگھہ زمین جو بطور رہن ہے اس سے پیداوار وغیرہ کے ذریعہ نفع اٹھانا جائز نہیں اور یہ شرعاً سود ہے جس کا لین دین مسلمانوں کے لیے ناجائز اور حرام ہے، لہٰذا از روئے شرع مذکورہ تبادلہ جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۳/۴۵۴)

لایحل للمرتهن أن ینتفع بشيئ منه بوجه من الوجوه و إن أذن له الراهن لأنه أذن له فی الربا لأنه یستوفیٰ دینه کاملا فتبقی له المنفعة فضلا فتکون ربا وهذا أمر عظیم. (شامی، کتاب الرهن، زکریا ۱۰/۸۳، کراچی ۶/۴۸۲، مطلب: کل قرض جر نفعا حرام، زکریا ۷/۳۹۵، کراچی ۵/۱۶۶، مجمع الأنهر، مصری قدیم ۲/۵۸۸، دار الکتب العلمیة بیروت ٤/۲۷۳، ۲۷٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲؍ربیع الاول ۱۴۲۲ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۷۰۸۸)

ارض مرہونہ سے فائدہ اٹھانے کا حیلہ

سوال [۹۷۷۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے اپنی ایک بیگھہ زمین خالد کو دو سال کے لیے ایک ہزار روپیہ کی شرط

پر دیدی پھر دو سال گذرنے کے بعد زید نے خالد کو ایک ہزار روپیہ دے کر زمین واپس لے لی تو خالد کے لیے اس زمین میں دو سال تک پیداواری کرنا اور غلہ کو اپنے مصرف میں لانا جائز ہے یا نہیں یا سود کے حکم میں داخل ہو جائے گا۔

المستفتی: صغیرالدین دیناجپور مدرسہ شاہی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں خالد کے لیے اس زمین سے فائدہ اٹھانا جائز نہیں۔

لأن المرتهن لايجوز له الانتفاع. (بدائع الصنائع، کتاب الرهن، زکریا ۵/ ۲۱۰، کراچی ۶/ ۱۴۵، شامی زکریا ۱۰/ ۸۳، کراچی ۶/ ۴۸۲، هدایه اشرفی ۴/ ۵۲۲)

البتہ بیع الامانۃ کے طور پر اس کی صورت نکل سکتی ہے، یعنی جتنے روپئے میں زمین کو رہن رکھا اتنے ہی روپئے میں زبانی طور پر یہ عقد کرلیا جائے کہ اتنے روپئے میں مرتہن کے ہاتھ اس طور پر فروخت کردے، کہ جب بھی زمین والا اتنے روپیہ مہیا کر کے مرتہن کو پیش کرے گا، تو دوبارہ اتنے روپئے میں مالک کے ہاتھ فروخت کردے گا، البتہ رجسٹری کا معاملہ اس میں نہ کرے لہٰذا اس طرح سے دونوں کی ضرورت بلا کسی نقصان کے پوری ہو جائے گی۔

وصورته أن يقول البائع للمشترى بعت منک هذا العين بدين لک على أني متى قضيت الدين فهو لي أويقول البائع بعتک هذا بكذا على أني متى دفعت لک الثمن تدفع العين إليَّ. (البحر الرائق، کتاب البیوع، باب خیار الشرط، کوئٹه ۶/ ۷، زکریا ۶/ ۱۱، شامی زکریا ۷/ ۵۴۶، کراچی ۵/ ۲۷۶، هندیه زکریا قدیم ۳/ ۲۰۹، جدید ۳/ ۱۹۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
۸؍محرم الحرام ۱۴۲۲ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۷۰۱۹)	۱۴۲۲/۱/۸ھ

ارض مرہونہ سے فائدہ اٹھانے کی شکل

سوال [۹۷۷۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک آدمی نے اپنی ایک بیگہ زمین کسی کے پاس دو ہزار روپیہ کے عوض رہن رکھی، اور کہا تم میری زمین سے نفع حاصل کرتے رہو جب میں تمہارا دو ہزار روپیہ واپس کروں گا تب میری زمین میرے حوالہ کرنا تو کیا اس طرح رہن رکھنا درست ہے۔

المستفتی: امین الحق آسامی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زمین رہن رکھ کر دو ہزار قرضہ لینے کے لیے یہ شرط لگانا کہ قرضہ کی وصولی تک آپ زمین سے فائدہ ونفع حاصل کرتے رہیں، یہ معاملہ شرعاً جائز نہیں اور نہ ہی قرض دینے والے کے لیے رہن شدہ زمین سے فائدہ حاصل کرنا شرعاً درست ہے۔

لأن المرتهن لايجوز له الانتفاع. (بدائع الصنائع، كتاب الرهن، زكريا ٥/ ٢١٠، كراچی ٦/ ١٤٥، شامی زكريا ١٠/ ٨٣، كراچی ٦/ ٤٨٢، هدايه اشرفی ٤/ ٥٢٢)

البتہ اس کے جواز کی شکل بیع الامانت کی ہوسکتی ہے اور بیع الامانت کا مطلب یہ ہے کہ جتنے روپیہ میں زمین کو رہن رکھا جائے اتنے میں زبانی عقد کرلیا جائے کہ اتنی رقم میں مرتہن کے ہاتھ اس شرط پر فروخت کردے کہ جب بھی زمین والا اتنا پیسہ مہیا کرکے زمین لینے والے کو پیش کردے گا تو اس پیسہ میں مالک کے ہاتھ دوبارہ فروخت کردے گا، اس معاملہ میں رجسٹری وغیرہ نہ کرائے تو اس طرح سے دونوں کا مقصود پورا ہوجائے گا کہ دو ہزار قرضہ زمین کی قیمت کے نام سے مل گیا اور روپیہ دینے والے کو زمین سے نفع اٹھانے کا موقع بھی مل گیا اور جب دو ہزار کا انتظام کرکے قرض خواہ کو واپس کرے گا تو زمین بھی واپس مل جائے گی۔

وصورته أن يقول البائع للمشتري بعت منك هذا العين بدين لك علی أني متی قضيت الدين فهو لی. (البحر الرائق، كتاب البيوع، باب خيار الشرط،

کوئٹه ۷/٦، زکریا ٦/ ۱۱، شامی زکریا ۷/ ٥٤٦، کراچی ٥/ ۲۷٦، هندیه زکریا قدیم ۳/ ۲۰۹، جدید ۳/ ۱۹٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍محرم الحرام ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۷۰۰۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۱/۷ھ

شئ مرہون سے نفع اٹھانے کا عدم جواز

سوال [۹۷۸۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے کاروباری ضرورت کے لیے بکر سے ایک بڑی رقم تین سال کے لیے بطور قرض لی، اور تین سال کے لیے اپنے ذاتی مکان کے مالکانہ حقوق بکر کو دیدئے، لیکن بکر اس مکان کو کرایہ پر دینا چاہتا ہے، زید نے بکر سے کرایہ کی رقم طے کر کے وہ مکان اس وقت تک کے لیے لے لیا جب تک وہ بکر کی ملکیت میں ہے تین سال کے اندر زید نے تھوڑی تھوڑی کر کے رقم ادا کردی اور ہر ماہ مکان کا کرایہ بھی ادا کرتا رہا، آخر میں رقم ادا ہونے پر مالکانہ حقوق اور مکان کے کاغذات واپس لے لیے، اس طرح کا قرض لینا اور کرایہ کی رقم ادا کرنا جائز ہے یا نہیں، شرعی جواب سے مطلع فرمائیں۔

المستفتی: صدر علی بردوانی مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: بطور قرض رقم لینے کا مطلب یہ ہے کہ یہ معاملہ شرعاً رہن کا معاملہ ہے، اور معاملۂ رہن میں مرتہن کے لیے شئ مرہون سے کسی طرح بھی نفع اٹھانا جائز نہیں ہے، اس لیے صورت مذکورہ میں بکر مذکورہ مکان کو بطور امانت محفوظ رکھ سکتا ہے، اس میں رہائش اختیار کرنا یا کسی کو کرایہ پر دے کر کرایہ وغیرہ کے نام سے کوئی رقم حاصل کرنا بکر کے لیے حلال نہیں ہے، بلکہ زید کو واپس کردینا واجب ہے۔

ولو أعار المرتهن من الراهن أو آجره أو أودعه كان للمرتهن أن

يسترده و الإجارة باطلة. (قاضيخان، كتاب الرهن، فصل فی الانتفاع بالرهن، زكريا جديد ۳/ ٤٤٨، وعلى هامش الهندية ٣/ ٦٠٢)

وإن آجر بأمر الراهن بطل الرهن والأجر للراهن. (فتاویٰ بزازيه زكريا جديد ٣/ ٣٧، وعلى هامش الهندية ٦/ ٧٢)

لايحل للمرتهن أن ينتفع بشيئ منه بوجه من الوجوه و إن أذن له الراهن لأنه أذن له فی الربا لأنه يستوفیٰ دينه كاملا فتبقى له المنفعة فضلا فتكون ربا وهذا أمر عظيم. (شامی، كتاب الرهن، زكريا ١٠/ ٨٣، كراچی ٦/ ٤٨٢، مطلب: كل قرض جر نفعاحرام، زكريا ٧/ ٣٩٥، كراچی ٥/ ١٦٦، مجمع الأنهر، مصری قديم ٢/ ٥٨٨، دار الكتب العلمية بيروت ٤/ ٢٧٣، ٢٧٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵/ ذیقعدہ ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۴۷۴/۲۵)

گروی رکھے ہوئے مکان کو چھڑانے کے بعد کون مالک ہوگا؟

سوال [۹۷۸۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حاجی چھوٹن کا انتقال ہوا بوقت انتقال انہوں نے ورثاء میں زوجہ انوری بیگم لڑکا مختار احمد، لڑکی نور جہاں بیگم کو چھوڑا، اس کے بعد لڑکے مختار احمد کا انتقال ہوا، بوقت انتقال ماں انوری بیگم تین لڑکے: استفسار احمد، امتیاز احمد، جاوس اور تین لڑکیاں: میسر جہاں، قیصر جہاں، منی اور اپنی زوجہ اخلاصی بیگم کو چھوڑا حاجی چھوٹن نے اپنے انتقال کے وقت ایک مکان چھوڑا وہ مکان گروی رکھا ہوا تھا، حاجی چھوٹن کے انتقال کے بعد زوجہ انوری بیگم اور لڑکا مختار احمد اور لڑکی نور جہاں بیگم کے نام وہ مکان واپس لیا گیا اور تمام پیسے زوجہ انوری بیگم نے ادا کیے، تو اب شرعی نقطۂ نظر سے وہ مکان کس طرح تقسیم ہوگا؟

نوٹ: مختار احمد کی زوجہ اخلاصی بیگم کو مختار احمد نے اپنی حیات میں ہی طلاق دیدی تھی، لیکن

اب وہ زبردستی اسی مکان میں رہتی ہے اور اپنا حصہ مانگتی ہے، اور مختار احمد کی مذکورہ اولاد بھی اسی اخلاصی بیگم سے ہے اور زوجہ انوری بیگم اپنا حصہ بیٹی نور جہاں کو ہبہ کرنا چاہتی ہے تو کیا ہبہ کرسکتی ہے؟

المستفتی: انوری بیگم، پکا باغ گل شہید مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بشرط صحت سوال وبعد ادائے حقوق ما تقدم وعدم موانع ارث مرحوم چھوٹن کا ترکہ ان کے شرعی ورثاء میں حسب ذیل نقشہ کے مطابق تقسیم ہوگا۔

چھوٹن میـــــــــــــــــــــــــــــت

زوجہ	لڑکا	لڑکی
اندری بیگم	مختار احمد	نور جہاں
۱ / ۳ / ۸۱	۷ / ۱۴	۷

توافق بالنصف

مختار احمد میـــــــــــــــــــــــــــــت

زوجہ	ماں	لڑکا	لڑکا	لڑکا	لڑکی	لڑکی	لڑکی
خلاصی بیگم محروم	۱ / ۹	۱۰ / ۷۰	۱۰ / ۷۰	۱۰ / ۷۰	۵ / ۳۵	۵ / ۳۵	۵ / ۳۵

کل مکان ۶۴۸ سہام میں تقسیم ہوکر ہر وارث کو اتنا ملے گا جو اس کے نیچے درج ہے، اگر انوری بیگم نے اپنی خوشی سے تمام پیسے ادا کیے ہیں تو اس کا عوض نہیں ملے گا اور اگر تمام ورثاء کی اجازت سے ادا کیے تو جتنے پیسے انوری بیگم نے ادا کیے ہیں وہ اس کو مکان کی قیمت سے علیحدہ ملیں گا۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱/ ربیع الثانی ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/۶۱۴)

٣٤ كتاب الصيد

شکار کا مسنون طریقہ

سـوال [۹۷۸۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: جن جانوروں کا گوشت حلال ہے ان کے شکار کا مسنون طریقہ کیا ہے؟

المستفتی: محمد اقبال شمسی ہاؤس، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جن جانوروں کا گوشت حلال ہے ان کے شکار کے بہت سے مسنون اور شرعی طریقے ہیں، ان میں تیر، کلب، باز، چیتا، معلم وغیرہ کے ذریعہ شکار کرنا ہے، ان کو بسم اللہ پڑھ کر شکار پر چھوڑا جائے، اگر یہ شکار کو اس طرح زخمی کردے کہ آپ کے پہنچنے سے پہلے ہی شکار زخم کی وجہ سے مر جائے تو اس کا کھانا حلال ہوگا، اور اگر شکاری نے شکار کو پکڑ لیا یا تیر دھاردار کی طرف سے شکار کو نہیں لگا تو ایسی صورت میں شرعی طریقہ پر ذبح کیے بغیر اس کا کھانا جائز نہ ہوگا۔ (مستفاد: محمودیہ قدیم ۱۱/ ۵۳۷، ۱۴/ ۳۵۴، ۶/ ۳۱۹، جدید ڈابھیل ۱۷/ ۲۱۷، ۲۱۵)

﴿قال الله تعالىٰ: يَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا اُحِلَّ لَهُمْ قُلْ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبَاتُ وَمَا عَلَّمْتُمْ مِنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِيْنَ تُعَلِّمُوْنَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ فَكُلُوْا مِمَّا اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوْا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ. [المائدة: ٤] ﴾

فالصيد هو الحيوان المتوحش الممتنع عن الآدمي مأكولا أو غير مأكول. (هنديه، كتاب الصيد، الباب الأول، زكريا قديم ٥/٤١٧، جديد ٥/٤٧٤، هدايه، اشرفي ديوبند ٤/٥٠١، شامي، زكريا ١٠/٤٦، كراچي ٦/٤٦١، البحر الرائق، كوئٹه ٨/٢٢٠، زكريا ٨/٤٠٦، تاتارخانية زكريا ١٨/٤٤٤، رقم: ٢٩٥٣٣)

ويجوز الاصطياد بكلب المعلم والفهد والبازي وسائر الجوارح المعلمة. (هدايه اشرفي ديوبند ٤/٥٠٢، شامي زكريا ١٠/٤٨، كراچي ٦/٤٦٣، البحر الرائق

کوئٹہ ۸/۲۲۰، زکریا ۸/۴۰۶، تاتارخانیۃ ۱۸/۶۶، ٤، رقم: ۲۹۶۰۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/۷۲۱۱)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۵/۱۰ھ

بندوق کے شکار کا شرعی حکم

سوال [۹۷۸۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر کسی شخص نے بسم اللہ پڑھ کر بندوق سے شکار کیا اور خون بھی نکلا، بغیر ذبح کیے ہوئے مر گیا تو اس کا کھانا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: فضل الرحمٰن مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: خون نکلنے کے باجود بغیر ذبح کیے ہوئے گولی کا شکار کھانا حلال نہیں ہوتا ہے اس لیے کہ گولی درحقیقت دھار اور نوک سے ذبح نہیں کرتی، بلکہ اپنی قوت مدافعت کے ذریعہ توڑتی اور کوٹتی چلی جاتی ہے اور جو خون گولی سے نکلا ہے وہ چوٹ کا ہوتا ہے کاٹ کا نہیں ہوتا۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۸/۲۶۰، جدید زکریا مطول ۱۱/۶۰۰، فتاویٰ احیاء العلوم ۱۸/۲۴۰، امداد الفتاویٰ ۳/۲۱۹)

عن ابن عمر: أنه كان لا يأكل ما أصابت البندقة والحجر. (مصنف ابن أبي شيبة، الصيد في البندقة والحجر يرمى به فيقتل، مؤسسة علوم القرآن بيروت ۱۰/٤۰۸، رقم: ۲۰۰۸۷)

وقال ابن عمر في المقتولة بالبندقة: تلك الموقوذة، وكرهه سالم والقاسم ومجاهد وإبراهيم وعطاء والحسن. (صحيح البخاري، الذبائح والصيد، باب صيد المعراض ۲/۸۲۳)

لايحل صيد بندقة والحجر والمعراض والعصا وما أشبه ذٰلك وإن جرح. (شامي، كتاب الصيد زكريا ديوبند ۱۰/٦۰، كراچی ٦/٤٧١)

ولا یوکل ما أصابه البندقة فمات بها لأنها تدق و تکسر، و لاتجرح فصار کالمعراض. (هدایه اشرفی دیوبند ٤/٥١١، تبیین الحقائق امدادیه ملتان ٦/٥٩، زکریا دیوبند ٧/١٢٩، هندیه زکریا قدیم ٥/٤٢٥، جدید ٥/٤٨٢، تاتارخانیة زکریا ١٨/٤٧٥، رقم: ٢٩٦٤١)

بندوق آلۂ جارحہ (قاطعہ) نہیں ہے بلکہ آلہ مکرہ اور مدقہ ہے۔

لأنها تدق و تکسر ولا تجرح فصار کالمعراض. (هدایه اشرفی دیوبند ٤/٥١٢)

والبندقیة لاتجرح. (تبیین الحقائق امدادیه ملتان ٦/٥٩، زکریا دیوبند ٧/١٢٩، الجوهرة النیرة امدادیه ملتان ٢/٢٧٣، دار الکتاب دیوبند ٢/٢٦٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/ربیع الثانی ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/۱۷۷۶)

چھری اوپر پھینکنے سے ٹڈی کی حلت اور نیچے پھینکنے سے مچھلی کی حلت کا حکم

سوال [۹۷۸۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مچھلی اور ٹڈی بغیر ذبح کیے ہوئے کیوں حلال ہیں؟ اس کے بارے میں ایک شخص کہتا ہے کہ کسی نے چھری اوپر کو پھینکی تو ٹڈی حلال ہوگئی اور نیچے کو پھینکی تو مچھلی حلال ہوگئی اس کا یہ کہنا مناسب ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوالنامہ میں جو باتیں مذکور ہیں وہ سب بے اصل اور بے بنیاد ہیں بلکہ اس سلسلے میں اصل حضور اکرم ﷺ کا فرمان ہے کہ آپ نے فرمایا کہ ہمارے لیے ٹڈی اور مچھلی بغیر ذبح کیے ہوئے حلال ہیں اور یہی حلت کی دلیل ہے اس طرح کی روایت متعدد کتب حدیث میں موجود ہے۔

أحلت لنا المیتتان والدمان المیتتان الحوت والجراد والدمان الکبد والطحال. (مشکوٰۃ شریف ص: ٣٦١)

نیز باری تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَهُوَ الَّذِیْ سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَأْكُلُوْا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا أی وهو السمک.

(جلالين، سورۂ نحل: ۱۴، مکتبه رشیدیه دهلی ۱/۲۱٦، روح المعانی زکریا دیو بند ۸/۱٦٥)

اور مچھلی اور ٹڈی دیگر جانوروں کی طرح نہیں ہیں ان میں دم مسفوح نہیں ہوتا اور دم مسفوح کی وجہ سے ذبح کی ضرورت ہوا کرتی ہے، اور مچھلی کے اندر خون جیسی جو چیز نظر آتی ہے وہ محض رطوبت ہے خون نہیں، لہٰذا اس وجہ سے بھی مچھلی اور ٹڈی بغیر ذبح کیے ہوئے حلال ہیں۔ (مستفاد: معارف القرآن اشرفی دیو بند ۳/ ۲۸، ۵/ ۳۲۵، فتاویٰ رحیمیہ قدیم ٦/ ۳۳۷، جدید زکریا ۱۰/۳/ ۷، محمودیہ قدیم ۱۳/ ۴۳۵، جدید ڈابھیل ۱۸/ ۲۰۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍رجب المرجب ۱۴۲۱ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۳۵/ ٦۸۱٦)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۴؍۷؍۱۴۲۱ھ

غیر مسلم کے گولی مارنے کے بعد مسلم کا شرعی طریقہ سے ذبح کرنا

سوال [۹۷۸۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے چند ساتھی جانور یعنی ہرن وغیرہ کا شکار کرتے ہیں، ان میں غیر مسلم بھی ہیں لیکن بندوق غیر مسلم لڑکا ہی چلاتا ہے، جانور کے گولی غیر مسلم ہی مارتا ہے پھر اس جانور کو ہمارے مسلم ساتھی شرعی طریقہ سے ذبح کرتے ہیں، کیا یہ ذبیحہ حلال ہے؟ کیا غیر مسلم کے بندوق چلانے سے اس پر کوئی فرق تو نہیں پڑے گا؟

المستفتی: محمد اکرم سیڈھا بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جب شکار اس حالت میں پکڑا جائے کہ اس میں زندگی باقی ہے تو اس کے حلال ہونے کے لیے ذبح شرط ہے اور ذبح بھی مسلمان کے ہاتھ سے بسم اللہ پڑھ کر ہونا لازم ہے اس سے پہلے پہلے غیر مسلم نے اس کو مار کر کمزور کر دیا ہو تو

اس کا اعتبار نہیں بلکہ بوقت ذبح کا اعتبار ہے، اس لیے مسلمان جب اپنے ہاتھ سے ذبح کرتے ہیں تو شکار حلال ہوگا۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۷/ ۳۸۷)

فإن أدركه الرامي أو المرسل حيا ذكاه وجوبا فلو تركها حرم والحياة المعتبرة هنا أي في الصيد ما يكون فوق ذكاة المذبوح. (در مختار مع الشامي، كتاب الصيد، كراچی ٦/ ٤٦٩، زكريا ديوبند ١٠/ ٥٥)

ولو أن قوما من المجوس دعوا سهامهم فأقبل الصيد نحو مسلم (إلى قوله) إن كان سهم المجوس لم يقع على الأرض حتى رماه المسلم لم يحل أكله إلا أن يدركه المسلم و يذكيه فحينئذ يحل لأنهم أعانوه في الرمي دون حقيقة الذكاة ولا معتبر بالرمي مع وجود حقيقة الذكاة. (هنديه زكريا قديم ٥/ ٤٢٦، جديد ٥/ ٤٨٢، ٤٨٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸؍ ربیع الاول ۱۴۳۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۷۵۴)

دوا کے ذریعہ مچھلی پکڑنا یا کچی مچھلی کھانا کیسا ہے؟

سوال [۹۷۸٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (الف) بڑے تالاب میں دوا ڈال کر مچھلی پکڑنا کیسا ہے نیز تالاب میں دوا ڈالنے کی وجہ سے جو مچھلی خود بخود مر کر اوپر آجاتی ہے اس کا کھانا حلال ہے یا حرام؟

(ب) اور کچی مچھلی یا گوشت کھانا کیسا ہے؟

المستفتی: ہارون رشید کرناٹکی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (ا) جب مچھلی شکار کرنے کے دوسرے ذرائع موجود ہیں تو دوا کے ذریعہ شکار کرنا جائز نہیں ہے، اس لیے کہ تالاب میں دوا ڈالنے کی

صورت میں جو بالکل معمولی مچھلیاں ہیں ابھی انڈے سے نکلی ہیں، جو انسان کے کام میں نہیں آتیں، وہ سب بھی مرجائیں گی، تو بلا ضرورت ایسی مچھلیوں کو اس طرح ضائع کردینا لازم آئے گا، جس کی شرعاً اجازت نہیں۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۴/۲۶۳)

وحرقهم لكن جواز التحريق و التغريق مقيد إلى قوله بما إذا لم يتمكنوا من الظفر بهم بدون ذٰلک بلا مشقة عظيمة فإن تمكنوا بدونها فلايجوز.

(شامی، کتاب الجهاد مطلب فی أن الکفار مخاطبون ندبا، کراچی ٤/١٢٩، زکریا ٦/٢١٠)

(ب) اور جو مچھلیاں دوا کی وجہ سے مرکر اوپر آ گئی ہیں ان کا کھانا حلال ہے۔

(مستفاد: احسن الفتاویٰ ۷/۳۹۰)

إلقاء شيئ و كان يعلم أنها تموت منه قال في المنع أو أكلت شيئا ألقاه في الماء لتأكله فماتت منه وذٰلک معلوم (إلى قوله) جميع ما ذكر وهو الأصل في الحل.

(شامی، کتاب الذبائح، کراچی ٦/٣٠٧، زکریا ٩/٤٤٥، طحطاوی علی الدر کوئٹه ٤/١٥٧)

(ج) طبی نقصان نہ ہونے کی صورت میں کچی مچھلی یا گوشت کھانا فی نفسہ حلال ہے مگر انسانی معدہ ایسی چیزوں کا متحمل نہیں ہوتا اور یہ بھی شریعت کا حکم ہے کہ ایسی چیز نہ کھائی جائے جو صحت کے لیے نقصان دہ ثابت ہو، اگر کسی شخص کا معدہ برداشت کرلیتا ہے تو اس کے کھالینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
۹ر جمادی الثانیہ ۱۴۲۰ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۶۱۹۹)	۱۴۲۰/۶/۹ھ

چھینگر، چھوٹی مچھلی وغیرہ لگا کر بڑی مچھلی کا شکار کرنا

سوال [۹۷۸۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) چھینگر اور تیلغی از قسم مکوڑا ہے مچھلی پکڑنے والے کانٹے میں لگا کے مچھلی کا شکار کرتے ہیں حکم کیا ہے؟

(۲) چھوٹی زندہ مچھلی کانٹے میں لگاکے سطح آب پر چلائی جاتی ہے اور بڑی مچھلی اس طرح کانٹے میں پھنس جاتی ہے دوسری شکل مچھلی کو سڑا کے شکار کرنا ہے، الگ الگ حکم تحریر فرمائیں؟

(۳) سیپ کے اندر جو گوشت ہوتا ہے اسکو کانٹے میں لگاکے مچھلی پکڑی جاتی ہے نیز شراب آمیز مصالحہ اور گائے بھینس، بکری وغیرہ کی تلی سے مچھلی کا شکار کرنا کیسا ہے؟

المستفتی: عبدالکریم آسامی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ تینوں قسم کی اشیاء اور جانوروں سے مچھلی کا شکار جائز ہے، مگر شرط یہ ہے کہ زندہ جانور کو کانٹے میں نہ لگایا جائے، بلکہ پہلے اس کو جان سے مار دیا جائے اس کے بعد مردہ چیز کو کانٹے میں لگا کر شکار کیا جائے، زندہ جانور کو اس طرح تکلیف دینا سخت گناہ ہے۔

أن رسول الله ﷺ لعن من اتخذ شيئا فيه روح غرضا. (مسلم، كتاب الصيد والذبائح، باب النهى عن صبر البهائم، النسخة الهندية ۲/۱۵۳، بيت الأفكار رقم: ۱۹۵۸) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
۱۵ر شوال المکرّم ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۴۹۹۶)

جالی پھندا لگا کر جانور اور گھیسا سے مچھلی کے شکار کا حکم

سوال [۹۷۸۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: جالی اور پھندا لگا کر پرندوں کا یا دیگر حلال جانوروں کا شکار کرنا اسی طرح کانٹے میں گھیسا لگا کر مچھلی کا شکار کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جال اور پھندے سے پرندوں اور حلال جانوروں کا شکار کرنا جائز ہے، اسی طرح کانٹے میں گھیسا لگا کر مچھلی شکار کرنا جائز ہے لیکن

گھیسے کو کانٹے میں لگانے سے پہلے ماردیا جائے اور مردہ حالت میں لگایا جائے۔(مستفاد: امدادالفتاویٰ ۳/ ۷۵۵، فتاویٰ محمودیہ قدیم ۵/ ۱۲۹، جدید ڈابھیل ۱۷/ ۲۱۸)

عن ابن عباس أن النبی ﷺ قال: لاتتخذوا شیئا فیه الروح غرضا.

(صحیح مسلم، کتاب الصید والذبائح، باب النهی عن صبر البهائم، النسخة الهندیة ۲/ ۱۵۳، بیت الأفکار رقم: ۱۹۵۸)

أن من نصب شبکة فتعقل بها صید ملکه صاحب الشبکة. (عالمگیری، کتاب الصید، الباب الثانی، زکریا قدیم ٥/ ٤١٧، جدید ٥/ ٤٧٤، شامی کراچی ٦/ ٤٦٢، زکریا ٤٠/ ٤٧، تاتارخانیة زکریا ١٨/ ٤٥٣، رقم: ٢٩٥٥٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍ جمادی الاخریٰ ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۴۳۵)

زندہ جانور کو کانٹے میں پھنسا کر مچھلی کا شکار کرنا

سوال [۹۷۸۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہم لوگ اکثر مچھلی کے شکار میں جاتے ہیں، شکار میں ایک قسم کا سمندری کیڑا زندہ کانٹے میں لگاتے ہیں، ایک دوست پاکستان سے آیا، اس نے بتایا یہ حرام ہے، جاندار کو کانٹے میں لگاتے ہو اس طرح تکلیف پہنچانا حرام ہے، ہم لوگ پریشان ہو گئے کیونکہ چار پانچ سال سے ہم لوگ ایسے ہی شکار کھیلتے چلے آرہے ہیں؟

المستفتی: حبیب اللہ تاج شارجہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: زندہ جانور (کیڑا) کو کانٹے میں پھنسا کر شکار کرنا جائز نہیں ہے، اس لیے کہ اس میں تعذیب حیوان ہے، ہاں اس کو مار کر کانٹے میں پھنسا کر شکار کرنا جائز ہے۔(مستفاد: فتاویٰ رشیدیہ قدیم ۵۹۶، جدید زکریا ۵۸۸)

عـن سـعيـد بـن جبير قال: إن رسول الله ﷺ لعن من اتخذ شيئا فيه الروح غرضا. (صحيح مسلم، كتاب الصيد والذبائح، باب النهى عن صبر البهائم، النسخة الهندية ۲/۱۵۳، بيت الأفكار رقم: ۱۹۵۸)

ويكـره تـعليم البازي بالصيد الحي يأخذه ويعذبه ولا بأس بأن يعلم بـالـمذبوح كذا في المحيط. (هنديه، كتاب الكراهية، الباب الحادى والعشرون، زكريا قديم ۵/۳۶۳، جديد ۵/۴۱۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
۲۲ ر ربیع الاول ۱۴۱۹ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۶۹۳)	۱۴۱۹/۳/۲۲ھ

سیلاب سے آئی ہوئی مچھلیوں کو پکڑ نا

سوال [۹۷۹۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے یہاں کا عام رواج ہے کہ جوندی سیلاب سے بھرتی ہے اور سیلاب ہی کے ذریعہ اس میں مچھلی آتی ہے تو آس پاس کے لوگ اس ندی کے خریدار سے مفت میں سالن اور ترکاری کے نام پر مچھلی لے کر کھاتے ہیں، اور ندی کا مالک عام رواج کا خیال کر کے دیتا ہے، نہ کہ دلی خوشی سے تو کیا مفت کی مچھلی کھانا جائز ہے؟

المستفتی: محمد اشتیاق نور قاسمی بھاگلپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: سیلاب سے آئی ہوئی مچھلیوں کو پکڑ نا ہر شخص کے لیے جائز ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۳/۵۳۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹ر شعبان المعظم ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۴۱۵۲)

زندہ مینڈک، چوہیہ، کانٹے میں پھنسا کر مچھلی کا شکار کرنا

سوال [۹۷۹۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) درج ذیل جانوروں کے ذریعہ شکار ماہی کرنا کیسا ہے، (۱) گھیسا (۲) مینڈک (۳) چوہیہ زندہ، مردہ گھیسا کا کیا حکم ہے؟

(۲) مینڈک یا مینڈک کی زندہ یا مردہ کانٹے میں لگا کر سطح آب پر چھپکی دیتے ہیں یہ شکل ہے، شکار کرنے کی، اس کا حکم کیا ہے؟

(۳) زندہ یا مردہ چوہیہ، مچھلی پکڑنے والے کانٹے میں لگا کے مچھلی پکڑتے ہیں، حکم کیا ہے؟ مدلل جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی: محمد اعظم نانگل سوتی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱-۲-۳) گھیسا، مینڈک اور چوہیہ جب زندہ ہوں تو ان کو کانٹے میں لگا کر اس سے مچھلی شکار کرنا جائز نہیں، شریعت میں زندہ جانوروں کو عذاب وتکلیف دینے کی ممانعت وارد ہے، لہٰذا ان کو مار کر یا جو مرے ہوئے ہوں، ان کے ذریعہ شکار کرنا چاہئے اور ان چیزوں کے ذریعہ شکار کردہ مچھلی بلاشبہ حلال وجائز ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۳/۵۵۷)

عن سعيد بن جبير قال: إن رسول الله صلى الله عليه وسلم لعن من اتخذ شيئا فيه الروح غرضا. (صحيح مسلم، كتاب الصيد والذبائح، باب النهى عن صبر البهائم، النسخة الهندية ۲/۱۵۳، بيت الأفكار رقم: ۱۹۵۸)

ويكره تعليم البازي بالصيد الحي يأخذه ويعذبه ولا بأس بأن يعلم بالمذبوح كذا في المحيط. (هنديه، كتاب الكراهية، الباب الحادى والعشرون، زكريا قديم ۵/۳۶۳، جديد ۵/۴۱۸)

ولايكره أكل الدجاج المخلى و إن كان يتناول النجاسة لأنه لا يغلب عليه

أكل النجاسة. (هنديه كتاب الذبائح، الباب الثانى، زكريا قديم ٥/ ٢٩٠، جديد ٥/ ٣٣٤)

وقتل النملة قيل لا بأس به مطلقا ...... ويكره إلقاؤه فى الماء. (البحر الرائق، كتاب الكراهية، فصل البيع، كوئٹه ٨/ ٢٠٤، زكريا ٨/ ٣٧٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍شعبان المعظم ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۴۹۷۴)

نیل گائے کا شکار کرتے وقت دماغ پھاڑ ڈالنا

سوال [۹۷۹۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: نیل گائے کا شکار اس طرح سے کرنا کہ ایک جانب جال لگا کر اور بقیہ سب جانب سے بھگاتے ہیں جب وہ نیل گائے اس جال میں پھانسی کے پھندے کی طرف اپنی گردن پھانس لیتی ہے تو یہ شکاری حضرات اس کے پھنسنے کی حالت میں اتنے ڈنڈے اور لاٹھیاں مارتے ہیں کہ بعض مرتبہ اس کی آنکھیں باہر نکل آتی ہیں اور دماغ پھٹ جاتا ہے، یہ سب عمل اس کو قابو میں لانے کے لیے کرتے ہیں، پھر اس کے بعد ذبح کر کے کھاتے ہیں تو ایسا کر کے کھانا کیسا ہے، یہ ایک شکل ہے دوسری شکل یہ ہے کہ اس کو ذبح کر کے دوری اور مجبوری کی وجہ سے مثلاً ندی کے اس پار شکار کیا اب اس کو اس پار لانے کے لیے ذبح کی ہوئی نیل گائے ندی کے پانی میں ڈال کر بہاتے ہوئے چلے آتے ہیں، جب اپنے گاؤں کے قریب آجاتے ہیں تو اس کو نکال کر آپس میں تقسیم کر کے اس کو کھاتے ہیں، تو ایسا کر کے کھانا یا لاٹھی ڈنڈوں سے مار کر کھانا کیسا ہے؟ حرام، حلال، جائز ناجائز، مکروہ تحریمی یا تنزیہی ہے؟

المستفتی: عبد السلام غوث گنج ہردوئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شکار کو قابو میں لانے کے لیے لاٹھیوں اور ڈنڈوں وغیرہ سے مارنا جائز ہے، لیکن اس طرح مارنا کہ بلا وجہ جانور کو ایذاء اور تکلیف پہنچے

جائز نہیں ہے، کیونکہ شکار کی حلت منصوص ہے، اور جب اسے ذبح کرلیا گیا تو اس کا کھانا بلا کراہت جائز ہے، یہ ایذاء اس کی حلت پر اثر انداز نہیں ہوگی۔

إن لهـذه البهـائـم أوابـد كأوابد الوحش وما فعل منها هذا فافعلوا به مثل هـذا أى الجرح والقتل، والظاهر أن السهم أصاب المقتل فمعنى حبسه أى قتله ويحتمل أنه لم يصب المقتل فحينئذ معنى قوله حبسه كفه عن الشرود –إلى– فإن الـمتوحش إذا ند يكون فى حكم الصيد فإذا أخذ وفيه الحياة المستقرة لم يبق فى حكم الصيد فلا يحل بالذكاة الاضطرارية بل يلزم ذبحه وإلا حرم أكله.

(بـذل الـمـجهود فى حل أبى داؤد، كتاب الضمايا، باب الذبيحة بالمروة، مكتبه يحى سهارنپور ٤/٨٠، دار البشائر الإسلامية بيروت ٥٨٢/٩ تحت رقم الحديث ٢٨٢١)

دوسری شکل میں جب باضابطہ جانور ذبح کے بعد دریا میں ڈال دیا جائے تو جائز ہے، دریا میں ڈالنے سے اس کے اندر کوئی کراہت نہیں آئے گی، ہاں اگر بقدر حیات جان باقی ہو اس وقت دریا میں ڈال دیا جائے تو پھر اس کا کھانا حرام ہے۔

ألا تـرىٰ أنـه لـو وقع فى الماء وهو لهذه الحالة لا يحرم كما إذا وقع بـعـد مـوته لأن موته لايضاف إليه. (البـحـر الـرائق، كتاب الصيد، زكريا ٤١٢/٨، كوئٹه ٢٢٤/٨) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶؍محرم الحرام ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۶۴۶۳/۳۴)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۱/۲۶ھ

گھر کی حفاظت کے لیے کتا پالنا

سوال [۹۷۹۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اپنے گھر یا دوکان کی حفاظت کے لیے کتا پال سکتے ہیں یا نہیں؟ جبکہ میرا گھر گاؤں کے کنارے پر ہے اور چوروں اور ڈاکوؤں کا خطرہ لگا رہتا ہے۔

المستفتی: ارشد خان شاہد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: احادیث میں کتا پالنے کی سخت ممانعت آئی ہے جہاں کتا ہوتا ہے وہاں رحمت کے فرشتے نہیں آتے ہیں۔

لاتدخل الملائكة بيتا فيه كلب و لا تصاوير. (بخاری شریف، کتاب اللباس، باب التصاوير ۲/ ۸۸۰، رقم: ۵۷۱٦، ف: ۵۹۴۹)

اسی طرح دوسری حدیث میں آیا ہے:

من اقتنى كلبا إلا كلب ماشية أو ضاري، نقص من عمله كل يوم قير اطان. (مسلم شريف كتاب المساقاة والمزارعة، باب الأمر يقتل الكلاب النسخة الهندية ۲/ ۲۱، بيت الأفكار رقم: ۱۵۷٤)

اس حدیث شریف میں کچھ کتوں کا استثناء بھی کیا گیا ہے اور علماء نے ضرورت شدیدہ کے وقت کتا پالنے کی اجازت بھی دی ہے، مگر وہ کتے بھی دخول ملائکہ سے مانع ہیں۔

قال النووی: والأظهر أنه عام في كل كلب و كل صورة و أنهم يمتنعون من الجميع لإطلاق الأحاديث. (شرح نووی علی هامش مسلم، كتاب اللباس والزينة، باب تحريم تصوير صورة الحيوان، ۲/ ۲۰۰، مرقاة شرح مشكوٰة، باب التصاوير امداديه ملتان ۸/ ۳۲٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶/ جمادی الاولی ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۱۸۶)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۶/۴ھ

جانی مالی حفاظت کی غرض سے کتا پالنا

سوال [۹۷۹۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: چوروں اور ڈاکو سے مامون ومحفوظ رہنے کے واسطے اپنے گھر میں کتا پال سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتی: ایم، زیڈ، شاہد خان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر واقعی چوروں کا شدید خوف ہے اور کتا پالنے سے جان و مال کی حفاظت ممکن ہو تو ایسی صورت میں کتا پالنے کی گنجائش ہے، لیکن آج کل کے زمانے میں ایسی ضرورت کا وجود ناپید ہے، جس کی وجہ سے کتا پالنے کی گنجائش ہو، اس لیے کتا پالنے والے اپنے حالات کو دیکھ کر خود اپنی خیر منائیں۔ (مستفاد: محمودیہ قدیم ۶/ ۳۷۲، ۶/ ۳۶۵، ۱۷/ ۳۶۵، جدید ڈابھیل ۱۹/ ۴۷۱، ۱۸/ ۲۶۵، ۲۶۷)

وفی الأجناس لاینبغي أن یتخذ کلبا إلا أن یخاف من اللصوص أو غیرهم ویجب أن یعلم بأن اقتناء الکلب لأجل الحرس جائز شرعاً. (هندیه، کتاب الکراهیة، الباب الحادی والعشرون، زکریا قدیم ۵/ ۳۶۱، جدید ۵/ ۴۱۶، تاتارخانیة زکریا ۱۸/ ۲۲۳، رقم: ۲۸۵۸۰)

وأما اقتناء الکلاب فمذهبنا أنه یحرم اقتناء الکلب بغیر حاجة ویجوز اقتنائه للصید وللزرع وللماشیة وهل یجوز لحفظ الدور والدروب ونحوها الخ. (شرح المسلم للنووی، کتاب المساقاة والمزارعة، باب الأمر بقتل الکلاب ۲/ ۲۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۷۲۴۳)

شکاری کتے کا ہرن کو مار ڈالنا

سوال [۹۷۹۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) زید نے شکار کے لیے ایک کتا پالا، زید اس کو لے کر جنگل گیا اور شکار پر نظر پڑتے ہی بسم اللہ پڑھ کر زنجیر سے کتا کھول کر ہرن کے پیچھے چھوڑ دیا، کتے نے ہرن کو جان سے مار ڈالا، صورت مسئولہ میں کیا اس ہرن کا کھانا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) دوسری صورت یہ ہے کہ زید نے گھر کی حفاظت کے لیے ایک کتا پالا اس کتے کو بسم اللہ

پڑھ کر کسی ہرن کے پیچھے چھوڑ دیا، کتے نے ہرن کو دبوچ کر مار ڈالا تو اس ہرن کا کھانا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد عباس قاسم رام جی والا بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) زید نے شکار کے لیے جو کتا پال رکھا ہے اس کتے کو شکار کی تربیت دی گئی ہو اور اس پر مکمل اعتماد ہو چکا ہو کہ اب یہ کتا شکاری بن چکا ہے، اور یہ کوئی بھی شکار کو مارنے کے بعد اس میں سے نہیں کھاتا ہے بلکہ مالک کے پاس لاکر پیش کر دیتا ہے اگر اس طرح تربیت یافتہ کتا ہے اور اس کو بسم اللہ پڑھ کر ہرن پر چھوڑ دیا ہے اور اس نے ہرن کو جان سے مار دیا ہے اور ہرن میں سے کچھ نہیں کھایا تو ایسی صورت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق وہ ہرن حلال ہے، لیکن اگر کتا مکمل تربیت یافتہ نہیں ہے تو ہرن حلال نہیں ہے۔

عن عائذ الله بن عبد الله أنه سمع أبا ثعلبة الخشني قال: قلت: يا رسول الله إنا أهل صيد فقال إذا أرسلت كلبك و ذكرت اسم الله عليه فأمسك عليك فكل، قلت و إن قتل، قال و إن قتل. (ترمذی شریف، أبواب الصيد، باب ماجاء ما يؤكل من صيد الكلب، النسخة الهندية ۱ / ۲۷۱، دار السلام رقم: ۱٤٦٤)

(۲) جو کتا گھر کی حفاظت کے لیے پالا گیا ہے اور اس کو شکار کی تربیت نہیں دی گئی ہے پھر اس کو بسم اللہ پڑھ کر ہرن پر چھوڑ دیا ہے اور اس نے ہرن کو مار ڈالا ہے تو وہ ہرن حلال نہیں ہے، یہ بات سوال (۱) میں آچکی ہے فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷؍ رجب المرجب ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۳۷۹)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۸/۷/۱۷ھ

مسلمان کے لیے خنزیر کے شکار کی صورت میں قیمت لینے کا حکم

سوال [۹۷۹۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: زید غیر مسلم مزدوروں کے ساتھ جنگل میں کام کررہا تھا، اسی درمیان وہاں ایک خنزیر آگیا، مزدوروں نے یہ سمجھا کہ یہ غیر مسلموں میں سے کسی کی ملک نہیں ہے بلکہ جنگلی ہے، لہٰذا اسے مار کر گوشت تقسیم کیا، لیکن زید کو انہوں نے گوشت کے بجائے اس کے حصہ کی قیمت دی اور کہا کہ تمہارے مذہب میں اس کا گوشت کھانا جائز نہیں ہے، زید نے قیمت لے کر استعمال کرلی، تو کیا زید کا قیمت لے کر استعمال کرنا درست ہے، اور بعد میں یہ معلوم ہونے پر کہ وہ خنزیر جنگلی نہیں تھا بلکہ گاؤں میں سے کسی کا تھا، اس کی قیمت بھی ادا کرنی پڑی، تو کیا زید کو بھی اس کی قیمت ادا کرنی ہوگی؟، یہ ضرور بتلایا جائے کہ اپنے حصہ کی قیمت استعمال کرنے سے ایمان میں تو کوئی خرابی نہیں آئی؟

المستفتی: محمد فہیم صفدر گنج، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب بعد میں یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ وہ خنزیر کسی غیر مسلم کی ملکیت تھا تو لی ہوئی قیمت کا واپس کرنا زید کے اوپر واجب ہے، اور زید نے خنزیر بیچا نہیں ہے، بلکہ خنزیر کا پورا قبضہ غیر مسلموں کے ہاتھوں میں رہا ہے، اور انہوں نے اس کو خنزیر سے حصہ دینے کے بجائے حصہ کی قیمت کے نام سے پیسہ دیا ہے اور انہوں نے خود اس بات کی وضاحت کردی ہے کہ تمہارے لیے اس کا گوشت کھانا جائز نہیں ہے اس لیے ہم تمہیں پیسے دے رہے ہیں اور اس میں ایسا بھی نہیں ہے کہ ایک حصہ پر قبضہ کرکے زید نے اسے غیر مسلموں کے ہاتھ بیچا ہو بلکہ غیر مسلموں نے اپنے گمان کے مطابق اس کو ایک مقدار پیسہ دیا ہے، اور بعد میں غیر مسلموں کے عقیدے اور گمان کے مطابق پوری قیمت واپس کرنی پڑی اس لیے زید کو بھی جس سے پیسہ لیا تھا اس کو پیسہ واپس کرنا ضروری ہوگا، اور خنزیر کو غیر مملوک جنگل کا جانور سمجھ کر اس کی قیمت جو زید نے استعمال کی ہے اس کی وجہ سے اس کے ایمان میں کوئی فرق نہیں آئے گا، مگر پھر بھی توبہ واستغفار کرلینا چاہیے۔

إن بلالا قال لعمر بن الخطاب رضی الله عنه إن عمَّالک یأخذون الخمر والخنازیر فی الخراج فقال لاتاخذوها منهم، ولکن ولوهم ببیعها وخذوا أنتم من الثمن. (اعلاء السنن، کتاب البیوع، أبواب البیوع الفاسدة، باب حرمة

بيع الخمر، دار الكتب العلمية بيروت ۱۳٤/۱٤، كراچی ۱۱۱/۱٤)

فهذا عمر قد أجاز لأهل الذمة بيع الخمر والخنازير و أجاز للمسلمين أخذ أثمانها فى الجزية والخراج وذٰلک بمحضر من الصحابة ولم ينكر عليه منكر. (اعلاء السنن، دار الكتب العلمية بيروت ۱۳٥/۱٤، كراچی ۱۱۲/۱٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲؍ربیع الثانی ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۰۳۳/۳۹)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۵؍۴؍۱۴۳۱ھ

ایذا پہنچانے والی چیونٹیوں کو مارنا

سوال [۹۷۹۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میرا ایک کمرہ ہے جس میں کالی کیڑی (چیونٹی) اتنی زیادہ تعداد میں نکلتی ہیں کہ ساری چھت اور ساری دیواروں پر چیونٹیاں ہی چیونٹیاں نظر آتی ہیں، کمرے میں بیٹھنا اور سونا مشکل ہو جاتا ہے ایسی صورت حال میں کئی بار کمرہ چھوڑ کر باہر نکلنا پڑا، لیکن ٹھنڈک اور ایک بالکل چھوٹے بچے کے ساتھ نکلنا مشکل تھا اس وجہ سے وہ جب بھی نکلیں دوائی ماردی، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ابھی اور باقی ہیں اب اگر چیونٹی اور نکلتی ہیں تو میں کیا کروں، اور جو چیونٹیاں ماردی گئی ہیں ان کے بارے میں میرے لیے شریعت کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: محمد معین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جن چیونٹیوں کی وجہ سے آپ کو گھر چھوڑ کر باہر نکلنا پڑتا ہے، ان کو مارنے میں کوئی گناہ نہیں، مگر جو بلوں کے اندر ہیں ان کو مارنا جائز نہیں، بہتر یہی ہے کہ کمرہ کو خوب صاف رکھا جائے اور جہاں سوراخ ہو اس کو بند کر دیا جائے، ایذاء پہنچانے والی کو مارنے کی گنجائش ہے، اور ایذاء نہ پہنچانے والی کو مارنا ممنوع ہے۔

عن أبی هريرة أن النبی ﷺ قال: نزل نبی من الأنبياء تحت الشجرة فلدغته نملة فأمر بجهازه فأخرج من تحتها ثم أمر بها فأحرقت فأوحیٰ الله إليه فهلا نملة واحدة. (مسلم، كتاب قتل الحيات وغيرها، باب النهی عن قتل النمل، النسخة الهندية ٢/٢٣٦، بيت الأفكار رقم: ٢٢٤١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱؍ذی الحجہ ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۵۴۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۸/۲/۲۱ھ

شوقیہ کتا پالنا کیسا ہے؟

سوال [۹۷۹۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں شوق میں کتا پال سکتا ہوں یا نہیں؟ کتا پالنے سے ہمارے گھر میں رحمت کے فرشتے آئیں گے یا نہیں؟ کیا میں کتے کی تجارت کرسکتا ہوں؟

المستفتی: محمد جاوید کارخانہ دار، تحصیل اسکول

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شوقیہ کتا پالنا جائز نہیں ہے، اور جس کے گھر میں شوقیہ کتا ہو اس کے گھر میں رحمت کے فرشتے نہیں آتے اور شوقیہ کتے کی تجارت بھی جائز نہیں ہے، حدیث پاک میں آیا ہے کہ اس کی تجارت اور اس کا پیسہ ناپاک اور خبیث ترین پیشہ ہے۔

عن عوف بن أبی جحيفة رضـ **قال:** ...... **نهی النبی ﷺ عن ثمن الكلب و ثمن الدم.** (صحيح البخاری، باب موكل الربا، النسخة الهندية ١/٢٨٠، رقم: ٢٠٣٩، ف: ٢٠٨٦)

عن أبی مسعود الأنصاري رضـ **أن النبی ﷺ نهی عن ثمن الكلب و مهر البغی و حلوان الكاهن.** (صحيح البخاری، باب ما جاء في كسب البغي والإماء، النسخة الهندية ١/٣٠٥، رقم: ٢٢٢٧، ف: ٢٢٨٢)

عن رافع بن خديج رضـ **عن رسول الله ﷺ قال: ثمن الكلب خبيث و**

مهر البغي خبيث. (صحيح مسلم، باب تحريم ثمن الكلب، النسخة الهندية ۲/۱۹، بيت الأفكار رقم: ۱۵۶۸)

نیز حنبلی مسلک کے علماء نے لکھا ہے: **کلب معلم کی تجارت بھی ناجائز اور حرام ہے۔**

و بيع الكلب باطل و إن كان معلما لايختلف المذهب في أن بيع الكلب باطل أى كلب كان. (المغنى لابن قدامه، دار الكتب العلمية بيروت ۴/۱۷۱)

و طائفة ذهبت إلى تحريم أثمان ما لايحل الانتقام به منها و إباحة أثمان غيرها وهو مذهب أبى حنيفة و أصحابه هو أولىٰ القولين بالقياس. (إعلاء السنن، باب النهى عن بيع الكلب، كراچى ۱۴/۴۳۰، اعلاء السنن بيروت ۱۴/۴۹۲)

ويدل لذٰلک أن النهى إنما يتناول الكلاب التى لا نفع فيها. (حاشية چلپى على تبيين الحقائق، كتاب البيوع، باب المتفرقات، زكريا ۴/۵۳۰، امداديه ملتان ۴/۱۲۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹/ ربیع الثانی ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۷۹۶۶/۳۶)

۳۵ کتاب الذبائح

۱ باب شرائط الذبح وسننه و آدابه

ذبح کرنے کا مسنون طریقہ

سوال [۹۷۹۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بوقت ذبح جانور کو دائیں پہلو پر لٹایا جائے یا بائیں پہلو پر، صحیح اور مسنون طریقہ کون سا ہے؟ اور حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام نے بوقت ذبح حضرت اسماعیل علیہ السلام کو کس پہلو پر لٹایا تھا؟

المستفتی: محمد عثمان القاسمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) ذبح کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ جانور کو بوقت ذبح بائیں پہلو پر رو بقبلہ لٹایا جائے اور اپنا دایاں پیر اس کے شانے پر رکھے۔ (مستفاد: مسائل قربانی وعقیقہ ص:۴۵)

واتفقوا على أن اضجاعها يكون على الجانب الأيسر فيضع رجله على الجانب الأيمن. (حاشية أبو داؤد شريف، النسخة الهندية ۲/۳۸٦)

(۲) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو بوقت ذبح اس طرح کروٹ پر لٹایا تھا کہ پیشانی کا ایک کنارہ زمین سے چھونے لگا، لغت کے اعتبار سے یہی تفسیر راجح ہے، اسی لیے حضرت حکیم الامت نے کروٹ پر لٹانے سے ترجمہ کیا ہے بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ اوندھے منھ زمین پر لٹایا تھا تاکہ بیٹے کے چہرے کو دیکھ کر جوش پدری غالب نہ آسکے، بہر حال اول حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سیدھا لٹایا تھا، پھر حضرت اسماعیل علیہ السلام کے کہنے پر چہرے کے بل کروٹ سے لٹایا تھا۔ (مستفاد: معارف القرآن مطبوعہ دہلی ۷/۴۶۱)

وتـلـه أی صـرعـه علی الأرض للجبین قال ابن عباس أضجعه علی جنبه علی الأرض والجبهة بین الجنبین. (تفسیر مظهری زکریا دیوبند قدیم ۱۲۹/۸- ۱۳۰، جدید ۸/ ۸۵، تحت تفسیر رقم الآیة ۱۰۳ من سورة الصافات) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸/محرم الحرام ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۸۶۵۵)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۱/۱۹ھ

بسم اللہ پڑھ کر ذبح کرنا

سوال [۹۸۰۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر کوئی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کہہ کر ذبح کرے تو یہ جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: مزمل الحق

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اللہ پاک کے جس نام سے ذبح کریں ذبیحہ درست ہے، لہٰذا بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کہنے سے ذبیحہ درست ہے اور کھانا بھی جائز ہے، لیکن مستحب طریقہ یہ ہے کہ بسم اللہ اللہ اکبر کہے:

﴿**فَكُلُوا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ بِآيَاتِهِ مُؤْمِنِيْنَ.** [الأنعام: ۱۱۸]﴾

عن أنس قال: ضحی النبی صلی اللہ علیہ وسلم بکبشین أملحین أقرنین، ذبحهما بیده، وسمی وکبر، ووضع رجله علی صفاحهما. (صحیح البخاری، باب التکبیر عند الذبح، النسخة الهندیة ۸۳۵/۲، رقم: ۵۳۵۰، ف: ۵۵٦۵، صحیح مسلم، باب استحباب استحسان التضحیة ...... النسخة الهندیة ۱۵۵/۲ بیت الأفکار رقم: ۱۹٦٦)

والشرط فی التسمیة هو الذکر الخالص بأی اسم کان مقرونا بصفة کألله أکبر أو أجل أو أعظم. (شامی، کتاب الذبائح، زکریا ۴۳۷/۹، کراچی ۳۰۱/٦)

وإن قال بسم الله الرحمن الرحیم فهو حسن. (شامی زکریا ۴۳۸/۹،

کراچی ۳۰۲/۶) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍ربیع الثانی ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۴ ۶۰۷)

کیا بوقت ذبح بسم اللہ واللہ اکبر کہنا مکروہ ہے؟

سوال [۹۸۰۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: آپ کا رسالہ ندائے شاہی ماہ دسمبر ۲۰۰۷ء کا زیر نظر آیا جس میں آپ نے قربانی سے متعلق چند مسائل تحریر فرمائے تھے، صفحہ ۴۶ پر یہ مسئلہ لکھا ہے کہ بوقت ذبح بسم اللہ واللہ اکبر کہنا مکروہ ہے، اس کے برخلاف مشکوٰۃ شریف کے صفحہ ۱۲۷؍ پر حضرت انسؓ سے مروی ہے جو کہ متفق علیہ روایت ہے:

عن أنس قال: ضحی رسول ﷺ بکبشین أملحین أقرنین، ذبحهما بیده، وسمی و کبر، ووضع رجله علی صفاحهما ویقول بسم الله والله أکبر.

اور صفحہ ۱۲۸ پر احمد، ابوداؤد اور ترمذی کی دوسری حدیث ہے:

ذبح بیده وقال بسم الله والله أکبر اللهم هذا عنی و عمن لم یضحی من أمتی.

ان دونوں حدیثوں میں بسم اللہ واللہ اکبر واؤ کے ساتھ ہے، جبکہ آپ نے واؤ کے ساتھ مکروہ بتلایا ہے، بظاہر آپ کے مسئلہ اور مذکورہ احادیث میں تضاد ہے۔

ازراہ کرم دونوں میں تطبیق کی شکل تحریر فرما کر ارسال فرمائیں؟

المستفتی: محمد عبداللہ قاسمی، پرنس میڈیکل اسٹور، گند یوڑ، چھٹمل پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: آنجناب نے مشکوٰۃ شریف کے حوالے سے جو حدیث شریف نقل فرمائی ہے وہ صحیح اور درست ہے اور اسی طرح ابوداؤد، ترمذی اور مسلم شریف وغیرہ اکثر کتب حدیث میں واؤ کے ساتھ موجود ہے اس لیے واؤ کے ساتھ تسمیہ کو مکروہ کہنا واقعی خلجان کا باعث ہے، لیکن احقر نے یہ مسئلہ حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحب جو دارالعلوم دیوبند کے سب سے اول اور پہلے مفتی تھے، اور اپنے زمانہ کے مفتی اعظم کہلاتے

تھے، ان کے فتویٰ سے نقل کر کے اسی کا حوالہ دیا ہے، اور ان سے بھی اس مسئلہ پر اشکال کیا گیا تھا، اس کا جواب انہوں نے تقریباً دو صفحہ میں مدلل پیش کیا ہے جو عزیز الفتاویٰ ۶۹۹ / میں موجود ہے، نیز درمختار کی عبارت میں بھی واؤ کے ساتھ مکروہ لکھا ہے، ملاحظہ فرمائیں:

الـمستحب أن يقول بسم الله ألله أكبر بلا واو و كره بها لأنه يقطع فور التسمية. (در مختار مع الشامی، کتاب الذبائح، زکریا ۴۳۷/۹، کراچی ۳۰۱/۶)

اور ایسی ہی عبارت ہدایہ کی شرح عینی میں بھی ہے:

و ذكر شمس الأئمة الحلواني ويستحب أن يقول بسم الله الله أكبر بدون الواو. (البناية شرح هداية اشرفيه ۵۴۹/۱۱)

اور ہدایہ کے حاشیہ میں بھی اسی طرح واؤ کے ساتھ مکروہ لکھا ہے، اور عالمگیری میں بھی واؤ کے ساتھ مکروہ لکھا ہے، ملاحظہ ہو:

قال البقالي: المستحب أن يقول بسم الله الله أكبر بدون الواو و مع الـواو يـكـره لأن الواو يقطع فور التسمية. (عـالـمـگيـری، كتاب الذبائح، الباب الأول، زكريا قديم ۲۸۸/۵، جديد ۳۳۲/۵)

حضرات فقہاء نے واؤ کے ساتھ اس لیے مکروہ یا خلاف اولیٰ لکھا ہے کہ واؤ کی وجہ سے بسم اللہ اللہ اکبر کے کلمہ کے درمیان فصل واقع ہو جاتا ہے، آنجناب کی طرف سے توجہ دلانے پر احادیث شریفہ کی مختلف کتابیں اس موضوع پر دیکھنے کا اتفاق ہوا تقریباً سب میں واؤ کے ساتھ ہے اور نصب الرایہ میں مستدرک حاکم کے حوالہ سے بغیر واؤ کے ایک حدیث نقل کی گئی ہے، مگر مستدرک کی حدیث ۷۵۷۱ / میں براہ راست دیکھ لیا گیا ہے، تو اس میں بھی واؤ کے ساتھ مذکور ہے، اس لیے آئندہ کی اشاعت میں ان شاء اللہ اس کی اصلاح کردی جائے گی، اور واؤ کے ساتھ کو جن فقہاء نے مکروہ کہا ہے وہ واقعی خلجان کا باعث ہے، اس لیے احقر خود بھی اب واؤ کے ساتھ مکروہ یا خلاف اولیٰ نہیں سمجھتا، بلکہ جس طرح بغیر واؤ کے مستحب یا مسنون ہے ایسا ہی واؤ کے ساتھ بھی مسنون ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶ / محرم الحرام ۱۴۲۹ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۹۴۱۵/۳۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۱/۶ھ

بسم اللہ کے علاوہ اللہ کے اسماء حسنیٰ اور حمد وثنا کے ذریعہ ذبح کرنا

سوال [۹۸۰۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ''الحمد للہ سبحان اللہ'' کہہ کر کسی نے ذبح کیا تو کیا اس سے بھی ذبیحہ حلال ہو جائے گا یا نہیں؟ مدلل تحریر کریں؟

المستفتی: محمد شعیب مانپور مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ''الحمد للہ، سبحان اللہ'' پڑھ کر جانور کو ذبح کرنے سے بھی ذبیحہ حلال ہو جاتا ہے، بشرطیکہ اس میں تسمیہ کی نیت بھی کی ہو۔

﴿فَكُلُوا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ إِنْ كُنْتُمْ بِآيَاتِهِ مُؤْمِنِيْنَ. [الأنعام: ۱۱۸]﴾

ولو سبح أو حمد الله أو كبر يريد به التسمية على الذبيحة تحل، وإن لا فلا؛ لأن هذه الألفاظ كناية عن التسمية والكناية إنما تقوم مقام الصريح بالنية. (البحر الرائق، كتاب الذبائح، زكريا ۸/۳۰۷، كوئٹه ۸/۱٦۸، هنديه زكريا قديم ۵/۲۸۵، جديد ۵/۳۳۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٦/ ذی قعدہ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۲۸۱)

قربانی اور عقیقہ کے مشترک جانور میں دعاؤں کی ترتیب کیا ہو؟

سوال [۹۸۰۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: قربانی اور عقیقہ کے مشترک جانور میں دعاؤں کی کیا ترتیب رہے گی، اور یہ ادعیہ کس وقت پڑھیں؟

المستفتی: محب الرحمٰن قاسمی سرائے سنبھل

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دعا پڑھنا واجب نہیں ہے بلکہ بسم اللہ اللہ اکبر واجب ہے، لیکن اگر دعا پڑھنی ہے تو جو دعا عقیقہ میں پڑھی جاتی ہے اور جو قربانی میں پڑھی جاتی ہے دونوں کو پڑھ کر پھر تسمیہ پڑھ کر ذبح کر دیں، ترتیب میں جس کو چاہے مقدم کر سکتے ہیں۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ ۲/ ۹۵، جدید زکریا ۱/ ۲۵، محمودیہ قدیم ۴/ ۲۹۶، جدید ڈابھیل ۱۷/ ۵۱۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍ ذی الحجہ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۱۰۱۶)

بڑے جانور کو بیٹھے بیٹھے ہی قربان کر دینے کا حکم

سوال [۹۸۰۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ سات افراد نے مل کر قربانی کے لیے ایک بڑا جانور ایام اضحیہ سے قبل خریدا، قربانی کے دن نماز عید کے بعد ذبح کے لیے اس کو اٹھانے کی بہت کوششیں ہوئیں لیکن وہ کسی طرح اٹھا نہیں، بیٹھا ہی رہا، مجبوراً لوگوں نے بنیت قربانی وہیں ذبح کر دیا، یہ نہیں معلوم کہ جانور بیمار ہو گیا تھا اس کو ٹھنڈک لگ گئی تھی، یا کوئی اور بات تھی، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ:

(۱) ایسے جانور کی قربانی درست ہوئی یا نہیں؟

(۲) اس میں شریک ہونے والے امیر وغریب کا حکم یکساں ہے یا الگ الگ؟

المستفتی: ابوالمکارم المعروفی مئو

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کبھی کبھار ایسا ہوتا ہے کہ جانور کو پتہ چل جاتا ہے کہ اب مجھے ذبح کیا جائے گا تو جانور ڈر کی وجہ سے بیٹھ جاتا ہے اور اٹھانے میں بہت مشکل پیش آتی ہے لہٰذا اگر جانور بظاہر صحیح سالم ہے تو اس کی قربانی درست ہو گئی، خواہ تمام شرکاء مالدار ہوں، یا کچھ مالدار اور کچھ غریب ہوں، سب کی قربانی ادا ہو گئی۔

أما ما يرجع إلى محل التضحية فنوعان: أحدهما سلامة المحل عن العيوب الفاحشة فلاتجوز العمياء والمريضة البين مرضها. (بدائع، كتاب التضحية، باب محل التضحية، زكريا ٤/٢١٤، كراچی ٥/٧٥) **فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
۱۴؍ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۰ ۹۵۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۴/۱۴ھ

قربانی کے جانور کی تین ٹانگیں باندھ کر گرانا

سوال [۹۸۰۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کہتا ہے کہ قربانی کے جانور کی تین ٹانگیں باندھ کر گرانا مسنون ہے، عمرو کہتا ہے کہ اس کا ثبوت کہاں ہے؟ مفتی صاحب سے گزارش ہے کہ کتابوں کے حوالہ سے اس کا جواب تحریر فرمائیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قربانی کے جانور کو اس طرح ذبح کرنا چاہیے جس میں اسے کم سے کم تکلیف ہو، تین ٹانگیں باندھ کر گرانے میں راحت ہے اس لیے یہ طریقہ مندوب ومستحب ہوسکتا ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ ۱۰/ ٦٩)

احقر کو اس کے متعلق کوئی جزئیہ صراحت سے نہیں ملا مگر روایات سے اس کا مفہوم سمجھ میں آتا ہے۔

عن شداد بن أوس قال: ثنتان حفظتهما عن رسول الله ﷺ قال: كتب عليكم الإحسان على كل شيئ، فإذا قتلتم فأحسنوا القتلة وإذا ذبحتم فأحسنوا الذبح وليحد أحدكم شفرته فليرح ذبيحته. (صحيح مسلم، الصيد والذبائح، باب الأمر بإحسان الذبح، النسخة الهندية ٢/١٥٢، بيت الأفكار رقم: ١٩٥٥)

المراد بالإحسان فى طريق القتل و هيئته وهو عام فى كل قتل من الذبح والقصاص والحدود وغيرها. (تكملة فتح الملهم، الصيد والذبائح، باب

الأمر بإحسان الذبح، اشرفیه ۳/ ۵٤٠)

ويستحب أن يوجهها إلى القبلة ويشد قوائمها. (تاتارخانية زكريا ۱۷/ ۳۹۷، رقم: ۲۷٦۲۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/ ذی قعدہ ۱۴۳۴ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۲۹۴)

اونٹ کو لٹا کر ذبح کرنے کے بجائے نحر کرنا

سوال [۹۸۰٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اونٹ کو کیسے ذبح کیا جائے؟ اور کس جگہ پر چھری پھیری جائے؟ اس کی کتنی نسوں کا کٹ جانا لازم ہے؟

المستفتی: عبد اللہ مدھوبنی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اونٹ میں نحر مسنون ہے اور نحر کے بجائے لٹا کر ذبح کرنا ترک سنت کی وجہ سے مکروہ ہے، نحر کا طریقہ یہ ہے کہ کھڑے کھڑے اونٹ کی گردن کے نچلے حصے میں ''بسم اللہ'' پڑھ کر نیزہ یا چھری ماری جائے جس سے ساری رگیں کٹ جائیں اور دم مسفوح نکل جائے۔

عن زياد بن جبير، أن ابن عمر، أتى على رجل وهو ينحر بدنته باركة، فقال: ابعثها قياما مقيدة، سنة نبيكم صلى الله عليه وسلم. (صحيح مسلم، باب استحباب نحر الإبل قياما معقولة النسخة الهندية ۱/ ٤۲٤، بيت الأفكار رقم: ۱۳۲۰، صحيح البخاري، باب نحر الإبل المقيدة النسخة الهندية ۱/ ۲۳۱ رقم: ۱٦۸۲، ف: ۱۷۱۳)

عبد الرحمن بن سابط، أن النبي صلى الله عليه وسلم و أصحابه كانوا ينحرون البدنة معقولة اليسرىٰ قائمة على ما بقي من قوائمها. (سنن أبي داؤد، باب

کیف تنحر البدن النسخۃ الھندیۃ ۲/۱٤٦، دار السلام رقم: ۱۷٦۷)

وسن نحر الإبل و إنما کان ھذا الفعل مسنونا لأنہ ھذا المنقول عن رسول اللہ ﷺ قال تعالیٰ: فصل لربک و انحر، والنحر قطع العروق فی أسفل العنق عند الصدر. (البحر الرائق کتاب الذبائح زکریا ۳۱۲/۸، کوئٹہ ۱۷۱/۸)

ھو قطع عروق الإبل الکائنۃ فی أسفل عنقھا عند صدورھا. (الموسوعۃ الفقھیۃ الکویتیۃ ۱۲۰/٤۰) *فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم*

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹/ ذی قعدہ ۱۴۳۴ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۱۱۲۹۱/۴۰)

اونٹ کی گردن تین جگہ سے کاٹنا ممنوع

سوال [۹۸۰۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: یہاں ہندوستان میں اونٹ کی گردن پر تین جگہ سے چھری پھیری جاتی ہے اس کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: محمد اشتیاق نور قاسمی بھاگلپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اونٹ کی گردن تین جگہ سے کاٹنا جائز نہیں ہے، اس میں جانور کو زیادہ تکلیف ہوتی ہے، بلکہ اس کا نحر کرنا ہی زیادہ بہتر ہے۔

عن شداد بن أوس قال: ثنتان حفظتھما عن رسول اللہ ﷺ قال: کتب علیکم الإحسان علی کل شيء، فإذا قتلتم فأحسنوا القتلۃ وإذا ذبحتم فأحسنوا الذبح ولیحد أحدکم شفرتہ فلیرح ذبیحتہ. (صحیح مسلم، الصید والذبائح، باب الأمر بإحسان الذبح، النسخۃ الھندیۃ ۱۵۲/۲، بیت الأفکار رقم: ۱۹۵۵)

أما الإساءۃ فلأنہ زاد فی ألمھا زیادۃ لایحتاج إلیھا فی الذکاۃ فیکرہ ذلک. (بدائع الصنائع، کتاب الذبائح، زکریا ۱۵٦/٤، کراچی ٤۲/۵، ھندیہ

زکریاقدیم ۵/۲۸۸، جدید ۵/۳۳۲، ھدایہ اشرفی ٤/٤٣٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۷/ذی قعدہ ۱۴۳۴ھ

(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۲۸۱)

ذبح میں کتنی نسوں کا کٹ جانا لازم ہے؟

سوال [۹۸۰۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر کسی شخص نے ''بسم اللہ اللہ اکبر'' کہہ کر بکرے کو ذبح کیا اور اس نے تین رگیں کاٹ دی تھیں، تین رگیں کاٹنے کے بعد اس سے چھری قصاب نے لے لی، یا اس نے دیدی پھر باقی رگ قصاب نے بغیر بسم اللہ پڑھے کاٹ دی، تو کیا اس کا گوشت کھانا حلال ہوگا یا حرام؟ مدلل تحریر کریں۔

المستفتی: محمد شعیب مانپور مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جانور کے گلے میں چار نسیں ہوتی ہیں (۱) حلقوم: جس کو نرخرہ بھی کہتے ہیں، اسی سے سانس آتا جاتا ہے، (۲) مری جس کے اندر کھانے اور پینے کا راستہ ہوتا ہے، (۳-۴) دائیں بائیں کی شاہ رگیں ہیں، حضرت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ان چار نسوں میں سے ذبح کے صحیح ہونے کی لیے لاعلی التعیین تین نسوں کا کٹ جانا کافی ہے اسی کو حضرت تھانویؒ نے امداد الفتاویٰ ۳/۵۳۷ میں تحریر فرمایا ہے اور حضرات صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک حلقوم اور مری کا کٹ جانا لازم ہے، اور اس کے بعد دونوں شاہ رگوں میں سے کسی ایک کا کٹ جانا کافی ہے، اور امام محمد رحمۃ اللہ کا ایک قول یہ ہے کہ حلقوم اور مری کٹ جانے کے بعد دونوں شاہ رگوں میں سے ہر ایک کا اکثر حصہ کٹ جانا بھی لازم ہے اور اس کو اصح الجوابات سے تعبیر کیا گیا ہے اور اسی میں احتیاط بھی ہے اسی لیے امام محمدؒ کے قول کے مطابق ہی مسئلہ بتادینا زیادہ صحیح ہے۔

إذا قطع الحلقوم والمرئی والودجین فقد أتم الذکاة ...... اختلفت الروایات فی تفسیر ذٰلک روی الحسن عن أبی حنیفة وهو قول أبی یوسف الأول أنه إذا قطع الثلاث من الأربعة أی ثلث ما قطع فقد قطع الأکثر ثم رجع أبو یوسف عن هذا وقال: یشترط قطع الحلقوم والمرئی و أحد الودجین و عن محمد رحمة الله أنه یعتبر قطع الأکثر عن کل واحد من هذه الأشیاء الأربعة و عنه أیضا إذا قطع الحلقوم والمرئی والأکثر من کل الودجین یحل ومالا فلا قال مشائخنا رحمهم الله وهو أصح الجوابات. (تاتارخانیة زکریا ۱۷/۳۹۳، رقم: ۲۷۶۰۸)

فعند أبی حنیفة إذا قطع أکثر الأوداج وهو ثلاثة منها أی ثلاثة کانت و ترک واحدا یحل وقال أبو یوسفؒ: لا یحل حتی یقطع الحلقوم والمرئی وأحد العرقین، وقال محمدؒ: لا یحل حتی یقطع من کل واحد من الأربعة أکثره. (بدائع الصنائع زکریا ۴/۱۵۷، کراچی ۵/۴۱)

والعروق التی تقطع فی الذکاة أربعة ...... فإن قطع کل الأربعة حلت الذبیحة وإن قطع أکثرها فکذٰلک عند أبی حنیفة رحمه الله، وقالا: لابد من قطع الحلقوم والمرئی و أحد الودجین والصحیح قول أبی حنیفة رحمه الله لما أن للأکثر حکم الکل، وعن محمد رحمه الله إذا قطع الحلقوم والمرئی والأکثر من کل ودجین یحل و مالا فلا وقال مشائخنا رحمهم الله: وهو أصح الجوابات. (هندیه، کتاب الذبائح، زکریا قدیم ۵/۲۸۷، جدید۵/۳۳۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸؍رجب المرجب ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/۱۱۵۹۵)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۸؍۷؍۱۴۳۵ھ

دو آدمیوں نے ذبح کیا تین نسوں میں سے ایک یادو بغیر بسم اللہ کے کاٹیں

سوال [۹۸۰۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: جانور ذبح کرتے وقت ایک آدمی نے بسم اللہ پڑھ کر چھری چلادی اور تین نسوں میں سے ایک نس کاٹ دی پھر دوسرے نے چھری لے لی، اور دوسرے نے بسم اللہ نہیں پڑھی تو یہ جانور حلال ہے یا نہیں؟ اور اگر پہلے شخص نے بسم اللہ پڑھ کر دونسیں کاٹ دیں اور دوسرے نے بغیر بسم اللہ کے تیسری نس کاٹی تو کیا حکم ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جانور ذبح کرتے وقت ذابح کے معاون پر بھی بسم اللہ پڑھنا واجب ہے، اگر کسی ایک نے بھی بسم اللہ نہیں پڑھی تو ذبیحہ حلال نہ ہوگا اور ذبح کرتے وقت تین رگوں کا کٹنا ضروری ہے؛ لہٰذا مذکورہ دونوں صورتوں میں ذبیحہ حلال نہ ہوگا، کیونکہ دوسرے آدمی نے تیسری رگ کٹنے سے پہلے چھری لے لی ہے، اور بسم اللہ بھی نہیں پڑھی ہے۔ (مستفاد: محمودیہ ڈابھیل ۱۷/۲۴۳)

رجل أراد أن يضحي فوضع صاحب الشاة يده على السكين مع يد القصاب حتى تعاونا على الذبح قال الشيخ الإمام يجب على كل واحد منهما التسمية حتى لو ترك أحدهما التسمية لايجوز. (هنديه، كتاب الأضحية، الباب السابع فى التضحية عن الغير، زكرياقديم ٥/٣٠٤، جديد ٥/٣٥٠)

إذا قطع الحلقوم والمرئى والأكثر من كل ودجين يؤكل و مالا فلا .

(شامی، كتاب الذبائح، زكريا ٩/٤٢٦، كراچی ٦/٢٩٥)

وعن محمد إذا قطع الحلقوم والمرئى والأكثر من كل ودجين يحل و مالا فلا، قال مشائخنا: وهو أصح الجوابات. (هنديه، كتاب الذبائح، زكريا قديم ٥/٢٨٧، جديد ٥/٣٣٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍ذی قعدہ ۱۴۳۴ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۲۸۰)

حلقوم اور مری کٹ جانا اور دونوں شہ رگوں میں سے اکثر کا کٹ جانا لازم

سوال [۹۸۱۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر کسی شخص نے ''بسم اللہ اللہ اکبر'' کہہ کر بکرے کو ذبح کیا، اور اس نے تین رگیں کاٹ دی تھیں، تین رگیں کاٹنے کے بعد اس سے چھری قصاب نے لے لی، یا اس نے دیدی، پھر باقی رگ قصاب نے بغیر بسم اللہ پڑھے کاٹ دیں تو کیا اس کا گوشت کھانا حلال ہوگا یا حرام؟ مدلل تحریر کریں۔

المستفتی: محمد شعیب مان پور مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب ذابح نے بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر تین رگیں کاٹ دیں، تو اگر حلقوم مری دونوں رگیں کٹ گئیں اور بقیہ رگوں میں سے ہر ایک میں سے اکثر حصہ کٹ گیا ہو تو جانور حلال ہوگا ورنہ نہیں۔

أصح الأجوبة فی الأكثر عنه إذا قطع الحلقوم والمرئی والأكثر من كل ودجین یؤكل وما لا فلا . (شامی، کتاب الذبائح، زکریا ۹/۴۲۶، کراچی ۶/۲۹۵، هندیه زکریا قدیم ۵/۲۸۷، جدید ۵/ ۳۳۰، بدائع الصنائع زکریا ٤/ ۱۵۷، کراچی ٥/ ٤١، الفتاویٰ التاتارخانیة زکریا ۱۷/ ۳۹۳، رقم: ۲۷٦۰۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶/ ذی قعدہ ۱۴۳۴ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۲۸۱)

گردن کے اوپر سے مذبوحہ جانور کا شرعی حکم

سوال [۹۸۱۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر کسی نے بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر عمداً کسی جانور کو گردن کے اوپر سے ذبح کیا تو

اس کا کھانا جائز ہوگا یا نہیں؟

المستفتی: محمد عباس لکھیم پوری، متعلم مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر گردن کے اوپر کی جانب سے ذبح کرتا ہے اور جان نکلنے سے پہلے ذبح کی رگ کٹ جاتی ہے تو ذبح صحیح اور جانور حلال ہوگا البتہ اس طرح ذبح کرنے میں جانور کو زیادہ تکلیف ہوتی ہے اس لیے یہ فعل مکروہ اور خلاف سنت ہے۔

وإن ذبح الشاة من قفاها فبقيت حية حتى قطع العروق حل لتحقق الموت بما هو ذكاة ويكره لأن فيه زيادة الألم من غير حاجة. (هدايه، كتاب الذبائح، اشرفی ٤/٤٣٩، الفتاویٰ التاتارخانية زكريا ١٧/٣٩٣، رقم: ٢٧٦٠٩، المحيط البرهانی، المجلس العلمی ٨/٤٤٩، رقم: ١٠٧٥٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵؍ربیع الثانی ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/۲۶۵۷)

بوقت ذبح غیر مسلم کا جانوروں کو پکڑنا

سوال [۹۸۱۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بعض مرتبہ جانور طاقتور ہوتا ہے اس کو جب ذبح کرنے کے لیے لٹاتے ہیں تو غیر مسلم بھی ہاتھ سے پکڑتے ہیں، مگر ذبح ہم لوگ ہی کرتے ہیں، کیا غیر مسلم کے بوقت ذبح جانور پکڑنے سے ذبیحہ پر کوئی اثر تو نہیں پڑے گا؟

المستفتی: محمد اکرم سیڈھا بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ذبح میں اعتبار چھری چلانے والے کا ہے اگر مسلمان بسم اللہ پڑھ کر چھری چلاتا ہے تو جانور حلال ہوگا چاہے پکڑنے والا مسلمان ہو یا کافر۔

المسلم إذا ذبح فأمر المجوسی السکین بعد الذبح لم یحرم ولو ذبح المجوسی و أمر المسلم بعده لم یحل. (الفتاویٰ التاتارخانیة زکریا ۱۷/ ۳۹۱، رقم: ۲۷۶۰۱، هندیه زکریا قدیم ۵/ ۲۸۷، جدید ۵/ ۳۳۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸ر ربیع الاول ۱۴۳۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۷۵۴)

میتہ کس کو کہتے ہیں؟

سوال [۹۸۱۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: شریعت میں میتہ کس کو کہتے ہیں؟

المستفتی: محمد عباس لکھیم پوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو جانور شریعت کے متعین کردہ ذبح کے بغیر مرجائے وہ میتہ ہے۔

الذکاۃ شرط حل الذبیحة لقوله تعالیٰ: إلا ما ذکیتم الخ. (هدایه، کتاب الذبائح، اشرفی ٤/ ٤٣٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵ر ربیع الثانی ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/ ۲۶۵۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۵/ ۴/ ۱۴۱۲ھ

ٹڈی اور مچھلی بغیر ذبح کے حلال ہیں یا حرام؟

سوال [۹۸۱۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ٹڈی اور مچھلی بغیر ذبح کے حلال کب سے ہیں، تخلیق کے وقت سے یا حضور ﷺ

کے زمانہ سے، یہ دونوں مردے حلال کیوں؟ حکمت کیا ہے؟

المستفتی: انوار الحق امام بڑی مسجد ہنومان گڈھ راجستھان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے پہلے کے احکام کے ہم مکلّف نہیں ہیں، بلکہ ہم اس کے مکلّف ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے جسے حلال کہا ہے اسے حلال سمجھیں اور جسے حرام کہا ہے، اسے حرام جانیں، ٹڈی اور مچھلی کو بغیر ذبح کے حلال بتلایا ہے اس لیے اسے ہم حلال سمجھتے ہیں اور بلا ذبح کے کھاتے ہیں، حضور ﷺ سے پہلے کے زمانہ کی بات ہم کو معلوم نہیں ہے۔

عن ابن عمر رضي الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ: أحلت لنا ميتتان و دمان، فأما الميتتان: فالحوت والجراد، وأما الدمان: فالكبد والطحال. (مسند أحمد بن حنبل ۲/۹۸، رقم: ۵۷۲۳، سنن ابن ماجه، باب الكبد والطحال، النسخة الهندية ۲/۲۳۸، دار السلام رقم: ۳۳۱٤، سنن الدار قطني، كتاب الأشربة وغيرها، دار الكتب العلمية بيروت ٤/۱۸٤، رقم: ٤٦۸۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم ذیقعدہ ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۸۵۸۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱/۱۱/۱۴۲۵ھ

مذبوحہ جانور کو الٹا لٹکانا

سوال [۹۸۱۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: جانور کے ذبح کرنے کے بعد دونوں پاؤں میں موٹی زنجیر لگا کر الٹا اوپر لٹکانا صحیح ہے یا نہیں؟ کیونکہ پاؤں کی جانب ہلکا ہوتا ہے، الٹا دھڑ وزن دار ہوتا ہے؟

المستفتی: محمد جاوید قریشی، باندرہ ممبئی ویسٹ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جانور ذبح کرنے کے بعد رسی یا زنجیر کے ذریعہ

لٹکانا ٹھنڈا ہونے کے بعد بلا کراہت جائز ہے، چونکہ کراہت کی علت ایذاء پہنچانا ہے اور ٹھنڈا ہونے کے بعد یہ علت نہیں پائی جاتی ہے اس لیے جائز ہے اور ٹھنڈا ہونے سے پہلے یہ علت پائی جاتی ہے، اس لیے مکروہ ہے۔

ویکره أن یجر ما یرید ذبحه برجله إلی المذبح و أن تنخع الشاة قبل أن تبرد یعنی تسکن من الاضطراب و بعده لا ألم فلا یکره النخع والسلخ. (هدایه، کتاب الذبائح، اشرفی ٤/٤٣٩، شامی زکریا ٩/٤٢٧، کراچی ٦/٢٩٦، هندیه زکریا قدیم ٥/٢٨٨، جدید ٥/٣٣٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴/ذیقعدہ ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۸۱۱)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۳/۱۱/۴ھ

مذبوحہ جانور کو ٹھنڈا ہونے تک چھوڑے رکھنا

سوال [۹۸۱۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: جانور، بھینس، گائے یا اونٹ کو ذبح کرنے کے بعد کتنی دیر تک خون نکلنے کے لیے چھوڑنا چاہیے، کوئی وقت کی قید ہے، یا نہیں؟ ذبح کرنے کے بعد کتنی دیر تک چھوڑنا چاہیے؟

المستفتی: محمد جاوید قریشی باندرہ ممبئی ویسٹ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جانور کو ذبح کرنے کے بعد اتنی دیر تک چھوڑ دیا جائے کہ وہ ٹھنڈا ہو جائے اور حرکت بند ہو جائے، ٹھنڈا ہونے سے پہلے کھال اتارنے اور صاف کرنے وغیرہ کو فقہاء حضرات نے مکروہ لکھا ہے۔

عن شداد بن أوس قال: ثنتان حفظتهما عن رسول الله ﷺ قال: کتب علیکم الإحسان علی کل شيء، فإذا قتلتم فأحسنوا القتلة وإذا ذبحتم فأحسنوا الذبح ولیحد أحدکم شفرته فلیرح ذبیحته. (صحیح مسلم، الصید والذبائح، باب الأمر بإحسان الذبح، النسخة الهندیة ٢/١٥٢، بیت الأفکار رقم: ١٩٥٥)

وكره كل تعذيب بلا فائدة مثل قطع الرأس والسلخ قبل أن تبرد. (الدر المختار، كتاب الذبائح، زكريا ۹/۴۲۷، كراچی ۶/۲۹۶، هدايه اشرفی ۴/۴۳۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍ذیقعدہ ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۸۱۱)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۳/۱۱/۴ھ

گابھن گائے ذبح کرنا

سوال [۹۸۱۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک گائے ذبح کرنے کے لیے خرید کرلائی گئی تو کچھ لوگ کہتے ہیں کہ یہ گائے گابھن ہے اور کچھ کہتے ہیں کہ گائے گابھن نہیں ہے، لوگوں میں اختلاف ہوگیا پھر گائے کو ذبح کیا گیا تو ذبح کرنے کے بعد پیٹ سے بچہ نکلا تو اس بچہ کے ضائع ہونے کی وجہ سے ذبح کرنے والا شخص گنہگار ہوگا یا نہیں؟ اور بچہ کا کیا ہوگا؟

المستفتی: صغیر الدین دیناجپوری مدرسہ شاہی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: گائے کو ذبح کرنے کے بعد اگر بچہ زندہ نکلے تو اس کو بھی ذبح کردیا جائے گا، اور اگر چاہے تو پالا بھی جاسکتا ہے، مردہ نکلے تو اس کو پھینک دے، دونوں صورتوں میں گائے کے گوشت کا استعمال جائز اور درست ہے، ذبح کرنے والے پر کوئی گناہ نہ ہوگا۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ قدیم ۲/۸۳، ۹/۳۲۴، جدید زکریا ۱۰/۲۷)

فإن خرج من بطنها ولد حيٌّ يفعل بالولد ما يفعل بالأم. (عالمگیری، الباب السادس فی بیان ما یستحب فی الأضحیة والانتفاع، زکریا قدیم ۵/۳۰۲، جدید ۵/۳۴۸، شامی زکریا ۶/۳۲۲، زکریا ۹/۴۶۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍محرم الحرام ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/۷۰۱۹)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۱/۱۲ھ

ذبح شدہ گائے کے پیٹ سے بچہ نکلے تو کیا کریں؟

سوال [۹۸۱۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے یہاں قصائی نے ایک گائے کاٹی، اس کے پیٹ میں بچہ نکلا تو لوگوں نے اس گائے کا گوشت نہیں خریدا، اور یوں کہہ دیا کہ یہ حرام ہے، اور یہ جو بچہ نکلا ہے اس کو بھی ذبح کر دیا جائے یا نہیں؟

المستفتی: صغیرالدین مدرسہ شاہی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: گائے کو ذبح کرنے کے بعد اگر بچہ زندہ نکلے تو اس کو ذبح کر دے اور اگر بچہ مردہ نکلے تو ذبح کیے بغیر اس کو پھینک دے، اور دونوں صورتوں میں گائے کا گوشت بلا کراہت جائز ودرست ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ قدیم ۲/۸۳، جدید زکریا ۱۰/ ۲۷)

فإن خرج من بطنها ولد حيّ يفعل بالولد ما يفعل بالأم. (عالمگیری، الباب السادس فی بیان ما یستحب فی الأضحیة والانتفاع، زکریا قدیم ۵/ ۳۰۲، جدید ۵/ ۳۴۸، شامی زکریا ۶/ ۳۲۲، زکریا ۹/ ۴۶۷) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳ ؍محرم الحرام ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۷۰۴۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۳/۱/۱۴۲۳ھ

مسلم شرابی کا ذبیحہ حلال ہے یا نہیں؟

سوال [۹۸۱۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مسلم شرابی بحالت نشہ بغیر بسم اللہ پڑھے اگر ذبح کرے کیونکہ وہ نشہ میں ہے اس لیے بسم اللہ نہیں پڑھی تو کیا یہ ذبیحہ حلال ہوگا اور اگر مسلم شرابی بحالت نشہ بسم اللہ پڑھ لے تو کیا حکم ہے؟

المستفتی: محمد اکرم سیڈھا بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صبی لا یعقل، مجنون اور سکران کا ذبیحہ حلال

نہیں ہے، لیکن اگر شرابی اس حالت میں ہے کہ وہ مسلمان ہے اور ہوش باقی ہے اور بسم اللہ پڑھ کر ذبح کرے تو ذبیحہ حلال ہو جائے گا۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ جدید ڈابھیل ۱۷/۲۲۷)

﴿فَكُلُوا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ بِآيَاتِهِ مُؤْمِنِيْنَ. [الأنعام: ۱۱۸]﴾

لا تؤكل ذبيحة الصبي الذي لايعقل والمجنون والسكران الذي لا يعقل لكن في التبيين: ولو سمى ولم تحضره النية صح. (شامي، كتاب الذبائح، زكريا ۹/ ٤٣٠، كراچی ٦/ ٢٩٧، تبيين الحقائق امداديه ملتان ٥/ ٢٨٨، زكريا ٦/ ٤٥٢)

فمنها أن يكون عاقلا فلا تؤكل ذبيحة المجنون والصبي الذي لايعقل فإن كان الصبي يعقل الذبح ويقدر عليه تؤكل ذبيحته وكذا السكران. (هنديه زكريا قديم ٥/ ٢٨٥، جديد ٥/ ٣٢٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸/ربیع الاول ۱۴۳۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۷۵۴)

شیعوں کے ہاتھ کا ذبیحہ حلال ہے یا حرام؟

سوال [۹۸۲۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: شیعہ کے ہاتھ کے ذبح کیے ہوئے جانور کا گوشت کھانا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: شفیع احمد اعظمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: غالی شیعہ جو صدیق اکبرؓ اور عمر فاروقؓ کی شان میں مغلظات بکتے ہیں اسی طرح فرقۂ اثنا عشریہ اور فرقہ اسماعیلیہ کے ہاتھ کا ذبیحہ حلال نہیں، بلکہ حرام ہے، اور جو شیعہ فی زماننا ہندوستان میں ہیں وہ سب غالی شیعہ ہیں ان کا ذبیحہ بھی حرام ہے؛ کیونکہ ان سب کے خارج از اسلام اور مرتد ہونے پر تمام علماء اسلام کا اجماع ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۱/ ۲۷۶، جدید زکریا مطول ۱/ ۴۳۵، فتاویٰ مظاہر علوم ۱/ ۲۱۳، امداد

الفتاویٰ ۴/۱۴۱ ۵، مجموعۃ الفتاویٰ ۲/ ۳۹۶، ۱/ ۳۳۰)

عن الحسن بن محمد ابن الحنفية قال: كتب رسول الله ﷺ إلى مجوس هجر يعرض عليهم الإسلام فمن أسلم قبل منه ومن أبى ضربت عليهم الجزية على أن لاتؤكل لهم ذبيحة، ولاتنكح لهم امرأة هذا مرسل و إجماع أكثر الأمة عليه يؤيده. (السنن الكبرىٰ للبيهقي، الضحايا، باب ماجاء في ذبيحة المجوس، دار الفكر ١٤/ ٢٢١، رقم: ١٩٧٠٨)

فلاتؤكل ذبيحة أهل الشرك والمرتد؛ لأنه لايقر على الدين الذى إنتقل اليه. (فتاویٰ عالمگیری، كتاب الذبائح، زكريا قديم ٥/ ٢٨٥، جديد ٥/ ٣٢٨، زكريا ٩/ ٤٣١، ٤٣٢، كراچی ٦/ ٢٩٨، كوئٹه ٥/ ٢٠٩، هدايه اشرفی ٤/ ٤٣٤) **فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
۲۶ر ذی الحجہ ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/ ۱۵۸۰)

بیمار گائے کا گوشت کھانا

سوال [۹۸۲۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر کوئی جانور کسی وجہ سے بیمار ہے اور مرنے کے قریب ہے تو اس کو ذبح کر کے اس کا گوشت کھانا کیسا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بیمار جانور کو اگر ذبح کر دیا جائے تو اس کا گوشت کھانا حلال اور درست ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ قدیم ۲/ ۸۳، جدید زکریا ۱۰/ ۲۷)

عن ابن عمر: أن امرأة كانت ترعى لآل كعب بن مالك غنما بسلع، فخافت على شاة منها أن تموت، فأخذت حجرا فذبحتها به و إن ذلك ذكر لرسول الله ﷺ فأمرهم بأكلها. (سنن الدارمي، باب ما يجوز به

الذبح، دار المغنی ۲/۱۲۵۵، رقم: ۲۰۱٤، صحیح البخاری، باب انهر الدم من القصب والمروة والحدید، النسخة الهندیة ۲/۸۲۷، رقم: ۵۲۸۷، ف: ۵۵۰۱)

ذبح شاة مریضة حلت. (شامی، کتاب الذبائح، زکریا۹/٤٤۷، کراچی ۶/۳۰۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍جمادی الثانی ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/۷۲۴۷)

مرغی کو بلی کے منھ سے چھڑا کر فوراً ذبح کرنا

سوال [۹۸۲۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مرغی کو بلی کے منھ سے چھڑا کر فوراً ذبح کرلیا، خون نکلا، لیکن حرکت محسوس نہیں ہوئی تو اسے کھانا کیسا ہے؟

المستفتی: محمد سالم محلّہ بھٹی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مرغی کو بلی سے چھڑانے کے بعد فوراً ذبح کرتے وقت اسی طرح خون نکلتا ہو جیسے زندہ صحیح مرغی ذبح کرتے وقت نکلتا ہے تو اس کا کھانا جائز ہے، اگرچہ اس کی حرکت کا احساس نہ ہو۔

عن أبی مرة، مولی عقیل أنه وجد شاة لهم تموت فذبحها فتحرکت قال: فسألت زید بن ثابت فقال: إن المیتة لتتحرک، قال: وسأل أبا هریرة فقال: کلها إذا طرفت عینها أو تحرکت قائمة من قوائمها. (مصنف عبد الرزاق، المناسك، باب ذکاة البهیمة وهی تتحرك، المجلس العلمی ٤/٤۹۹، رقم: ۸۶۳۶)

ذبح شاة مریضة فتحرکت أو خرج الدم کما یخرج من الحی حلت وإلا لا إن لم یدر حیاته عند الذبح وإن علم حیاته حلت مطلقا وفی شرح

الطحاوی خروج الدم لا یدل علی الحیاۃ إلا إذا کان یخرج من الحی عند الإمام وهو ظاهر الروایة. (شامی، کتاب الذبائح، زکریا ۹/۴٤۷، کراچی ٦/۳۰۸، مجمع الأنهر، مصری قدیم ۲/۵۱۵، دار الکتب العلمیة بیروت ٤/١٦٤، تبیین الحقائق امدادیه ملتان ۵/۲۹۷، زکریا ٦/ ٤٧١- ٤٧٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶؍ جمادی الاول ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۰۴۴/۳۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۴/۵/۱۶ھ

کنویں میں افتادہ بھینس کا ذبح

سوال [۹۸۲۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بھینس کنویں میں گر جائے تو اس کے ذبح کرنے کا کیا طریقہ ہوگا؟

المستفتی: عبدالحمید بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: بھینس وغیرہ اگر کنویں میں گر جائے اور شرعی طور پر اسے ذبح کرنا مشکل ہو تو کہیں بھی بسم اللہ پڑھ کر اس کے ایسا زخم لگا دیا جائے جس سے خون بہہ جائے تو کافی ہے۔

عن عبایة بن رفاعة عن جده رافع قال: کنا مع النبی ﷺ فی سفر، فند بعیر من الإبل، قال: فرماه رجل بسهم فحبسه، قال: ثم قال: إن لها أوابد کأوابد الوحش، فما غلبکم منها فاصنعوا به هکذا الحدیث. (صحیح البخاری، الذبائح والصید، باب إذا ند بعیر لقوم، النسخة الهندیة ۲/۸۳۲، رقم: ۵۳۲۹، ف: ٥٥٤٤)

وما توحش من النعم فذکاته العقر والجرح وکذا ما تردیٰ من النعم فی بئر ووقع العجز عن ذکاة الاختیار. (هدایه، کتاب الذبائح، اشرفی ٤/٤٣٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹؍ رجب المرجب ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۶۲۴۹/۳۴)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۷/۹ھ

مرغ کے پر چھڑانے کے لیے گرم پانی میں ڈالنا

سوال [۹۸۲۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: یہاں مرادآباد میں بعض دوکانوں پر مرغ کو ذبح کرکے اس کے پر کو چھڑانے کے لیے گرم پانی میں ڈال دیتے ہیں، کیا ایسا کرنے سے اس مرغ کا گوشت پاک وحلال ہے یا نہیں؟ مدلل تحریر فرمائیں

المستفتی: کریم بخش مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مرغ کو ذبح کرنے کے بعد اگر کھولتے ہوئے پانی میں اتنی دیر تک چھوڑے رکھے جس سے اس کی اندرونی نجاست کا اثر گوشت میں آجائے تو اس کا کھانا جائز نہیں ہے، اور اگر گرم پانی میں ڈالتے ہی فوراً گرمی کا اثر اس کے پیٹ کی نجاست تک پہنچنے سے پہلے پہلے باہر نکال لیا ہے تو وہ بلا کراہت حلال ہے، اس لیے کہ نجاست کے اثرات گوشت میں منتقل نہیں ہوئے۔

ولو ألقيت دجاجة حال الغليان فی الماء قبل أن يشق بطنها لنتف الريش أو كرش قبل الغسل لايطهر أبدا. (كبيری لاهور پاكستان ٢٠٥، شامی، كتاب الطهارة، باب الأنجاس، زكريا ١/ ٥٤٤، كراچی ١/ ٣٣٤، مجمع الأنهر، مصری قديم ١/ ٦١، دار الكتب العلمية بيروت ١/ ٩١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹؍ جمادی الاولی ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۰۳۶)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۴/۵/۹ھ

بجلی کرنٹ کی شاٹ لگا کر ذبح کرنا

سوال [۹۸۲۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بڑے بڑے سلیٹر ہاؤس میں جانور کو بجلی کے ہلکے کرنٹ کے ذریعہ سے سن کیا

جاتا ہے جسے اسٹنگ کہتے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ اس طرح اسٹنگ کے ذریعہ سے جانور کو سن کرکے ذبح کرنا غیر شرعی امر ہے یا شرعاً جواز کے کسی دائرے میں شامل ہے؟

المستفتی: نیاز احمد فاروق، حلال ٹرسٹ، جمعیۃ علماء ہند

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جانور کو ذبح کرنے سے پہلے بجلی کا شاٹ لگا کر بے دم اور بے بس بنا دینا یا کلی طور پر بے ہوش کر دینا غیر شرعی عمل ہے جو کہ مکروہ ہے، اس لیے کہ یہ ذبح سے پہلے زندہ جانور کو تکلیف پہنچانے کی ایک شکل ہے جس کو شریعت میں ممنوع قرار دیا گیا ہے، البتہ جانور کو قابو میں رکھنے کے لیے اس طرح کی کوئی معمولی شکل اختیار کی جائے تو اس کی گنجائش ہے، جیسا کہ جانور کو ذبح کرنے سے پہلے رسی سے باندھ کر گرانے میں بھی جانور کو تکلیف ہوتی ہے، جس کو شریعت نے جائز قرار دیا ہے، مگر بے ہوش کرنے والا شاٹ لگانا مکروہ ہے اور ذبح کرنے کا جو شرعی طریقہ ہے اس کو وحشیانہ قرار دینا غلط ہے۔

(مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ڈابھیل ۱۷/ ۲۶۱، میرٹھ ۲۶/ ۱۵۶، قاموس الفقہ ۳/ ۴۵۶)

(۱) اس مسئلہ سے متعلق ہندیہ اور ہدایہ کی عبارت ملاحظہ فرمائیے:

والحاصل أن كل ما فيه زيادة الألم إليه في الذكاة مكروه. (هنديه، كتاب الذبائح، الباب الأول، زكريا قديم ٥/٢٨٨، جديد ٥/٣٣٢، هدايه اشرفی ٤/٤٣٩)

(۲) درمختار کی عبارت سے بھی یہ مسئلہ واضح ہوتا ہے ملاحظہ فرمائیے:

وندب إحداد شفرته قبل الإضجاع، وكره بعده كالجر برجلها إلى المذبح . (در مختار مع الشامی، كتاب الذبائح، كراچی ٦/٢٩٦، زكريا ٩/٤٢٧)

(۳) حدیث پاک میں بھی ذبح سے قبل تکلیف پہنچانے سے ممانعت آئی ہے ملاحظہ فرمائیے:

عن ابن عباس رضی اللہ عنہ أن رجلا أضجع شاة يريد أن يذبحها وهو يحد شفرته، فقال له النبی صلی اللہ علیہ وسلم: أتريد أن تميتها موتات، هلا حددت شفرتک قبل أن تضجعها. (مستدرك حاكم، مكتبه نزار مصطفىٰ الباز ٧/٢٦٩٦، رقم: ٧٥٦٣)

عن شداد بن أوس قال: ثنتان حفظتهما عن رسول الله ﷺ قال: كتب عليكم الإحسان على كل شيئ، فإذا قتلتم فأحسنوا القتلة وإذا ذبحتم فأحسنوا الذبح وليحد أحدكم شفرته فليرح ذبيحته. (صحيح مسلم، الصيد و الذبائح، باب الأمر بإحسان الذبح، النسخة الهندية ۲/ ۱۵۲، بيت الأفكار رقم: ۱۹۵۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸/ ذی قعدہ ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/ ۱۱۶۹۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵/۱۱/۸ھ

مشینی ذبح

سوال [۹۸۲۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) دوسو، ایک سو، پچاس، پانچ سو جانوروں کو بیک وقت ذبح کرنے کے لیے ایک آدمی بسم اللہ پڑھ کر مشین کو دبا دیتا ہے کیا ایسے ذبح کرنا صحیح ہے یا نہیں؟ حلال ہوا یا نہیں؟

(۲) اگر جانور کا پورا دھڑ کٹ گیا تو اس صورت میں اس کا گوشت کھا سکتے ہیں؟ حلال ہوا یا نہیں؟

المستفتی: محمد جاوید قریشی باندرہ ویسٹ ممبئ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: (۱-۲) سوالنامہ میں مشینی ذبیحے سے متعلق دو سوال ہیں، ایک سوال میں سو، پچاس سے لے کر پانچ سو جانوروں کو ایک دفعہ بٹن دبا کر ذبح کر دیا جاتا ہے، دوسرے سوال میں اس بات کا ذکر ہے کہ مشینی ذبیحہ میں دھڑ کٹ جاتا ہے اس کے بارے میں وضاحت یہ ہے کہ مشینی ذبیحہ سے متعلق سیمینار بھی ہو چکا ہے اور احقر نے بھی ان سیمیناروں میں شرکت کی ہے، اور احقر کا تفصیلی مقالہ ''انوار رحمت'' کا جزو بن کر شائع ہو چکا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ مشینی ذبیحہ کی جتنی شکلیں ہیں ان میں کوئی شکل جواز کے دائرے میں داخل نہیں ہوتی، اس لیے مشینی ذبیحات سے احتراز کرنا چاہیے۔ (مستفاد:

انوار رحمت ۳۶۹ تا ۳۸۳، فقہی مقالات ۴/۲۵۳ تا ۲۶۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍ذیقعدہ ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۸۱۱)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۴/۱۱/۱۴۳۳ھ

چار پانچ مرغیوں پر ایک ساتھ صرف ایک مرتبہ چھری پھیرنا

سوال [۹۸۱۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: آج کل تقریبات میں جس مرغی کا گوشت استعمال کیا جاتا ہے اس کو اکثر ذبح کرنے والے صرف ایک بار گردن پر چھری پھیر کر ڈرم میں ایک پر ایک پھینکے جاتے ہیں، دوسرا شخص اس کی پوست اتار کر ٹکڑے کرتا جاتا ہے، تڑپتی حالت میں، اس کا بھی کوئی اعتبار نہیں کہ وہ کلمہ بھی چھری پھیرتے وقت پڑھتا ہے یا نہیں؟ کیونکہ اس کو چار پانچ مرغیاں ایک ساتھ کاٹنی ہیں؟

المستفتی: ماسٹر عبد الحق، خادم دینی لائبریری مدرسہ احیاء العلوم ہلد وانی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مرغی ذبح کرنے کی جو صورتیں سائل نے سوالنامہ میں نقل فرمائی ہیں ان میں تین باتیں قابل توجہ ہیں:

(۱) ایک آدمی ذبح کر کے ڈرم میں ڈالتا ہے اور دوسرا آدمی تڑپتی ہوئی حالت میں کھال اتار کر بوٹیاں بناتا ہے، ایسی صورت میں اس کے حلال ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے لیکن ان کا یہ عمل سنت کے خلاف ہے، کہ تڑپتی ہوئی حالت میں کھال اتار کر بوٹیاں بنائی جائیں، یہ ایک قسم کی وحشیانہ حرکت ہے، مگر اس حرکت کی وجہ سے جانور کے حلال ہونے میں کوئی فرق نہیں آتا ہے۔

﴿**فَكُلُوا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ إِنْ كُنتُمْ بِآيَاتِهِ مُؤْمِنِينَ**. [الأنعام: ۱۱۸]﴾

وتحل ذبيحة مسلم. (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر، كتاب الذبائح، دار الكتب العلمية بيروت ٤/١٥٣، مصرى قديم ٢/٥٠٧)

وكره قطع الرأس والسلخ قبل أن تبرد ...... إذ هو عذاب فوق العذاب. (ملتقى

الأبحر مع مجمع الأنهر، کتاب الذبائح، دار الکتب العلمیة بیروت ۱۵۹/٤، مصری قدیم ۵۱۲/۲)

(۲) دوسری بات یہ ہے کہ کلمہ بھی ہر ایک پر پڑھتا ہے یا نہیں اس کا اعتبار نہیں، یہ ایک مسلمان کے بارے میں سوء ظن ہے اور اس سوء ظن کے مطابق قائم رہنا مناسب نہیں ہے بلکہ مناسب یہی ہے کہ ان لوگوں سے تحقیق کر لی جائے کہ ہر مرغی پر بسم اللہ اللہ اکبر پڑھتے ہیں یا نہیں؟

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ.﴾ [الحجرات: ۱۲]

عن أبی هریرة رضؓ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إیاکم و الظن فإن الظن أکذب الحدیث. (بخاری شریف، کتاب الأدب، باب قوله یایها الذین آمنوا اجتنبوا کثیرا من الظن، النسخة الهندیة ۸۹٦/۲، رقم: ۵۸۳۱، ف: ٦۰٦٦، صحیح مسلم، باب تحریم الظن، والتجسس...... النسخة الهندیة ۳۱٦/۲، بیت الأفکار رقم: ۲۵٦۳، مشکوٰة شریف ص:٤۲۷)

(۳) تیسری بات یہ ہے کہ چار پانچ مرغیوں پر ایک ساتھ چھری پھیرنا بجائے خود ایک غیر تحقیقی بات ہے کیونکہ متعدد مرغیوں پر ایک ساتھ چھری پھیرنا یہ ایک مشکل کام ہے اس لیے سائل کے لیے مناسب ہے کہ براہ راست جا کر مشاہدہ کرے کہ چار پانچ مرغیوں پر واقعی ایک ساتھ چھری پھیری جاتی ہے یا نہیں؟ محض سنی سنائی باتوں کو حقیقت کی شکل دینا غیر مناسب بات ہے۔

عن أبی هریرة رضؓ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: کفی بالمرء کذبا أن یحدث بکل ما سمع. (صحیح مسلم، مقدمة، النسخة الهندیة ۸/۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
۲۸/ ذیقعدہ ۱۴۳۰ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۸۲۷)	۲۸/ ۱۱/ ۱۴۳۰ھ

مشینی ذبح کا شرعی حکم

مشینی ذبح اس وقت دنیا میں ایک عالمگیر مسئلہ بن گیا ہے، بین الاقوامی مارکیٹوں میں مشینی ذبح کا مرغ ملتا ہے، اور اس مسئلہ کو علماء نے موضوع بحث بنا لیا ہے، اور یہ جائز ہے یا

نہیں؟ اس کا شرعی حکم واضح ہونا لازم ہے، اس لیے یہ تحقیقی مضمون مسلمانوں کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے تاکہ مسلمان مشینی ذبیحہ سے احتراز واحتیاط کریں۔

﴿وَلِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنسَكًا لِيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَا رَزَقَهُم مِن بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ. [الحج: ٣٤]﴾

ترجمہ: ہر امت کے واسطے ہم نے قربانی مقرر کردی ہے کہ اللہ کے نام پر ذبح کریں، ان چوپایوں کو جو اللہ نے ان کو عطا کیے۔

﴿لَن يَنَالَ اللّٰهَ لُحُومُهَا وَلَا دِمَاؤُهَا وَلٰكِن يَنَالُهُ التَّقْوَى مِنكُمْ. [الحج: ٣٧]﴾

ترجمہ: اللہ کو نہیں پہنچتا ان کا گوشت اور نہ ہی ان کا خون، لیکن اس کو تمہارے دل کا تقویٰ پہنچتا ہے۔

ذبح کی حقیقت

ذبح کے معنی لغت میں قطع الاوداج (یعنی گردن کی شہ رگ کے کاٹنے کے ہیں) اور اصطلاحِ شرع میں ذبح کے معنی جانور کے حلقوم اور شہ رگ کو ایک ساتھ بسم اللہ پڑھ کر کاٹ دینے کے ہیں، اور ذبح کے لیے ذکوٰۃ لفظ بھی بکثرت استعمال ہوتا ہے، اور ذکوٰۃ کا لفظ جب کتاب الطہارۃ میں بولا جاتا ہے تو اس سے مراد طاہر اور پاک ہونا ہوتا ہے، جیسا کہ حدیث میں آیا ہے "ذکاۃ الارض یبسہا" اور جب "ذ" سے کتاب الذبائح میں بولا جاتا ہے تو شرعی طریقہ سے جانور کو ذبح کرنے کے معنی میں ہوتا ہے۔

ذبح کے اقسام وشرائط

ذبح کی دو قسمیں ہیں: (۱) ذبح اختیاری۔

(۲) ذبح اضطراری، دونوں کی تفصیل الگ الگ طور پر پیش کی جاتی ہے۔

(۱) ذبح اختیاری

ذبح اختیاری کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ جانور کو آسانی کے ساتھ لٹا کر اس کے گلے پر بسم

اللہ پڑھ کر چھری چلادی جائے، اوراس کے حلقوم اور ودجان یعنی دونوں شہ رگ کٹ جائیں، یا اونٹ وغیرہ کو کھڑے کھڑے نحر کردیا جائے، اورنحر کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اونٹوں کی تمام رگوں کا تعلق گردن کی ایک جگہ پر ہوتا ہے، اور کھڑے کھڑے اس جگہ پر چھری پھیر دی جائے یہ ذبح اختیاری کے دائرے میں داخل ہے۔

وهي اختيارية و اضطرارية: فالأول الجرح فيما بين اللبة واللحيين.

(البحر الرائق کراچی ۱۶۷/۸، زکریا ۳۰۵/۸)

اختیاری ذبح کے شرائط

(۱) بوقت ذبح بسم اللہ پڑھنا، صحت ذبح کے لیے قرآن کریم کے اندر شرط قرار دیا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿**فَكُلُوا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ بِآيَاتِهِ مُؤْمِنِيْنَ.** [الأنعام: ۱۱۸]﴾

لہٰذا اگر بسم اللہ نہ پڑھی جائے تو وہ ما اہل لغیر اللہ کے تحت داخل ہوکر نا جائز وحرام ہوجائیگا۔

(۲) ایسے آلۂ جارحہ کا ہونا کہ جس کے ذریعہ سے محل ذبح سے خون جاری ہوجائے اس کو فقہاء نے اس عبارت سے نقل فرمایا ہے۔

وأما شرطها فأربعة: الأول: آلة قاطعة جارحة. (البحر الرائق زکریا ۳۰۵/۸، کوئٹہ ۱۶۷/۸)

ترجمہ: بہرحال ذبح کی شرائط چار ہیں، ان میں سے پہلی شرط آلۂ ذبح یعنی چھری جو تیز ہو کاٹنے والی ہو اور زخم کرنے والی ہو۔

(۳) ذابح کا اعتقادی یا ادعائی طور پر صاحب ملت ہونا، اس کو فقہاء نے ان الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

والثاني أن يكون ممن له ملة حقيقة كالمسلم أو ادعاء كالكافر.

(البحر الرائق زکریا ۳۰۵/۸، کوئٹہ ۱۶۷/۸)

ترجمہ: اور دوسری شرط یہ ہے کہ ذبح کرنے والا ایسے انسانوں میں سے ہو جس کا حقیقت میں کوئی دین وشریعت ہو، جیسے کہ مسلمان یا ایسا انسان ہو جو کسی دین کا دعویٰ کرتا ہو جیسا کہ کافر یہودی یا عیسائی۔

(۴) ذبح کرنے والے کا عاقل ہونا، بالغ ہونا شرط نہیں ہے، لہٰذا نابالغ سمجھدار بچے کا ذبیحہ صحیح اور حلال ہوگا، اور وہ بچہ جو سمجھدار نہیں ہے اس کا ذبیحہ اور مجنون کا ذبیحہ حلال نہیں ہوگا، حضرات فقہاء نے اس کو ان الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

فمنها أن يكون عاقلا فلا تؤكل ذبيحة المجنون والصبى الذى لايعقل فإن كان الصبى يعقل الذبح ويقدر عليه تؤكل ذبيحته. (هنديه زكريا قديم ٥/٢٨٥، جديد ٥/٣٢٨، بدائع الصنائع زكريا ٤/١٦٤، كراچى ٥/٤٥)

ترجمہ: پس ان میں سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ ذبح کرنے والا عاقل سمجھدار ہو، لہٰذا مجنون اور ایسے بچے کا ذبیحہ کھانا جائز نہ ہوگا جو سمجھدار نہ ہو، پھر اگر ایسا ہو کہ جو سمجھدار ہو اور صحیح طریقہ سے ذبح کرنے پر قدرت رکھتا ہو تو اس کے ذبیحہ کا کھانا جائز ہوگا۔

(۵) محل ذبح یعنی ایسا جانور ہونا جو کلی طور پر یا جزئی طور پر ذبح کے ذریعہ سے قابل انتفاع ہو، اور کلی طور پر قابل انتفاع ہونے کا مطلب یہ ہے کہ حلال ماکول اللحم جانور ہو تو اس کا گوشت بھی حلال اور چمڑا بھی پاک ہے، اور جزئی طور پر قابل انتفاع ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ذبح شرعی کے بعد اس کا گوشت حلال نہیں ہے، مگر اس کا چمڑا قابل انتفاع ہے، جیسا کہ جب غیر ماکول اللحم جانور کو شرعی طور پر ذبح کرلیا جائے، اس کو حضرات فقہا نے ان الفاظ سے نقل فرمایا ہے۔

وكون المحل من المحللات إما من كل وجه كماكول اللحم أو من وجه كغيره وهو ما يباح الانتفاع بجلده وشعره. (البحر الرائق زكريا ٨/٣٠٥، كوئٹه ٨/١٦٧)

ترجمہ: اور محل ذبح یعنی جانور کا حلال جانوروں میں سے ہونا، یا تو کلی طور پر حلال و پاک ہو جیسا کہ حلال و ماکول اللحم جانور یا جزوی طور پر پاک ہو، جیسا کہ غیر ماکول اللحم جانور اس کو ذبح کرنے کے بعد اس کی کھال اور بال قابل انتفاع اور مباح ہے۔

ان شرائط میں سے اگر ایک شرط بھی نہ پائی جائے تو شرعی ذبح کے دائرہ میں داخل نہ ہوگا۔

(۲) ذبح اضطراری

ذبح اضطراری کا مطلب یہ ہے کہ جب ذبح اختیاری پر قدرت نہ ہو، اور کسی طرح اس پر کامیابی نہ ہو سکے تو جانور کے بدن کے کسی بھی حصہ میں ایسا زخم کر دیا جائے جس سے خون جاری ہو جائے، اور ذبح اختیاری پر قدرت ہوتے ہوئے ذبح اضطراری کو اختیار کرے گا تو شرعی طور پر ذبح درست نہ ہوگا، اور جانور بھی حلال نہ ہوگا، اس کو حضرات فقہاء نے ان الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

الثاني الجرح في أي موضع كان من البدن وهذا كالبدل عن الأول لأنه لايصار إليه إلا عند العجز عن الأول. (البحر الرائق زکریا ۸/۳۰۶، کوئٹہ ۸/۱۶۷)

ترجمہ: ذبح کی دوسری قسم جانور کے بدن میں سے کسی بھی جگہ پر زخم کر دینا اور یہ ذبح اختیاری کا بدل ہے، اس لیے کہ ذبح اضطراری کی طرف حلیت منتقل نہیں ہو سکتی، مگر اول یعنی ذبح اختیاری سے عاجز ہونے کے وقت۔

ذبح اضطراری کے اقسام

ذبح اضطراری کی تین قسمیں نصوص سے ثابت ہیں:

(۱) جانور بدک جائے اور کسی طرح انسان کے قابو میں نہ آئے، یا جنگلی جانور ہرن وغیرہ ہو تو ایسی صورت میں ذبح اضطراری جائز ہو جاتا ہے، یعنی بدن کے کسی بھی حصہ پر زخم کر دیا جائے۔

عن أبي العشراء عن أبيه قال: قلت يا رسول الله! أما يكون الذكاة إلا في الحلق واللبة قال لو طعنت في فخذها لأجزأك. (سنن النسائی، تھانوی ۲/۲۰۶، اشرفی ۲/۱۸۲، دار السلام رقم: ۴۴۱۳)

ترجمہ: حضرت ابو العشراء اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نے کہا یا رسول اللہ! کیا حلق اور لبہ کے علاوہ کسی اور جگہ بھی ذبح ہو سکتا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ بدکے ہوئے جانور یا جنگلی جانور کے پیر یا ران میں زخم کر دو، تو تیرے لیے جائز اور کافی ہوگا۔

(۲) آلہ جارحہ کے ذریعہ ذبح اضطراری اختیار کیا جائے، مثلاً تیر وغیرہ سے بسم اللہ پڑھ کر جانور کو مارا جائے، اور تیر جانور کو زخمی کردے، اور تیر مارنے والے کے قبضہ میں آنے سے پہلے پہلے اس کی روح نکل جائے تو ایسی صورت میں تیر کا زخم بھی ذبح کے قائم مقام ہوجاتا ہے، اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ حضور کو مال غنیمت میں کچھ اونٹ حاصل ہوئے، ان میں ایک اونٹ بدک گیا تو صحابہ کرامؓ نے تیر مار کر اسے روکوالیا تو حضور ﷺ نے اسی کو ذبح قرار دیا، اور حضور ﷺ نے فرمایا: جو تمہارے تیر کے ذریعہ سے زخمی ہوجائے اس کو کھالیا کرو، اور جس میں تیر الٹا پڑجائے اور زخم نہ ہو تو اس کو نہ کھایا جائے، حضرت عدی بن حاتمؓ نے حضور سے کہا یا رسول اللہ:

إنا نرمي بالمعراض قال ما خرق فكل وما أصاب بعرضه فلا تأكل.

(سنن الترمذی، النسخة الهندية ۱/۲۷۱، دار السلام رقم: ۱٤٦٥، صحيح البخاری، النسخة الهندية ۲/۸۲۳، رقم: ٥٢٦٤، ف: ٥٤٧٧)

ترجمہ: بیشک ہم تیروں سے شکار کو مارتے ہیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شکار کو تیر نے زخمی کردیا ہو وہ حلال ہے کھاؤ، جس کو تیر کی چوڑائی یا پشت لگ جائے اسے مت کھاؤ۔

(۳) شکاری جانوروں کے ذریعہ سے جانور کا شکار کیا جائے، اور چھوڑتے وقت بسم اللہ پڑھ کر چھوڑا جائے تو ایسی صورت میں اگر جانور کو شکاری جانور زخمی کردے اور اس سے خون نکل آئے اور مالک کے قبضہ میں آنے سے پہلے پہلے زندہ نہ رہے تو اس کا کھانا جائز ہے، اور اگر زندہ رہے تو اس کا ذبح کرنا لازم ہوجاتا ہے، حضور ﷺ نے شکاری کتوں کے شکار کردہ جانوروں کے حلال ہونے کو ان الفاظ سے ارشاد فرمایا ہے:

إذا أرسلت كلبك و ذكرت اسم الله عليه فأمسك عليك فكل، قلت: و إن قتل قال: وإن قتل. (سنن الترمذی النسخة الهندية ۱/۲۷۱، دار السلام رقم: ۱٤٦٤)

ترجمہ: جب تم اپنے تربیت یافتہ شکاری کتے کو بسم اللہ پڑھ کر شکار پر چھوڑ دو پھر وہ شکار کو تمہارے لیے پکڑ کر روک لے تو تم اسے کھاؤ اس پر میں نے کہا کہ اگر چہ جان سے مار دے تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ اگر چہ جان سے ماردے تب بھی کھا سکتے ہو۔

مشینی ذبیحہ

ذبح اختیاری میں دو چیزیں بہت زیادہ اہمیت کی حامل ہیں: (۱) چھری چلاتے وقت طاقت صرف کرنا (۲) چھری چلاتے وقت بسم اللہ پڑھنا۔ اور یہ دونوں امور شخص واحد سے صادر ہونا لازم ہیں۔

لہٰذا اگر چھری پر طاقت لگانے والا اور چلانے والا ایک شخص ہو، اور تسمیہ پڑھنے والا کوئی دوسرا شخص ہو تو جانور حلال نہیں ہوگا، اسی طریقہ سے ذبح اضطراری میں بھی دو چیزیں بہت زیادہ اہمیت کی حامل ہیں:

(۱) آلہ جارحہ استعمال کرتے وقت، اور اسی طریقہ سے شکاری کتے یا پرندہ کے چھوڑتے وقت بسم اللہ پڑھنا۔

(۲) آلہ جارحہ کا جانور کو زخمی کر کے خون نکال دینا، یا شکاری کتے یا پرندہ کا جانور کو زخمی کر کے خون نکال دینا۔

یہ دونوں چیزیں ذبح اضطراری میں لازم اور مشروط ہیں، ان میں سے اگر ایک چیز بھی نہ پائی جائے تو جانور حلال نہیں ہوگا، اب اس کے بعد مشینی ذبیحہ کی حقیقت اور اس کے فلسفہ پر غور کرنا ہے۔

غور طلب بات یہ ہے کہ مشینی ذبیحہ ذبح اختیاری کے دائرہ میں داخل ہے یا ذبح اضطراری کے دائرہ میں، تو اس سلسلے میں ماقبل میں ذبح کے شرائط کے ذیل میں فقہی جزئیات سے ثابت کیا گیا ہے کہ ذبح اضطراری اس وقت جائز ہے جبکہ ذبح اختیاری پر کسی طرح قدرت حاصل نہ ہو سکے، مگر جب ذبح اختیاری پر کسی طرح بھی کامیابی حاصل ہو جائے تو ذبح اضطراری کا طریقہ اختیار کرنا ہرگز جائز نہیں ہے تو ہم نے مشینی ذبیحہ کے فلسفہ پر غور کر کے دیکھا تو اس کے اندر ایسی کوئی شرعی مجبوری نہیں ہے جس کی وجہ سے ذبح اضطراری کو اختیار کیا جائے اس لیے کہ ذبح اختیاری کو طلب کرنے کے لیے جو اعذار اور مجبوریاں ہوتی ہیں وہ یہاں پر مفقود ہیں، اور اس سے مانع کوئی سبب اور وجہ بھی یہاں موجود نہیں ہے، محض اس وجہ

سے کہ جانوروں کی زیادہ تعداد ذبح کرنے میں دیر زیادہ لگے گی، اس لیے ذبح اختیاری کو چھوڑ کر اضطراری کو اختیار کیا جائے، یہ قابل قبول عذر نہیں ہے، کیونکہ اگر مختصر وقت میں کثیر تعداد میں جانور ذبح کرنا ہے تو اتنی تعداد میں مزدور اور افراد بھی مہیا ہو سکتے ہیں، اس لیے مشینی ذبیحہ میں ذبح اضطراری کا طریقہ اختیار کرنا ہرگز جائز نہ ہوگا، حضرات فقہاء نے اس قسم کے مضامین کو بہت واضح الفاظ میں نقل فرمایا ہے، ذبح اضطراری کے بارے میں فرمایا:

وهذا كالبدل عن الأول لأنه لايصار إليه إلا عند العجز عن الأول، وإنما كان كذٰلك لأن الأول، أبلغ في إخراج الدم من الثاني فلايترك إلا بالعجز عنه ويكتفي بالثاني للضرورة. (البحر الرائق زكريا ٨/٣٠٦، كوئٹه ٨/١٦٧)

ترجمہ: اور یہ اول یعنی ذبح اختیاری کا بدل ہے، اس لیے کہ اس ذبح اضطراری پر عمل جائز نہیں ہے، مگر ذبح کی پہلی قسم یعنی ذبح اختیاری سے عاجز ہونے کے وقت اور یقیناً حکم شرعی ایسا ہی ہے، اس لیے کہ ذبح کی پہلی شکل اخراجِ دم میں دوسری شکل کے مقابلے میں زیادہ مفید اور مؤثر ہے، لہٰذا پہلی شکل کو بغیر مجبوری کے چھوڑا نہیں جائے گا، اور ضرورت کی وجہ سے دوسری شکل کافی ہے۔

اب اس عبارت پر غور کر کے دیکھئے تو معلوم ہوگا کہ عجز کا لفظ طاقت جسمانی سے ناکام ہونے کے لیے بولا جاتا ہے، اور عذر کا لفظ عام ہے، اور یہاں ذبح اضطراری کو اختیار کرنے کے لیے طاقت جسمانی سے ناکامی کا کوئی سوال نہیں بلکہ محض یہ مقصد ہے کہ کم وقت کے اندر کثیر تعداد میں جانور ذبح ہو جائیں، یہ دفع مضرت نہیں ہے، جس کی وجہ سے امر ممنوع مباح ہو جائے، بلکہ یہ جلب منفعت ہے، اور جلب منفعت کے لیے امر ممنوع مباح نہیں ہوتا، اس لیے مشینی ذبیحہ میں ذبح اضطراری کا طریقہ اختیار کرنا جائز نہ ہوگا، اور مشینی ذبیحہ کا ذبح اختیاری کے دائرے سے خارج ہونا معتبر ذرائع سے معلوم ہوا ہے، کیونکہ ۱۰/۱۵ رفیصد مشینی ذبیحہ میں ایسا ہوتا ہے کہ گلے میں چھری لگنے کے بجائے پیٹ میں چھری لگ جاتی ہے اور کسی کے سر پر چھری لگ جاتی ہے اور کسی کے منھ پر چھری لگ جاتی ہے، یہ سارے کے سارے اسباب اور وجوہات اس کی واضح دلیل ہیں کہ مشینی ذبیحہ ذبح اختیاری کے دائرہ میں داخل نہیں ہے، لہٰذا مشینی ذبیحہ کی جتنی

شکلیں ہیں ان میں سے کوئی شکل ذبح اختیاری کے دائرے میں داخل نہیں ہوگی۔

مشینی ذبیحہ سے متعلق ایک سوال یہ کیا جاتا ہے کہ صرف بٹن دبا دیا جاتا ہے کہ بقیہ سارا کام مشین اور بجلی کی قوت سے ہوتا ہے، اور ذبح اختیاری میں یہ شرط ہے کہ جو بسم اللہ پڑھے گا اسی کی طاقت وقوت سے چھری چلے، اور بٹن دبانے کا مطلب یہ ہے کہ چھری پر کوئی شخص ہاتھ میں لے کر بسم اللہ پڑھ دے، اور بسم اللہ پڑھ کر دوسرے کے ہاتھ میں دیدے اور دوسرا بلا بسم اللہ کے اپنی قوت سے چھری چلا دے اور اس طرح کرنا ذبح اختیاری میں جائز نہیں ہے، اور ذبح اختیاری پر قوت ہونے کی وجہ سے ذبح اضطراری کی مذکورہ تمام صورتیں جو مشینی ذبح کے نتیجہ میں پیدا ہوتی ہیں ان میں سے کسی بھی صورت میں جانور حلال نہیں ہوگا، جس کی تفصیل ہم ابھی بیان کر چکے ہیں، اور اسی طریقہ سے مشینی چھری چلتے وقت بغل میں کھڑے ہو کر صرف بسم اللہ پڑھنا کافی نہیں، کیونکہ بسم اللہ پڑھنے والے کی قوت کا کوئی دخل نہیں، لہٰذا یہ بھی جائز نہیں۔

اور ایک سوال یہ بھی کیا جاتا ہے کہ چھری کے ہینڈل پر ہاتھ رکھ کر بسم اللہ پڑھتا ہے اور چھری چلنے میں ہاتھ رکھنے والے کی کوئی قوت نہیں ہوتی، بلکہ ساری کی ساری قوت مشین اور بجلی کی ہوتی ہے، لہٰذا یہ شکل بھی دائرہ جواز میں نہیں آسکتی۔

اور ایک سوال یہ بھی کیا جاتا ہے کہ جانور کے حلق کی نلکی میں چھری رکھ کر اس کو چیر دیا جاتا ہے یہ بھی ذبح اختیاری کے دائرہ میں داخل نہیں ہے، اس لیے کہ اس ذبح میں حلقوم تو کاٹا جاتا ہے، مگر دونوں جانب کے ودجان یعنی شہ رگ نہیں کاٹے جاتے، اور صحتِ ذبح کے لیے ودجان کا کاٹا جانا شرط ہے، لہٰذا یہ ذبح بھی دائرہ جواز میں نہیں آسکتا۔

اور ایک سوال یہ بھی کیا جاتا ہے کہ ذبح سے قبل بجلی شاٹ کے ذریعہ سے نیم بیہوش کر دیا جاتا ہے، اس کے بعد مشین کے ذریعہ سے اس پر چھری چلائی جاتی ہے اس کے اندر دو ضرر یہاں ہیں:

(۱) ذبح سے قبل جانور کو نیم بے ہوش کر دینا یہ بھی ایک وحشیانہ حرکت ہے۔

(۲) اس کے بعد جانور پر مشینی چھری چلانا جو انسانی قوت سے نہیں چلتی ہے، بلکہ مشین اور بجلی کی قوت سے چلتی ہے اس میں انسانی قوت کا کوئی دخل نہیں ہوتا ہے، اس لیے ان دونوں خرابیوں کی وجہ سے مشینی ذبیحہ کا یہ طریقہ بھی جائز نہیں ہوگا۔

مسائل ذبح اور شرعی اصول

مسائل ذبح میں تین اصولوں کو پیش نظر رکھنا نہایت ضروری ہے ان کے بغیر مسائل ذبح میں مغالطہ واقع ہوسکتا ہے

اصول(۱): ذبح کی دو قسمیں ہیں: (۱) ذبح اختیاری (۲) ذبح اضطراری

ذبح اختیاری کا مطلب یہ ہے کہ جانور ذابح کے اختیار اور قابو میں ہے اور جانور کو لٹا کر سنت طریقے سے اپنے ہاتھ سے گلے پر چھری پھیر دی جائے۔

اور ذبح اضطراری کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ جانور ذابح کے اختیار سے باہر ہے تو ذابح کی طاقت اور قابو سے باہر ہونے کی وجہ سے اس کو سنت طریقہ سے ذبح کرنا لازم نہیں ہوتا ہے بلکہ بسم اللہ پڑھ کر کسی بھی جگہ پر زخم کرکے خون بہا دیا جائے، چاہے ہتھیار اور اوزار کے ذریعہ سے ہو یا شکاری جانور کے ذریعہ سے۔

اصول(۲): ذبح اختیاری میں یہ شرط ہے کہ ذابح خود بسم اللہ پڑھ کر ذبح کرے اور اگر ذابح کے ساتھ کوئی دوسرا شخص تعاون کے لیے ہاتھ لگا دیتا ہے تو معین پر بھی بسم اللہ پڑھنا لازم ہوتا ہے، ورنہ جانور حلال نہ ہوگا۔

نیز اگر ذابح نے بسم اللہ پڑھ کر ذبح کر دیا ہے لیکن ساری رگیں کٹنے سے رہ جائیں اور دوسرا آدمی جا کر بغیر بسم اللہ کے بقیہ رگ کاٹ دیتا ہے یا کسی دھاردار چیز پر جانور خود جا کر گرنے کی وجہ سے اس کی گردن کٹ کر الگ ہو جاتی ہے تو ایسی صورت میں وہ جانور حلال نہیں ہوگا اس لیے کہ بقیہ رگوں کے کاٹنے میں اصل ذابح کا کوئی دخل نہیں ہے۔

اصول(۳): ذبح اضطراری میں جانور کے حلال ہونے کے لیے شرط یہ ہے کہ ذبح اختیاری کو اختیار کرنے کی کوئی صورت نہ بن سکے، اگر ذبح اختیاری کا امکان ہو تو ذبح اضطراری جائز نہیں ہے، لہٰذا ذبح اضطراری میں جانور کے حلال ہونے کے لیے شرط یہ ہے کہ جانور ذابح کے قبضہ اور اختیار سے خارج ہو، لہٰذا اگر جانور ذابح کے قبضہ اور اختیار میں

داخل ہوگا تو ذبح اضطراری کے طریقہ سے جانور حلال نہیں ہوسکے گا، حاصل یہ ہے کہ ذبح اضطراری کا پورا مدار جانور کا ذابح کے قبضے اور اختیار سے خارج ہونے پر ہے۔

اب دیکھنا ہے کہ مشینی ذبح ذبح اختیاری میں داخل ہے یا اضطراری میں تو ظاہر ہے کہ مشینی ذبح کا وہ طریقہ جس میں ذابح بسم اللہ پڑھ کر صرف بٹن دبا دیتا ہے، باقی سارا کام مشین اور بجلی کی طاقت سے ہوتا ہے، اس میں جانور بہرحال ذابح کے قبضہ اور اختیار کے دائرہ میں داخل رہتا ہے، لہٰذا مشینی ذبح ذبح اضطراری کے دائرہ میں داخل نہیں ہوسکتا، لازمی طور پر ذبح اختیاری میں داخل ہوگا، اور ذبح اختیاری میں اصول (۲) کی رعایت شرط ہے، اور اصول (۲) کی رو سے مشینی ذبح میں ذبح اختیاری کے شرائط مفقود ہیں گویا کہ مشینی ذبح اس کے مرادف ہے کہ بسم اللہ پڑھ کر ذابح نے ذبح کی ابتداء کی اس کے بعد ذابح نے اپنے اختیار سے جانور کو رگوں کے کاٹنے سے پہلے پہلے چھوڑ دیا ہے اور وہ جانور پریشان ہوکر غیر اختیاری طور پر کسی دھاردار چیز پر گر پڑا جس کی وجہ سے اس کی گردن کٹ کر دو ٹکڑے ہو جائیں تو ایسی صورت میں یہ جانور کسی کے نزدیک حلال نہیں ہے تو اسی طرح مشینی ذبح کے مذکورہ طریقہ سے بھی جانور حلال نہیں ہوسکتا۔

درمیان میں شئ بے اختیاری کا واسطہ

یہ جو کہا جاتا ہے کہ ذابح کا فعل اور نتیجۂ فعل کے درمیان اگر شئ بے اختیاری کا واسطہ ہو تو نتیجۂ فعل کو فعل ذابح کی طرف منسوب کیا جاتا ہے، یہ اصول ذبح اضطراری میں تو صحیح اور مطابق ہوتا ہے مگر ذبح اختیاری میں صحیح نہیں ہوتا، اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر ذبح اختیاری میں ذابح نے بسم اللہ پڑھ کر گلے پر چھری چلا دی ہے، اور حلق کٹ گیا ہے، مگر ودجان کٹنے سے رہ گئی ہیں اور ذابح نے جانور کو بالقصد چھوڑ دیا ہے، اتفاق سے جانور اس جگہ کسی دھاردار چیز پر گر پڑا یا اوپر سے کوئی دھاردار چیز گر پڑی تو ان تمام صورتوں میں جانور حلال نہیں ہوتا بلکہ حرام ہوجاتا ہے، حالانکہ ان میں شئ بے اختیاری کا فعل ہے، اس کے باوجود نتیجۂ فعل کو ذابح

کی طرف منسوب نہیں کیا جارہا ہے، نیز اگر اس صورت میں ذابح نے دوبارہ جاکر بغیر بسم اللہ کے بقیہ رگ کاٹ دی ہیں تب بھی جانور حرام ہے، اس لیے ذبح اختیاری میں مشینی ذبح کو داخل کر کے جائز قرار دینے کی کوئی شکل نہیں نکل سکتی۔

قانونی مجبوری

قانونی مجبوری کا عذر بھی درست نہیں ہوسکتا، اس لیے کہ ہندوستان اور پورے ایشیاء کے اندر مسئلہ ذبح میں کسی قسم کی قانونی مجبوری نہیں ہے، اور رہے مغربی ممالک تو مغربی ممالک میں بھی قانونی مجبوری عذر نہیں بن سکتی، اس لیے کہ وہاں پر یہ قانون ہرگز نہیں ہے کہ ہاتھ سے ذبح کرنا حکومت کی طرف سے ممنوع ہو، البتہ قانوناً صرف اس کی ممانعت ہے کہ جہاں چاہے جس جگہ چاہے ذبح کیا جائے ، بلکہ ذبح کے لیے مخصوص مقامات متعین کیے گئے ہیں انہیں مقامات کے حدود میں ذبح کیے جاسکتے ہیں، ان کے باہر نہیں، اور ایسے قوانین ہر بڑے شہر میں ہوتے ہیں، تاکہ خونوں کی گندگیاں ہر جگہ منتشر نہ ہوجائیں، اور ایسے مخصوص مقامات میں ہاتھ کے ذریعہ سے روزانہ ہزاروں کی تعداد میں جانور سہولت کے ساتھ ذبح کیے جاسکتے ہیں، اس کی مثال منیٰ کا مذبح ہے کہ ڈھائی روز کے اندر دسیوں ہزار جانور ہاتھ سے ذبح کیے جاتے ہیں، اور کسی حاجی کی قربانی بھیڑ اور ازدحام کی وجہ سے اس مدت کے اندر باقی نہیں رہتی، اس لیے قانونی مجبوری بھی ایسا عذر نہیں ہے جس کی وجہ سے امر ممنوع کو جائز قرار دیا جاسکے، ورنہ سالوں پہلے منیٰ میں مشینی ذبح کا سلسلہ جاری ہوجانا چاہیے تھا، حالانکہ بلاکسی پریشانی کے منیٰ میں تمام حاجیوں کی قربانی شرعی طریقہ سے ہاتھوں سے ذبح ہوجاتی ہے۔

مشین سے صرف مرغ ذبح ہوتا ہے

یہاں یہ بات بھی ناظرین کو عجیب معلوم ہوگی کہ مشینی ذبیحہ سے متعلق لمبی بحث ہورہی ہے، اور فقہ اکیڈمی کے سیمینار میں سینکڑوں علماء نے اس موضوع پر مختلف انداز سے مقالات لکھے ہیں۔

حالانکہ مشینوں سے صرف مرغ ذبح کیا جاتا ہے، چوپائے ذبح نہیں ہوتے اور کافی تعداد میں مقالہ نگار حضرات نے چوپائے کو بھی موضوع بحث کے دائرہ میں داخل کر کے کافی عرق ریزی فرمائی ہے۔

چوپایوں کو صرف اتنا کیا جاتا ہے کہ ایک بہت بڑی پلیٹ جو بجلی سے چل کر آتی جاتی ہے، دس دس، بیس بیس جانوروں کو ایک ساتھ پلیٹ پر لایا جاتا ہے پھر یہ پلیٹ ان جانوروں کو لے کر گہرے گڈھے کے اوپر پہنچ جاتی ہے، اور جانور اس میں پہنچنے کے بعد بدحواس ہو جاتے ہیں پھر اس میں آدمی پہنچ کر اپنے ہاتھ سے جانوروں کے گلے میں باضابطہ ہاتھ سے چھری پھیر دیتے ہیں، اس لیے مشینی ذبح کو چوپایوں اور بڑے جانوروں کے لیے موضوع بحث بنانے کی ضرورت نہیں، بلکہ موضوع بحث صرف مرغ کو بنایا جانا چاہیے، احقر نے اس طرح کی حقیقت کا خود مشاہدہ کیا ہے۔

حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحب دامت برکاتہم کا فتویٰ

فقہ اکیڈمی کی طرف سے سوالنامہ میں بطور دلیل حضرت مفتی نظام الدین صاحب دامت برکاتہم کا فتویٰ اور اس پر فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ دامت برکاتہم کی تصدیق کو مشینی ذبح کے جواز کے لیے دلیل میں پیش کیا گیا تھا، اور واقعتاً ان دونوں حضرات نے مشینی ذبح کی مذکورہ صورت کو اپنے اس فتویٰ میں جائز قرار دیا تھا، جو نظام الفتاویٰ ۱/۳۴۰ میں شائع بھی ہو گیا تھا، مگر ان دونوں حضرات نے صاف لفظوں میں ۱۱/ربیع الثانی ۱۴۱۶ھ میں مفتیانِ کرام اور علماء کرام کے ایک مجمع میں اس فتویٰ سے رجوع کا اعلان فرما دیا ہے، نیز باقاعدہ تحریری طور پر صاف لفظوں میں رجوع فرما لیا ہے، اور دونوں حضرات کے رجوع کی تحریر دارالافتاء دارالعلوم دیوبند کی مہر کے ساتھ احقر کے پاس بھی موجود ہے، نیز اس کی فوٹو کاپی بہت سے علماء کے پاس بھی موجود ہے، اس لیے ان دونوں حضرات کے مذکورہ فتویٰ کو جواز کی دلیل میں پیش کرنا درست نہ ہوگا۔

لہٰذا مشینی ذبح کی مذکورہ صورت جواز کے دائرہ میں آنے کے لیے کوئی شکل نظر نہیں

آتی، اس لیے مشینی ذبح قطعاً جائز نہ ہوگا۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحب کا رجوع

حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحب دامت برکاتہم اور حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ دامت فیوضہم کے رجوع کا فتویٰ بعینہٖ یہاں نقل کردینا مناسب معلوم ہوتا ہے، ملاحظہ فرمایئے:

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ

کیا فرماتے ہیں علماء دین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ:

آج کل مشینی ذبیحہ کا یہ طریقہ رائج ہونے جارہا ہے کہ بسم اللہ اللہ اکبر پڑھ کر بٹن دبا دیا جائے باقی جانور کے گلے پر چھری کا چلنا اور رگوں کا کاٹ دینا اور چھری کا جانور کے گلے تک پہنچنا سب بجلی کی طاقت سے ہوتا ہے، بٹن دبانے کے علاوہ ذابح کا کوئی دخل نہیں ہوتا، حالانکہ اس طرح کی ضرورت بھی نہیں محسوس ہوتی، کیونکہ منیٰ میں دو ڈھائی دن کے اندر ہزاروں اونٹ ذبح ہوتے ہیں پھر بھی مشینی ذبح کا یہ طریقہ وہاں اختیار نہیں کیا گیا اور ڈھائی دن کی مدت میں اتنے جانور ذبح ہوجاتے ہیں، اور اونٹوں کا ذبح منیٰ میں ایک جگہ ہوتا ہے ایک ساتھ دس دس جانور کو ایک پلیٹ میں کھڑا کرکے گڈھے کے پاس لے جاتے ہیں اور ایک آدمی اپنے ہاتھ سے بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر چھری چلاتا ہے جس کا خاکسار نے بچشم خود مشاہدہ کیا ہے، حضرت اقدس استاذی حضرت مفتی نظام الدین صاحب دامت برکاتہم نے نظام الفتاویٰ جلد اول صفحہ ۳۴ میں بٹن دبا کر ذبح کرنے کے مذکورہ بالا طریقہ کو جائز قرار دیا ہے حضرت سے درخواست ہے کہ اس مسئلہ پر نظر ثانی فرمالیں۔ فقط

شبیر احمد عفا اللہ عنہ

خادم دارالافتاء مدرسہ شاہی مرادآباد

۵؍ربیع الثانی ۱۴۱۶ھ

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ

حضرت مفتی شبیر احمد صاحب مفتی جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مراد آباد ثقہ ومعتمد شخص ہیں، خود مشاہدہ کر کے فرماتے ہیں تو احقر اپنے سابق فتویٰ سے رجوع کرتا ہے، احقر کو معلومات اس سے زائد نہیں ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

العبد نظام الدین
مفتی دار العلوم دیوبند
۱۱؍ ربیع الثانی ۱۴۱۶ھ

حضرت مفتی نظام الدین صاحب نے اپنے فتویٰ سے رجوع فرمالیا ہے، اس لیے احقر بھی رجوع کرتا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

املاہ: العبد محمود عفی عنہ
دار العلوم دیوبند
۱۱؍ ربیع الثانی ۱۴۱۶ھ

بقلم:
ابو القاسم نعمانی غفرلہ
۱۱؍ ربیع الثانی ۱۴۱۶ھ

۲ باب ما أهل لغير الله

سائبہ کا گوشت مسلمانوں کے لیے کب حلال ہے؟

سوال [۹۸۲۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مثلاً کسی ہندو نے دیوی دیوتاؤں کے نام بھینس کی جنس سے کٹڑے کے کان کاٹ کر چھوڑ دیا، آگے چل کر بھینسہ (بجار) ہو گیا، کافی دنوں کے بعد پاگل سا ہو گیا، جو عام طور پر انسانوں کا جان لیوا بن گیا، ہندوؤں نے عاجز آکر مسلمانوں سے کہا کہ اس بھینسہ کو پکڑ کر مار ڈالو، مسلمان لڑکوں نے دوڑ بھاگ کر کے پکڑ لیا اور ذبح کر کے کھا گئے، تو براہ کرم قرآن وحدیث کی روشنی میں مدلل جواب دیں کہ از روئے شرع اس طرح کے جانور کا گوشت کھانا حلال ہے، یا حرام؟ نیز اگر حرام ہے تو جس کسی نے عمداً یا سہواً کھا لیا تو کون سے گناہ کا مرتکب ہوا اور اس کے ازالہ کی صورت کیا ہوگی؟

المستفتی: محی الدین ضلع پورنیہ بہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: دیوی دیوتاؤں کے نام بھینس یا بیل کے کان کاٹ کر جو چھوڑ دیا جاتا ہے جیسا کہ سڑکوں پر سانڈ پھرتے ہیں یہ مالک کی ملکیت سے نہیں نکلتے وہ سائبہ کے حکم میں ہیں؛ اس لیے مالک کو انہیں فروخت کرنے اور ہبہ کرنے کا بھی حق باقی رہتا ہے، لہٰذا مالک کی اجازت سے مسلمانوں کا ایسے جانور کا ذبح کر کے کھانا جائز ہے، اب سوالنامہ میں جس ہندو نے مسلمان کو اسے مار کر استعمال کی اجازت دی ہے اگر وہی مالک ہے تو مسلمان لوگوں کے لیے اس کو ذبح کر کے کھانا جائز ہے۔ (مستفاد: امداد المفتیین ۹۳۵، امداد الفتاویٰ ۴/ ۹۹، احسن الفتاویٰ ۱/ ۵۲، معارف القرآن کلاں ۱/ ۳۶۷-۳۶۸، ۳/ ۲۴۶، تفسیر شیخ الہند ۱۶۵)

﴿مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنۢ بَحِيۡرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ وَّلَا وَصِيۡلَةٍ وَّلَا حَامٍ﴾. [المائدة: ۱۰۳]

وروی البخاری عن سعید بن المسیب قال...... والسائبة التی کانو یسیبونها لآلهتهم ولا یحمل علیها شیئ. (بخاری شریف، التفسیر باب ما جعل الله من بحیرة و لاسائبة ...... النسخة الهندیة ۲/ ٦٦٥، رقم: ٤٤٣٧، ف: ٤٦٢٣، تفسیر مظهری زکریا قدیم ۳/ ۱۹٤، جدید ۳/ ۲۲۰، تفسیر خازن ۱/ ٤٩٥)

ولم یرد حقیقة الجعل لأن الکل خلقه و تقدیره. (فتح الباری، کتاب التفسیر باب ما جعل الله من بحیرة و لا سائبة، اشرفیه ۸/ ۳٦۰، دار الفکر ۸/ ۲۸۳، تحت رقم الحدیث ٤٦۲٤، مکتبه دار البیان، قاهره ۸/ ۱۳۳)

من سیب دابته فلایزول ملکه عنها. (الموسوعة الفقهیة الکویتیة ۲٤/ ۱۱۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
۷؍رجب المرجب ۱۴۲۳ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۷۴۱)	۷؍۷؍۱۴۲۳ھ

مندروں اور مزاروں پر چھوڑے جانے والے جانوروں کا حکم

سوال [۹۸۲۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جو گائیں بھینسیں یا کوئی بھی جانور، دیوی شوالہ دیوتا کے نام پر چھوڑتے ہیں پھر وہ بڑا ہوجاتا ہے، اس کو مندر کے پجاری فروخت کرتے ہیں تو کیا اس کو یعنی اسی بکرے کو جس کو مندر کے نام پر چڑھایا گیا تھا کوئی مسلمان خرید کر قربانی کرسکتا ہے؟ اس کا کھانا مسلمان کے لیے جائز ہے؟

المستفتی: جمیل اختر عثمانی، کھادر والا مظفر نگر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفیق: مذکورہ جانور ما اہل بہ لغیر اللہ میں داخل نہیں ہے بلکہ بحیرہ اور سائبہ میں داخل ہے کہ محض بتوں اور مزارات کے نام پر چھوڑ دینے سے اس طرح کے جانوروں میں حلت وحرمت سرایت نہیں کرتی ہے اور نہ ہی وہ ملکِ مالک سے خارج ہوتے ہیں، لہٰذا جب مالک

سے خرید کر قربانی کی جائے یا مالک کے موہوب لہ سے خرید کر قربانی کی جائے تو شرعاً ان جانوروں کی قربانی جائز اور صحیح ہو جائے گی، اور اگر عرف میں مندر کے پجاریوں اور مزارات کے مجاوروں کے لیے ہبہ نہیں ہوتے ہیں تو مالک غیر کے تعلق ہونے کی وجہ سے پجاریوں اور مجاوروں سے خرید کر قربانی جائز نہیں ہوگی۔ (مستفاد: فتاویٰ عبدالحی ۲/۹۰، امداد الفتاویٰ ۴/۹۸، ۵/۳۵۹، معارف القرآن اشرفی دیوبند ۱/۳۹۸)

من سيب دابته فلايزول ملكه عنها. (الموسوعة الفقهية الكويتية ٢٤/١١١)

فلايزول ملكه في الوجهين كمن سيب دابته. (المبسوط دار الكتب العلمية بيروت ١٢/١٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵ رشعبان المعظم ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/۱۹۰۲)

بزرگوں کے نام پر چھوڑے ہوئے بکرے کو ذبح کرنا

سوال [۹۸۳۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بزرگوں کے نام بکرے، مرغ چھوڑنا کیسا ہے اور ان کا کھانا کیسا ہے؟

المستفتی: گلزار احمد سہارنپوری امام مسجد جھاڑی ضلع سیکر راجستھان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: یہ فعل حرام وباعث گناہ کبیرہ ہے، اور وہ بکرا مالک کی ملکیت سے خارج نہیں ہوتا ہے، اس کو اللہ کا نام لے کر ذبح کرنے میں اگر مالک سے دوبارہ اجازت لی جائے تو کھانا جائز ہے، ورنہ بحکم غصب ناجائز ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۴/۹۸)

من سيب دابته فلايزول ملكه عنها. (الموسوعة الفقهية الكويتية ٢٤/١١١، وهكذا في المبسوط للسرخسي دار الكتب العلمية بيروت ١٢/١٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳ ر ذی قعدہ ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/۲۰۳۳)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۳/۱۱/۱۴۱۰ھ

مہمان نوازی کے طور پر جانور ذبح کرنا

سوال [۹۸۳۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر کوئی مسلمان اللہ کا نام لے کر کسی جانور کو ذبح کرے بطور مہمان نوازی کے تو کیا اس میں شرک شامل ہوگا یا نہیں؟

المستفتی: مرسلین مدناپوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر کسی مہمان کی آمد پر جانور ذبح کیا جاتا ہے تاکہ مہمان کو اس جانور کا گوشت کھلایا جائے تو اس طرح کھلانا اور تواضع کے ارادے سے جانور ذبح کرنا جائز اور درست ہے، مثلاً اگر کسی گھر میں مرغ موجود ہے، مہمان کی آمد کی اطلاع ملنے پر جلدی سے مرغ ذبح کرکے اس کی بوٹیاں بنا کر کھانا تیار کیا جائے اسی طرح اسی ارادہ سے بکرا ذبح کرکے کھانا تیار کیا جائے تو اس میں کوئی قباحت نہیں ہے، ہاں البتہ اگر کسی بڑے شخص کی تعظیم اسی میں سمجھی جارہی ہے اور کھلانا مقصد نہیں بلکہ اس کی عظمت میں جانور ذبح کررہا ہے، اور اس ذبح کے اندر نہ آنے والے کو کھلانا مقصود ہو اور نہ خود کھانا مقصد ہو بلکہ جانور ذبح کرنا ہی اس کی عظمت اور اعزاز سمجھا گیا ہو تو یہ جانور حلال نہیں بلکہ میتہ کے حکم میں ہوگا، اس لیے کہ یہ " مَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ (مائدہ: ۳)'' میں داخل ہوگیا۔

ولو ذبح للضيف لايحرم لأنه سنة الخليل وإكرام الضيف إكرام الله تعالىٰ والفارق أنه إن قدمها ليأكل منها كان الذبح لله تعالىٰ والمنفعة للضيف أو للوليمة أو للربح وإن لم يقدمها ليأكل منها بل يدفعها لغيره كان لتعظيم غير الله فتحرم (وقبله) ذبح لقدوم الأمير و نحوه كواحد من العظماء يحرم لأنه أهل به لغير الله. (شامی مع در مختار، کتاب الحظر و الإباحة، باب الاستبراء وغيره، کراچی ٦/ ٣٠٩، زكريا ٩/ ٤٤٩)

سمعت أباحامد يقول: سألت أبا عاصم العامرى و كان تلميذا له عن رجل

ذبح للضيف شاة و ذكر الله فقال: يحل أكله. (تاتارخانية ١٧/ ٣٩٠، رقم: ٢٧٥٩٦)

ولو ذبحه لأجل قدوم الأمير أو قدوم واحد من العظماء و ذكر اسم الله فقال: يحرم أكله لأنه ذبحها لأجله تعظيما له. (الفتاویٰ التاتارخانية زكريا ١٧/ ٣٩٠، رقم: ٢٧٥٩٧)

وكذا لو سمى و ذبح لقدوم الأمير أو غيره من العظماء لايحل لأنه ذبح تعظيما له لا لله تعالىٰ بخلاف ما إذا ذبح للضيف فإنه لله تعالىٰ. (مجمع الأنهر، كتاب الذبائح، دار الكتب العلمية بيروت ٤/ ١٥٥، مصرى قديم ٢/ ٥٠٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
۷؍ ربیع الاول ۱۴۳۴ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۰۹۹۲)	۷/ ۳/ ۱۴۳۴ھ

صدقہ کی بکری میں کفار کا طریقہ اختیار کرنے کا حکم

سوال [۹۸۳۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میری طبیعت اکثر خراب ہوجایا کرتی ہے، میری زوجہ نے ایک کالے رنگ کا بکرا منگایا، اس کے سارے جسم پر میرا ہاتھ پھرایا گیا اور مکان کے اس حصہ میں بکرا کو گھمایا پھرایا گیا جہاں خصوصاً میرا اٹھنا بیٹھنا رہتا ہے، اس کے بعد اسے ذبح کرادیا گیا اور اس کا گوشت نادار لوگوں میں تقسیم کرادیا گیا، اور مجھے یہ باور کرایا گیا کہ کوئی بلا پریشان کررہی ہے اور یہ فعل رد بلا ہے، آسمان سے جو بلا آتی ہے اسے یہ گوشت یا یہ فعل آسمان ہی کی طرف واپس کردے گا، اور یہ بھی کہ یہ فعل ہمارے مذہب اسلام کے مطابق ہے، برعکس اس کے میری تجویز کچھ اس طرح ہے کہ بکرے والی رقم کو کسی ایسے دینی مدرسہ کو دیدیا جائے جس میں بیرونی طلباء تعلیم حاصل کرتے ہوں، یا گندم خرید لیا جائے اور اسے مستحق لوگوں میں تقسیم کرادیا جائے، یا آلو چاول کی ایک یا دو دیگ بنا کر غرباء اور نادار لوگوں کو کھانا کھلادیا جائے، میرا خیال ہے کہ بکرے کا گوشت پکانے میں نادار لوگوں کو زیر باری خرچ کی ہوگی، تو کیا میری تجویز بیگم کے فعل سے بہتر ہے یا اگر دونوں تجاویز بہتر ہیں تو افضل کیا ہے؟

المستفتی: جمیل احمد ابن بشیر مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آپ کی بیگم کا تجویز کردہ طریقہ کفار اور اغیار کا طریقہ ہے اسلامی طریقہ نہیں ہے، ایسے بکروں کا گوشت غریبوں اور نادار لوگوں کے لیے بھی کھانا جائز نہیں اور اس کا گوشت مردار کے حکم میں ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۸۷،ڈابھیل ۱۸۰/۹، ایضاح المسائل ۱۳۸)

اور آپ کی تجویز کردہ تمام صورتیں شرعاً جائز اور مناسب ہیں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱؍شعبان المعظم ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۴۱۵۵)

کاروبار میں برکت کے لیے بکرا ذبح کرنا

سوال [۹۸۳۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کاروبار میں برکت اور پریشانی دور کرنے کے لیے دو بکرے خریدے تاکہ اس کو ذبح کرکے غرباء ومساکین میں تقسیم کریں، رواج ہے کہ اس گوشت کو گھر کے افراد نہیں کھاتے، پھر بعد میں ارادہ ہوا کہ ان کی قربانی کریں تو کیا یہ جائز ہے یا نہیں؟ اور دوبارہ دوسرے خرید کر کے ان کی جگہ تقسیم کروں تو اس کا کیا حکم ہوگا؟

نیز دو بکروں کے خریدتے وقت کسی قسم کی نذر و منت کی نیت نہیں کی تھی؟

المستفتی: محمد انیس محلّہ فیل خانہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر محض بطور شکر اور خیر وبرکت کے لیے ذبح کرنا مقصود ہے تو اس میں دو صورتیں ہیں ایک صورت یہ ہے کہ محض ذبح اور خون بہانے ہی کو باعث قربت سمجھا جائے، شرعاً اس طرح ذبح کرنا اور کسی کو کھلانا جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۵۷۰/۳)

دوسری صورت یہ ہے کہ ذبح کرنا مقصود نہیں ہے بلکہ فقراء ومساکین کو کھلانا اور کچھ عطیہ عطا کرنا مقصود ہے جو قصائی کی دوکان سے لے کر بھی پورا ہوسکتا ہے، تو اس صورت میں

خریدشدہ دونوں بکروں کوقربانی کے لیے رکھ سکتے ہیں اور قصائی کی دوکان سے گوشت لے کر فقراء کوکھلادیں یاپیسہ دیدیں۔

دوبارہ بکرے خریدنے کی ضرورت نہیں بلکہ نہ خریدنا ہی بہتر اور اولیٰ ہوگا۔(مستفاد: امدادالفتاویٰ ۵۷۰)فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

کتبہ:شبیر احمد عفا اللہ عنہ
۲۱رذی قعدہ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر:۱۴۹۶/۲۵)

بیماری کے لیے بکرا ذبح کرنا

سوال [۹۸۳۴]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص نے منت مانی کہ میرا بچہ اگر بیماری سے شفایاب ہوگیاتو جان کے بدلہ جان دوں گا،منت میں نہ تو بکرے کانام لیانہ کسی بڑے جانور کا اللہ کے فضل وکرم سے بچہ شفایاب ہوگیا۔

اب دریافت یہ کرنا ہے کہ کیا بکرا ذبح کرکے غریبوں میں تقسیم کرنے سے ذمہ ساقط ہو جائے گا، کیا بکرا ایک سال کا ہونا ضروری ہے اگر چھ سات مہینہ کا ہوتو درست ہوگا یانہیں؟، کیا بکرا کسی مدرسہ یا مستحق زکوٰۃ ہی کو دینا ضروری ہے یاکسی مسجد میں بھی دیاجاسکتاہے،جان کے بدلہ جان دوں اس طرح کے الفاظ سے نذر ماننا صحیح ہے یانہیں؟ اگرنہیں توا گرکسی نے انہی الفاظ سے نذر مان لی تواس کا کیا کفارہ ہے براہ کرم چاروں جزوخصوصاً چوتھے جزو کا جواب تسلی بخش عنایت فرمائیں۔

المستفتی: ضیاءالرحمٰن قاسمی ،مسجد کلیان ،اہڑیان خانپور بلندشہر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جان کے بدلے جان دینے کی منت ماننا شرعاً جائز نہیں ہے اور نہ ایسی منت معتبر ہوتی ہے اور نہ ہی ایسی منت کو پورا کرنا لازم ہے،لہٰذا شفایابی کے بعد بکرا ذبح کرنا یاکسی اور جانور کا ذبح کرنا درست نہ ہوگا، ہاں البتہ بہتر شکل یہ ہے کہ ایک سال کے بکرے کی قیمت روپئے کی شکل میں نادار فقیروں ومسکینوں میں تقسیم کردیں تاکہ آپ کو

بھی تسلی ہو جائے اور صحت وتندرستی کا شکریہ ادا ہو جائے اور غریبوں کا فائدہ ہو جائے یہ صدقہ آپ پر واجب ولازم نہیں ہے، بلکہ امر مستحب ہے جو بطور مشورہ بتایا گیا ہے، اسی سے چاروں سوالوں کے جوابات کا مقصد سامنے آگیا۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۳/۵۷۰، ایضاح المسائل ۱۳۹)

ولو قال إن برئت من مرضى هٰذا ذبحت شاة أو عليَّ شاة أذبحها فبرئ لا يلزمه شيئ لأن الذبح ليس من جنسه فرض بل واجب كالأضحية فلا يصح. (شامی، کتاب الأیمان، زکریا ۵/۵۲۳، کراچی ۳/۷۳۹، ۳٤٠، حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح، دار الکتاب دیوبند ۱/۶۹٤، هندیه زکریا قدیم ۲/۶۶، جدید ۲/۷۲، البحر الرائق کوئٹه ٤/۲۹۶، زکریا ٤/٤۹۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰ رصفر المظفر ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۹۳۵)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۴/۲/۲۰ھ

بیماری کا بکرا

سوال [۹۸۳۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) بعض جگہوں پر رواج ہے کہ مدرسہ اسلامیہ میں لوگ زندہ بکرا یا ذبح کیا ہوا بکرا مقیم طلبہ کے لیے بھیجتے ہیں، اور یہ صدقہ ہوتا ہے کیا اس کو اساتذہ کرام بھی کھا سکتے ہیں جبکہ ان کا کھانا بھی مدرسہ سے طے ہے؟

(۲) اس بکرے اور گوشت کا اکثر وبیشتر حال یہ ہے کہ مریض کے اوپر اتار کر یا مریض کا اس پر ہاتھ پھرا کر یا مریض کی چارپائی کے پائے سے ایک دو دن باندھ کرلاتے ہیں؟

(۳) یا کوئی نئی مشین لگاتا ہے تو اس کے سامنے ذبح کرکے یا بھٹہ شروع کرتا ہے تو جس جگہ آگ لگائی جائے گی اس جگہ بکرا ذبح کرکے اور خون بھٹہ پر چڑھا دیتا ہے پھر گوشت طلبہ کے لیے مدرسہ میں بھیج دیا جاتا ہے یا گھر پر پکا کر کھلا دیا جاتا ہے تو کیا ایسے گوشت کو طلبہ اور مدرسین کے لیے کھانا از روئے شرع جائز ہے؟

(۴) یہ صورتیں ''و ما ذبح علی النصب" کے تحت تونہیں آتیں؟

(۵) اگر کسی مدرسہ کا منتظم ایسا گوشت طلبہ اور مدرسین کو کھلائے تو طلبہ یا مدرسین اس کے کھانے سے گنہگار تو نہیں ہوں گے؟ اور ناظم مدرسہ کا یہ فعل از روئے شرع کیسا ہے؟

المستفتی: محمد ساجد قاسمی مدرسہ فیض العلوم منجھولی بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) اگر صدقہ سے مراد نذر کا بکرا ہے تو اس کا گوشت صرف طلبہ کے لیے جائز ہے، صاحب نصاب مدرسین وملازمین کے لیے اس کا گوشت کھانا جائز نہیں ہے، اگر چہ ان کا کھانا منجانب مدرسہ ہی کیوں نہ ہو۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم ۱۱/۱۱۰)

وهو مصرف أيضا لصدقة الفطر و الكفارة و النذر. (شامی، کتاب الزکوٰۃ، باب المصرف، زکریا ۳/۲۸۳، کراچی ۲/۳۳۹)

(۲) یہ عقیدہ اہل ہنود کا ہے اس طرح کا جانور فقیروں کے لیے بھی حلال نہیں ہے، اہل مدارس کو اس طرح کے جانوروں کا گوشت واپس کر دینا چاہیے، حضرت تھانویؒ نے امداد الفتاویٰ میں اس کو ناجائز لکھا ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۳/۵۷۰، ایضاح المسائل ۱۳۹)

(۳) ایسے جانور کا گوشت فقیروں وغریبوں کے لیے ناجائز اور حرام ہے، یہ جانور میتۃ کے حکم میں ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۴/۵۷۰، ایضاح المسائل ۱۳۹، فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۰/۸۴، جدید ڈابھیل ۱/۳۳۱)

(۴) اگر ایسا جانور ہے جس کو ذبح کرکے اس کا خون بھٹہ یا بنیاد میں ڈالدیا گیا ہے اگر چہ گھروں میں پکا کر ہی کھلایا جائے اس کا کھانا جائز نہیں ہے، یہ ''**ما ذبح علی النصب**" کی طرح حلال نہیں ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۴/۵۷۰ فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۰/۸۴، جدید ڈابھیل ۱/۳۳۱)

(۵) مسئلہ معلوم ہو جانے کے بعد اس کے کھانے اور کھلانے سے باز آجانا چاہیے اور مدرسہ کے منتظمین کو چاہیے کہ ایسا گوشت واپس کر دیں اور گوشت لانے والوں کو مسئلہ سمجھا دیا کریں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍ جمادی الثانیہ ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۴۴۹۰)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۶/۶/۱۵ھ

مکان کی تعمیر پر بکرا ذبح کرنا

سوال [۹۸۳۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص نے مکان بنایا اوراس نے ایک بکرا صدقہ کیا، اس کو ذبح کراکر مدرسہ میں پورا گوشت مع سری پائے، گردہ کلیجہ وغیرہ بھیج دیا، نیز قیمت چرم بکرا مبلغ پچیس روپیہ بھی مدرسہ کو دیدیئے، کیا اس گوشت کو مدرسہ میں طلبہ کے علاوہ جو حضرات صاحب نصاب ہیں وہ بھی کھا سکتے ہیں یا نہیں؟ نیز جس نے صدقہ کیا اس نے اپنے گھر کے خرچ کے لیے کچھ نہیں رکھا جیسا کہ قربانی کے گوشت سے خود بھی کھاتے اور رکھتے ہیں، برائے کرم مسئلہ مندرجہ بالا سے ازروئے شرع مطلع فرما کر مشکور فرمائیں۔

المستفتی: عبدالرشید تحویلدار مدرسہ شاہی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوالنامہ میں مکان بنانے پر بکرا ذبح کرنے کی تین صورتیں ہوسکتی ہیں: (۱) پہلے سے منت یہ مان رکھی تھی کہ اگر بآسانی یہ مکان بن گیا تو اللہ کے نام پر بکرا ذبح کرکے مساکین کو کھلاؤں گا، تو ذبح کرنا درست ہے اس کا گوشت صرف فقراء کھا سکتے ہیں، خود یا مالدار نہیں کھا سکتے ہیں۔

(۲) منت نہیں مانی گئی بلکہ مکان بآسانی بن جانے پر بطور شکریہ غریبوں کو کھلانے کے لیے ذبح کیا ہے تو اس کا گوشت خود اور مالدار اور فقراء سب کو کھلا سکتے ہیں اس کی علامت یہ ہے کہ بکرا خود ذبح کیے بغیر کسی دوسری جگہ سے گوشت حاصل کرکے کھلانے میں مقصود میں کوئی فرق نہ پڑتا ہو۔

(۳) مقصود فقراء کو کھلانا نہ ہو بلکہ ذبح کرنا ہی مقصود ہو، امداد یا کھلانا مقصد نہ ہو تو اس طرح ذبح کرکے خود کھانا اور مالدار کو یا مساکین وفقراء کو بھی کھلانا جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۳/۵۷۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱؍رمضان المبارک ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/۸۸۸)

پیر یا دیوتا کے نام پر نیاز دیئے گئے جانور کا گوشت کھانا

سوال [۹۸۳۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر کوئی شخص کسی جانور کو کسی پیر صاحب یا دیوتا کے نام سے نیاز دیتا ہے تو اس گوشت کو کھانا کیسا ہے؟

المستفتی: قمرالدین بریاہی بازار سہرسہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اس طرح نیاز دینا حرام ہے اس کا گوشت وغیرہ کھانا سب ناجائز اور حرام ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۱/۲۱۱، جدید زکریا مطول ۱/۲۵۳، امداد الفتاویٰ ۴/ ۹۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱ر جمادی الاول ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۶۷۶)

غیر اللہ کے نام پر ذبح شدہ مذبوحہ کا کھانا

سوال [۹۸۳۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: غیر اللہ کے نام پر بہت سے کھانے پکاتے ہیں مثال کے طور پر جیسے نیاز ان سب کا کھانا جائز ہے یا ناجائز؟ میں نے بہت سے مدارس کے طلباء کو دیکھا ہے کہ بچے دعوت میں جاتے ہیں اور علماء کرام بھی ان بچوں کو بھیجتے ہیں، کیا ان کے لیے غیر اللہ کا کھانا حلال ہے؟

المستفتی: محمود محمدی جل گاؤں مہاراشٹر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر غیر اللہ کے نام سے ذبح کر کے کھانا کھلاتے ہیں تو ایسا کھانا شرعاً حرام اور ناپاک ہے اس کا کھانا کسی کے لیے بھی جائز نہیں ہے۔ (مستفاد:

کفایت المفتی قدیم ۱/ ۲۱۱، جدید زکریا مطول ۱/ ۲۳۴، امداد الفتاویٰ ۲/ ۵۵۳)

اور اگر اللہ کے نام سے ذبح کرے اور اس کا ثواب کسی بزرگ کی روح کو بخش دے تو یہ جائز ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۲/ ۵۵۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳/ رجب المرجب ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۲۷۶۸)

اللہ کے نام پر منت یا صدقہ کا جانور ذبح کرنا

سوال [۹۸۳۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اللہ کے نام پر یا منت یا صدقہ پر جو جانور بکرا یا بھیڑ ذبح کیا جائے اس کا گوشت کیا خود ذبح کرنے والا استعمال کرسکتا ہے اور کھال وغیرہ کی قیمت کیا کرے، یا صرف فقراء ومساکین کو گوشت تقسیم کردیا جائے؟

المستفتی: اعجاز احمد پیر غیب زکریا ہاؤس مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: سوالنامہ میں جانور ذبح کرنے کی تین صورتیں مذکور ہیں اللہ کے نام پر بطور شکریہ کے ذبح کرنے کی دو صورتیں ہیں:

(۱) محض بطور شکریہ کے فقراء ومساکین کو کھلانا اور مدد کرنا مقصود ہو، جانور ذبح کرنا مقصود نہ ہو، اور بغیر ذبح کیے دوکان سے گوشت خرید کر کھلانے میں بھی مقصود میں کوئی فرق نہ پڑتا ہو، تو ذبح کر کے فقراء ومساکین کو کھلانا اور خود کھانا بھی جائز ہے۔

(۲) مقصود کھلانا اور امداد کرنا نہیں بلکہ ذبح کرنا ہی مقصود ہے، اور جانور کے بغیر مقصود میں فرق سمجھا جاتا ہے تو اس طرح جانور ذبح کرنا اور کھانا اور دوسروں کو کھلانا سب ناجائز ہے، اس کو ترک کرنا لازم ہے، بلکہ ایسی صورت میں جانور ذبح کیے بغیر روپیہ پیسہ وغیرہ سے صدقہ وخیرات کردیا کریں۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۳/ ۵۷۰)

(۲) منت کے جانور کا گوشت خود کھانا جائز نہیں بلکہ فقراء کو کھلانا ضروری ہے، اور مالداروں کو کھلانا ناجائز ہے، اوراس کی کھال بھی فقراء کا حق ہے، اس کی قیمت خود استعمال کرنا جائز نہیں۔

مصرف الزكاة (إلى قوله) وهو أيضا مصرف لصدقة الفطر والكفارة والنذر وغير ذٰلک من الصدقات الواجبة. (شامی، کتاب الزکوٰة، باب مصرف الزکاة، زکریا ۳/۲۸۳، کراچی ۲/۳۳۹، مصری ۲/۷۹)

(۳) صدقہ سے مراد نذر کا جانور ہے، تو خود یا مالداروں کو کھلانا جائز نہیں ہے اور اگر اس سے مراد نفلی صدقہ ہے تو خود بھی کھا سکتا ہے اور مالداروں کو بھی کھلا سکتا ہے، لیکن فقراء کو کھلانا زیادہ بہتر اور اولیٰ ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم ۱۲/ ۱۴۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳ ربیع الثانی ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/۶۴۹)

۳٦ كتاب الأضحية

(۱) باب: قربانی کے مسنون اعمال

قربانی کرنے والے کا بال وناخن وغیرہ نہ کٹوانا فقیر کے لیے یہ حکم نہ ہونا

سوال [۹۸۴۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہم نے سنا ہے کہ بقرعید کا چاند دیکھنے کے بعد بال، ناخن وغیرہ کٹوانا مکروہ ہے، یہ حکم صرف قربانی کرنے والوں کے حق میں ہے یا غریب فقیر جو قربانی نہیں کرے گا اس کے لیے بھی ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جو شخص قربانی کا ارادہ رکھتا ہو اس کے لیے مستحب ہے کہ عشرۂ اولیٰ ذی الحجہ میں قربانی سے پہلے بال اور ناخن وغیرہ نہ کٹوائے، اور جو شخص غریب وفقیر ہے اور قربانی کا ارادہ نہیں رکھتا ہے تو اس کے لیے یہ مستحب نہیں ہے بلکہ اس کے لیے بال وغیرہ کٹوانا درست ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ زکریا ۱۰/ ۳۱، فتاویٰ دار العلوم ۱۵/ ۵۲۰، کتاب الفتاویٰ ۴/ ۱٦٦، احسن الفتاویٰ ۷/ ۴۹۷)

عن أم سلمة قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا دخلت العشر و أراد أحدكم أن يضحي فلايمس من شعره و بشره شيئا وفي رواية: فلايأخذن شعرا ولا يقلمن ظفرا. (صحيح مسلم، باب نهي من دخل عليه عشر ذي الحجة وهو مريد التضحية ...... النسخة الهندية ۲/ ۱٦۰، بيت الأفكار رقم: ۱۹۷۷)

أقول: نهى النبي صلى الله عليه وسلم من أراد التضحية عن قلم الأظفار و قص الشعر في العشر الأول، والنهي محمول عندنا على خلاف الأولىٰ. (إعلاء السنن، باب ما يندب للمضحي في عشر ذي الحجة، كراچي ۱۷/ ۲٦۸، دار الكتب العلمية بيروت ۱۷/ ۲۹۱، تحت رقم الحديث ۵٦۰۱)

وقال الشامي: بعد نقل هذا الحديث: هذا محمول على الندب دون الوجوب بالإجماع. (شامي، باب العيدين، مطلب: في إزالة الشعر والظفر في ذي

الحجة، زکریا ۳/ ٦٦، کراچی ۲/ ۱۸۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۱/ ذی قعدہ ۱۴۳۴ھ

(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۲۹۳)

قربانی کے دن کس کی قربانی سے گوشت کھانا افضل؟

سوال [۹۸۴۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: عیدالاضحیٰ کے دن جو قربانی کے گوشت ہی کا کھانا سب سے افضل ہے، اس سے مراد اپنی قربانی کا گوشت ہے، یا کسی کی بھی قربانی کے گوشت سے ابتداء کرلی تو افضیلت مل جائے گی؟

المستفتی: عبدالرشید قاسمی سیڑھا بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عیدالاضحیٰ کو جس شخص کو قربانی کرنی ہوتی ہے اس کے لیے اپنی قربانی کے گوشت سے کھانے کی ابتداء کرنا افضل اور بہتر ہے یہی حدیث سے بھی ثابت ہے، اور جن لوگوں کو قربانی نہیں کرنا ہے، ان کے لیے بھی کھانے کی ابتداء کسی کی بھی قربانی کے گوشت سے کرنا افضل اور بہتر ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ڈابھیل ۱۷/ ۴۸۵)

عن بريدة أن النبی صلى الله عليه وسلم كان لايخرج يوم الفطر حتى يطعم، وكان لايأكل يوم النحر شيئا حتى يذبح فيأكل من أضحيته. (سنن الدار قطنی، کتاب العیدین، دار الکتب العلمیة بیروت ۲/ ۳٤، رقم: ۱٦۹۹، مسند أحمد بن حنبل ۵/ ۳۵۳، رقم: ۲۳۳۷۲)

الأكل من أضحية التطوع والواجب غير المنذور سنة لما ثبت عن النبی صلى الله عليه وسلم فی حديث بريدة رضی الله عنه أنه صلى الله عليه وسلم كان لايخرج يوم الفطر حتى يطعم وكان لايأكل يوم النحر شيئا حتى يذبح فيأكل من أضحيته. (إعلاء السنن، باب التصدق بلحوم الأضاحی وغيرها، کراچی ۱۷/ ۲٦۷، دار الكتب العلمية بيروت ۱۷/ ۲۸۹، تحت رقم الحديث ۵٦۰۰)

وهی أحكام الأضحىٰ لكن هنا يؤخر الأكل ...... و أطلقه فشمل من

لایضحی. (البحر الرائق، باب صلاة العیدین، زکریا ۲/۲۸٤، کوئٹه ۲/۱٦۳)

ویندب تاخیر أکله عنها وإن لم یضح فی الأصح. (الدر المختار، باب العیدین، مطلب: لایلزم من ترك المستحب ثبوت الکراهة، زکریا ۳/٦٠، کراچی ۲/۱۷٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰؍ ذی الحجہ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۳۵۳)

کیا عورت کا بھی اپنے ہاتھ سے قربانی کرنا افضل ہے؟

سوال [۹۸۴۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مضحی کے لیے اپنے ہاتھ سے اپنی قربانی کا جانور ذبح کرنا افضل ہے، تو اسی طرح اگر عورت ذبح کرنا جانتی ہو اور اس کو ذبح کرنے کی ہمت بھی ہو تو اس کے لیے ذبح کرنا افضل ہوگا یا نہیں؟

المستفتی: محمد قاسم گودھروی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر کوئی عورت ٹھیک طرح ذبح کرنا جانتی ہو اور ذبح کی جگہ پر پردہ وغیرہ کا معقول نظم ہو تو عورت کے لیے بھی اپنے ہاتھ سے اپنی قربانی کا جانور ذبح کرنا مستحب ہوگا۔ (مستفاد: بہشتی زیور حصہ سوم ۳۸، کتاب الفتاویٰ ۴/ ۱۹۷)

وندب أن یذبح بیده إن علم ذلک. (الدر المختار، کتاب الأضحیة، زکریا ۹/٤۷٤، کراچی ٦/۳۲۸)

المستحب هو أن یذبح أضحیته بیده إن کان یحسن الذبح. (البنایه اشرفیه ۱۲/٦۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲؍ جمادی الثانیہ ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۱۰۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۶/۲۲ھ

قربانی کرنے والے کے ہر بال یا قربانی کے جانور کے ہر بال کے برابر ثواب ملے گا؟

سوال [۹۸۴۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید داڑھی منڈواتا ہے اور انگریزی بال کٹواتا ہے، عید الاضحیٰ کا چاند نظر آنے سے ایک دن پہلے حجامت بنوالیتا ہے، اس کے بعد قربانی کرکے بعد میں حجامت بنواتا ہے، کیا اس کو بھی ہر بال کے بدلے ایک نیکی کا ثواب ملے گا؟

المستفتی: عبدالحمید انصاری، قصبہ پاکبڑہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قربانی کرنے والے کے ہر بال کے مقابلہ میں نیکی کا حکم نہیں ہے، بلکہ قربانی کا جانور جس کو ذبح کیا جاتا ہے اس کے ہر بال کے بدلہ میں ایک نیکی ملتی ہے، داڑھی منڈانے کا گناہ الگ ہے اور قربانی کا ثواب الگ ہے، اور خلوص سے جو بھی قربانی کرتا ہے اس کو قربانی کے جانور کے ہر بال کے بدلے میں ایک نیکی کا ثواب ملے گا۔

عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم أنه قال: في الأضحية لصاحبها بكل شعرة حسنة. (سنن للترمذی، الأضاحی، باب ما جاء فی فضل الأضحية، النسخة الهندية ۱/ ۱۸۰، دار السلام رقم: ۱۴۹۳، سنن ابن ماجه، باب ثواب الأضحية، النسخة الهندية ۲/ ۲۲۶، دار السلام رقم: ۳۱۲۷، المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربی بيروت ۵/۱۹۷، رقم: ۵۰۷۵، المستدرك للحاكم، مكتبه نزار، مصطفیٰ الباز بيروت ۴/ ۱۳۰۲، قديم ۲/ ۳۸۹، رقم: ۳۴۶۷، مسند أحمد بن حنبل ۴/ ۳۶۸، رقم: ۱۹۴۹۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/ جمادی الثانیہ ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۱۰۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۶/۲۲ھ

۲ باب في أيام الأضحية ووقتها و قضائها

قربانی کے ایام تین ہیں یا چار؟

سوال [۹۸۴۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ قربانی کتنے روز کرنی چاہیے، ہم لوگ تین روز کرتے ہیں اور غیر مقلدین حدیث سے چار دن ثابت کرتے ہیں، آپ صحیح جواب دیں۔

المستفتی: زبیر عالم تجویدی، قصبہ ڈھیال رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ہم بھی صحیح اور معتبر احادیث شریفہ سے قربانی کے تین دن ثابت کرتے ہیں اور ہم اہل سنت والجماعت جن روایات سے تین دن قربانی ثابت کرتے ہیں وہ زیادہ واضح اور صریح ہیں اور وہ لوگ جن روایات سے ثابت کرتے ہیں چار دن کے لیے لفظ اربعہ ایام کہیں نہیں آیا ہے، ہم ثلاثۃ ایام کے لفظ کے ساتھ ثابت کرتے ہیں، چند روایات حسب ذیل ہیں:

عن عبد الله بن عمر قال: الأضحىٰ يومان بعد يوم الأضحىٰ. (مؤطا امام مالك، كتاب الضحايا، اشرفى ديوبند ١٨٨)

عن عبد الله بن عمر رضى الله عنهما كان يقول: الأضحىٰ يومان بعد يوم الأضحىٰ. (السنن الكبرىٰ للبيهقى، قديم ٢٩٧/٩، جديد دار الفكر بيروت ٢٤٨/١٤، رقم: ١٩٧٩٣)

عن ابن عباسؓ قال: أيام النحر ثلاثة أيام (الحديث). (إعلاء السنن، باب أن الأضحية يومان بعد يوم الأضحىٰ، كراچى ٢٣٥/١٧، دار الكتب العلمية بيروت ٢٥٦/١٧)

عن سليمان ابن موسىٰ أنه قال: النحر ثلاثة أيام فقال مكحول: صدق. (السنن الكبرىٰ قديم ٢٩٧/٩، جديد دار الفكر بيروت ٢٤٨/١٤، رقم: ١٩٧٩١) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷؍ محرم الحرام ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۲۹۸۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۳/۱/۱۷ھ

قربانی تین ہی دن کیوں کی جاتی ہے؟

سوال [۹۸۴۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: قربانی تین ہی دن کیوں کی جاتی ہے، تین دن کی تخصیص کیوں ہے؟

المستفتی: نعیم الدین سیتامڑھی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قربانی کے ایام کے بارے میں اہل ظاہر کے نزدیک محرم کا چاند دیکھنے تک جائز ہے، اور حضرت امام شافعی کے نزدیک چار دن قربانی جائز ہے، مگر حضرت امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام احمد بن حنبل اور امام سفیان ثوری وغیرہ کے نزدیک صرف تین دن جائز ہے اس کے بعد جائز نہیں ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اس بارے میں جتنی روایات مروی ہیں ان میں سے سب سے صحیح اور معتبر روایت تین دن والی ہے، اس لیے تین ہی دن جائز ہے، اس کے بعد جائز نہیں اس کی تفصیل (بنایہ شرح ہدایہ، کتاب الأضحیۃ قدیم ۴/ ۷۶، جدید اشرفیہ دیوبند۱۲/ ۲۶) میں موجود ہے اور مختلف روایات (اعلاء السنن باب أن الاضحیۃ یومان بعد یوم الاضحیٰ کراچی ۱۷/ ۲۳۶، دارالکتب العلمیۃ بیروت ۱۷/ ۲۵۷) میں ہیں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۳۵۲)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۸/۶/۱۷ھ

یوم النحر وایام التشریق کی وضاحت

سوال [۹۸۴۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) یوم النحر ماہ ذی الحجہ میں کون سے دن کو کہتے ہیں؟

(۲) ایام تشریق کسے کہتے ہیں اور کتنے ہوتے ہیں، اور کون کون سی تاریخ میں ایام

تشریق ہوتے ہیں۔

المستفتی: سعید دانش ٹانڈہ رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) یوم النحر ماہ ذی الحجہ کی دسویں تاریخ کو کہا جاتا ہے، اور ایام النحر دسویں، گیارھویں اور بارھویں تاریخوں کو کہا جاتا ہے۔

وأیام النحر ثلاثة و أیام التشریق ثلاثة والکل یمضی بأربعةأولها نحر لا غیر. (هدایه مع البنایة، کتاب الأضحیة قدیم ٤/١٧٨، جدید اشرفیه دیوبند ١٢/ ٣٠)

(۲) ایام تشریق تین دن ہیں: گیارھویں، بارھویں اور تیرھویں ذی الحجہ، تو معلوم ہوا کہ گیارھویں اور بارھویں تاریخ ایام النحر اور ایام تشریق دونوں میں داخل ہیں۔

وأیام النحر ثلاثة و أیام التشریق ثلاثة، والکل یمضی بأربعة أولها نحر لا غیر، یعني غیر تشریق و آخرها تشریق لا غیر یعني و آخر أیام الأربعة تشریق من غیر نحر والمتوسطان وهما الحادی عشر والثاني عشر من الشهر نحر و تشریق فیساویان فی یومین ویشابهان فی یومین. (بنایه قدیم ٤/١٧٨، جدید اشرفیه دیوبند ١٢/ ٣٠، فتح القدیر، باب صلاة العیدین، فصل فی تکبیرات التشریق، دار الفکر بیروت ٢/ ٨١، کوئٹه ٢/ ٨٤، زکریا ٢/ ٧٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/ ذیقعدہ ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۷۰۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۵/۱۱/۱۴۱۴ھ

کیا دسویں ذی الحجہ سے قبل قربانی ہوسکتی ہے؟

سوال [۹۸۴۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ذی الحجہ کے مہینے میں اگر قربانی کے جانور کو بیماری کی وجہ سے ۱۰/ تاریخ سے پہلے ہی ذبح کرلے اور گوشت تین حصہ کرلے اور سب حق ادا کرے تو یہ قربانی درست ہے یا نہیں؟

میرا ایک ہی بکرا تھا وہ بیمار ہوگیا، مرنے کے قریب ہوگیا اس لیے میں بہت پریشان تھا تو ایک مولانا صاحب سے کہا کہ ایسی ایسی بات ہے تو مولانا صاحب نے کہا بکرا لاؤ، ذبح کردو، قربانی ہوگئی، کیونکہ ذی الحجہ کا چاند ہوچکا ہے اور تمہارا واجب ادا ہوگیا تو کیا شرعاً یہ قربانی درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد دلشاد ڈھرکی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قربانی کا وقت ذی الحجہ کی دسویں تاریخ کی صبح صادق سے شروع ہوتا ہے اس سے قبل قربانی کا وقت ہی نہیں ہوتا، اور وقت آنے سے قبل قربانی صحیح نہیں ہوتی، لہٰذا اگر آپ نے دسویں ذی الحجہ کی صبح صادق سے قبل ذبح کردیا ہے تو قربانی درست نہیں ہوئی، مذکورہ مولانا صاحب کی بات صحیح نہیں۔

وأما الذي يرجع إلى التضحية فهو أنها لا تجوز قبل دخول الوقت لأن الوقت كما هو شرط الوجوب فهو شرط جواز إقامة الواجب كوقت الصلاة فلا يجوز لأحد أن يضحي قبل طلوع الفجر الثاني من اليوم الأول من أيام النحر. (بدائع الصنائع، كتاب التضحية، فصل و أما ما بيان يرجع إلى وقت التضحية زكريا ٤/٢١١، تاتارخانية زكريا ١٧/٤١٦، رقم: ٢٧٦٨٧)

وأول وقتها أي أول وقت تضحية الأضحية بعد فجر النحر. (مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ٤/١٦٩، هدايه اشرفى ديوبند ٤/٤٤٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴ر محرم الحرام ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۰۹۵)

دس ذی الحجہ کی مغرب کے بعد قربانی کرنا

سوال [۹۸۴۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: قربانی کا جانور نویں ذی الحجہ کو بیمار ہوجائے اور اتنا بیمار ہوجائے کہ دس تاریخ کی

صبح تک روکنا ممکن نہ ہوتو اگر اس کی قربانی دس تاریخ شروع ہوتے ہی متصلاً مغرب کے بعد کردی جائے تو کیا اس کی قربانی ہوگی یا نہیں؟

المستفتی: محمد جنید لکھیم پوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: قربانی کا وقت دس ذی الحجہ کی طلوع صبح صادق سے شروع ہوتا ہے اس لیے مسئولہ صورت میں جانور کے بیمار ہونے کی وجہ سے دس ذی الحجہ کی مغرب کے بعد جانور کو ذبح کرنے سے قربانی ذمہ سے ساقط نہیں ہوئی بلکہ قربانی کا وجوب اس کے ذمہ بدستور باقی ہے اب قربانی تو نہیں ہوسکتی اس کی تلافی کی یہی شکل ہے کہ ایک اوسط درجہ کا بکرا جو قربانی کے لائق ہو اس کی قیمت فقیروں کو صدقہ کردے۔

وأما الذی یرجع إلی وقت التضحیة فهو أنها لاتجوز قبل دخول الوقت لأن الوقت کما هو شرط الوجوب فهو شرط جواز إقامة الواجب کوقت الصلاة فلا یجوز لأحد أن یضحی قبل طلوع الفجر الثانی من الیوم الأول من أیام النحر. (بدائع الصنائع، کتاب التضحیة، فصل و أما بیان ما یرجع إلی وقت التضحیة، زکریا ٤/٢١١، تاتارخانیة زکریا ١٧/٤١٦، رقم: ٢٧٦٨٧)

وأول وقتها أی أول وقت تضحیة الأضحیة بعد فجر النحر. (مجمع الأنهر، دار الکتب العلمیة بیروت ٤/١٦٩، هدایه اشرفی دیو بند ٤/٤٤٥)

ولایجوز التضحیة فی اللیلة الأولیٰ من أیام النحر، ویجوز فی اللیلة الثانیة والثالثة، فلم یجعل اللیلة الأولیٰ هنا تبعا للنهار إنما جعلها تبعا لنهار ماض، وفی سائر الأوقات جعل اللیل تبعا للنهار الآتی من أیام النحر، إنما جعل ذٰلک رفقا بالناس حتی لایفوتهم الحج لو وقفوا فی اللیلة الأولیٰ من یوم النحر. (تاتارخانیة زکریا ١٧/٤١٩، رقم: ٢٧٦٩٨) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹ر محرم الحرام ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/۷۸۷۳)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۴/۱/۹ھ

پہلے دن کسی عذر کی بنا پر نماز عیدالاضحیٰ نہ پڑھی گئی ہو تو قربانی کب کریں؟

سوال [۹۸۴۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: جس طرح عذر کے پائے جانے کی صورت میں عیدین کی نماز دوسرے دن پڑھنے کا حکم ہے تو کیا ایسی صورت میں عیدالاضحیٰ کے موقعہ پر قربانی نماز پر موقوف ہوگی یا پہلے ہی دن قربانی کی جاسکتی ہے، جبکہ عذر کے پائے جانے کی بنا پر عیدالاضحیٰ کی نماز پہلے دن نہیں پڑھی گئی؟

المستفتی: عبداللہ مدرسہ فرقانیہ گونڈہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: عیدالاضحیٰ کی نماز اگر کسی عذر کی بنا پر پہلے دن نہیں پڑھی جاسکی تو زوال کے بعد قربانی کرسکتے ہیں، اس سے پہلے قربانی کرنا جائز نہ ہوگا۔

(مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۴/ ۳۰۷، جدید ڈابھیل ۱۷/ ۴۵۳)

وأول وقتها بعد الصلاة إن ذبح في مصر (إلى قوله) وبعد مضى وقتها لو لم يصلوا لعذر. (شامی، کتاب الأضحية، کراچی ۶/ ۳۱۸، زکریا ۹/ ۴۶۰)

ولو لم يصل الإمام العيد في اليوم الأول، أخروا التضحية إلى الزوال، ثم ذبحوا، ولاتجزئهم التضحية مالم يصل الإمام العيد في اليوم الأول إلا بعد الزوال فحينئذ يجوز لخروج وقتها. (تبيين الحقائق امداديه ملتان ۶/ ۴ زكريا ديوبند ۶/ ۴۷۷، الدر المنتقى، دار الكتب العلمية بيروت ۴/ ۱۶۹، تاتارخانية زكريا ۱۷/ ۴۱۸، رقم: ۲۷۶۹۱، طحطاوى على المراقى، باب العيدين قديم ص: ۲۹۴، جديد دار الكتاب ديوبند ص: ۵۳۸) **فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
۷/ ذی الحجہ ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۵۳۰)

قربانی کرنے کا وقت

سوال [۹۸۵۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: قربانی بعد نماز کریں یا قبل نماز عید الاضحیٰ؟

المستفتی: مظاہر حسن پورنوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جہاں نماز واجب ہوتی ہے وہاں نماز عید الاضحیٰ سے قبل قربانی جائز نہیں ہے، اگر وہاں کسی ایک جگہ نماز عید ہو جائے تو وہاں ان لوگوں کی بھی قربانی جائز ہو جائے گی، جنہوں نے ابھی اپنی نماز ادا نہیں کی ہے۔

عن أنس بن مالک قال: قال النبی ﷺ: من ذبح قبل الصلاة فإنما ذبح لنفسه، ومن ذبح بعد الصلاة فقد تم نسکه و أصاب سنة المسلمین.

(صحیح البخاری، الأضاحی، باب سنة الأضحیة، ۲/۸۳۲، رقم: ۵۳۳۱، ف: ۵۵۴۶)

أول وقتها بعد الصلاة إن ذبح فی مصر أی بعد أسبق صلاة عید. (در مختار، کتاب الأضحیة، کراچی ۶/۳۱۸، زکریا ۹/۴۶۰، تاتارخانیة زکریا ۱۷/۴۱۶، رقم: ۲۷۶۸۷، ھدایه اشرفی دیوبند ۴/۴۴۵، مجمع الأنھر، دار الکتب العلمیة بیروت ۴/۱۶۹)

ولو ضحی بعد ما صلی أھل المسجد ولم یصل أھل الجبانة أجزأه استحسانا، لأنها صلاة معتبرة حتی لو اکتفوا بها أجزأتهم. (شامی، کراچی ۶/۳۱۸، زکریا ۹/۴۶۰، تبیین الحقائق زکریا دیوبند ۶/۴۷۷، امدادیه ملتان ۶/۴، مجمع الأنھر، دار الکتب العلمیة بیروت ۴/۱۷۰، البحر الرائق زکریا ۸/۳۲۲، کوئٹه ۸/۱۷۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶ محرم الحرام ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۵۸۴)

نماز عید سے پہلے قربانی کرنے کا حکم

سوال [۹۸۵۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک گاؤں جس کی آبادی ۲۰یا ۲۵/ ہزار کے لگ بھگ ہے اور کچھ کم وبیش ہے اس میں پہلے سے جمعہ وعیدین کی نماز ہوتی ہے تو کیا ایسے گاؤں میں عید کی نماز سے قبل قربانی کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر کوئی نماز عید سے پہلے قربانی کرے تو اس کا کیا حکم ہے؟ نیز ایک ایسا گاؤں جس میں تقریباً ۳۰۰۰/ ہزار ووٹ ہیں، کیا اس میں نماز عید سے قبل قربانی کرنا جائز ہے کہ نہیں، وہاں ضروریاتِ سامان مہیا ہیں، اس گاؤں کی آبادی کتنی ہونی چاہیے، شرط کیا ہے جس میں نماز عید سے پہلے قربانی کرنا جائز نہیں ہے؟

المستفتی: انیس الرحمٰن معصوم پور مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ۲۰/۲۵/ ہزار کی آبادی شرعی طور پر شہر اور بڑے قصبہ کے حکم میں ہے اسی طرح جس گاؤں میں ۳۰۰۰/ ووٹ ہیں وہ بھی بڑے قصبہ کے حکم میں ہے ان دونوں قسم کی آبادی میں جمعہ فرض ہے، اور اسی طرح عیدین کی نماز بھی واجب ہے، ان دونوں قسم کی آبادیوں میں عید کی نماز سے پہلے قربانی جائز نہیں ہے، لہٰذا اگر کوئی شخص نماز سے پہلے وہاں قربانی کردے گا تو عید کی نماز کے بعد دوبارہ قربانی کرنا لازم ہوگا۔

عن أنس بن مالک قال: قال النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم: من ذبح قبل الصلاۃ فإنما ذبح لنفسه، ومن ذبح بعد الصلاۃ فقد تم نسکه و أصاب سنة المسلمین.

(صحیح البخاری، الأضاحی، باب سنة الأضحیة ۲/۸۳۲، رقم: ۵۳۳۱، ف: ۵۵۴۶)

ولایجوز لأهل الأمصار الذبح حتی یصلی الإمام العید. (هدایه، کتاب الأضحیة، اشرفی دیوبند ۴/۴۴۵، تاتارخانیة زکریا ۱۷/۴۱۶، رقم: ۲۷۶۸۷، مجمع الأنهر، دار الکتب العلمیة بیروت ۴/۱۶۹)

نیز یہ بات بھی یاد رکھنی ہے کہ قربانی کرنے والوں کو اپنی نماز پڑھنا لازم نہیں ہے؛

بلکہ پوری آبادی میں کہیں بھی نماز عید ہوگئی ہے تو اس آبادی کے ان لوگوں کے لیے بھی قربانی جائز ہوجاتی ہے، جنہوں نے اپنی نماز ابھی ادا نہ کی ہو۔

ولو ضحیٰ بعد ما صلی أهل المسجد ولم يصل أهل الجبانة أجزأه استحسانا لأنها صلاة معتبرة. (شامی کراچی ۶/ ۳۱۸، زکریا ۹/ ۴۶۰، تبیین الحقائق امدادیه ملتان ۶/ ۴، زکریا دیوبند ۶/ ۴۷۷، مجمع الأنهر، دار الکتب العلمية بیروت ۴/ ۱۷۰، البحر الرائق کوئٹه ۸/ ۱۷۵، زکریا ۸/ ۳۲۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
۲۱/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۹ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۷۶۱)	۱۴۱۹/۵/۲۱ھ

نمازِ عید سے قبل قربانی کرنے سے وجوب ساقط نہیں ہوگا

سوال [۹۸۵۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) مسجد میں عید کی نماز سے پہلے فجر کے فوراً بعد قربانی کرنا درست ہے یا نہیں؟

(۲) اگر کسی نے قربانی کرلی، عید کی نماز سے پہلے، تو کیا حکم ہے؟ قربانی ہوئی یا نہیں؟ اگر نہیں ہوئی تو کیا کریں؟ اور بعد میں نماز پڑھتا ہے عید گاہ جا کر یا مسجد میں؟ تو کیا حکم ہوگا؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفيق: (۱-۲) عید کی نماز سے پہلے جن لوگوں نے قربانی کی ہے، ان کی قربانی صحیح نہیں ہوئی، ان پر عید کی نماز کے بعد دوبارہ قربانی واجب ہوگی۔

فقال النبی ﷺ: من ذبح قبل الصلاة فليست تلك الأضحية إنما الأضحية ما ذبح بعد الصلاة. (المعجم الأوسط، دار الفکر ۶/ ۳۸۵، رقم: ۹۱۴۹)

عن جندب، قال ﷺ: يوم النحر، ثم خطب ثم ذبح، فقال: من ذبح قبل أن يصلى، فليذبح أخرىٰ مكانها، ومن لم يذبح، فليذبح باسم الله.

(صحیح البخاری، باب کلام الإمام والناس في خطبة العید، النسخة الهندية ۱/ ۱۳۴، رقم:

۹۷۵، ف: ۹۸۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍محرم الحرام ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۷۴۲۱)

نماز عید سے قبل قربانی اور اس کی قضاء کا طریقہ

سوال [۹۸۵۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) ایسی بستی جس میں پانچ ہزار سے زائد ووٹ ہیں اور آٹھ نو مسجدیں ہیں جن میں نماز جمعہ ادا کی جاتی ہے، سرکاری ہسپتال، صرافہ، پردھان روڈ، تین عیدگاہیں جن میں عیدین کی نماز ادا کی جاتی ہے نیز جمعہ بھی ہوتا ہے، ڈاکخانہ اور ہفتہ میں تین بازار لگتے ہیں۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ ایسی بستی میں دس ذی الحجہ کو فجر کے بعد نماز عید ادا کرنے سے پہلے کسی نے قربانی کر لی تو یہ قربانی ادا ہو جائے گی یا اسے دوسری قربانی کرنا واجب ہوگا؟

(۲) نیز اس صورت میں ایام قربانی گذرنے کے بعد معلوم ہوا کہ قربانی درست نہیں ہوئی تو غیر ایام نحر میں اس کی ادائیگی کی کیا صورت ہوگی؟

المستفتی: شریف احمد رتن پوری کلاں مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: (۱) جس بستی میں پانچ ہزار سے زائد ووٹ ہیں اس کی مردم شماری بچے بوڑھے مسلم غیر مسلم سب ملا کر دس ہزار سے کم نہ ہوگی، ایسی آبادی شرعی طور پر شہر کے حکم میں ہوتی ہے، وہاں نماز عید الاضحیٰ سے قبل قربانی درست نہیں ہے، اگر کسی نے نماز سے قبل قربانی کر لی ہے تو اس پر نماز کے بعد دوسری قربانی کرنا لازم ہے۔

عن أنس بن مالك قال: قال النبی ﷺ: من ذبح قبل الصلاة فإنما ذبح لنفسه، ومن ذبح بعد الصلاة فقد تم نسكه و أصاب سنة المسلمين.

(صحيح البخاری، الأضاحی، باب سنة الأضحية ۲/۸۳۲، رقم: ۵۳۳۱، ف: ۵۵۴۶)

أنه شرط للمصری تقدیم الصلاة علیها فعدم الجواز لفقد الشرط.

(شامی، کتاب الأضحیة، کراچی ٦/٣١٨، زکریا ٩/٤٦٠، هدایه اشرفی دیوبند ٤/٤٤٥)

(۲) ایام نحر گذر جانے کے بعد اس کی ادائیگی کی شکل یہ ہے کہ سال بھر کا ایک بکرا صدقہ کردے یا اس کی قیمت فقراء میں اسی نیت سے صدقہ کردے۔

وإن کان من لم یضح غنیا ولم یوجب علی نفسه شاة بعینها تصدق بقیمة شاة اشتریٰ أو لم یشتر. (عالمگیری، زکریا قدیم ٥/٢٩٦، جدید ٥/٣٤٢)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲رمحرم الحرام ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۵۵۷۳/۳۳)

پندرہ سو کی آبادی والے گاؤں میں نمازِ عید سے قبل قربانی کرنے کا حکم

سوال [۹۸۵۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کے گاؤں میں دو مسجدیں ہیں، اور ایک عیدگاہ بھی ہے، دونوں مسجدوں میں علیحدہ علیحدہ جمعہ بھی ہوتا ہے، ایک مسجد میں عیدین کی نماز بھی ہوتی ہے جس طرح عیدگاہ میں ہوتی ہے، جبکہ گاؤں کی کل آبادی چھوٹے بڑے سب ملا کر پندرہ سو سے کم ہی کم ہے، کہ زید کے گاؤں کے لوگ عیدگاہ و مسجد کی نماز سے قبل صبح صادق و نماز فجر کے بعد قربانی کے جانور ذبح کردیتے ہیں، کیا ان کی قربانی مسلک حنفی کے نزدیک درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: رئیس احمد واہل بستی، چودھر پور رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: سوالنامہ سے واضح ہوا کہ مذکورہ گاؤں کی کل آبادی مردم شماری کے حساب سے پندرہ سو سے بھی کم ہے، یہ گاؤں شرعاً دیہات ہے، بڑے گاؤں اور قصبہ کے حکم میں نہیں ہے اس لیے اس گاؤں میں جمعہ اور عیدین جائز نہیں ہے، اور جمعہ پڑھنے

والوں پرظہر کی فرضیت باقی رہ جائے گی اور وہاں چونکہ عید کی نماز شریعت اسلامی کی رو سے مشروع نہیں ہے،اس لیے صبح صادق کے بعد قربانی کے جانورکو ذبح کرنا جائز ہے۔

وعبارة القهستاني: تقع فرضا في القصبات والقرىٰ الكبيرة التي فيها أسواق. (شامي، باب الجمعة، كراچی ٢/١٣٨، زكريا ٣/٦)

وفيما ذكرناه إشارة إلى أنه لايجوز في الصغيرة التي ليس فيها قاض و منبر (إلى قوله) ألا ترىٰ أن في الجواهر: لو صلوا في القرىٰ لزمهم أداء الظهر. (شامي زكريا ٣/٧، كراچی ٢/١٣٨)

وقد قال قاضيخان: فأما أهل السواد والقرىٰ والرباط عندنا يجوز لهم التضحية بعد طلوع الفجر. (شامی، كتاب الأضحية، كراچی ٦/٣١٨، تاتارخانية زكريا ١٧/٤١٦، رقم: ٢٧٦٨٧، مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ٤/١٦٩، هدايه اشرفي ديوبند ٤/٤٤٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٣/محرم الحرام ١٤٣٤ھ
(الف فتویٰ نمبر: ١٠٩٢٢/٤٠)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
٣/١/١٤٣٤ھ

قصبہ کے باشندوں کا نماز عید سے پہلے گاؤں کے قریب جا کر قربانی کرنے کا حکم

سوال [٩٨٥٥]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارا گاؤں سیڈھا ہے بڑی بستی ہے جمعہ اور عیدین ہوتی ہے، قربانی ہمارے گاؤں میں عید کی نماز سے پہلے جائز نہیں ہے عرصہ دراز سے ہمارے گاؤں والے ایسا کرتے ہیں کہ قریب ہی میں ایک گاؤں دوگھری ہے، چھوٹی سی بستی ہے ہم سیڈھے والے اس گاؤں کے جنگل اورکھیت میں پہنچ کر یعنی اپنے گاؤں کی حدود سے نکل کر عید سے پہلے اپنی قربانی کر لیتے ہیں، زید کہتا ہے کہ یہ قربانی درست نہیں ہے، بلکہ دوگھری گاؤں کی آبادی میں قربانی کرنا ضروری ہے، قابل استفتاء یہ ہے کہ بڑے گاؤں یا قصبہ والے کو اگر عید سے پہلے اپنی قربانی کرنی ہوتو وہ

چھوٹے گاؤں کے اندر ہی پہنچ کر یا اس گاؤں کے قریب کسی کھیت وغیرہ میں پہنچ کر قربانی کر سکتا ہے جیسا کہ سیڈھے کے لوگ ایک عرصہ سے ایسے ہی اپنی قربانی کرتے چلے آرہے ہیں؟

المستفتی: عبد الرشید قاسمی سیڈھا بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سیڈھا گاؤں جو قصبہ کے حکم میں ہے اس کے باشندوں کے لیے موضع دوگھری کے پاس جا کر عید سے قبل قربانی کرنا جائز ہے اور گاؤں کی آبادی کے اندر ذبح کرنا لازم نہیں ہے، بلکہ قصبہ سیڈھے کے حدود سے سے باہر لے جانا کافی ہے۔

ثم المعتبر فی ذٰلک مکان الأضحیة حتی لو کانت فی السواد والمضحی فی المصر یجوز کما انشق الفجر ولو کان علی العکس لایجوز إلا بعد الصلاة، وحیلة المصری إذا أراد التعجیل أن یبعث بها إلی خارج المصر فیضحی بها کما طلع الفجر. (هدایه، کتاب الأضحیة، اشرفی دیوبند ٤/٤٤٦، تبیین الحقائق امدادیه ملتان ٦/٤، زکریا دیوبند ٦/٤٧٧، البنایه فی شرح الهدایة، اشرفیه دیوبند ١٢/ ٢٤، مجمع الأنهر، دار الکتب العلمیة بیروت ٤/١٧٠، تاتارخانیة زکریا ١٧/٤٢٢، رقم: ٢٧٧٠٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰؍ صفر المظفر ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۹/۳۳۲۳)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۴/۲/۲۰ھ

قصبات میں نمازِ عید سے قبل قربانی

سوال [۹۸۵۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کے گاؤں کی قربانی عمر کے گاؤں میں ہوتی ہیں اور عمر کے گاؤں کی آبادی تیرہ ہزار کی ہے، جس میں دس گیارہ مسجدیں بھی ہیں اور سات آٹھ گاؤں کی قربانی اور عیدین کی نماز بھی وہیں ہوتی ہے، کیا زید کے گاؤں والوں کو عمر کے مذکورہ گاؤں میں عید الاضحیٰ کی

نماز سے پہلے قربانی کرنا درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد عمران بجنوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس کی آبادی تیرہ ہزار ہو وہ قصبات اور قریۂ کبیرہ میں داخل ہے اس میں جمعہ اور عیدین ادا کرنا واجب ہے، وہاں عید کی نماز سے قبل قربانی صحیح نہیں ہوگی، چاہے قربانی کرنے والے وہاں کے ہوں یا دوسری جگہ کے۔

تقع فرضا فی القصبات والقریٰ الکبیرة التی فیها أسواق. (شامی باب الجمعة کراچی ۱۳۸/۲، زکریا ۶/۳)

ویعتبر فی الذبح مکان الأضحیة لا مکان الرجل فی المصر. (الجوهرة النيرة کتاب الأضحیة امدادیه ملتان ۴۳۰/۲، دار الکتاب دیوبند ۲۶۹/۲)

ثم المعتبر فی ذٰلک مکان الأضحیة حتی لوکانت فی السواد والمضحی فی المصر تجوز. (هدایه اشرفی دیوبند ۴۴۶/۴، تبیین الحقائق امدادیه ملتان ۴/۶، زکریا دیوبند ۴۷۷/۶، البنایة فی شرح الهدایة اشرفیه دیوبند ۲۴/۱۲، مجمع الأنهر، دار الکتب العلمیة بیروت ۱۷۰/۴، تاتارخانیة زکریا ۴۲۲/۱۷، رقم: ۲۷۷۰۳) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍ذی الحجہ ۱۴۰۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸۱/۲۳)

بڑے گاؤں میں نماز عید سے پہلے قربانی کرنے کا حکم

سوال [۹۸۵۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کا بڑا گاؤں ہے، جس میں شرعاً جمعہ ہوتا ہے، ہر سال عیدین کی نماز اپنی مسجد میں پڑھ لیا کرتے تھے، کچھ لوگ یا اکثر لوگ پڑوس کے گاؤں کی عیدگاہ میں چلے جاتے تھے، قربانی اپنی مسجد میں نماز عید ہو جانے کے بعد ہی کرتے تھے، اس سال زید کے پورے گاؤں کے لوگ

عیدالاضحیٰ کی نماز پڑوس کے گاؤں کی عید گاہ میں پڑھنے چلے گئے اور اپنی مسجد میں نماز عید نہیں پڑھی معلوم یہ کرنا ہے کہ قربانی زید کے گاؤں کے لوگ اپنی بستی میں فجر کی نماز کے بعد کر سکتے ہیں یا نہیں، یا جہاں پر گاؤں کے لوگ نماز عید پڑھنے گئے ہیں اس نماز عید کے بعد قربانی کریں، جبکہ ایک دوسری عیدگاہ پڑوس ہی کے ایک بڑے گاؤں کی بھی ہے اس میں نماز عید اور پہلے ہوگئی لیکن زید کے گاؤں والوں نے نماز دوسری عیدگاہ میں پڑھی تو شرعاً کون سی عیدگاہ کی نماز ہونے کے بعد زید کے گاؤں والوں کو قربانی کرنا درست ہوگا، زید کے گاؤں میں کوئی عیدگاہ نہیں ہے؟

المستفتی: عبدالرشید قاسمی، سیڑھا بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوالنامہ کی تحریر کے مطابق زید کا گاؤں ایسا بڑا گاؤں ہے جس میں جمعہ وعیدین کی نماز جائز اور مشروع ہے، ایسا بڑا گاؤں شرعاً قصبہ کے حکم میں ہے، اس میں فجر کی نماز کے بعد نماز عید سے پہلے قربانی جائز نہیں ہے، اگر قربانی کردی جائے تو وہ صرف گوشت خوری میں شمار ہوگی، اس سے قربانی کا فریضہ ادا نہیں ہوگا، مگر جب اس گاؤں کے لوگ عیدگاہ نہ ہونے کی وجہ سے دوسرے گاؤں کی عیدگاہ میں نماز عید پڑھنے کے لیے جاتے ہیں تو جس گاؤں کی عیدگاہ میں یہ لوگ نماز عید پڑھتے ہیں اس عیدگاہ میں نماز پڑھنے کے بعد ہی زید کے گاؤں میں قربانی درست ہوگی، ہاں البتہ پڑوس کے گاؤں کی عیدگاہ میں عید کی نماز پہلے ہوتی ہے اور زید کے گاؤں کا کوئی بھی فرد پڑوس کے گاؤں کی عیدگاہ کی نماز میں شریک ہوتا ہے تو اس کی نماز کے بعد زید کے گاؤں میں قربانی درست ہوجائے گی اور اگر پڑوس کی عیدگاہ میں کوئی بھی فرد نماز پڑھنے کے لیے نہ جائے تو پھر اس عیدگاہ کا اعتبار ہوگا جس میں اس گاؤں کے سب لوگوں نے نماز عید پڑھی ہو۔

حدثنا الأسود بن قيس سمعت جندب ابن سفيان البجليؓ قال: شهدت النبي ﷺ يوم النحر فقال ﷺ: من ذبح قبل الصلاة فليعد مكانها أخرىٰ ومن لم يذبح فليذبح. (بخاری شریف، کتاب الأضاحی، باب من ذبح قبل الصلاة أعاده ۲/ ۸۳۴، رقم: ۵۳۴۷، ف: ۵۵۶۲)

فأول وقتها فی حق المصری والقروی طلوع الفجر إلا أنه شرط للمصری تقدیم الصلاة علیها. (شامی، کتاب الأضحية، زکریا ٩/٤٦٠، کراچی ٦/٣١٨)

وقت الأضحية يدخل بطلوع الفجر من يوم النحر إلا أنه لايجوز لأهل الأمصار الذبح حتى يصلی الإمام العيد. (هدایه اشرفی دیوبند ٤/٤٤٥، بدائع زکریا ٤/١٩٨، هندیه زکریا قدیم ٥/٢٩٥، جدید ٥/٣٤١)

ولو كانت الأضحية فی المصر لم يصح قبل صلاة العيد فإن صلی فی أحد المسجدين إما فی مسجد الجبانة أو فی مسجد الجامع ثم ذبح جاز. (فتاویٰ سراجیه ص: ٣٨٧-٣٨٨)

إن كان يصلی فی المصر فی موضعين ...... إذا صلی أهل أحد المسجدين أيهما كان جاز ذبح الأضاحی. (بدائع الصنائع زکریا دیوبند ٤/٢١١، مجمع الأنهر دار الکتب العلمية بیروت ٤/١٧٠، در مختار مع الشامی زکریا ٩/٤٦٠، کراچی ٦/٣١٨، تاتارخانية زکریا ١٧/٤١٩، رقم: ٢٧٦٩٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٣٠/ ذی الحجہ ١٤٣٤ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٤٠/١١٣٥٢)

ہندوستان میں رہنے والے کا سعودیہ میں قربانی کرانا

سوال [٩٨٥٨]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہندوستان میں رہنے والا شخص سعودیہ میں اپنی قربانی کرادے تو کیا حکم ہے، جبکہ ہندوستان میں ابھی اس پر قربانی کا وقت ہی نہیں آیا، کیونکہ سعودیہ میں ایک تاریخ عموماً آگے رہتی ہے؟

المستفتی: ممتاز احمد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ہندوستان میں رہنے والا شخص اگر سعودیہ میں

اپنی قربانی کرائے تو جب تک ہندوستان میں سبب وجوب یعنی دسویں ذی الحجہ کی صبح صادق نہ ہوجائے اس وقت تک سعودیہ میں اس کی واجب قربانی ادا نہ ہوگی، کیونکہ مالک قربانی پر اس وقت تک قربانی واجب ہی نہیں ہوتی ہے جب تک کہ اس کے یہاں دسویں ذی الحجہ کی صبح صادق نہ ہوجائے۔ (انوار رحمت ص:۳۹۱، کتاب المسائل ۲/۳۰۱)

وأما الذی یرجع إلی وقت التضحیة فهو أنها لاتجوز قبل دخول الوقت لأن الوقت کما هو شرط الوجوب فهو شرط جواز إقامة الواجب کوقت الصلاة فلا یجوز لأحد أن یضحی قبل طلوع الفجر الثانی من الیوم الأول من أیام النحر.

(بدائع الصنائع، کتاب التضحیة، فصل و أما بیان ما یرجع إلی وقت التضحیة، زکریا ٤/ ٢١١)

وأما وقت الوجوب فأیام النحر فلا تجب قبل دخول الوقت لأن الواجبات المؤقتة لاتجب قبل أوقاتها کالصلاة والصوم و نحوهما و أیام النحر ثلاثة یوم الأضحیٰ وهو الیوم العاشر من ذی الحجة والحادی عشر و الثانی عشر و ذٰلک بعد طلوع الفجر فی الیوم الأول إلی غروب الشمس من الثانی عشر ...... فإذا طلع الفجر من الیوم الأول فقد دخل وقت الوجوب فتجب عند استجماع شرائط الوجوب. (بدائع الصنائع، فصل فی وقت الوجوب، زکریا ٤/ ١٩٨) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
۲۳؍ محرم الحرام ۱۴۳۵ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۴۱۱/۴۰)	۲۵/ ۱/ ۱۴۳۵ھ

سعودیہ میں رہنے والے کی قربانی ہندوستان میں ۹؍ ذی الحجہ کو کرنا

سوال [۹۸۵۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید سعودی عرب میں رہتا ہے، اس نے ہندوستان میں اپنی قربانی کے لیے اپنے رشتہ دار کو اطلاع کردی، اور سعودی عرب میں جب ۱۰؍ ذی الحجہ ہوتی ہے تو ہندوستان میں ۹؍

ذی الحجہ ہوتی ہے تو ہندوستان میں اس کی قربانی ۹/ذی الحجہ کو درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد احمد مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سعودیہ کی ۱۰/ذی الحجہ جو ہندوستان کی ۹/ذی الحجہ ہوتی ہے تو زید کی قربانی ہندوستان میں، ہندوستان کی ۹/ذی الحجہ کو کرنا جائز نہیں ہے، اس لیے کہ اگرچہ مالک جانور کے یہاں دس ذی الحجہ ہوگئی ہو مگر مقام اضحیہ میں دس ذی الحجہ نہیں آئی ہے اور صحت قربانی کے لیے مقام اضحیہ میں بھی دس ذی الحجہ کا ہونا لازم ہوتا ہے اور وہ یہاں مفقود ہے۔ (مستفاد: انوار رحمت ۳۹۴، کتاب المسائل ۲/۳۰۱)

ولو كان هو فى مصر وقت الأضحية وأهله فى مصر آخر فكتب إلى الأهل وأمرهم بالتضحية فى ظاهر الرواية يعتبر مكان الأضحية. (خانية، كتاب الأضحية، فصل فى صفة الأضحية، جديد زكريا ٣/٢٤٣، وهلى هامش الهندية زكريا ٣/٣٤٥)

أن الرجل إذا كان فى مصر و أهله فى مصر آخر فكتب إليهم ليضحوا عنه فإنه يعتبر مكان التضحية. (هنديه زكريا قديم ٥/٢٩٦، جديد ٥/٣٤٢)

وأول وقتها أى أول وقت تضحية الأضحية بعد فجر النحر و لكن لاتذبح فى المصر قبل صلاة العيد و هذا الشرط لمن تجب عليه صلاة العيد (إلى قوله) ثم المعتبر فى ذٰلك مكان الأضحية حتى لو كان فى السواد والمضحى فى المصر يجوز من انشقاق الفجر وعلى عكسه لايجوز إلا بعد الصلاة. (مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ٤/١٦٩)

وإنما يعتبر فى هذا مكان الشاة لامكان من عليه هٰكذا ذكر محمد عليه الرحمة فى النوادر وقال: إنما أنظر إلى محل الذبح ولا أنظر إلى موضع المذبوح عنه وهٰكذا روى الحسن عن أبى يوسف يعتبر المكان الذى يكون فيه الذبح ولايعتبر المكان الذى يكون فيه المذبوح عنه و إنما كان كذٰلك لأن الذبح هو القربة فيعتبر مكان فعلها لامكان المفعول عنه. (بدائع زكريا ٤/٢١٣)

والمعتبر مكان الأضحية لامكان المضحى. (بزازيه جديد زكريا ١٥٦/٣، وعلى هامش الهندية زكريا ٢٨٩/٦)

ثم المعتبر فى ذلک مكان الأضحية حتى لو كانت فى السواد والمضحى فى المصر يجوز كما انشق الفجر ولو كان على العكس لايجوز إلا بعد الصلاة. (هدايه، الأمين كتابستان ٤٤٧/٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٢٦/ ذی قعدہ ١٤٣٤ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ٤٠/ ١١٣١٨)

سعودیہ کی دس ذی الحجہ کو ہندوستان میں رہنے والے کی قربانی درست نہیں

سوال [٩٨٦٠]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: خالد حج کو جارہا تھا، بکر جو ہندوستان میں رہتا ہے، اس نے خالد سے کہا کہ مکہ میں قربانی کرنے کا زیادہ ثواب ہے، اس لیے میری طرف سے بھی مکہ میں قربانی کردینا، اور قربانی کی رقم بھی دیدی، اب خالد نے مکہ میں ١٠/ ذی الحجہ کو اپنی قربانی کے ساتھ بکر کی طرف سے بھی قربانی کردی جبکہ اس دن ہندوستان میں ٩/ ذی الحجہ ہی تھی تو بکر کی طرف سے یہ قربانی درست ہوئی یا نہیں؟

المستفتی: محمد دلشاد ٹھرکی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صحتِ قربانی کے لیے قربانی کے وجوب کا پایا جانا ضروری ہے، لہٰذا مذکورہ صورت میں بکر کی طرف سے قربانی درست نہ ہوگی اس لیے کہ جب خالد نے ١٠/ ذی الحجہ کو سعودیہ میں قربانی کی اس وقت ہندوستان میں ٩/ ذی الحجہ تھی اور ٩/ ذی الحجہ کو بکر پر قربانی واجب نہیں ہوئی، لہٰذا جب سبب وجوب نہیں پایا گیا تو قربانی بھی درست نہ ہوگی۔ (مستفاد: کتاب المسائل ٣٠٠/٢)

وأما الذى يرجع إلى وقت التضحية فهو أنها لاتجوز قبل دخول الوقت

لأن الـوقت كماهو شرط الوجوب فهو شرط جواز إقامة الواجب كوقت الصلاة فـلا يـجوز لأحد أن يضحى قبل طلوع الفجر الثانى من اليوم الأول من أيام النحر.
(بدائع الصنائع، كتاب التضحية، فصل و أما بيان ما يرجع إلى وقت التضحية، زكريا ٤/ ٢١١)

أمـا وقت الوجوب فأيام النحرفلاتجب قبل دخول الوقت لأن الواجبات المؤقتة لاتجب قبل أوقاتها كالصلاة والصوم ونحوهما. (بدائع زكريا ١٩٨/٤)

وسببها الوقت وهو أيام النحر. (مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ١٦٦/٤)

أن سبـب وجـوب الأضحية الوقت وهو أيام النحر. (فتح القدير زكريا ٩/ ٥١٩، كوئٹه ٨/ ٤٢٥، دار الفكر بيروت ٩/ ٥٠٦)

وسببهـا الـوقـت وهـو أيـام الـنـحر وتحته فى الشامية: والدليل على سببية الـوقـت امتنـا ع التـقـديم عليه كامتنا ع تقديم الصلاة. (شـامـی زكريا ٩/ ٤٥٣، كراچى ٦/ ٣١٢-٣١٣)

وإنـمـا اشتـرط ...... الـوقـت وهوأيام النحر لأنها مختصة بها. (تبيين الـحـقائق امداديه ملتان ٦/ ٣، زكريا ٦/ ٤٧٤-٤٧٥، البحر الرائق كراچى ٨/ ١٧٣، زكريا ٨/ ٣١٧، تاتارخانية زكريا ١٧/ ٤٠٤، رقم: ٢٧٦٤٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶/ ذی قعدہ ۱۴۳۴ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۳۲۰)

سعودیہ کے رہنے والے کی قربانی ہندوستان میں ۱۲/ ذی الحجہ کو

سوال [۹۸۶۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید سعودی عرب میں رہتا ہے وہاں کی ۱۳/ ذی الحجہ کو ہندستان میں ۱۲/ ذی الحجہ ہوتی ہے تو زید کی قربانی ہندوستان میں ۱۲/ ذی الحجہ کو جائز ہے یا نہیں جبکہ سعودیہ میں اس دن ۱۳/ ذی الحجہ ہے؟

المستفتی: محمد جنید لکھیم پوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صحت قربانی کے لیے مقام قربانی میں ایام نحر کا پایا جانا ضروری ہے، لہٰذا صورت مسئولہ میں زید جو سعودی عرب میں رہتا ہے اس کی قربانی یہاں ہندوستان میں ۱۲؍ ذی الحجہ کو درست ہے، اس لیے کہ ہندوستان میں یوم نحر موجود ہے، مثلاً اگر زید اس دن ہوائی جہاز سے ہندوستان آجاتا ہے تو اس کے لیے اس دن ہندوستان میں اپنی قربانی کرنا بلاشبہ جائز ہے تو اسی طرح اس کے وکیل کے لیے بھی بلاشبہ جائز ہے۔ (مستفاد: انوار رحمت ص: ۲۹۴)

وإن كان الرجل فى مصر و أهله فى مصر آخر فكتب إليهم أن يضحوا عنه روى عن أبى يوسف أنه اعتبر مكان الذبيحة. (بدائع الصنائع كتاب التضحية، فصل فى بيان ما يرجع إلى وقت التضحية، زكريا ٤/٢١٣)

والمعتبر مكان الأضحية لا مكان المضحى. (بزازيه جديد زكريا ١٥٦/٣، وعلى هامش الهندية ٢٨٩/٦)

ثم المعتبر فى ذٰلك مكان الأضحية حتى لو كانت فى السواد والمضحى فى المصر يجوز كما انشق الفجر ولو كان على العكس لايجوز إلا بعد الصلاة. (هدايه، الأمين كتابستان ٤٤٦/٤)

ولو كان هو فى مصر وقت الأضحية و أهله فى مصر آخر فكتب إلى الأهل، وأمرهم بالتضحية فى ظاهر الرواية: يعتبر مكان الأضحية. (خانيه جديد زكريا ٢٤٣/٣، وعلى هامش الهندية زكريا ٣٤٥/٣)

أن الرجل إذا كان فى مصر و أهله فى مصر آخر فكتب إليهم ليضحوا عنه فإنه يعتبر مكان التضحية. (هنديه زكريا قديم ٢٩٦/٥، جديد ٣٤٢/٥)

وأول وقتها أى أول وقت تضحية الأضحية بعد فجر النحر لكن لاتذبح فى المصر قبل صلاة العيد وهذا الشرط لمن تجب عليه صلاة العيد (إلى قوله) ثم المعتبر فى ذٰلك مكان الأضحية حتى لوكان فى السواد والمضحى فى المصر يجوز من انشقاق الفجر وعلى عكسه لايجوز إلا

بعد الصلاۃ. (مجمع الأنهر، فقيه الأمت ٤/ ١٦٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸/ ذی قعدۃ ۱۴۳۴ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۳۲۱)

قربانی میں مقام ذبح کا اعتبار ہے یا مقام مالک کا؟

سوال [۹۸۶۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک آدمی ایسے ملک میں ہے کہ وہاں عید الاضحیٰ کا دن آیا نہیں مگر اس کی قربانی کا جانور جس ملک میں ہے وہاں عید کا دن ہے تو اس دن یہ قربانی ادا نہیں ہوگی، اس مسئلہ کی تفصیل ماہنامہ ندائے شاہی جنوری ۲۰۰۵ء ص: ۴۱ پر اور مفتی شبیر صاحب مدظلہ کی کتاب انوار رحمت کے ص: ۲۸۶ پر آچکی۔

(۱) مگر گذشتہ بقر عید کو اس کے علاوہ صورت مسئلہ سے واسطہ پڑا وہ اس طرح کہ مثلاً کویت میں ۱۰/ ذی الحجہ بدھ کو تھی، اور ان کی قربانی کا آخری دن جمعہ تھا، یعنی ۱۲/ ذی الحجہ تھی اور ہندوستان میں جمعہ کے دن ۱۰/ ذی الحجہ تھی، عید کا پہلا دن تھا (دو دن کا فرق تھا) کویت والوں کے قربانی کے جانور ہندوستان میں تھے، مہاراشٹر کی مختلف جگہوں سے معلوم کیا جانے لگا کہ ہم جمعہ کے دن یعنی ۱۰/ ذی الحجہ کو مقامی قربانیوں اور کھالوں کے جمع کرنے میں انتہائی منہمک رہیں گے، تو کیا ہم کویت والوں کی قربانی اپنی ۱۱/ ذی الحجہ بروز سنیچر کر سکتے ہیں یا نہیں؟ جبکہ کویت میں قربانی کا وقت ختم ہو چکا ہوگا وہاں ۱۳/ ذی الحجہ ہوگی۔

کویت والوں کے قربانی کے جانور عام طور پر تو نفل کی مد والے ہوتے ہیں، مگر ضروری نہیں ان کے ذاتی وجوب والے بھی ہو سکتے ہیں، آئندہ بھی ایسا سابقہ پڑ سکتا ہے تو کیا دونوں طرح کی قربانی کویت کی ۱۳ اور یہاں کی ۱۱/ ذی الحجہ کو کی جا سکتی ہے یا نہیں، جواب عنایت فرمائیں کہ اس موقع پر فون سے مفتی صاحبان کی طرف بندہ نے رجوع کیا جس میں مدرسہ شاہی کے مفتیان کرام بھی تھے مگر سب حج میں تھے الا ماشاء اللہ۔

(۲) ہند کا حاجی حج میں ہے اور صورت مسئلہ اوپر والی ہے تو کیا اس حاجی کی ذاتی مال والی قربانی وہاں کی ۱۳/ ذی الحجہ اور یہاں ہند کی ۱۱/ ذی الحجہ کو ہوسکتی ہے یا نہیں؟

المستفتی: عبداللہ مہاراشٹر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سعودی عرب امارت اور کویت وغیرہ میں قمری مہینہ ہندوستان کے مقابلہ میں ایک دن پہلے شروع ہو جاتا ہے، اگر کویت والوں نے ہندوستان کے دوست کے پاس اپنی قربانی کا پیسہ بھیج دیا ہے اور کویت میں ذی الحجہ کی تیرہویں تاریخ جب ہوئی تو اس دن ہندوستان میں ۱۱/ویں یا ۱۲ویں تاریخ ہے تو ایسی صورت میں ہندوستان کی ۱۱ویں ۱۲ویں ذی الحجہ کو کویت والوں کی قربانی ہندوستان میں کرنا جائز اور درست ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ قربانی میں تین شرطیں لازم ہیں:

(۱) قربانی کے واجب ہونے کے لیے جس کی طرف سے قربانی کی جارہی ہے، اس کا صاحب نصاب ہونا۔

(۲) صاحب نصاب پر ایام نحر کا شروع ہو جانا اور ایام نحر دسویں ذی الحجہ کی صبح صادق سے شروع ہو کر ۱۲/ویں ذی الحجہ کے غروب پر ختم ہو جاتے ہیں، اور دسویں ذی الحجہ کی صبح صادق ہوتے ہی صاحب نصاب پر قربانی واجب ہو چکی ہے، اور یہ وجوب بارہویں تاریخ گزر جانے کے بعد بھی ذمہ میں باقی رہتا ہے۔

(۳) جہاں قربانی کی جارہی ہے وہاں بوقت قربانی دسویں ذی الحجہ کی صبح صادق ہو چکی ہو، اور بارہویں ذی الحجہ کی غروب سے پہلے پہلے تک وقت باقی رہتا ہے، اور شہر میں قربانی شہر کی کسی بھی جگہ عید کی نماز ہو جانے کے بعد جائز ہے، اور اگر عید کی نماز شہر میں کہیں بھی نہیں ہوئی ہے تو شہر میں قربانی جائز نہیں۔

لہٰذا کویت کی تیرہویں تاریخ میں کویت والوں کی قربانی ہندوستان کی ۱۱/اور ۱۲ویں تاریخ میں کرنا جائز ہے، اس لیے کہ مقام اضحیہ میں قربانی کا وقت باقی ہے۔

قال فی البدائع: وأما وقت الوجوب فأیام النحر فلا تجب قبل دخول

الوقت لأن الواجبات المؤقتة لا تجب قبل أوقاتها كالصلاة والصوم و نحوهما و أيام النحر ثلاثة يوم الأضحىٰ وهو اليوم العاشر من ذى الحجة والحادى عشر و الثانى عشر و ذٰلک بعد طلوع الفجر من اليوم الأول إلى غروب الشمس من الثانى عشر ...... فإذا طلع الفجر من اليوم الأول فقد دخل وقت الوجوب فتجب عند استجماع شرائط الوجوب ثم لجواز الأداء بعد ذٰلک شرائط آخر. (بدائع الصنائع، كتاب التضحية، فصل فى وقت الوجوب زكريا ٤/١٩٨)

ويعتبر مكان المذبوح لا مكان المالک..... ولو كان هو فى مصر وقت الأضحية و أهله فى مصر آخر فكتب إلى الأهل و أمرهم بالتضحية، فى ظاهر الرواية: يعتبر مكان الأضحية. (خانيه جديد زكريا ٣/٢٤٣، وعلى هامش الهندية زكريا ٣/٣٤٥)

وفى البحر: وأما شرائط أدائها فمنها الوقت فى حق المصرى بعد صلاة الإمام والمعتبر مكان الأضحية لا مكان المضحى وسببها طلوع فجر يوم النحر. (البحر الرائق زكريا ديوبند ٨/٣١٧، كوئٹه ٨/١٧٣)

(۲) اگر ہندوستان کا حاجی مکہ مکرمہ میں ہے اور مکہ میں ذی الحجہ کی ۱۳؍ تاریخ ہے، اوراسی دن ہندوستان میں ذی الحجہ کی ۱۱؍ یا ۱۲؍ تاریخ ہے تو اس حاجی کی مال والی قربانی ہندوستان میں ہندوستان کی ۱۱؍ یا ۱۲؍ تاریخ میں کرنا جائز ہے، جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے۔

ويعتبر مكان المذبوح لا مكان المالک ولو كان هو فى مصر وقت الأضحية و أهله فى مصر آخر فكتب إلى الأهل و أمرهم بالتضحية فى ظاهر الرواية يعتبر مكان الأضحية. (خانية جديد زكريا ٣/٢٤٣، وعلى هامش الهندية زكريا ٣/٣٤٥)

والمعتبر مكان الأضحية لا مكان المضحى. (البحر الرائق زكريا ديوبند ٨/٣١٧، كوئٹه ٨/١٧٣) **فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
۱۴؍ محرم الحرام ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۴۲۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۱/۱۴ھ

قربانی کرنے میں مکان اضحیہ کا اعتبار ہے یا مکان مضحی کا؟

سوال [۹۸۶۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے یہاں قربانی سے متعلق ایک تنازعہ کھڑا ہوگیا ہے اس سلسلے میں حضرت والا سے تحقیق مطلوب ہے، مسئلہ یہ ہے کہ قربانی کرنے میں جانور کی جگہ کا اعتبار ہوگا یا ذبح کرنے والے کی جگہ کا فتاویٰ رحیمیہ ۹/۳۱۴ اور مسائل قربانی ۱۵۹ کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ قربانی کی جگہ کا اعتبار ہے جبکہ پاکستان سے حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کے فتویٰ کی ایک کاپی ارسال خدمت ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ذابح کے مکان کا اعتبار ہوگا، واضح رہے کہ اس فتویٰ کی زیروکس کافی ناقص ہی دستیاب ہے؟

المستفتی: مولانا محمد اسحاق ٹوپیاپانولی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اس مسئلہ میں تین چیزوں کوالگ الگ سمجھنا لازم ہے:

(۱) سبب وجوب یعنی قربانی واجب ہونے کا سبب، یہ قربانی کا وقت ہے جو یوم النحر کی طلوع صبح صادق سے شروع ہوکر بارھویں تاریخ کے غروب آفتاب تک رہتا ہے۔

(۲) شرط وجوب یعنی قربانی واجب ہونے کی شرط، آزاد مسلمان کا مالک نصاب ہونا۔

(۳) شرط ادا یعنی مالک نصاب پر قربانی کے ایام اور وقت داخل ہونے کی وجہ سے قربانی واجب ہوجاتی ہے، پھر اس کے قربانی ادا کرنے کے لیے ایک مزید شرط ہے، وہ یہ ہے کہ شہری آدمی کے لیے نماز عیدالاضحیٰ کی ادائیگی لازم ہے، یہی شہری کے لیے ادائیگی کی شرط ہے، مگر یہ شرط دیہاتی پر لاگو نہیں ہوتی، اور شرط ادا میں مکان اضحیہ کا اعتبار ہے، مکان مضحی کا اعتبار نہیں۔

لہٰذا جہاں جانور رہوگا وہاں کا اعتبار ہوگا اور جہاں مالک ہو وہاں کا اعتبار نہیں، یہ مسئلہ صرف تیسری شرط کے اعتبار سے ہے اور پہلی اور دوسری شرط کے وجوب کے بغیر تیسری شرط کا تصور ہی نہیں ہوسکتا؛ لہٰذا سب سے پہلے اول شرط یعنی دونوں جگہ قربانی کے زمانہ کا آنا لازم

ہے، پھر شرط ثانی یعنی زمانۂ قربانی میں مسلمان کا مالک نصاب ہونا، ان دونوں شرطوں کے ایک ساتھ پائے جانے کے بعد تیسری کا مسئلہ سامنے آتا ہے اور تیسری شرط ایک خصوصی اور جزوی شرط ہے، عمومی اور کلی نہیں، صرف شہری کے ساتھ یہ شرط لگی ہوئی ہے، دیہاتی کے ساتھ نہیں؛ لہٰذا شہری اور دیہاتی کے اعتبار سے مکان اضحیہ کا اعتبار ہوگا، مکان مضحی کا اعتبار نہیں ہے اور مسائل قربانی میں مسامحت ہوگئی ہے، کہ اس میں تیسری شرط کو سبب وجوب یعنی پہلی شرط کے درجہ میں لے جاکر لکھا گیا ہے، جو درست نہیں ہے، اور ساتھ میں ہدایہ، درمختار اور شامی کے تین جزئیہ بھی نقل کیے ہیں ان تینوں جزئیات کا تعلق تیسری شرط کے ساتھ ہے، پہلی شرط کے ساتھ نہیں ہے، ان جزئیات کو اس مسئلہ سے متعلق سمجھنے میں مسامحت ہوگئی ہے اور بہشتی زیور اور فتاویٰ محمودیہ کا مسئلہ اپنی جگہ صحیح اور درست ہے۔

اب اصل مسئلہ کا جواب یہ ہے کہ مکان اضحیہ کا اعتبار کرنا اس وقت درست ہے کہ جب مالک اضحیہ کے یہاں شرط یعنی سبب وجوب جو کہ قربانی کے ایام ہیں (دسویں ذی الحجہ سے بارہویں ذی الحجہ کا درمیانی زمانہ) دونوں جگہ پایا جانا لازم ہے، اس لیے اگر ہندوستان کا آدمی سعودی عرب قربانی کا پیسہ بھیج دیتا ہے اور وہاں ہندوستان سے ایک دن پہلے قربانی کا دن شروع ہوجاتا ہے ہندوستان میں ابھی قربانی کا زمانہ شروع نہیں ہوا ہے، اب اگر مالک قربانی ہندوستان میں اسی دن مرجاتا ہے تو اس پر قربانی واجب ہی نہیں ہوئی حالانکہ مکان اضحیہ میں جہاں قربانی ہونی ہے وہاں پر وقت ہوچکا تھا، لہٰذا اضحیہ اور مکان مالک دونوں جگہ قربانی کا سبب وجوب یعنی دسویں ذی الحجہ کی صبح صادق کا ہونا شرط ہے اور شہر میں قربانی ہو رہی ہے تو شہر میں کسی جگہ نماز عیدالاضحیٰ کا ہوجانا بھی شرط ہے۔

اس اصول سے دارالعلوم کراچی کا فتویٰ صحیح ہے، مگر اس میں ایک مثال میں مسامحت ہوگئی، لکھا ہے کہ جب پاکستان میں صبح ساڑھے چھ بج رہے ہیں اس وقت برطانیہ میں رات کا ڈیڑھ بج رہا ہوتا ہے، لہٰذا اگر ایک آدمی برطانیہ میں رہ رہا ہے اور وہ اپنی قربانی پاکستان میں کراتا ہے تو جب تک برطانیہ میں یوم نحر کی صبح صادق طلوع نہ ہو اس وقت تک اس کا جانور

پاکستان میں ذبح کرنا درست نہیں، یہ مثال اس لیے درست نہیں کہ دنیامیں مہینے کی ابتداء سعودی عرب اور اس کے اطراف سے ہوتی ہے اور برطانیہ میں اس دن قمری ماہ کی ابتدا ہو جاتی ہے، جس دن سعودیہ میں ہوتی ہے اور ہندو پاک میں اس کے ایک یوم کے بعد ہوتی ہے، لہٰذا سعودیہ اور برطانیہ میں سبب وجوب ہمیشہ پہلے پایا جاتا ہے اس کے بعد ہی ہند و پاک میں قربانی ہوتی ہے اس کے علاوہ دارالعلوم کراچی کا فتویٰ مع بقیہ مثالوں کے صحیح ہے۔

اب عربی جزئیات ملاحظہ فرمائیے: (۱) سبب وجوب یعنی قربانی کے ایام کا مکان مضحی میں پایا جانا ضروری ہے۔

وأما الذی یرجع إلی وقت التضحیة فهو أنها لاتجوز قبل دخول الوقت لأن الوقت کما هو شرط الوجوب فهو شرط جواز إقامة الواجب کوقت الصلاة فلا یجوز لأحد أن یضحی قبل طلوع الفجر الثانی من الیوم الأول من أیام النحر ویجوز بعد طلوعه سواء کان من أهل المصر أو من أهل القری غیر أن للجواز فی حق أهل المصر شرطا زائدا وهو أن یکون بعد صلاة العید لایجوز تقدیمها عندنا. (بدائع الصنائع، کتاب التضحیة، فصل و أما بیان ما یرجع إلی وقت التضحیة، زکریا ٤/٢١١)

(۲) وأما وقت الوجوب فأیام النحر فلا تجب قبل دخول الوقت لأن الواجبات المؤقتة لاتجب قبل أوقاتها کالصلاة والصوم و نحوهما و أیام النحر ثلاثة یوم الأضحیٰ وهو الیوم العاشر من ذی الحجة والحادی عشر و الثانی عشر و ذٰلک بعد طلوع الفجر من الیوم الأول إلی غروب الشمس من الثانی عشر ...... فإذا طلع الفجر من الیوم الأول فقد دخل وقت الوجوب فتجب عند استجماع شرائط الوجوب ثم لجواز الأداء بعد ذٰلک شرائط آخر نذکرها فی مواضعها إن شاء الله. (بدائع الصنائع، فصل فی وقت الوجوب، زکریا ٤/١٩٨، مجمع الأنهر قدیم ٢/٥١٦، جدید دار الکتب العلمیة بیروت ٤/١٦٦)

(۳) **وسببهـا الوقت وهو أيام النحر.** (مجمع الأنهر قديم ٢/٥١٦، جديد دار الكتب العلمية بيروت ١٦٦/٤)

(۴) **أن سبـب وجـوب الأضحية الوقت وهو أيام النحر.** (فتح القدير زكريا ديوبند ٥١٩/٩، كوئٹه ٤٢٥/٨، دار الفكر بيروت ٥٠٦/٩)

شرط وجوب: یعنی قربانی واجب ہونے کی شرط یعنی آزاد مسلمان مقیم کا مالک نصاب ہونا اس کے متعلق عبارتیں ملاحظہ فرمایئے:

(۱) **وإنـمـا تـجـب عـلى حر مسلم مقيم موسر.** (مـجـمع الأنهر قديم ٥١٦/٢، جديد دار الكتب العلمية بيروت ١٦٦/٤)

(۲) **قـال: الأضـحية واجبة عـلـى كـل حـر مسلم مقيم موسر في يوم الاضحیٰ.** (فتح القدير زكريا ديوبند ٥١٩/٩، كوئٹه ٤٢٥/٨، دار الفكر بيروت ٥٠٦/٩)

(۳) **ولهـا شـرائـط وجـوب ...... فـالأول كـونــه مـقيما موسرا من أهل الأمصار والقرىٰ والبوادى، والإسلام شرط.** (البحر الرائق كوئٹه ١٧٣/٨، زكريا ديوبند ٣١٧/٨)

(۴) **فتـجـب التـضحية على حر مسلم مقيم موسر بمصر أو قرية أو بادية.** (تنوير الأبصار مع الشامي زكريا ٤٥٧/٩، كراچی ٣١٥/٦)

شرط ادا: یعنی قربانی کا فریضہ ادا کرنے کی شرط:

(۱) **وأمـا شـرائـط أدائها فمنها الوقت فى حق المصرى بعد صلاة الإمام والـمـعتبر مكان الأضحية لا مكان المضحى و سببها طلوع فجر يوم النحر و ركنها ذبح ما يجوز ذبحه.** (البحر الرائق كوئٹه ١٧٣/٨، زكريا ديوبند ٣١٧/٨)

(۲) **وأول وقتهـا أى أول وقـت تضحية الأضحية بعد فجر النحر لكن لا تذبح فى المصر قبل صلاة العيد، وهذا الشرط لمن تجب عليه صلاة العيد ثـم الـمعتبر فى ذٰلک مكان الأضحية حتى لوكان فى السواد و المضحى فى الـمـصر يجوز من انشقاق الفجر على عكسه لايجوز إلا بعد الصلاة.** (مجمع

الأنهر قديم ٢/ ٥١٦، جديد دار الكتب العلمية بيروت ٤/ ١٦٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴؍ربیع الاول ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۹۸۰)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۴/۳/۱۴ھ

قربانی میں کس جگہ کا اعتبار ہے مقام ذبح یا مقام مالک؟

سوال [۹۸۶۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے ایک عزیز عمر سعودیہ میں رہتے ہیں اس سال وہاں بقرعید ہندوستان سے دو روز قبل ہوئی تھی، اور وہ کسی وجہ سے اپنے یہاں کے اعتبار سے تیسرے روز بھی قربانی نہیں کرا سکے، وقت گذر جانے کے بعد ان کو احساس ہوا تو انہوں نے اپنے گھر ہندوستان میں فون کیا کہ میری قربانی یہاں نہیں ہوسکی ہے وہاں ابھی ایک روز باقی ہے، لہٰذا میری قربانی وہاں کی بارہ تاریخ میں کرادی جائے، چنانچہ گھر والوں نے ہندوستان کے اعتبار سے ۱۲؍ذی الحجہ میں ان کی قربانی کردی، جبکہ ان کے یہاں ایام نحر گذرے ہوئے دو روز ہوگئے، آیا ان کی جانب سے قربانی درست ہوئی یا نہیں؟ زید نے اس سلسلے میں اپنے یہاں ایک مفتی صاحب سے رجوع کیا تو انہوں نے کہا کہ قربانی نہیں ہوگی، کیونکہ قربانی تین دن کے ساتھ منصوص ہے، تو جب عمر کے یہاں ایام نحر گذر گئے تو اب اس کے ذمہ تصدق واجب ہے، راشد نے کہا کہ قربانی میں مکان اضحیہ کا اعتبار ہے، مکان مالک کا اعتبار نہیں ہے اور استدلال میں فقہ کی ایک عبارت پیش کی ”**والمعتبر في مكان الأضحية**“ تو مفتی صاحب نے کہا ”**والمعتبر في مكان الاضحية**“ اس کا تعلق ایک ملک اور علاقہ کے شہر اور دیہات سے ہے کہ دونوں جگہ نفس وجوب ساتھ ہی ساتھ ہے اور شہری کے ساتھ بنص حدیث یہ ایک قید زائد ہے، کہ عید کی نماز سے پہلے قربانی نہیں کرسکتا اور دیہاتی اس قید سے مستثنیٰ ہے، لہٰذا ”والمعتبر في مكان الاضحية“ سے دور دراز ملکوں کے احکام پر استدلال کرنا درست نہیں ہوگا، آپ سے درخواست ہے کہ صحیح صورت مدلل تحریر فرما کر شکریہ کا موقع دیں؟

المستفتی: محمد عثمان غنی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس مسئلہ میں چار چیزوں کو الگ الگ سمجھنا لازم ہے، اس کے بعد اصل مسئلہ آسانی سے سمجھا جا سکتا ہے۔

(۱) قربانی کا سبب وجوب: یہ قربانی کا وقت ہے جو یوم النحر کی طلوع صبح صادق سے شروع ہوکر بارہویں تاریخ کی غروب آفتاب تک رہتا ہے۔

(۲) شرط وجوب: یعنی قربانی واجب ہونے کی شرط، آزاد مسلمان کا مالک نصاب ہونا۔

(۳) شرط ادا یعنی مالک نصاب پر قربانی کے ایام اور وقت داخل ہونے کی وجہ سے قربانی کرنا واجب ہو جانا، لہٰذا وقت سے قبل جائز نہیں۔

(۴) شہری آدمی کی قربانی شہر میں کسی بھی جگہ نماز عیدالاضحیٰ کی ادائیگی کے بعد میں ہونا۔

یہ شرط صرف شہر والوں پر لازم ہے، دیہاتی پر لاگو نہیں ہوتی، اور شرط ادا میں مکان اضحیہ کا اعتبار ہے، مکان مالک کا اعتبار نہیں، ہاں البتہ مکان مالک میں قربانی کرنے کا زمانہ اور ایام آچکے ہوں اور اس کے بعد مکان اضحیہ میں قربانی کرنے کا زمانہ موجود ہو، تو اس وقت مکان اضحیہ کا اعتبار ہوگا۔

لہٰذا جب سعودی عرب میں تیرہویں ذی الحجہ ہو اور اسی دن ہندوستان میں بارہویں ذی الحجہ ہو تو سعودیہ میں مقیم شخص کی قربانی ہندوستان میں ہندوستان کی بارہویں ذی الحجہ کو جائز ہو جائے گی، اور ہندوستان میں مقیم شخص کی قربانی ہندوستان کی بارہویں کو سعودیہ میں سعودیہ کی تیرہویں تاریخ کو جائز نہیں ہے اس لیے کہ مکان اضحیہ میں قربانی کا زمانہ ختم ہو چکا ہے اور سوالنامہ میں پہلی صورت ہے کہ سعودیہ کی تیرہویں کو ہندوستان میں بارہویں ذی الحجہ ہے اور مکان اضحیہ میں قربانی کا زمانہ باقی ہے اس لیے ہندوستان کی بارہ ذی الحجہ کو سعودیہ میں مقیم شخص کی قربانی جائز ہے۔

وأما الذی یرجع إلی وقت التضحیة فهو أنها لاتجوز قبل دخول الوقت لأن الوقت کما هو شرط الوجوب فهو شرط جواز إقامة الواجب

کوقت الصلاة فلا یجوز لأحد أن یضحی قبل طلوع الفجر الثانی من الیوم الأول من أیام النحر ویجوز بعد طلوعه سواء کان من أهل المصر أو من أهل القری غیر أن للجواز فی حق أهل المصر شرطا زائدا وهو أن یکون بعد صلاة العید لایجوز تقدیمها علیه عندنا. (بدائع الصنائع، کتاب التضحیة، فصل و أما بیان ما یرجع إلی وقت التضحیة زکریا ٤/٢١١)

وأما وقت الوجوب فأیام النحر فلا تجب قبل دخول الوقت وأول وقتها أی أول وقت تضحیة للأضحیة بعد فجر النحر لکن لاتذبح فی المصر قبل صلاة العید وهذا الشرط لمن تجب علیه صلاة العید ثم المعتبر فی ذٰلک مکان الأضحیة حتی لوکان فی السواد والمضحی فی المصر یجوز من انشقاق الفجر وعلی عکسه لایجوز إلا بعد الصلاة. (مجمع الأنهرقدیم ٢/٥١٦، جدید دار الکتب العلمیة بیروت ٤/١٦٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍ذی قعدہ ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۷۲۳/۳۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۱۱/۳ھ

مقام مرسل اور مقام اضحیہ دونوں جگہ سبب وجوب ضروری ہے

سوال [۹۸۶۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ صدیوں سے یہ دستور چلا آرہا ہے کہ قربانی کے موقع پر لوگ قربانی کی رقم بیرونی مما لک انڈیا، پاکستان، بنگلہ دیش بھیجتے ہیں اوران کی طرف سے قربانی وہاں کی جاتی ہے، یہاں تک کہ بڑے بڑے مدارس ہندو پاک میں بقرعید کے موقع پر کٹرے وغیرہ کاٹے جاتے ہیں، جنوبی افریقہ، برطانیہ،لندن اورامریکہ وغیرہ والوں کی طرف سے اس پر نہ کسی کا انکار تھا نہ نکیر۔

اب کچھ علماء حضرات کی تحقیق کی رو سے اگر بیرونی مما لک میں جہاں وہ قربانی کی رقم بھیج دیتے ہیں ان میں بقرعید ایک یا دو دن قبل واقع ہو، مرسل کے مقام سے تو مرسل کی

طرف سے قربانی ادا نہیں ہوتی، ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ ابھی مرسل پر قربانی کا سبب وجوب یعنی عید کا دن شروع ہی نہیں ہوا، جب اس کے وطن میں قربانی کے ایام ابھی شروع نہ ہوئے تو ان کی طرف سے قربانی کرنا اضحیہ واجبہ کے لیے صحیح نہیں، لہٰذا چاہیے کہ ایسے دن میں قربانی کی جائے کہ مرسل کے ہاں ایام قربانی بھی ہوں۔

دوسری طرف دیگر اہل علم حضرات نے اس جدید تحقیق کا رد کیا ہے، یہ حضرات کہتے ہیں کہ مقام اضحیہ کا اعتبار ہے نہ کہ من علیہ الاضحیۃ کا مقام، نیز قربانی عبادت مالیہ کے قبیل سے ہے، جس طرح کہ زکوٰۃ وصدقۃ الفطر، اور مؤخر الذکر دونوں عبادتیں قبل از وقت وجوب ادا کی جاسکتی ہیں تو اضحیہ میں بھی یہی حال ہوگا، صرف اتنی بات ضروری ہے کہ ایام قربانی ہوں مرسل الیہم کے یہاں اگر ایام قربانی داخل ہوگئے تو یہ کافی ہے؟

المستفتی: احقر محمد شعیب جنوبی افریقہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قربانی کی صحت ادائیگی کے لیے مقام مرسل اور مقام اضحیہ دونوں جگہ سبب وجوب یعنی ایام قربانی کا وجود ضروری ہے، جیسا کہ نماز کے لیے سبب وجوب وقت کا پایا جانا ضروری ہے کیونکہ سبب وجوب کے پائے جانے سے پہلے عبادت کو انجام نہیں دیا جاسکتا، اور مقام اضحیہ کا اعتبار اس وقت ہے جب بوقت قربانی مرسل اور مرسل الیہ دونوں کے مقام میں ایام قربانی کا وجود ہو اس کے پیش نظر مسئولہ صورت کا جواب یہ ہے کہ جنوبی افریقہ، برطانیہ اور امریکہ وغیرہ والوں کی طرف سے ہندوستان، پاکستان، بنگلہ دیش میں کی جانے والی قربانی درست ہے، کیونکہ سبب وجوب یعنی ایام قربانی کا وجود سعودی عرب، جنوبی افریقہ، برطانیہ اور امریکہ میں پہلے پایا جاتا ہے، اور ہندوستان، پاکستان اور بنگلہ دیش میں بعد میں ہوتا ہے، اس لیے کہ مہینہ کی ابتداء یعنی چاند دیکھنے کی ابتداء سعودی عرب سے شروع ہوتی ہے، اس کے بعد سلسلہ وار مغربی ممالک سے ہوتے ہوئے ہندوستان و پاکستان میں بعد میں ہوتی ہے، اور سوالنامہ میں جو اشکال پیش کیا گیا ہے وہ اشکال اس وقت بجا ہوتا جب قربانی کے پیسے ہندوستان و پاکستان والے سعودی عرب، یا

جنوبی افریقہ، برطانیہ وغیرہ بھیجتے اور واقعہ ایسا نہیں ہے بلکہ اس کے برعکس ہے اس لیے مغربی ممالک سے ہندوستان، پاکستان میں قربانی کا جو پیسہ بھیجا جاتا ہے ان کی قربانی ہندوستان و پاکستان کے قربانی کے ایام میں بلاتر دد جائز اور درست ہے، اس لیے کہ پیسہ بھیجنے والوں کے یہاں قربانی کے ایام اس سے پہلے شروع ہو چکے ہوں گے، زکوٰۃ اور صدقہ فطر بھی سبب وجوب سے پہلے ادا نہیں ہوتے، اور زکوٰۃ میں سبب وجوب مالک نصاب ہونا ہے، اور وہ سال گزرنے سے پہلے پایا جاتا ہے، اور حولان حول سبب وجوب نہیں بلکہ وجوب ادا ہے، اسی طرح صدقہ فطر میں شرط وجوب رمضان ہے اور وجوب ادا یوم الفطر کے دن سے شروع ہوتا ہے، اور قربانی میں سبب وجوب صرف مالدار ہونا نہیں ہے بلکہ سرمایہ دار کا ایام قربانی پالینا سبب وجوب ہے اس لیے ایام قربانی سے پہلے پہلے قربانی کسی حال میں جائز نہیں، لہٰذا قربانی کے مسئلہ کو اس سلسلے میں زکوٰۃ اور صدقہ فطر پر قیاس کرنا درست نہیں۔

وأما الذی یرجع إلی وقت التضحیة فھو أنھا لاتجوز قبل دخول الوقت لأن الوقت کما ھو شرط الوجوب فھو شرط جواز إقامة الواجب کوقت الصلاة فلا یجوز لأحد أن یضحی قبل طلوع الفجر الثانی من الیوم الأول من أیام النحر ویجوز بعد طلوعه سواء کان من أھل المصر أو من أھل القری غیر أن للجواز فی حق أھل المصر شرطا زائدا وھو أن یکون بعد صلاة العید لایجوز تقدیمھا علیه عندنا. (بدائع الصنائع، کتاب التضحیة، فصل و أما بیان ما یرجع إلی وقت التضحیة، زکریا ۲۱۱/٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳/ رجب المرجب ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۴۹۲/۳۷)

’’قربانی میں مقام ذبح کا اعتبار ہے یا مقام مالک کا‘‘ سے متعلق چند فتاویٰ

سوال [۹۸٦٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ ماہنامہ ندائے شاہی جنوری ۲۰۰۵ء کے شمارہ میں قربانی کے وجوب ادا کے وقت سے متعلق آپ کا تحقیقی و تفصیلی فتویٰ شائع ہوا تھا جس کو پڑھ کر احقر کو مسرت ہوئی، آپ محترم نے سبب وجوب، وقت وجوب، شرائط وجوب اور شرائط ادا کی روشنی میں مسئلہ کی عمدہ اور دلنشیں وضاحت فرمائی تھی، اب چند روز قبل دارالعلوم دیوبند کے دارالافتاء کی جانب سے حضرت مولانا مفتی محمد ظفیر الدین صاحب دامت برکاتہم کا لکھا ہوا ایک فتویٰ نظر سے گذرا جو آپ کے جواب کے معارض ومخالف ہے، احقر نے مناسب سمجھا کہ آپ محترم کو اس سے مطلع کروں اور اس کی نقل بھی آپ کو ارسال کروں تا کہ آپ محترم دارالعلوم دیوبند کے فتویٰ میں اور آپ کے جواب میں کھلا ہوا جو تعارض ہے اس کا مطالعہ کر کے اس مسئلہ کی مزید علمی و تحقیقی وضاحت فرمائیں۔

امید ہے کہ آپ محترم اس مسئلہ کے متعلق جس کی عملی ضرورت ہر سال اور ہمیشہ پیش آنے والی ہے، مذکورہ تعارض ختم ہو، اس کی سعی جمیل فرمائیں گے، تا کہ امت اختلاف و انتشار کا شکار نہ ہو، اور آئندہ اگر یہ تعارض ہو تو احقر کو بھی اس سے مطلع فرمائیں گے، باقی سب خیریت ہے، دعاؤں کی درخواست ہے۔

المستفتی: مفتی محمد اسماعیل بن محمد ابراہیم بھڈکودروی، بھروچ کنتھاریہ گجرات

دارالعلوم دیوبند کا جواب

سوال: باہر ممالک سے قربانی کے لیے ہندوستان میں اپنے رشتہ دار اور اعزاء و اقارب کے یہاں عیدالاضحیٰ کے موقعہ پر افریقہ، لندن، امریکہ، فرانس وغیرہ سے کاغذ اور فون کے ذریعہ کہتے ہیں کہ بکریوں یا سات حصہ والے جانوروں کی قربانی کرنا، تو ان لوگوں کی طرف سے ہم لوگ یہاں پر جس دن عیدالاضحیٰ ہوتی ہے اس دن عید کی نماز کے بعد بکریوں یا سات حصہ والے جانوروں کی قربانی کرتے ہیں، دس، گیارہ، بارہ، تین دن تو شریعت کے اعتبار سے یہ صحیح ہے یا نہیں، اس کا تفصیلی جواب مع حوالہ تحریر فرمائیں؟

دوسرے ملک والے ہندوستان کو قربانی کرنے کے لیے وکیل بناتے ہیں تو اب قربانی کرنے

میں وکیل کے ایام قربانی کا اعتبار ہوگا یا جن حضرات کی قربانی ہیں ان کے ایام قربانی کا اعتبار ہوگا؟

المستفتی: محمد اسماعیل

الجواب هو الموفق: قربانی جہاں کی جاتی ہے اس کا اعتبار ہوتا ہے، لہٰذا ہندوستان میں قربانی ہوگی تو اسی ملک کی تاریخ ۱۰/۱۱/۱۲/ ذی الحجہ کا اعتبار ہوگا، اور انہیں تاریخوں میں قربانی کی جائے گی، افریقہ، لندن وغیرہ ملکوں کا اعتبار نہ ہوگا۔

کتبہ: محمد ظفیر الدین غفرلہ	الجواب صحیح	الجواب صحیح
مفتی دار العلوم دیوبند	حبیب الرحمٰن عفا اللہ عنہ	کفیل الرحمٰن

دار الافتاء مدرسہ شاہی مراد آباد کا جواب

بخدمت عالیہ حضرت اقدس مولانا مفتی محمد اسماعیل صاحب بھڈ گودھروی دامت برکاتہم

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: امید ہے کہ مزاج گرامی بخیر وعافیت ہوں گے، اور یہ خاکسار آنجناب کی دلی دعاؤں اور بفضلہ تعالیٰ بخیر وعافیت ہے، آنجناب کا والا نامہ دار العلوم دیوبند کے فتویٰ کے ساتھ کچھ عرصہ پہلے موصول ہوا تھا، اور اسی وقت حضرت مولانا مفتی محمد سلمان صاحب کو بھی دکھا دیا تھا، اور یہ سوچا تھا کہ جب کبھی دار العلوم دیوبند میں حاضری کی سعادت ہوگی تو دار الافتاء خود حاضر ہوکر مفتیانِ دار العلوم سے اس جواب کا مطلب زبانی طور پر بھی معلوم کرلیتا اور دار العلوم کا جواب حضرت الاستاذ مولانا مفتی ظفیر الدین صاحب مدظلہ العالی کے قلم سے لکھا ہوا ہے، سائل کے سوال میں دو گوشے تھے:

(۱) افریقہ، امریکہ، لندن، فرانس وغیرہ کی طرف سے قربانی کے لیے ہندوستان کے رشتہ داروں کو وکیل بنا دیا جائے تو ہندوستان والے اپنے یہاں ایام قربانی یعنی دسویں ذی الحجہ سے ۱۲ ذی الحجہ تک قربانی کر سکتے ہیں یا نہیں؟

(۲) دوسرا گوشہ یہ تھا کہ دوسرے ملک والے ہندوستان والوں کو قربانی کرنے کا

وکیل بناتے ہیں تو ایام قربانی میں مقامِ قربانی کا اعتبار ہے یا مقام وکیل کا؟

حضرت الاستاذ مفتی ظفیر الدین صاحب مدظلہ نے دونوں گوشوں کا جواب ایک ساتھ دیا ہے کہ ہندوستان میں قربانی ہوگی تو اسی ملک کی تاریخ کا اعتبار ہوگا، اس جواب میں غور کیا جائے تو دو پہلو نکل سکتے ہیں: (۱) جیسا سوال ہے ویسا ہی جواب، یعنی سوال میں افریقہ، لندن، امریکہ، فرانس وغیرہ میں رہنے والے لوگوں کی طرف سے قربانی ہندوستان میں کی جارہی ہے ظاہر بات ہے کہ جن ممالک کا ذکر سوالنامہ میں ہے ان ممالک میں دسویں ذی الحجہ ہندوستان کے بعد نہیں ہوتا، دنیا کی تاریخ میں ایسا کبھی نہیں ملے گا کہ دسویں ذی الحجہ پہلے ہندوستان میں ہو جائے اور بعد میں ان ممالک میں ہو بلکہ اس کے برعکس ہوسکتا ہے کہ دسویں ذی الحجہ پہلے ان ممالک میں ہو اور ہندوستان میں بعد میں ہو، تو جواب کے اس پہلو کے اعتبار سے حضرت الاستاذ مفتی ظفیر الدین صاحب کا جواب سوال کے مطابق ہے، اور واقع کے مطابق بھی ہے۔

اور اس خاکسار کا جواب ندائے شاہی جنوری ۲۰۰۵ء میں شائع ہوا ہے اس کے مطابق بھی ہے اور یہی اصل ہے...... اور دوسرا پہلو یہ ہے اور یہی جواب کا مطلب بھی ہے کہ علی الاطلاق اسی جگہ کا اعتبار ہے جس جگہ قربانی ہوتی ہو تو ایسی صورت میں سعودی عرب، افریقہ، مراکش، لندن، فرانس، امریکہ وغیرہ کی طرف سے ہندوستان والوں کو قربانی کا وکیل بنادیا جائے اور ہندوستان والے اپنے یہاں کی دسویں ذی الحجہ سے قربانی شروع کردیں تو چونکہ موکل، مضحی اور مالک کے یہاں دسویں ذی الحجہ پہلے ہوچکی ہے اس لیے مقام اضحیہ کا اعتبار ہوگا اور قربانی بھی ہندوستان والوں کی دسویں ذی الحجہ کے اعتبار سے درست ہوجائے گی اور دار العلوم کا فتویٰ اس اعتبار سے بھی سوال کے مطابق ہوجائے گا نیز مقام اضحیہ کا یوں بھی اعتبار ہوجاتا ہے کہ اگر مالک اور مضحی کے یہاں بارہویں ذی الحجہ ہو اور جہاں قربانی کی جارہی ہے وہاں تیرہویں ذی الحجہ ہو تو مقام اضحیہ کا اعتبار کرکے قربانی کو صحیح قرار دیا جائے گا اس لیے کہ سبب وجوب دونوں جگہ پہلے پایا جاچکا ہے، ہاں البتہ اگر اس کے برعکس ہوجائے کہ ہندوستان والے افریقہ، لندن، امریکہ، سعودی عرب والوں کو قربانی کا وکیل بنائیں مثلاً کوئی ہندوستانی یہ چاہتا ہے کہ اپنی قربانی حرم مکی کے حدود میں کرادے۔

چنانچہ کسی حاجی کے ہاتھ قربانی کا پیسہ یہ کہہ کر روانہ کر دیتا ہے کہ میری قربانی حدودِ حرم میں کر دینا تاکہ مجھے زیادہ ثواب مل جائے، پھر وہ حاجی دسویں ذی الحجہ کو اپنے ہدی کی قربانی کے ساتھ ہندوستانی کی بھی قربانی کر دیتا ہے تو ہندوستانی کی قربانی درست نہ ہوگی، کیونکہ ہندوستان میں ابھی نویں ذی الحجہ ہے اس لیے اس کے اوپر ابھی قربانی واجب ہی نہیں ہوئی۔

اس کی مثال یوں سمجھئے کہ ہندوستان کے جس آدمی نے وکیل بنایا ہے وہ اگر ہندوستان میں نویں ذی الحجہ کو مرجاتا ہے تو اس کے اوپر قربانی کا وجوب ہی باقی نہیں رہتا حالانکہ اسی دن حرم شریف میں دسویں ذی الحجہ ہے تو اس پہلو کے اعتبار سے حضرت الاستاذ مفتی ظفیر الدین صاحب کے جواب کے بارے میں ان سے براہ راست گفتگو کرنے کا ارادہ تھا لیکن مصروفیت زیادہ ہونے کی وجہ سے ازخود اب تک سفر نہیں کرسکا، اور آنجناب کا ٹیلیفون میں بھی تقاضہ آ گیا تو اس لیے دارالافتاء کے ایک طالب علم کو احقر کے جواب کی نقل لے کر دارالعلوم دیوبند روانہ کیا گیا چنانچہ دارالعلوم دیوبند اور مظاہر علوم سہارنپور کے مفتیان کرام نے پوری تحریر کا مطالعہ کر کے احقر کے جواب کی تصدیق کر دی ہے اور اس تصدیق کا مطلب یہ ہے کہ دارالعلوم کے جواب میں احقر نے جو مختلف گوشے متعین کیے ہیں ان میں سے آخری گوشہ میں شبہ تھا مگر مفتیان دارالعلوم دیوبند کے احقر کے جواب کی تصدیق کر دینے سے وہ شبہ بھی دور ہو گیا، اب آنجناب کی خدمت عالیہ میں تمام تحریرات پیش ہیں، اور ساتھ میں یہ گذارش بھی ہے کہ احقر کی تحریر جو آنجناب کو لکھی جارہی ہے کہ اس کو ہمارے نقل فتویٰ کے ساتھ منسلک رکھا جائے اور منسلک کر کے تمام تحریرات دارالعلوم دیوبند اور مظاہر علوم سہارنپور بھی روانہ فرمادیں تاکہ وہاں کے مفتیان کرام بھی ہمارے اور آنجناب کے درمیان گفتگو سے آگاہ ہو جائیں اور اصل مسئلہ کے بارے میں باخبر ہو جائیں۔

نیز حضرت اقدس قابل احترام مفتی احمد صاحب خانپوری مدظلہ کی خدمت میں بھی تمام کاغذات کی فوٹو کاپی روانہ کر دی جائے تاکہ وہ بھی ان تمام کاغذات سے واقف ہو جائیں ان کی ایک تحریر مفتی محمد سلمان صاحب کے واسطے سے احقر کو دیکھنے کو ملی، ان کی خدمت میں بشرط

سہولت سلام بھی پیش فرمادیں، حضرت مفتی عبداللہ صاحب اور حضرت اقدس مولانا اسماعیل منوبری صاحب مہتمم مدرسہ کنتھاریہ کی خدمت میں بھی سلام ودعاء کی درخواست فرمادیں، نیز حضرت مفتی احمد صاحب دیولہ کی خدمت میں بھی سلام ودعاء کی گذارش ہے۔

نوٹ: اگر مناسب معلوم ہوتو یہ تمام تحریریں بنگلور کے سیمینار میں ساتھ لے چلئے، حضرت مفتی ظفیر الدین صاحب دامت برکاتہم سے مزید کوئی بات معلوم کرنی ہوتو ان سے براہ راست معلوم کیا جاسکے اور احقر کی شرکت کی بھی امید ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

طالب دعا: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶ / ربیع الاول ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۷۵۱)

قربانی میں مکانِ ذبح کا اعتبار ہے یا مکان مالک کا؟ مفصل فتویٰ

سوال [۹۸۶۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: معلوم یہ کرنا ہے کہ قربانی کرنے میں جہاں جانور ہے وہاں کا اعتبار رہے، یا جہاں پر قربانی کرنے والا ہے وہاں کا اعتبار ہے، اختری بہشتی زیور حصہ سوم ۳۷/ پر جہاں جانور رہے وہاں کا اعتبار کیا ہے، ایسے ہی فتاویٰ محمودیہ ۴/ ۳۰۷، فتاویٰ رحیمیہ ۹/ ۳۱۴ پر درج ہے، اور فتاویٰ رحیمیہ میں یوں درج ہے:

سوال: بھائی عبدالرشید نے مدراس سے یہاں حیدرآباد میں قربانی کرنے کو لکھا ہے وہاں عید پیر کو ہے اور یہاں اتوار کو، تو ان کی قربانی ہم یہاں اتوار کو کرسکتے ہیں یا نہیں؟ یا پیر کو کرنا ہوگی؟

الجواب: قربانی کا جانور جس جگہ ہو اس جگہ کا اعتبار ہوتا ہے، قربانی کرنے والے کی جگہ کا اعتبار نہیں ہوتا، عربی حوالوں کے بعد مفتی عبدالرحیم صاحب لکھتے ہیں کہ صورت مسئلہ میں عبدالرشید بھائی نے مدراس سے آپ کو حیدرآباد میں اپنی قربانی کرنے کے لیے لکھا ہے اور مدراس میں پیر کو عید الاضحیٰ ہے اور آپ کے یہاں اتوار کو تو آپ بلا تکلف ان کی قربانی اتوار کو کرسکتے ہیں ان کی قربانی صحیح ہوجائے گی۔ فقط واللہ اعلم بالصواب

لیکن رسالہ البلاغ کراچی میں فتاویٰ رحیمیہ والی صورت مسئلہ کا جواب دوسرا دیا گیا ہے اور اس پر مفتیان کرام کی مہریں ودستخط موجود ہیں، جس پر تاریخ ۱۴۲۰/۸/۱۵ھ درج ہے، آپ اس بارے میں کیا فتویٰ دیتے ہیں، برائے مہربانی مطلع کریں تاکہ مسئلہ کی اچھی طرح وضاحت ہو جائے، اس استفتاء کے ساتھ رسالہ ’’البلاغ‘‘ کی اس مسئلہ سے متعلق زیروکس بھی روانہ کررہا ہوں۔

المستفتی: عبدالسلام پونوی، آکولہ مہاراشٹر

دارالعلوم کراچی پاکستان کا فتویٰ

سوال [۹۸٦۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جو پاکستانی پاکستان میں رہ رہا ہو اور وہ اپنی قربانی مثلاً افغانستان میں کراتا ہو اور افغانستان میں عید ایک دن قبل ہو جائے جیسا کہ عموماً ایسا ہی ہوتا ہے اور اس کا جانور وہاں پر پہلے دن ذبح ہو جائے تو یہ قربانی شرعاً معتبر ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد عبداللہ کراچی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قربانی کے نفس وجوب کا سبب وقت ہے جو کہ یوم نحر کی طلوع صبح صادق سے شروع ہوکر بارہویں تاریخ کے غروب آفتاب تک ہے اور غنی یعنی مالک نصاب ہونا یہ شرطِ وجوب ہے اور مثلاً شہری کے حق میں قربانی کا نماز عید کے بعد انجام دینا یہ شرطِ ادا ہے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ یوم نحر کی طلوع صبح صادق سے پہلے قربانی کا سرے سے وجوب ہی نہیں ہوتا جیسا کہ نماز ہے کہ وقت نماز داخل ہونے سے پہلے نماز فرض ہی نہیں ہوتی، لہٰذا اگر کسی نے وقت داخل ہونے سے پہلے نماز ادا کی تو فرض ادا نہیں ہوگا، اسی طرح اگر کسی نے یوم نحر سے پہلے قربانی کی یا کرائی تو وہ بھی شرعاً معتبر نہیں ہوگی، فقہاء کرام کی وہ عبارات جن سے صراحتاً یا دلالۃً یہ معلوم ہوتا ہے کہ قربانی میں مکان اضحیہ کا اعتبار ہے ان عبارت کا تعلق اداء سے ہے اور قربانی کے سلسلہ میں اداء میں بلاشبہ مکانِ اضحیہ کا اعتبار ہوتا ہے:

(۱) شہری آدمی اگر اپنا جانور دیہات بھیج دے اور خود وہ شہر میں ہے تو یہ جانور دیہات میں اگر طلوع فجر کے ساتھ ہی ذبح ہوا تو بھی یہ قربانی شرعاً معتبر ہوگی، اگر چہ ابھی اصل قربانی کنندہ کے شہر میں نماز عید نہ ہوئی ہو۔

(۲) مسئلہ (۱) کے برعکس اگر دیہاتی آدمی اپنا جانور شہر کو بھیج دے اور خود وہ دیہات میں ہے تو یہ جانور شہر میں اگر طلوع فجر کے ساتھ ذبح ہوا تو قربانی شرعاً معتبر نہیں ہوگی حالانکہ اصل ذبح کرانے والے کے یہاں عید کی نماز واجب ہی نہیں۔

(۳) زید خود کراچی میں ہے اور اس کے اہل وعیال پشاور میں ہیں وہ اپنے گھر والوں کو خط لکھتا ہے کہ پشاور میں میری طرف سے قربانی کے طور پر بکرا مثلاً ذبح کریں، چنانچہ وہ لوگ ذبح کر لیتے ہیں تو اس کے معتبر ہونے یا نہ ہونے میں پشاور میں نماز عید ادا ہونے یا نہ ہونے کا اعتبار ہوگا نہ کہ کراچی کا جہاں قربانی کرانے والا یعنی زید رہ رہا ہے، ان تمام مثالوں کا تعلق ادا سے ہے، اس سے معلوم ہوا کہ اداء میں مکانِ اضحیہ کا اعتبار ہے لیکن یاد رکھنا چاہئے کہ اداء کا اعتبار اس وقت ہوگا جب اس عمل کا پہلے سے مکلّف کے ذمہ نفس وجوب ہو چکا ہو جیسا کہ شروع میں مذکور ہوا، کیونکہ وجوب سے قبل اداء کا اعتبار نہیں، اور نفس وجوب کا تعلق ذمہ مکلّف سے ہوتا ہے اور ذمہ کا محل مکلّف ہے، مال نہیں، لہٰذا نفس وجوب میں مکلّف (فاعل) کے فعل کا اعتبار ہوگا اور نفس وجوب کا سبب یوم نحر ہے، جیسا کہ گذشتہ صفحہ میں مذکور ہوا، لہٰذا نفس وجوب میں یہ دیکھا جائے گا کہ جہاں مضحی (قربانی کرنے یا کرانے والا) رہ رہا ہے وہاں یوم النحر ہو چکا ہے یا نہیں، اگر یوم نحر ہو چکا ہے تو نفس وجوب ہو گیا اب دیگر شرائط کے پائے جانے کی صورت میں خود قربانی کرے یا اس کی اجازت سے دوسرا کوئی آدمی کرے دونوں صورتوں میں یہ قربانی شرعاً ادا ہو جائے گی، لیکن مضحی جہاں رہ رہا ہے وہاں یوم نحر اگر نہیں ہوا ہے تو جس طرح اس وقت یہ خود قربانی نہیں کر سکتا اسی طرح اس کی طرف سے کوئی اور بھی قربانی نہیں کر سکتا، اگر چہ وکیل (دوسرا شخص) کے شہر یا ملک میں یوم نحر شروع ہو چکا ہو۔

اس تفصیل سے یہ بات بالکل صاف طور پر معلوم ہوگئی کہ اگر کوئی شخص مثلاً پاکستان

میں رہ رہا ہے اور وہ اپنی قربانی مثلاً افغانستان میں کراتا ہے تو نفس وجوب کے وقت میں پاکستان کا اعتبار ہوگا، لہٰذا اگر افغانستان میں پاکستان سے ایک دن پہلے عید الاضحیٰ ہوئی اور اس پاکستانی کا جانور افغانستان میں پہلے دن ذبح ہوا، تو یہ قربانی شرعاً معتبر نہیں ہوگی، اس لیے دوسرے ممالک میں قربانی کرنے والوں پر واجب ہے کہ وہ اپنے وکیلوں کو اس بات کا پابند بنائیں کہ ہمارے جانور کو اس دن ذبح کریں جس دن ہمارے یہاں بھی ایام نحر میں سے کوئی دن ہو، مذکورہ بالا اصول سے ضمناً ایک اور مسئلہ کا حکم بھی معلوم ہوا اور وہ یہ کہ مثلاً برطانیہ کا وقت پاکستان کے وقت سے پانچ گھنٹہ پیچھے ہے، مثلاً جب پاکستان میں صبح ساڑھے چھ بج رہے ہوتے ہیں تو اس وقت برطانیہ میں رات کا ڈیڑھ بج رہا ہوتا ہے، لہٰذا اگر آدمی برطانیہ میں رہ رہا ہے اور وہ اپنی قربانی پاکستان میں کراتا ہے تو جب تک برطانیہ میں یوم نحر کی صبح صادق طلوع نہ ہو، اس وقت تک اس کا جانور پاکستان میں ذبح کرنا درست اور معتبر نہیں۔

لأن نفس الوجوب لم يتحقق في ذمته كما مر في فتح القدير: أن سبب وجوب الأضحية الوقت وهو أيام النحر والغنى شرط الوجوب. (فتح القدير، كتاب الاضحية، دار الفكر بيروت ۹/۵۰۶، كوئٹه ۸/۴۲۵، زكريا ديوبند ۹/۵۱۹)

وفي البدائع: أما شرائط الوجوب ...... الغنى لما روى عن رسول الله ﷺ السعة وهي الغنى. (بدائع الصنائع قديم ۵/۶۴، جديد زكريا ديوبند ۴/۱۹۶)

وفي الهندية: وأما شرائط الوجوب منها اليسار وهو ما يتعلق به وجوب صدقة الفطر. (هنديه زكريا قديم ۵/۲۹۲، جديد ۵/۳۳۶)

وفي رد المحتار: فأول وقتها في حق المصري والقروي طلوع الفجر إلا أنه شرط للمصري تقديم الصلاة عليها فعدم الجواز لفقد الشرط لا لعدم الوقت. (شامي كراچی ۶/۳۱۸، زكريا ديوبند ۹/۴۶۰)

وفي البدائع: وأما الذي يرجع إلى وقت التضحية فهو أنها لاتجوز قبل دخول الوقت لأن الوقت كما هو شرط الوجوب فهو شرط جواز إقامة الواجب كوقت الصلاة فلا يجوز لأحد أن يضحي قبل طلوع الفجر الثاني

من الیوم الأول من أیام النحر ویجوز بعد طلوعه. (بدائع الصنائع، کتاب التضحیة، فصل و أما بیان ما یرجع إلی وقت التضحیة، زکریا ٤/ ٢١١)

وفیه: فإذا طلع الفجر من الیوم الأول فقد دخل وقت الوجوب فتجب عند استجماع شرائط الوجوب ثم لجواز الأداء بعد ذٰلک شرائط آخر نذکرها فی موضعها إن شاء اللہ تعالیٰ. (بدائع الصنائع زکریا ٤/١٩٨)

وفی الخانیة: ویعتبر مکان المذبوح لامکان المالک وفی صدقة الفطر یعتبر مکان المولیٰ لامکان العبید. (خانیة جدید زکریا ٣/ ٢٤٣، وعلی هامش الهندیة زکریا ٣/ ٣٤٥)

وفیه: ولو کان هو فی مصر وقت الأضحیة و أهله فی مصر آخر فکتب إلی الأهل و أمرهم بالتضحیة فی ظاهر الروایة یعتبر مکان الأضحیة. (خانیه جدید زکریا ٣/ ٢٤٣، وعلی هامش الهندیة زکریا٣/ ٣٤٥)

وفی الدر المختار: ویقوم فی البلد الذی المال فیه، وفی الشامیة: فلو بعث عبدا للتجارة فی بلد آخر یقوم فی البلد الذی فیه العبد بحر. (البحر الرائق زکریا دیوبند ٣/ ٣١٠، در مختار کتاب الزکاة، باب زکاة الغنم، کراچی ٢/ ٢٨٦)

وفی رد المحتار: ویعتبر فی الزکاة مکان المال فی الروایات کلها واختلف فی صدقة الفطر کما یأتی. (شامی باب المصرف، کراچی ٢/ ٣٥٣، زکریا ٣/ ٣٠٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ ۱۴۲۰/۸/۱۶ھ	عصمت اللہ عصمہ اللہ دارالافتاء دارالعلوم کراچی ۱۴۲۰/۸/۱۵ھ	الجواب صحیح محمد رفیع عثمان عفا اللہ عنہ ۱۴۲۰/۸/۱۵ھ
الجواب صحیح محمد عبد اللہ عفی عنہ ۱۴۲۰/۸/۲۱ھ	الجواب صحیح بندہ عبد الرؤف غفرلہ ۱۴۲۰/۸/۲۰ھ	الجواب صحیح محمد عبد المنان عفی عنہ ۱۴۲۰/۸/۲۱ھ
الجواب صحیح محمد کمال الدین راشدی ۱۴۲۰/۸/۲۲ھ	الجواب صحیح اصغر علی درانی ۱۴۲۰/۸/۲۲ھ	

فتویٰ منجانب دارالافتاء جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس مسئلہ میں تین چیزوں کو الگ الگ سمجھنا لازم ہے:

(۱) سبب وجوب یعنی قربانی واجب ہونے کا سبب، یہ قربانی کا وقت ہے جو یوم النحر کی طلوع صبح صادق سے شروع ہوکر بارھویں تاریخ کے غروب آفتاب تک رہتا ہے۔

(۲) شرط وجوب یعنی قربانی واجب ہونے کی شرط، آزاد مسلمان کا مالک نصاب ہونا۔

(۳) شرط ادا یعنی مالک نصاب پر قربانی کے ایام اور وقت داخل ہونے کی وجہ سے قربانی واجب ہوجاتی ہے، پھر اس کے قربانی ادا کرنے کے لیے ایک مزید شرط ہے، وہ یہ ہے کہ شہری آدمی کے لیے نماز عیدالاضحیٰ کی ادائیگی لازم ہے، یہی شہری کے لیے ادائیگی کی شرط ہے، مگر یہ شرط دیہاتی پر لاگو نہیں ہوتی، اور شرط ادا میں مکان اضحیہ کا اعتبار ہے، مکان مضحی کا اعتبار نہیں، لہٰذا جہاں جانور ہوگا وہاں کا اعتبار ہوگا اور جہاں مالک ہو وہاں کا اعتبار نہیں، یہ مسئلہ صرف تیسری شرط کے اعتبار سے ہے اور پہلی اور دوسری شرط کے وجوب کے بغیر تیسری شرط کا تصور ہی نہیں ہوسکتا؛ لہٰذا سب سے پہلے اول شرط یعنی دونوں جگہ قربانی کے زمانہ کا آنا لازم ہے، پھر شرط ثانی یعنی زمانۂ قربانی میں مسلمان کا مالک نصاب ہونا، ان دونوں شرطوں کے ایک ساتھ پائے جانے کے بعد تیسری کا مسئلہ سامنے آتا ہے اور تیسری شرط ایک خصوصی اور جزوی شرط ہے، عمومی اور کلی نہیں، صرف شہری کے ساتھ یہ شرط لگی ہوئی ہے، دیہاتی کے ساتھ نہیں؛ لہٰذا شہری اور دیہاتی کے اعتبار سے مکان اضحیہ کا اعتبار رہوگا، مکان مضحی کا اعتبار نہیں ہے اور مسائل قربانی میں مسامحت ہوگئی ہے، کہ اس میں تیسری شرط کو سبب وجوب یعنی پہلی شرط کے درجہ میں لے جا کر لکھا گیا ہے، جو درست نہیں ہے، اور ساتھ میں ہدایہ، درمختار اور شامی کے تین جزئیے بھی نقل کیے ہیں ان تینوں جزئیات کا تعلق تیسری شرط کے ساتھ ہے، پہلی شرط کے ساتھ نہیں ہے، ان جزئیات کو اس مسئلہ سے متعلق سمجھنے میں مسامحت ہوگئی ہے

اور بہشتی زیور اور فتاویٰ محمودیہ کا مسئلہ اپنی جگہ صحیح اور درست ہے۔

اب اصل مسئلہ کا جواب یہ ہے کہ مکان اضحیہ کا اعتبار کرنا اس وقت درست ہے کہ جب مالک اضحیہ کے یہاں شرط یعنی سبب وجوب جو کہ قربانی کے ایام ہیں (دسویں ذی الحجہ سے بارہویں ذی الحجہ کا درمیانی زمانہ) دونوں جگہ پایا جانا لازم ہے، اس لیے اگر ہندوستان کا آدمی سعودی عرب قربانی کا پیسہ بھیج دیتا ہے اور وہاں ہندوستان سے ایک دن پہلے قربانی کا دن شروع ہو جاتا ہے ہندوستان میں ابھی قربانی کا زمانہ شروع نہیں ہوا ہے، اب اگر مالک قربانی ہندوستان میں اسی دن مر جاتا ہے تو اس پر قربانی واجب ہی نہیں ہوئی حالانکہ مکان اضحیہ میں جہاں قربانی ہونی ہے وہاں پر وقت ہو چکا تھا، لہٰذا اضحیہ اور مکان مالک دونوں جگہ قربانی کا سبب وجوب یعنی دسویں ذی الحجہ کی صبح صادق کا ہونا شرط ہے اور شہر میں قربانی ہو رہی ہے تو شہر میں کسی جگہ نماز عید الاضحیٰ کا ہو جانا بھی شرط ہے، اس اصول سے دار العلوم کراچی کا فتویٰ صحیح ہے، مگر اس میں ایک مثال میں مسامحت ہوگئی، لکھا ہے کہ جب پاکستان میں صبح ساڑھے چھ بج رہے ہیں اس وقت برطانیہ میں رات کا ڈیڑھ بج رہا ہوتا ہے۔

لہٰذا اگر ایک آدمی برطانیہ میں رہ رہا ہے اور وہ اپنی قربانی پاکستان میں کراتا ہے تو جب تک برطانیہ میں یوم نحر کی صبح صادق طلوع نہ ہو اس وقت تک اس کا جانور پاکستان میں ذبح کرنا درست نہیں، یہ مثال اس لیے درست نہیں کہ دنیا میں مہینے کی ابتداء سعودی اور اس کے اطراف سے ہوتی ہے اور برطانیہ میں اس دن قمری ماہ کی ابتدا ہو جاتی ہے، جس دن سعودیہ میں ہوتی ہے اور ہندو پاک میں اس کے ایک یوم کے بعد ہوتی ہے، لہٰذا سعودیہ اور برطانیہ میں سبب وجوب ہمیشہ پہلے پایا جاتا ہے اس کے بعد ہی ہندو پاک میں قربانی ہوتی ہے اس کے علاوہ دار العلوم کراچی کا فتویٰ مع بقیہ مثالوں کے صحیح ہے۔

اب عربی عبارتوں کے ساتھ جزئیات ملاحظہ فرمائیے: (۱) سبب وجوب یعنی قربانی کے ایام مکان مضحی میں پایا جانا ضروری ہے۔

وأما الذی یرجع إلی وقت التضحیة فهو أنها لاتجوز قبل دخول

الوقت لأن الوقت كما هو شرط الوجوب فهو شرط جواز إقامة الواجب كوقت الصلاة فلا يجوز لأحد أن يضحى قبل طلوع الفجر الثانى من اليوم الأول من أيام النحر ويجوز بعد طلوعه سواء كان من أهل المصر أو من أهل القرى غير أن للجواز فى حق أهل المصر شرطا زائدا وهو أن يكون بعد صلاة العيد لايجوز تقديمها عليه عندنا. (بدائع الصنائع، كتاب التضحية، فصل و أما بيان ما يرجع إلى وقت التضحية زكريا ٤/٢١١)

(۲) **وأما وقت الوجوب فأيام النحر فلا تجب قبل دخول الوقت لأن الواجبات المؤقتة لاتجب قبل أوقاتها كالصلاة والصوم و نحوهما و أيام النحر ثلاثة: يوم الأضحىٰ وهو اليوم العاشر من ذى الحجة والحادى عشر و الثانى عشر و ذٰلك بعد طلوع الفجر من اليوم الأول إلى غروب الشمس من الثانى عشر ...... فإذا طلع الفجر من اليوم الأول فقد دخل وقت الوجوب فتجب عند استجماع شرائط الوجوب ثم لجواز الأداء بعد ذٰلك شرائط آخر نذكرها فى مواضعها إن شاء الله.** (بدائع الصنائع، فصل فى وقت الوجوب، زكريا ٤/١٩٨، مجمع الأنهر قديم ٢/٥١٦، جديد دار الكتب العلمية بيروت ٤/١٦٦)

(۳) **وسببها الوقت وهو أيام النحر.** (فتح القدير زكريا ديوبند ٩/٥١٩، كوئٹه ٨/٤٢٥، دار الفكر بيروت ٩/٥٠٦)

(۴) **أن سبب وجوب الأضحية الوقت وهو أيام النحر.** (مجمع الأنهر قديم ٢/٥١٦، جديد دار الكتب العلمية بيروت ٤/١٦٦)

شرط وجوب: یعنی قربانی واجب ہونے کی شرط یعنی آزاد مسلمان مقیم کا مالک نصاب ہونا اس کے متعلق عبارتیں ملاحظہ فرمائیے:

(۵) **وإنما تجب على حر مسلم مقيم موسر.** (فتح القدير زكريا ديوبند ٩/٥١٩، كوئٹه ٨/٤٢٥، دار الفكر بيروت ٩/٥٠٦)

(۶) **قال: الأضحية واجبة على كل حر مسلم مقيم موسر فى يوم**

الاضحیٰ. (البحر الرائق کوئٹه ۱۷۳/۸، زکریا دیو بند ۳۱۷/۸)

(۷) **ولها شرائط وجوب کونه مقیما موسرا من أهل الأمصار والقریٰ والبوادی والإسلام شرط.** (فتح القدیر زکریا دیوبند ۵۱۹/۹، کوئٹه ۴۲۵/۸، دار الفکر بیروت ۵۰۶/۹)

(۸) **فتجب التضحیة علی حر مسلم مقیم موسر بمصر أو قریة أو بادیة.** (تنویر الأبصار مع الشامی زکریا ۴۵۷/۹، کراچی ۳۱۵/۶)

شرط ادا: یعنی قربانی کا فریضہ ادا کرنے کی شرط:

(۹) **وأما شرائط أدائها فمنها الوقت فی حق المصری بعد صلاة الإمام والمعتبر مکان الأضحیة لا مکان المضحی و سببها طلوع فجر یوم النحر و رکنها ذبح ما یجوز ذبحه.** (البحر الرائق کراچی ۱۷۳/۸، زکیا دیو بند ۳۱۷/۸)

(۱۰) **وأول وقتها أی أول وقت تضحیة الأضحیة بعد فجر النحر لکن لا تذبح فی المصر قبل صلاة العید، وهذا الشرط لمن تجب علیه صلاة العید ثم المعتبر فی ذٰلک مکان الأضحیة حتی لو کان فی السواد و المضحی فی المصر یجوز من انشقاق الفجر علی عکسه لایجوز إلا بعد الصلاة.** (مجمع الأنهر قدیم ۵۱۶/۲، جدید دار الکتب العلمیة بیروت ۱۶۹/۴) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍صفر المظفر ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۲۶۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۲/۲۳ھ

جواب صحیح اور درست ہے اور محقق ہے۔

الجواب صحیح
العبد محمد طاہر عفا اللہ عنہ
دار الافتاء مظاہر علوم سہارنپور
۲؍ربیع الاول ۱۴۲۶ھ

الجواب صحیح
محمد ظفیر الدین
مفتی دار العلوم دیو بند
۳؍ربیع الثانی ۱۴۲۶ھ

الجواب صحیح
حبیب الرحمٰن عفا اللہ عنہ
مفتی دار العلوم دیوبند
۱۴۲۰/۸/۱۵ھ

فتویٰ منجانب دارالافتاء جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آنجناب کی ارسال کردہ تحریر کو جو مسئلہ قربانی سے متعلق ہے از اول تا آخر پڑھا گیا، سنا گیا، احقر نے بھی اور مفتی محمد سلمان صاحب نے بھی اچھی طرح تحریر کے دونوں پہلوؤں پر غور کیا اس کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے کہ اس کے جواب میں نئی تحریر لکھنے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ اس موضوع سے متعلق دارالعلوم کراچی اور مدرسہ شاہی کا جواب جو پہلے آچکا ہے وہی پیش کر دیا جائے، نیز دارالعلوم دیوبند کا ایک مختصر جواب جس میں دو پہلوؤں کا احتمال تھا اس کے متعلق حضرت مولانا مفتی محمد اسماعیل صاحب بھڈکودروی مفتی دارالعلوم کنتھاریہ کے استفسار کا جواب بھی شامل کرکے آنجناب کی خدمت میں روانہ کر دیا جائے، نیز ملاقات کے موقع پر مفتی محمد اسماعیل صاحب اور بہت سے علماء اور مفتیان کرام نے مدرسہ شاہی کے فتویٰ اور وضاحتی بیان پر اطمینان کا اظہار فرمایا ہے وہ پوری تحریر آنجناب کی خدمت میں پیش کی جا رہی ہے، اس سے ان شاء اللہ تعالیٰ آنجناب کو اطمینان ہو جائے گا اور مدرسہ شاہی کے جواب پر دارالعلوم دیوبند اور مظاہر علوم سہارنپور کی تصدیق اور مہر بھی شامل ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
۲۵؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۶ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۲۶۷)	۱۴۲۶/۵/۲۵ھ

قربانی میں کس جگہ کا اعتبار ہے؟

سوال [۹۸۶۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں نے ایک استفتاء آپ کی خدمت میں ارسال کیا تھا جس کا حاصل یہ تھا کہ

سعودیہ میں مقیم شخص کے لیے سعودیہ اور ہندوستان دونوں جگہ قربانی کے ایام ہونا ضروری ہے یا صرف مکان اضحیہ میں ایام نحر ہونا کافی ہے، جناب والا کے فتویٰ سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں جگہ قربانی کے ایام ہونا ضروری نہیں بلکہ اگر سعودیہ میں قربانی کے ایام گذر گئے ہوں اور ہندوستان میں ایام نحر باقی ہوں تو سعودیہ میں مقیم شخص کی قربانی ہندوستان میں ہوسکتی ہے، مسئلہ کی نزاکت کے پیش نظر مذکورہ استفتاء احقر نے دارالعلوم بھی بھیجا تھا، دارالعلوم کا جواب ہے کہ سعودیہ اور ہندوستان دونوں جگہ قربانی کا دن ہونا ضروری ہے، اگر سعودیہ میں قربانی کے دن گذر چکے ہیں اور ہندوستان میں قربانی کے ایام باقی ہیں تو سعودیہ میں مقیم شخص کی قربانی ہندوستان میں نہ ہوگی، غور فرمانے کے لیے دارالعلوم کا فتویٰ ارسال خدمت ہے۔

المستفتی: محمد عثمان اعظمی

دارالعلوم دیوبند کا فتویٰ

کیا فرماتے ہیں علماء دین مسئلہ ذیل کے بارے میں:

زید کے اعزاء و اقارب سعودیہ عربیہ میں رہتے ہیں، عام طور سے سعودیہ میں ہندوستان سے ایک روز یا دو روز قبل عیدیں ہوتی ہیں، دریافت طلب امر یہ ہے کہ اگر سعودیہ میں مقیم شخص وہاں کے ایام نحر گذرنے کے بعد اپنی قربانی ہندوستان میں کرادے جبکہ یہاں ابھی ایام نحر باقی ہیں تو کیا سعودیہ میں مقیم شخص کی قربانی اس صورت میں صحیح ہوگی؟

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق: مذکورہ صورت میں سعودیہ میں مقیم شخص کی قربانی صحیح نہ ہوگی، صحیح جب ہوگی جبکہ سعودیہ میں بھی قربانی کا دن ہو اور ہندوستان میں بھی قربانی کا دن ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: حبیب الرحمٰن عفا اللہ عنہ
مفتی دارالعلوم دیوبند
۸ر شوال ۱۴۲۹ھ

الجواب صحیح: زین الاسلام قاسمی
مفتی دارالعلوم دیوبند
۸ر شوال ۱۴۲۹ھ

فتویٰ مدرسہ شاہی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سعودیہ میں مقیم شخص اپنے یہاں ایامِ نحر گذرنے کے بعد ۱۳؍ذی الحجہ کو ہندوستان میں کسی شخص کو اپنی قربانی کا وکیل بنادے جبکہ ہندوستان میں ایامِ نحر باقی ہیں، ۱۲؍ذی الحجہ ہے اور ہندوستان میں ۱۲؍ذی الحجہ کو اس کی قربانی کردی جائے تو یہ قربانی صحیح اور درست ہوجائے گی؛ کیونکہ یہاں پر تین باتوں پر توجہ دینا نہایت ضروری ہے:

(۱) سببِ وجوب (۲) ادائے وجوب (۳) قربانی کے ایام میں اصل قربانی ہی کرنا۔

سببِ وجوب: مالدار شخص پر قربانی کے ایام کا آنا، اس میں مکان مالک کا اعتبار ہے، یعنی مکان مالک میں قربانی کے ایام آچکے ہوں۔

ادائے وجوب: قربانی کے ایام کا پایا جانا، اور اس میں مکان اضحیہ کا اعتبار ہے۔

قربانی کے ایام میں اصل قربانی ہی کرنا ہے: بدرجہ مجبوری ایام فوت ہونے کی وجہ سے بدل میں تصدق واجب ہوتا ہے؛ لہٰذا اگر دنیا میں کہیں بھی ایامِ نحر باقی ہوں اور وہاں آسانی کے ساتھ قربانی کرائی جاسکتی ہو تو بجائے تصدق کے قربانی ہی کرانا چاہیے، کیونکہ وہی اصل ہے، اصل پر قدرت کے باوجود بدل کی ادائیگی نہیں ہوتی، لہٰذا اگر ہندوستان میں ۱۲؍تاریخ کو وکیل بنا کر قربانی کرادی جائے تو جائز ہے کیونکہ ادائیگی کا وقت مکان اضحیہ میں موجود ہے، اور سبب وجوب کا زمانہ مکان مالک میں آچکا ہے، یعنی جہاں پر مالک ہے وہاں قربانی کا زمانہ آچکا ہے، اگر چہ آنے کے بعد وقت نکل چکا ہے، اس لیے کہ مالک کے اوپر قربانی کے ایام آنے کے بعد اب قربانی کرنے کے لیے قربانی کی جگہ کا اعتبار ہوتا ہے کہ جہاں بھی قربانی ہو وہاں پر قربانی کا زمانہ موجود ہونا لازم ہے، اور مذکورہ سوال میں ذکر کردہ واقعہ میں ہندوستان میں جب قربانی کی جارہی تھی اس وقت ہندوستان میں قربانی کے ایام موجود تھے، سائل کی طرف سے پیش کردہ دونوں جوابوں کو بار بار دیکھا گیا ہم نے جو جواب لکھا تھا اس کی تائید میں جزئیات اور فقہی عبارات ملتی ہیں، اور دارالعلوم دیوبند کے جواب کی تائید میں ہم کو کوئی صریح جزئیہ نہیں مل سکا، اس لیے دارالعلوم دیوبند کے جواب سے ہم کو اتفاق نہیں ہوسکا،

نیز جو فقہی عبارت اور جزئیات ہمارے سامنے ہیں ان کی روشنی میں دار العلوم دیوبند یا ہندوستان کے دیگر مدارس میں سعودیہ عربیہ، مصر، افریقہ، اور انگلینڈ والوں کی طرف سے بھیجی ہوئی قربانی ہندوستان کے تیسرے دن بھی جائز ہے، اگر چہ قربانی کے پیسے بھیجنے والوں کے یہاں تیسرا دن گذر چکا ہو، جزئیات ملاحظہ ہوں:

ولو كان هو في مصر وقت الأضحية وأهله في مصر آخر فكتب إلى الأهل و أمرهم بالتضحية، في ظاهر الرواية: يعتبر مكان الأضحية. (خانية، كتاب الأضحية، فصل في صفة الأضحية جديد زكريا ٣/٢٤٣، على هامش الهندية زكريا ٣/٣٤٥)

روى فيها: أن الرجل إذا كان في مصر و أهله في مصر آخر فكتب إليهم أن يضحوا عنه فإنه يعتبر مكان الذبيحة. (المحيط البرهاني، مكتبه رشيديه كوئٹه ٦/٤٧٧، المجلس العلمي بيروت ٨/٤٦٤، رقم: ١٠٨٠٩)

وإنما يعتبر في هذا مكان الشاة لا مكان من عليه هكذا ذكر محمد رحمه الله في النوادر وقال: إنما أنظر إلى محل الذبح و لا أنظر إلى موضع المذبوح عنه، وهكذا روى الحسن عن أبي يوسف رحمه الله يعتبر المكان الذي يكون فيه الذبح ولا يعتبر المكان الذي يكون فيه المذبوح عنه وإنما كان كذٰلك لأن الذبح هو القربة فيعتبر مكان فعلها لا مكان المفعول عنه وإن كان الرجل في مصر و أهله في مصر آخر فكتب إليهم أن يضحوا عنه روى عن أبي يوسف أنه اعتبر مكان الذبيحة. (بدائع الصنائع فصل في بيان ما يرجع إلى وقت التضحية، زكريا ٤/٢١٣)

والمعتبر مكان الأضحية لامكان من عليه. (در مختار شامي زكريا ٩/٤٦١)

إن الرجل إذا كان في مصر و أهله في مصر آخر فكتب إليهم ليضحوا عنه فإنه يعتبر مكان التضحية. (هنديه زكرياقديم ٥/٢٩٦، جديد ٥/٣٤٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶؍محرم الحرام ۱۴۳۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۷۳۳)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۶/۱/۱۴۳۰ھ

کیا تاریخ کے اختلاف کے باوجود وکیل قربانی کرسکتا ہے؟

(۹۸۷۰) **(دلائل کی روشنی میں)**

پچھلے چند سالوں سے قربانی کے دو مسئلے موضوع بحث بن گئے ہیں:

(۱) مؤکل کے مکان پر قربانی کا وقت شروع نہیں ہوا ہے، اور وکیل کے مکان پر قربانی کا وقت شروع ہو چکا ہے۔

(۲) مؤکل کے مکان پر قربانی کا وقت ختم ہو چکا ہے اور وکیل کے مکان پر قربانی کا وقت موجود ہے۔

ان دونوں مسئلوں میں وکیل کا اپنے مؤکل کی طرف سے قربانی کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اس کے بارے میں تین نقطہائے نظر پائے جاتے ہیں:

(۱) پہلے مسئلہ میں درست نہیں اور دوسرے مسئلے میں درست ہے۔

(۲) دونوں مسئلوں میں درست ہے۔

(۳) دونوں مسئلوں میں درست نہیں ہے۔

حیرت انگیز بات یہ ہے کہ پہلے نقطۂ نظر والے جن دلائل سے صرف ایک مسئلہ میں جواز ثابت کرتے ہیں، انہیں دلائل سے دوسرے نقطۂ نظر والے دونوں مسئلوں میں جواز ثابت کرتے ہیں، اور انہیں دلائل سے تیسرے نقطہ نظر والے دونوں مسئلوں میں عدم جواز ثابت کرتے ہیں، اس لیے اتنی بات تو طے ہے کہ دلائل ایک ہی نقطۂ نظر کی تائید کرسکتے ہیں، سب کی تائید نہیں، بالفاظ دیگر ایک ہی نقطۂ نظر درست ہوسکتا ہے، سب نہیں، اب وہ کون سا ہے، ہم اس تک رسائی کی کوشش کرتے ہیں، لیکن مطلوب تک رسائی مندرجہ ذیل امور کی تعیین پر موقوف ہے، لہٰذا پہلے ان کی تعیین کرتے ہیں۔

(۱) قربانی کا سبب نفس وجوب، وقت ہے یا نصاب؟

(۲) ذبح کے قربت بننے اور قربت باقی رہنے اور درست ہونے میں کس کے مقام کا اعتبار ہے؟

(۳) شہری اور دیہاتی کے حق میں قربانی کا وقتِ ادا کب شروع ہوتا ہے؟ اور شہر اور دیہات میں قربانی کا وقت ادا کب شروع ہوتا ہے؟

(۴) قربانی کے وقتِ ادا، شروع وختم ہونے میں کس کے مقام کا اعتبار ہے؟

قربانی کا سبب نفس وجوب وقت ہے یا نصاب؟

قربانی کا نفس وجوب مکرر ثابت ہوتا ہے اور نفس وجوب کا تکرار، سبب نفس وجوب کے تکرار سے ثابت ہوتا ہے، لہٰذا سبب نفس وجوب ایسی چیز ہونی چاہیے جس میں تکرار ہو اور وہ وقت ہی ہوسکتا ہے نہ کہ نصاب قربانی، کیونکہ نصاب قربانی میں مال نامی ہونے کی شرط نہ ہونے کی وجہ سے اس میں تکرار ہے ہی نہیں۔

ولايشترط فيه النماء لا بالتجارة ولابالحول. (شرح العناية مع فتح القدير ۲/ ۲۸۸)

اور نصاب زکوٰۃ میں صفت نمو ہی کی وجہ سے تکرار ثابت ہوتا ہے اور صدقۂ فطر کا سبب نفس وجوب جو کہ رأس ہے اس میں بھی فقہاء نے تقدیراً تکرار ثابت کیا ہے، تاکہ نفس وجوب کا تکرار ہو سکے۔

فإن الوصف لأجله كان الرأس موجبا وهو المؤنة يتجدد بمضى الزمان كما أن النماء الذى لأجله كان المال سببا للوجوب يتجدد بتجدد الحول. (المحرر فى اصول الفقه للسرخسى ۱/ ۷۸)

حاصل یہ کہ جب قربانی کا نفس وجوب مکرر ثابت ہوتا ہے تو سبب نفس وجوب ایسی چیز ہونی چاہیے جس میں تکرار ہو اور وہ بالیقین وقت ہی ہے نہ کہ نصاب قربانی اور فقہاء کی صراحت بھی موجود ہے۔

إن سبب وجوب الأضحية الوقت وهو أيام النحر والغناء شرط الوجوب. (تكملة فتح القدير، كتاب الأضحية، دار الفكر بيروت ۹/ ۵۰٦، كوئٹه ۸/ ٤۲۵، زكريا ديوبند ۹/ ۵۱۹)

اورغنا یعنی ملک نصاب سبب نفس وجوب نہیں، بلکہ شرط نفس وجوب ہے، اسی لیے سبب نفس وجوب یعنی ایام نحر ہی میں غنا کا اعتبار ہے ان سے پہلے نہیں۔

هـذه قربة موقتة فيعتبر الغنى فى وقتها. (بـدائـع الصنائع، فصل فى شرائط الوجوب زكريا ديوبند ٤/١٩٦)

بالفرض اگر قربانی کا سبب نفس وجوب ملک نصاب کو تسلیم کرلیں، تو یہ ممکن بھی نہیں، اس لیے کہ مکلّف پر ملک نصاب کی وجہ سے یوم نحر سے پہلے ہی قربانی کا نفس وجوب ہوجائے گا، لیکن مکلّف کے لیے یوم نحر کی آمد سے پہلے قربانی ادا کرنا درست نہ ہوگا، حالانکہ نفس وجوب کے لیے جواز ادا لازم ہے، یعنی جب مکلّف پر کسی عبادت کا نفس وجوب ہوتا ہے، تو اس کے لیے عبادت کی ادائیگی جائز ہوجاتی ہے اگرچہ وجوب ادا نہ ہوا ہو، جیسے ملک نصاب سے زکوٰۃ کا نفس وجوب ہوجاتا ہے، تو مالک نصاب بنتے ہی زکوٰۃ کی ادائیگی درست ہوجاتی ہے اگرچہ وجوب ادا حولانِ حول پر ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ فقہاء نے حج میں وقت کو اصح قول کے مطابق نفس وجوب کی شرط قرار دیا ہے، کذا فی الفتح، والبحر، والدرالمختار، والشامی والطحطاوی علی المراقی والبدائع، شریعت میں اس کی کوئی نظیر نہیں کہ مکلّف پر کسی عبادت کا نفس وجوب ہوجائے اور جواز ادا متعین وقت کی آمد پر موقوف ہو، کیونکہ جواز ادا نفس وجوب کے لوازمات میں سے ہے۔

لـمـا صـار الجزء الأول سببا أفاد الوجوب بنفسه و أفاد صحة الأداء لكنه لم يوجب الأداء للحال (قوله أفاد صحة الأداء) لأن الوجوب لما ثبت كـان جـواز الأداء من ضروراته على ما عليه عامة الفقهاء و المتكلمين، فإن الوجوب يفيد جواز الأداء عندهم. (كشف الأسرار عن اصول البزدوى ١/٣١٧ – ٣١٨، باب تقسيم المامور به فى حكم الوقت)

حاصل یہ کہ مضحی کے مقام پر یوم نحر کی آمد سے پہلے قربانی کا نفس وجوب ہوتا ہی نہیں، اور نفس وجوب سے پہلے عبادت کی ادائیگی جائز نہیں۔

ذبح کے قربت بننے اور قربت باقی رہنے اور درست ہونے میں کس کے مقام کا اعتبار ہے؟

(۱) ذبح کا قربت بننا یعنی جانور کو ذبح کرنا عبادت بن جائے اور قربانی کا نفس وجوب ہی ذبح کا قربت بننا ہے، وجہ اس کی یہ ہے کہ مضحی پر یوم نحر سے پہلے ذبح واجب نہیں تھا، اس لیے ذبح اس کے لیے قربت بھی نہیں تھا، لیکن جب مضحی پر یوم نحر کی آمد سے قربانی کا نفس وجوب ہوا اور جانور ذبح کرنا واجب ہوا تو ذبح اس کے لیے قربت بھی بن گیا، پس ثابت ہوا کہ مضحی کے مقام پر یوم نحر کی آمد سے ذبح قربت بنتا ہے، مقام اضحیہ کا اس میں کوئی دخل نہیں ہے۔

(۲) ذبح کا قربت باقی رہنا، جب مضحی کے مقام پر یوم نحر کی آمد سے ذبح قربت بن گیا، تو جب تک مضحی کے مقام پر وقت قربانی باقی رہے گا اور اس پر ذبح واجب رہے گا، تب تک ذبح اس کے لیے قربت رہے گا اور جس وقت مضحی کے مقام پر وقت قربانی ختم ہو جائے اور اس پر قربانی کی قضا یعنی صدقہ کرنا واجب ہو جائے، ذبح واجب نہ رہے تو ذبح اس کے لیے قربت بھی نہ رہے گا، بلکہ صدقہ قربت بن جائے گا، اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ ذبح قربت موقتہ ہے جس کا تقاضا یہ ہے کہ ذبح کے قربت بننے میں جس کے مقام کا اعتبار ہو، اس کے قربت باقی رہنے میں بھی اسی کے مقام کا اعتبار ہو، دوسری وجہ یہ ہے کہ مضحی پر قربانی کی قضا واجب ہونا یعنی ذبح واجب نہ رہنا اور ذبح کا قربت ہونا، یعنی ذبح کا واجب ہونا دونوں میں منافات ہے، اس لیے قربانی کی قضا واجب ہونا اور ذبح کا قربت ہونا دونوں کبھی جمع نہیں ہو سکتے ہیں، حاصل یہ کہ ذبح کے قربت بننے اور قربت باقی رہنے میں صرف مضحی کے مقام کا اعتبار ہے، اس میں مقام اضحیہ کا مطلقاً کوئی دخل نہیں، بلکہ ذبح کے قربت بننے اور قربت باقی رہنے میں جانور کے مقام کا اعتبار کرنا خود جانور ہی کو مکلّف بنا دینا ہے، یہی وجہ ہے کہ کسی دلیل سے ذبح کے قربت بننے اور قربت باقی رہنے میں مقام اضحیہ کا معتبر ہونا ثابت نہیں، اور نہ ثابت کیا جا سکتا ہے، اور نہ فقہاء نے اس سے بحث کی ہے کہ ذبح کے قربت بننے اور قربت باقی رہنے میں کس کے مقام کا اعتبار ہے؟ اور نہ تو اس کی کوئی ضرورت تھی، عدم ضرورت کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ ذبح

کے قربت بننے اور قربت باقی رہنے کا تعلق صرف مضحی سے ہے، اضحیہ سے اس کا کوئی تعلق نہیں، لہٰذا اس سلسلے میں کوئی اشتباہ تھا ہی نہیں کہ ضابطہ بیان کرنے کی ضرورت لاحق ہو، دوسری وجہ یہ کہ قربانی کے نفس وجوب ہی سے ذبح کا قربت بننا محقق ہوتا ہے، اور قربانی کی قضا واجب ہوتے ہی ذبح کا قربت ہونا ختم ہو جاتا ہے اور قربانی کے نفس وجوب اور وجوب قضا میں مضحی کے مقام کا معتبر ہونا مسلم ہے، پھر ذبح کے قربت بننے اور قربت باقی رہنے میں کس کے مقام کا اعتبار ہے؟ یہ سوال ہی کب پیدا ہوتا ہے؟ کہ اس سلسلے میں کوئی ضابطہ ذکر کیا جائے۔

(۳) ذبح کا درست ہونا یعنی قربت کی صحت، جب مضحی کے لیے ذبح قربت ہو (اس کے مقام پر ایام نحر موجود ہوں) اور اس کے لیے عبادت جانور ذبح کرنے میں ہو، تو اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ قربت کی صحت یعنی ذبح کے درست ہونے میں کس کے مقام کا اعتبار ہے؟ مضحی کے یا اضحیہ کے؟ کیونکہ ذبح قربت کا تعلق مضحی واضحیہ دونوں سے ہے، یعنی ذبح کے قربت بننے اور قربت باقی رہنے کا تعلق مضحی سے ہے اور ذبح کا محل اضحیہ ہے، اور بسا اوقات مضحی کے لیے ذبح کے قربت ہونے کی صورت میں بھی مضحی واضحیہ میں سے ایک مقام پر وقت ادا موجود ہوتا ہے اور دوسرے کے مقام پر وقت ادا موجود نہیں ہوتا ہے جیسے ایک شہر میں ہو اور دوسرا دیہات میں ہو۔

لہٰذا ضرورت پیش آئی ایک ایسے ضابطے کی جس سے بآسانی معلوم ہو جائے کہ قربت کی صحت میں کس کے مقام پر وقت ادا موجود ہونا ضروری ہے؟ تو فقہاء کرام نے ضابطہ بیان کر دیا کہ قربت کی صحت میں مقام اضحیہ اور مقام فاعل کا اعتبار ہے، یعنی صرف مقام اضحیہ میں وقت ادا موجود ہونا ضروری ہے، مقام مضحی میں وقت ادا موجود ہونا ضروری نہیں، کیونکہ مضحی کے مقام پر ایام نحر موجود ہونے کی وجہ سے ذبح اس کے لیے قربت ہے اور اس قربت کی ادائیگی جانور ذبح کرنے میں ہے، اب صرف فعل ذبح یعنی قربت کی ادا باقی ہے، جس کا تعلق صرف اضحیہ سے ہے اور جس کو تنہا وکیل بھی انجام دے سکتا ہے، پھر مضحی کے مقام پر وقت ادا موجود ہونے کی کیا ضرورت ہے؟ اور اگر مضحی کے مقام پر ایام نحر موجود نہ

ہوں (خواہ آئے ہی نہ ہوں یا ختم ہو گئے ہوں) تو اس کے لیے ذبح قربت نہیں، قربانی کی ادا درست نہیں، پھر ادا کی صحت کا مسئلہ اور اس کی صحت میں کس کے مقام کا اعتبار ہے؟ یہ سوال ہی سرے سے ختم ہو جاتا ہے، حاصل یہ کہ قربانی کے ادا وقضا ہونے کا تعلق صرف موکل کے مقامی وقت سے ہوتا ہے، البتہ قربانی کے ادا ہونے کی صورت میں صرف صحت ادا کا تعلق وکیل کے مقامی وقت سے ہوتا ہے اگر بذریعہ وکیل قربانی کروائے۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

ضابطہ صرف یہ ہے کہ صحت ادائے قربانی کے لیے مقام اضحیہ میں وقت ادا موجود ہونا ضروری ہے، مضحی کے مقام پر وقت ادا موجود ہونا ضروری نہیں، لیکن فقہاء نے یہ کہیں نہیں لکھا ہے کہ مضحی کے مقام پر ایام نحر کا موجود ہونا ضروری نہیں، یہی وجہ ہے کہ کسی دلیل سے یہ ثابت نہیں، مگر اس کے باوجود مضحی کے مقام پر وقت ادا کے موجود ہونے کے ضروری ہونے کی نفی سے مضحی کے مقام پر ایام نحر کے موجود ہونے کے ضروری ہونے کی نفی ذہن نشیں کر لی ہے، یعنی وقت ادا اور ایام نحر میں تساوی کی نسبت سمجھ لی گئی ہے، حالانکہ دونوں کے درمیان عموم و خصوص مطلق کی نسبت ہے، یوم نحر عام مطلق ہے اور وقت ادا خاص مطلق ہے، لہٰذا ہر یوم نحر کے پورے وقت کا مقام کے اعتبار سے وقت ادا ہونا ضروری نہیں، جیسے شہر میں نماز عید سے پہلے کا وقت یوم نحر ہے، وقت ادا نہیں، البتہ مقام کے اعتبار سے ہر وقت ادا کا یوم نحر ہونا ضروری ہے، تو گویا فقہاء نے مضحی کے مقام پر خاص مطلق یعنی وقت ادا کے موجود ہونے کے ضروری ہونے کی نفی کی ہے، لیکن عام مطلق یعنی یوم نحر کے موجود ہونے کے ضروری ہونے کی نفی سمجھ لی گئی ہے، حالانکہ خاص کی نفی سے عام کی نفی ثابت نہیں ہو سکتی، لہٰذا مضحی کے مقام پر یوم نحر کا موجود ہونا تو ضروری ہے اور اسی بات کے پیش نظر نہ رہنے کی وجہ سے موضوع بحث دونوں مسئلوں کے بارے میں تین نقطہائے نظر پیدا ہو گئے ہیں۔

☆☆☆

شہری اور دیہاتی کے حق میں قربانی کا وقتِ ادا کب شروع ہوتا ہے؟ اور شہر اور دیہات میں قربانی کا وقتِ ادا کب شروع ہوتا ہے؟

ہر شخص کے لیے خواہ شہری ہو یا دیہاتی اس کے مقام پر یوم نحر کی صبح ہوتے ہی اس کے حق میں وقت ادا شروع ہوجاتا ہے، خود شہری اور دیہاتی کے حق میں وقت ادا کی ابتداء وانتہاء میں کوئی فرق نہیں، دونوں کے لیے مکمل تین دن وقت ادا ہے، ایام نحر کا ایک لمحہ بھی ایسا نہیں کہ جس میں شہری کے حق میں وقت ادا نہ ہو، یہی وجہ ہے کہ شہری شہر میں رہتے ہوئے بھی نماز عید سے پہلے دیہات میں کسی کو وکیل بنا کر قربانی کراسکتا ہے، اگر شہری کے حق میں نماز عید سے پہلے وقت ادا شروع نہ ہوتا، تو وہ جس طرح شہر میں قربانی نہیں کرسکتا ہے، اسی طرح وہ دیہات میں بھی قربانی نہ کرسکتا۔

فلایجوز لأحد أن یضحی قبل طلوع الفجر الثانی من الیوم الأول من أیـام النحر ویجوز بعد طلوعه سواء کان من أهل المصر أو من أهل القریٰ.

(بدائع، فصل فی بیان ما یرجع إلی وقت التضحیة دار الکتاب دیوبند ٤ /٢١١)

البتہ شہر و دیہات میں وقت ادا شروع ہونے میں فرق ہے، شہر میں نماز عید کے بعد وقت ادا شروع ہوتا ہے جبکہ دیہات میں یوم نحر کی صبح ہوتے ہی وقتِ ادا شروع ہوجاتا ہے، پس ہر شخص خواہ شہری ہو یا دیہاتی اگر شہر میں قربانی کرنا چاہتا ہے تو وہ نمازِ عید سے پہلے قربانی نہیں کرسکتا، قربانی نہ کرسکنے کی وجہ یہ نہیں کہ مضحی کے حق میں وقت ادا موجود نہیں، بلکہ مضحی کے حق میں تو وقت ادا موجود ہے، لیکن وہ جس مقام پر قربانی کرنا چاہتا ہے (شہر) اس میں وقت ادا موجود نہیں، اور اگر مضحی خواہ شہری ہو یا دیہاتی، دیہات میں قربانی کرنا چاہتا ہے تو وہ صبح ہوتے ہی قربانی کرسکتا ہے، اور وقت ادا ختم ہونے میں شہر و دیہات میں کوئی فرق نہیں، دونوں جگہ ایک ساتھ ۱۲/ ذی الحجہ کے غروب ہوتے ہی وقت ادا ختم ہوجاتا ہے اور چونکہ شہری عموما شہر میں قربانی کرتا ہے اور دیہاتی عموماً دیہات میں قربانی کرتا ہے، اس لیے یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ شہری کے لیے وقت ادا نماز عید کے بعد شروع ہوتا ہے اور دیہاتی کے لیے وقت ادا

یوم نحر کی صبح ہوتے ہی شروع ہوتا ہے، ورنہ حقیقت وہی ہے جو سابق میں ذکر کی گئی۔

قربانی کے وقت ادا شروع وختم ہونے میں کس کے مقام کا اعتبار ہے؟

قربانی کے وقت ادا شروع وختم ہونے میں صرف مضحی کے مقام کا اعتبار ہے، اس میں مقام اضحیہ کا کوئی دخل نہیں، اور فقہاء نے اس کی تصریح بھی کردی ہے، چنانچہ ملک العلماء علامہ کاسائیؒ قربانی کا وقت بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

وأما الذى يرجع إلى وقت التضحية فهو أنها لاتجوز قبل دخول الوقت لأن الوقت كما هو شرط الوجوب فهو شرط جواز إقامة الواجب كوقت الصلاة فلا يجوز لأحد أن يضحى قبل طلوع الفجر الثانى من اليوم الأول من أيام النحر ويجوز بعد طلوعها. (بدائع الصنائع، كتاب التضحية،، فصل و أما بيان ما يرجع إلى وقت التضحية، زكريا ٤/ ٢١١)

فإذا خرج الوقت تحول الواجب من الإراقة إلى التصدق. (بدائع الصنائع، فصل فى كيفية الوجوب، زكريا ٤/ ٢٠٠)

مذکورہ دونوں عبارتوں میں مضحی کے مقام میں دخول وقت اور مضحی کے مقام سے خروج مراد ہے، لہٰذا ثابت ہوا کہ دخول وقت ادا اور خروج وقت ادا میں صرف مضحی کے مقام کا اعتبار ہے، اس سلسلے میں مقام اضحیہ کا مطلقاً کوئی اعتبار نہیں، یہی وجہ ہے کہ جب مقام مضحی میں وقت قربانی موجود ہو اور مقام اضحیہ میں وقت قربانی ختم ہوجائے تو بالاتفاق وقت ادا ختم ہونے میں مقام اضحیہ کا اعتبار نہیں، وقتِ قربانی کے آغاز واختتام کے بارے میں مقام اضحیہ کے معتبر ہونے کی تصریح تو دور کی بات ہے، کتب فقہ میں جس موقع پر وقت ادا شروع وختم ہونے کو فقہاء نے بیان کیا ہے وہاں مقام اضحیہ کا تذکرہ تک نہیں، اور یہ بات عقل سے بھی سمجھ میں آتی ہے کہ وقت ادا مکلّف کو عبادت کی ادائیگی کے لیے دیا جاتا ہے کہ فلاں وقت سے فلاں وقت کے اندر ہی عبادت کو انجام دیدیا جائے، تو کیا یہ ممکن ہے کہ ایک مکلّف انسان کے ایک اہم فریضہ کی

ادائیگی کا وقت جانور کے گاؤں میں وقتِ ادا شروع ہونے سے شروع ہو اور جانور کے گاؤں میں وقتِ ادا ختم ہونے سے ختم ہو؟ ہاں یہ تو ہوسکتا ہے کہ انسان کے فریضہ کی ادا کا محل جانور ہو، تو فریضہ کی ادائیگی کے وقت، جانور کے مقام پر وقت ادا موجود ہونا ضروری ہو۔

ولا سبيل إلى التقرب بالإراقة بعد خروج الوقت لما قلنا انتقل الواجب. (بدائع الصنائع زكريا ٤/٢٠٣، كراچی ٥/٦٨)

اس عبارت میں نکرہ نفی کے تحت لاکر مضحی کے مقام سے خروج وقت اور تحول واجب کے بعد ذبح کے قربت ہونے اور ادائے عبارت کے درست ہونے کی تمام راہوں کو فقہاء نے مسدود کردیا ہے، اب مضحی کے لیے اپنے مقام پر رہتے ہوئے ذبح کے ذریعہ عبادت ادا کرنے کی کوئی صورت ہی نہیں، الا یہ کہ خود مضحی سفر کر کے مقام اضحیہ، جہاں وقت قربانی موجود ہے، پہنچ جائے، تو وہ اضحیہ کے مقامی باشندوں کے حکم میں ہوجائے گا، ذبح اس کے لیے قربت بن جائے گا، اور اس کے حق میں وقت ادا لوٹ آئے گا، اب اس کے لیے قضائے قربانی جائز ہی نہیں نہ اصالۃً نہ نیابۃً جیسے سورج کے غروب ہونے کے بعد لوٹ آنے سے وقت عصر لوٹ آتا ہے۔

فلو غربت ثم عادت هل يعود الوقت؟ الظاهر نعم. . (الدر المختار، كتاب الصلاة، مطلب: لو ردت الشمس بعد غروبها، كراچی ١/٣٦٠، زكريا ديوبند ٢/١٦)

لیکن موکل کے اپنے مقام، جہاں وقت قربانی ختم ہوگیا ہے، پر رہتے ہوئے مقام اضحیہ میں کسی کو وکیل بنانے سے اس کے حق میں وقت ادا کا لوٹ آنا اور ذبح کا قربت بن جانا یعنی ذبح کا واجب ہوجانا نہ تو درست ہے اور نہ تو کسی دلیل سے ثابت ہے، کما مر تفصیلہ، مذکورہ تفصیل سے حقیقت تو واضح ہوچکی ہے کہ تیسرا نقطۂ نظر (دونوں مسئلوں میں عدم جواز) ہی درست ہے، لیکن مزید شرح صدر کے لیے دلائل میں غور کرتے ہیں۔

مضبوط دلیل کا جائزہ

موضوع بحث دونوں مسئلوں کے بارے میں پیش کیے جانے والے دلائل کا مدار بظاہر دو

باتوں پر ہے، ذبح کا قربت ہونا اور جانور کا اضحیہ ہونا، لیکن درحقیقت ان کا مدار صرف ایک ہی بات ''ذبح کے قربت'' ہونے پر ہے، کیونکہ مضحی کے لیے ذبح کے قربت ہونے کی صورت میں جانور اضحیہ ہوتا ہے اور ذبح کے قربت نہ ہونے کی صورت میں جانور اضحیہ نہیں ہوتا ہے، اب ان دلائل میں غور کرتے ہیں جن سے تینوں نقطہائے نظر والوں نے استدلال کیا ہے کہ وہ کس نقطۂ نظر کی تائید کرتے ہیں اور کس کا نقطۂ نظر ان سے ثابت ہوتا ہے، بلکہ تمام دلائل میں بھی غور کرنے کی ضرورت نہیں، صرف ایک ہی دلیل کا جائزہ لیتے ہیں جو ہر نقطۂ نظر کی سب سے مضبوط دلیل شمار کی جاتی ہے جس سے دوسرے دلائل کا حال بھی خود بخود واضح ہو جائے گا، وہ مضبوط دلیل یہ ہے:

إن القربة في الذبح والقربات المؤقتة يعتبر في حق فاعلها لا في حق المفعول عنه. (بدائع الصنائع زكريا ٤/٢١٣)

یہاں ایک بات قابل توجہ ہے کہ فقہاء نے یہ دلیل اور دیگر دلائل جن سے استدلال کیا جاتا ہے شہری اور دیہاتی کے مسئلہ میں بیان فرمائی ہیں، اس لیے شہری اور دیہاتی کے مسئلہ کی مکمل نوعیت پیش نظر رکھ کر ہی ان کا صحیح مفہوم و مصداق متعین کیا جا سکتا ہے، لہٰذا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بارے میں کچھ تفصیل درج کی جائے:

(۱) دیہات شہر کے تابع ہوتے ہیں، ایام نحر دونوں جگہ ایک ساتھ شروع اور ختم ہوتے ہیں، جیسا کہ فقہاء نے بھی اس کی صراحت کر دی ہے۔

ودخول الوقت لا يختلف في حق أهل الأمصار والقرىٰ وإنما يختلفون في وجوب الصلاة فليس على أهل القرىٰ صلاة العيد. (المبسوط للسرخسي، دار الكتب العلمية بيروت ١٢/١٠)

(۲) شہری اور دیہاتی کے مسئلہ میں مضحی اور اضحیہ کے مکان میں اختلاف کی صورت میں کوئی ایسی صورت ممکن ہی نہیں کہ اضحیہ کے مقام پر وقت ادا موجود ہو اور مضحی کے مقام پر یوم نحر موجود نہ ہو، لہٰذا اضحیہ کے مقام پر جب بھی وقت ادا موجود ہوگا تو مضحی کے مقام پر بھی ضرور یوم نحر موجود ہوگا، اس سلسلے میں کسی ضابطہ کی ضرورت ہی نہیں، البتہ یہ صورت ممکن ہے کہ مضحی کے مقام پر وقت ادا موجود نہ اور اضحیہ کے مقام پر وقت ادا موجود ہو یا اس کے

برعکس، پس مضحی کے مقام کے وقتِ ادا اور اضحیہ کے مقام کے وقت ادا میں عموم وخصوص مطلق کی نسبت ہے، کبھی مضحی کے مقام کا وقت ادا عام مطلق اور اضحیہ کے مقام کا وقت ادا خاص مطلق ہوتا ہے اور کبھی اس کے برعکس، لہٰذا مضحی اور اضحیہ کے مقام کے وقت ادا میں اختلاف ہی کی وجہ سے ضابطہ بیان کرنے کی ضرورت پیش آئی ہے۔

إنما يعتبر في هذا مكان الشاة لا مكان من عليه. (بدائع الصنائع زکریا ٤/ ٢١٣)

اس ضابطہ کا مقصد صرف مضحی کے مقام میں وقت ادا کے موجود ہونے کے ضروری ہونے کی نفی ہے، لیکن مضحی کے مقام پر یوم نحر کے موجود ہونے کے ضروری ہونے کی نفی مقصود نہیں، اور یہ نفی مقصود بھی کیسے ہوسکتی ہے؟ جبکہ شہری اور دیہاتی کے مسئلے میں یہ ممکن بھی نہیں۔

(۳) شہری اور دیہاتی کے مسئلہ میں مضحی کے مقام اور اضحیہ کے مقام میں وقت ادا ختم ہونے میں کوئی اختلاف نہیں، لہٰذا یہ ممکن نہیں کہ اضحیہ کے مقام پر وقت ادا موجود ہو اور مضحی کے مقام پر وقت ادا ختم ہوگیا ہو یا اس کے برعکس، حاصل یہ کہ فقہاء نے مضحی اور اضحیہ دونوں کے مقام پر ایام نحر موجود ہونے کی صورت ہی میں صرف وقت ادا کے اختلاف کو پیش نظر رکھ کر مقام اضحیہ کے معتبر ہونے کا ضابطہ وضع کیا ہے، یہ ضابطہ ایام نحر میں اختلاف کی صورت کے لیے ہے ہی نہیں۔

اب مضبوط دلیل میں غور کرتے ہیں، اس کا پہلا جملہ ”إن القربة في الذبح“، منطقی اعتبار سے صغریٰ ہے اور ”والقربات المؤقتة“ کبریٰ ہے اور نتیجہ محذوف ہے، اس قیاس میں حد اوسط یعنی علت قربت ہے، اور ذبح کے لیے حد اوسط یعنی قربت کی علت سے مقام فاعل کے وقت کے معتبر ہونے کا حکم ثابت کیا ہے اور یہ بات مسلم ہے کہ نتیجہ کی صحت صغریٰ اور کبریٰ کی صحت پر موقوف ہوتی ہے، دلیل کا صغریٰ ہے ”إن القربة في الذبح“، یعنی عبادت ذبح کرنے میں ہے اور عبادت ذبح کرنے میں اسی وقت ہوسکتی ہے جب کہ خود ذبح کرنا بھی فی الحال عبادت ہو، شہری اور دیہاتی کے مسئلہ کے اعتبار سے صغریٰ بالکل درست ہے، کیونکہ مؤکل خواہ شہری ہو یا دیہاتی اس کے مقام پر ایام نحر موجود ہونے کی وجہ سے اس کے لیے ذبح قربت ہے، اور اس کے لیے عبادت جانور ذبح کرنے میں ہے، صدقہ کرنے میں نہیں، اور کبریٰ کی صحت کے بارے میں تو کس کو کلام ہوسکتا ہے؟ وہ تو ہے ہی قاعدۂ کلیہ، پس جب

شہری اور دیہاتی کے مسئلہ میں صغریٰ و کبریٰ صحیح ہے، تو نتیجہ یعنی ذبح کے قربت ہونے کی صورت میں مقام فاعل کے وقت کا معتبر ہونا بھی بالکل درست ہے۔

یہ دلیل قربانی کے ہر اس مسئلہ کی دلیل بن سکتی ہے جس میں اس دلیل کا صغریٰ درست ہو، اور ہمارے موضوع بحث دونوں مسئلوں میں اس دلیل کا صغریٰ ہی درست نہیں ہے، پہلے مسئلہ میں صغریٰ درست نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ مؤکل کے مقام پر یوم نحر نہ آنے کی وجہ سے اس پر قربانی کا نفس وجوب نہیں ہوا ہے، یعنی ذبح اس کے لیے قربت نہیں بنا ہے، ابھی اس کے لیے قربت جانور ذبح کرنے میں نہیں ہے، لہٰذا صغریٰ کاذب ہے، اور دوسرے مسئلہ میں صغریٰ درست نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ جب مؤکل کے مقام پر ایام نحر ختم ہو جانے کی وجہ سے اس پر قربانی کی قضا (صدقہ کرنا) واجب ہوگئی، ذبح واجب نہ رہا، تو اب ذبح مؤکل کے لیے قربت نہ رہا اور وہ من علیہ الاضحیہ بھی نہ رہا، بلکہ من علیہ الصدقہ ہو گیا اور اس کی طرف سے ذبح کیا جانے والا جانور بھی اضحیہ نہ رہا، پس دوسرے مسئلہ میں بھی صغریٰ کاذب ہے، لہٰذا ذبح کے لیے مقام فاعل کا اعتبار کر کے موضوع بحث کسی ایک مسئلہ میں بھی قربانی کا جواز ثابت کرنا درست نہیں، بلکہ بلا دلیل ہے۔

موضوع بحث دونوں مسئلوں میں یا صرف ایک مسئلہ میں قربانی کا جواز اس وقت ثابت ہوتا جبکہ قیاس میں حد اوسط یعنی علت "یعتبر وقتها" ہوتی اور حکم قربت ہوتا، اور ذبح کے لیے مقام فاعل میں وقت ادا موجود ہونے کے واسطے سے قربت نہ ہونے کا حکم ثابت کیا جاتا، حالانکہ "یعتبر وقتها الخ" قیاس میں حد اوسط یعنی علت نہیں ہے، کیونکہ وہ مکرر نہیں ہے، لیکن اس کے باوجود "یعتبر وقتها" کو حد اوسط یعنی علت سمجھ کر ذبح کے لیے مقام فاعل میں وقت ادا موجود ہونے کے واسطے سے قربت ہونے کا حکم ثابت کر کے دونوں مسئلوں میں یا ایک میں جواز ثابت کیا ہے (حکم کو علت اور علت کو حکم بنا کر جواز ثابت کیا ہے) جو درست نہیں ہے، بلکہ فقہاء نے قربت کو علت اور مقام فاعل کے وقت کے معتبر ہونے کو حکم بنایا تھا اور ذبح کے لیے قربت کی علت سے مقام فاعل کے وقت کے معتبر ہونے کا حکم ثابت کیا تھا، پس گویا قیاس تو ذبح کے لیے قربت ہونے کے واسطے سے مقام فاعل کے وقت کے معتبر ہونے کا حکم ثابت کر رہا ہے۔

یہ دلیل تیسرے نقطہ نظر کو ثابت کررہی ہے کہ جب موکل کے لیے اس کے مقام پر ایام نحر موجود نہ ہونے کی وجہ سے ذبح قربت نہیں، اس کے لیے عبادت ذبح کرنے میں نہیں، تو پھر مقام فاعل کے وقت کا اعتبار بھی نہیں، اگرچہ وہاں وقت ادا موجود ہو، کیونکہ ذبح کے لیے قربت کی علت سے مقام فاعل کے وقت کے معتبر ہونے کا حکم ثابت تھا، پس جب علت یعنی قربت ہی معدوم ہے تو حکم یعنی مقام فاعل کے وقت کا معتبر ہونا بھی معدوم ہوگا، ''لأن الحکم یدور مع العلۃ'' حاصل یہ ہے کہ جب مضبوط دلیل سے بھی کسی ایک مسئلہ میں جواز ثابت نہ ہوا تو دوسرے دلائل کا حال بھی واضح ہے، لہٰذا تیسرا نقطۂ نظر ہی بالکل درست، دلائل کے اعتبار سے مضبوط اور تمام فقہی عبارت اس کی تائید میں ہیں، لیکن اس کے باوجود جو حکم تھا اس کو علت اور جو علت تھی اس کو حکم بنا کر دونوں مسئلوں میں یا صرف ایک مسئلہ میں جواز ثابت کیا گیا ہے۔ فیا للعجب

لمحۂ فکریہ

مضبوط دلیل کا کبریٰ ''والقربات المؤقتۃ الخ'' قاعدۂ کلیہ ہے یعنی مقام فاعل کے وقت کا معتبر ہونا یہ قربانی کی کوئی تخصیص نہیں، بلکہ تمام قربات موقتہ کا حکم ہے، پس کیا کوئی ایسی قربت موقتہ ہے کہ جس کا موکل پر نفس وجوب نہ ہوا ہو، یا وقت ادا فوت ہونے کی وجہ سے قضا واجب ہو جاتی ہو، اس کے باوجود وکیل اپنے مقام پر وقت قربت موجود ہونے کی وجہ سے اس کو ادا (قضا نہیں) کرسکتا ہو؟ اگر نہیں، تو پھر قربانی کی کیا خصوصیت ہے؟ کہ وکیل کو یہ اختیار حاصل ہو گیا کہ اتنا بڑا کارنامہ انجام دے سکے یعنی موکل کی قضا شدہ غیر معقولہ عبادت کو بصورت ادا بجالائے یا غیر واجب شدہ عبادت کو قبل الوجوب ہی ادا کردے۔

ایک اور غلط فہمی یا مغالطہ

یہاں دو چیزوں میں فرق کرنا ضروری ہے:

(۱) ثبوت شئ یعنی کسی چیز کا ثابت ہونا۔

(۲)صحت شئ یعنی شئ کا درست ہونا۔

پہلے کوئی چیز ثابت ہوتی ہے پھر وہ صحیح اور درست ہوتی ہے، ذبح کا ادائے قربانی یعنی قربت ہونا ثبوت شئ ہے اور ذبح کا ادائے قربانی ہونا ثابت ہو جانے کے بعد اس کا درست ہونا یہ صحت شئ ہے، قائلین جواز صحت شئ کے دلائل سے ثبوت شئ اور صحت شئ یعنی قربت اور صحت دونوں کو ثابت کرتے ہیں جبکہ اہل علم پر یہ بات مخفی نہیں کہ صحت شئ کے دلائل ثبوت شئ کے لیے کافی نہیں، مانعین جواز کا کہنا ہے کہ جب مؤکل کے مقام پر ایام نحر موجود نہ ہوں تو وکیل کا مؤکل کی طرف سے جانور ذبح کرنا ادائے قربانی یعنی قربت ہے ہی نہیں، لہٰذا یہاں قربانی کا جواز صرف صحت ادا کے دلائل اور ضابطے بیان کرنے سے ثابت نہیں ہوسکتا ہے، بلکہ موضوع بحث دونوں مسئلوں میں پہلے ذبح کا ادائے قربانی یعنی قربت کا ہونا دلائل سے ثابت کرنے کی ضرورت ہے اور اس کا قربت ہونا کسی دلیل سے ثابت نہیں، بلکہ ذبح کا قربت نہ ہونا دلیل سے ثابت ہے، اور وہ دلیل یہ ہے کہ اگر یہاں ذبح ادائے قربانی یعنی قربت ہوتا تو دوسرے مسئلہ میں قضا واجب اور درست نہ ہوتی۔

ومنها أن لا يقوم غيرها مقامها حتى لو تصدق بعين الشاة أو قيمتها في الوقت لايجزيه عن الأضحية لأن الوجوب تعلق بالإراقة، والأصل أن الوجوب إذا تعلق بفعل معين أنه لايقوم غيره مقامه. (بدائع الصنائع، كتاب الأضحية، زكريا ٤/ ٢٠٠)

قربانی کا جواز مفاسد پر مشتمل ہے

پہلے مسئلے میں عدم جواز کے سلسلے میں بہت کچھ لکھا جا چکا ہے مزید لکھنے کی ضرورت نہیں، البتہ دوسرے مسئلہ میں قربانی کا جواز مندرجہ ذیل مفاسد پر مشتمل ہے: (۱) وقت ادا: ایک مرتبہ شروع ہو کر ایک ہی مرتبہ ختم ہوتا ہے، اس کے باوجود وقت ادا کا دو مرتبہ ختم ہونا لازم آئے گا، ایک مرتبہ وقت ادا ختم ہوگا مضحی کے مقام پر جس سے قضا واجب ہوگی، اور دوسری مرتبہ وقت ادا ختم ہوگا مقام اضحیہ میں جس سے ادا درست نہ رہے گی کیا یہ ممکن ہے؟

(۲) اگر وقت ادا ختم ہونے میں صرف مقام اضحیہ کا اعتبار کیا جائے تو لازمی طور پر وجوب قضا میں بھی صرف مقام اضحیہ کا اعتبار ہوگا، کیونکہ وقت ادا ختم ہوتے ہی قضا واجب ہوتی ہے، لہٰذا جب مؤکل کے مقام پر وقت قربانی موجود ہو اور اضحیہ کے مقام پر وقت قربانی ختم ہوگیا، تو مؤکل پر قضائے قربانی واجب ہوجانی چاہیے، حالانکہ کوئی وجوب قضا بلکہ جواز قضا کا بھی قائل نہیں۔

(۳) موقف جواز کے لحاظ سے مؤکل پر نہ ادا واجب ہے اور نہ قضا واجب ہے، بلکہ مؤکل کو اختیار ہے کہ ادا و قضا میں سے جو چاہے انجام دے، متعین طور پر کوئی ایک واجب نہیں، تو کیا شریعت میں اس کی کوئی نظیر ہے کہ مکلّف کو بیک وقت قضا وادا میں سے جو چاہے انجام دینے کا اختیار ہو؟

(۴) مؤکل نے مقام اضحیہ میں کسی کو وکیل بنا کر قربانی ادا کی اور مؤکل کے مقام پر دوسرا شخص قضا کرتا ہے، موقف جواز کے لحاظ سے دونوں کی ادا و قضا درست ہے، پس ایک ہی مقام پر رہتے ہوئے بیک وقت ایک شخص کا ادا اور دوسرے شخص کا قضا کرنا لازم آئے گا تو کیا یہ ممکن ہے اور اس کی کوئی نظیر نہیں؟

(۵) خود مؤکل بیک وقت ادا و قضا پر قادر ہوجائے گا، حالانکہ یہ محال ہے۔

(۶) وقت قربت کا شروع و ختم ہونا غیر اختیاری شئ ہے اس میں بندے کے اختیار کو کوئی دخل نہیں، لیکن اگر ہم وقت ادا شروع و ختم ہونے میں مقام اضحیہ کا اعتبار کریں تو یہ بندے کی اختیاری چیز بن جائے گی۔

(۷) موکل بیک وقت نیابۃً ادا و قضا دونوں پر قادر ہوجائیگا، کیا یہ درست ہے؟

(۸) وقت ادا موجود ہونے کے باوجود درمیان میں قضا کا واجب ہونا لازم آئے گا، کیا یہ محال نہیں ہے؟

حاصل یہ کہ مجوزین کی طرف سے المعتبر مکان الاضحیۃ کا جو مفہوم پیش کیا جارہا ہے بالفرض اگر وہی فقہاء کی مراد ہوتا تو مندرجہ بالا مفاسد لازم نہ آتے۔

دفع شبہات

(۱) ”انما یعتبر فی ھذا مکان الشاۃ لا مکان من علیہ اور المعتبر فی

ذٰلک مکان الأضحیة“ وغیرہ میں ھذا اور ذٰلک کا مشار الیہ صرف نماز عید سے پہلے قربانی کا جواز یا عدم جواز ہے، مطلقا جواز یا عدم جواز مراد نہیں جیسا کہ ان کا سیاق وسباق اس پر دال ہے۔

(۲) حجاج کرام کے ذریعہ مکہ مکرمہ میں قربانی کروانے والے کے تعامل سے استدلال تام نہیں، وجہ اس کی یہ ہے کہ اگر واجب قربانی کروانے کا تعامل ہوتا تو فقہاء ضرور اس مسئلے کو بیان کرتے، کیونکہ ”المعتبر فی ذٰلک مکان الاضحیۃ“ ضابطہ کی وضاحت کے لیے اس کا ذکر اہم تھا، نہ کہ شہری اور دیہاتی کے مسئلہ کا، حالانکہ تمام کتب فقہ ساکت ہیں، جبکہ فقہاء نے بعض فرضی مسائل بھی بیان کردیئے ہیں، لہٰذا اگر کتب فقہیہ میں اس قسم کا کوئی تذکرہ یا قصہ ملے تو اس کو زیادہ سے زیادہ نفلی قربانی پر محمول کیا جائے گا، جس سے فراغ ذمہ مقصود نہیں ہوتا، لیکن واجب قربانی مراد لینے کے لیے معتبر و مضبوط دلیل کی ضرورت ہے جو موجود نہیں۔

(۳) دوسرے مسئلہ میں قربانی ناجائز کہنے کی صورت میں یہ شبہ کہ بیرون ملک باشندوں کی قربانی ہندوستان میں ہوتی ہے، لہٰذا حرج وتنگی لازم آئے گی، درست نہیں، اولاً اس لیے کہ سب جگہ ایام نحر کے ایک یا دو دن مشترک ہوتے ہیں، مضحی کے مقامی وقت کا لحاظ آسان ہے اگر کرنا ہو، ثانیاً بالفرض اگر کچھ حرج بھی ہو تو کیا یہ حرج شرعاً معتبر بھی ہے؟ جبکہ مؤکل خود اپنے مقام پر اور قرب وجوار میں، بلکہ ہندوستان میں بھی بسہولت وقت کے اندر قربانی کرسکتا ہے۔

(۴) یہ شبہ کہ اگر قربانی کو ناجائز کہا جائے تو وکیل پریشانی میں مبتلا ہو جائے گا اور اس کو یہ معلوم کرنا پڑے گا کہ مؤکل کے مقام پر وقت موجود ہے یا نہیں؟ اس کے جواب میں صرف اتنی بات عرض ہے کہ مؤکل کی قربانی میں وکیل کے حرج اور پریشانی کا شرعاً کوئی اعتبار بھی ہے؟ کہ جس کی رعایت ضروری ہو؟

(۵) دوسرے مسئلہ میں قربانی کے جواز کو ثابت کرنے کے لیے حج عن الغیر فرضاً کو پیش کرنا ایک مغالطہ کہا جائے گا، کیونکہ مؤکل پر حج کی ادائیگی واجب ہے، اور اس کی ادائیگی کا وقت پوری زندگی ہے، مؤکل جب بھی حج کرے گا ادا ہی شمار ہوگا پس مؤکل پر حج کی ادائیگی واجب ہے، اور وکیل بھی ادا کررہا ہے، اور قربت موقتۃ (حج بھی من وجہ موقت ہے)

کی ادائیگی میں فاعل یعنی وکیل کے مقام کا معتبر ہونا مسلم ہے، اور قربانی کے دوسرے مسئلہ میں مؤکل پر قضا یعنی صدقہ واجب ہے اور وکیل ادا یعنی ذبح کررہا ہے، لہٰذا دونوں میں بہت بڑا فرق ہے، یہ قیاس مع الفارق ہے، حاصل یہ کہ جواز کی کوئی قابل ذکر دلیل نہیں ہے اور جس حرج کا تذکرہ کیا جاتا ہے وہ بھی قابل اعتبار نہیں، کیونکہ وہ اپنی مرضی کے مطابق قربانی نہ کرسکنے کا حرج ہے یا صرف ایک فون کرنے کو بھی حرج میں داخل مانا ہے۔

عدم قائل بالفصل

موضوع بحث دونوں مسئلوں میں قائل بالفصل ہونا درست ہی نہیں، اگر پہلے مسئلے میں قربانی کو ناجائز کہا جائے تو لازمی طور پر دوسرے مسئلے میں بھی قربانی کا عدم جواز ثابت ہو جائے گا، کیونکہ عبادت کی ادائیگی جس طرح وقت سے پہلے درست نہیں اسی طرح وقت ادا ختم ہونے کے بعد بھی درست نہیں اور جب پہلے مسئلہ میں وقت ادا شروع ہونے میں مضحی کے مقام کا اعتبار کیا تو لازمی طور پر دوسرے مسئلہ میں بھی وقت ادا ختم ہونے میں مضحی کے مقام کا اعتبار ہوگا، اور اگر دوسرے مسئلہ میں قربانی کو جائز کہا جائے تو لازمی طور پر پہلے مسئلہ میں بھی قربانی کا جواز ثابت ہوجائے گا، کیونکہ جب صرف مقام اضحیہ میں وقت ادا موجود ہونے سے مؤکل کے حق میں بھی وقت ادا موجود رہ سکتا ہے، تو پہلے مسئلہ میں بھی صرف مقام اضحیہ میں وقت ادا شروع ہونے سے مؤکل کے حق میں بھی وقت ادا شروع ہوسکتا ہے، دونوں میں فصل کی کوئی وجہ نہیں، اور وقت ادا شروع ہونے سے نفس وجوب بھی خود بخود ہوجائے گا، حاصل یہ ہے کہ جب پہلے مسئلہ میں تقریباً سب کے نزدیک عدم جواز مسلم ہے تو دوسرے مسئلہ میں بھی عدم جواز مسلم ہونا چاہیے ورنہ آدھا تیتر اور آدھا بٹیر والا مسئلہ بن جائے گا۔

خلاصہ بحث

تیسرا نقطۂ نظر یعنی دونوں مسئلوں میں عدم جواز ہی دلائل کے اعتبار سے درست ہے،

لہٰذا صحت ادائے قربانی کے لیے مضحی واضحیہ دونوں کے مقام پر ایام نحر کا موجود ہونا تو بہر حال ضروری ہے، البتہ وقتِ ادا کا صرف مقام اضحیہ میں موجود ہونا ضروری ہے، مضحی کے مقام پر موجود ہونا ضروری نہیں، بالخصوص اراقۃ الدم یعنی قربانی کا قربت ہونا، موقت ہونا، غیر معقول ہونا، اس کے ادا وقضا کے طریقہ کا مختلف ہونا، ان میں سے ہر چیز احتیاط در احتیاط کی متقاضی ہے، جب کہ کوئی قابل ذکر دلیل بھی نہیں۔ واللہ اعلم بالصواب

احقر: محمد سلمان قاسمی پالنپوری

مفتی مدرسہ جامعہ خلیلیہ ماہی، شمالی گجرات

الجواب صحیح
وقار علی غفرلہ
معین مفتی دارالعلوم دیوبند

الجواب صحیح: حبیب الرحمٰن عفا اللہ عنہ
مفتی دارالعلوم دیوبند
۱۰؍ربیع الثانی ۱۴۳۱ھ

الجواب صحیح
زین الاسلام قاسمی
نائب مفتی دارالعلوم دیوبند

تصدیق: مفتی حبیب الرحمٰن خیرآبادی مفتی دارالعلوم دیوبند

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قربانی کے موضوع پر ۸؍صفحات پر مشتمل آپ کا لکھا ہوا فتویٰ پڑھا، ماشاء اللہ آپ نے بڑے سلیقے کے ساتھ اور مدلل جواب لکھا ہے، یقیناً آپ کو دلائل مہیا کرنے میں غیر معمولی مشقت ومحنت اٹھانی پڑی ہوگی، مگر آپ اپنی محنت میں کامیاب وبامراد ہیں، مسئلہ بھی صحیح لکھا ہے اور دلائل بھی صحیح لکھے ہیں۔

احقر آپ کے لکھے ہوئے فتویٰ کی تصدیق وتائید کرتا ہے، اور آپ کی اصابت رائے پر مبارکباد پیش کرتا ہے، اللہ تعالیٰ آپ کو بہت بہت جزاء خیر عطا فرمائے اور آپ کی رہنمائی سے امت کو زیادہ سے زیادہ نفع پہنچائے۔ آمین

المصدق
حبیب الرحمٰن عفا اللہ عنہ
مفتی دارالعلوم دیوبند
۱۰؍ربیع الثانی ۱۴۳۱ھ

مکرم ومحترم حضرت مولانا مفتی شبیراحمد صاحب زید مجدہم العالی
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے کہ مزاج گرامی بعافیت ہوں گے!

دیگر عرض ہے کہ قربانی کے دو مسئلے جو ارسال کردہ مضمون میں درج ہیں، پچھلے چند سالوں سے موضوع بحث بنے ہوئے ہیں جن کی عملی ضرورت ہر سال اور ہمیشہ پیش آنے والی ہے، ان کے بارے میں تین نقطہائے نظر پائے جاتے ہیں:

(۱) پہلے میں عدم جواز، دوسرے میں جواز۔

(۲) دونوں میں جواز۔

(۳) دونوں میں عدم جواز۔

اور حیرت انگیز بات یہ ہے کہ ہر فریق کے مستدلات وہی ہیں جو تقریباً دوسرے کے ہیں، ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں صرف ایک ہی نقطۂ نظر درست ہوسکتا ہے سب نہیں، اب وہ کون سا ہے؟ احقر نے اپنی بساط علمی کے مطابق کتب فقہ کی طرف مراجعت کی اور تینوں نقطہائے نظر کے دلائل میں غور کرکے صحیح نقطہ نظر تک پہنچنے کی سعی کی تھی، اور نتیجۂ تحقیق، برائے تحقیق دارالعلوم دیوبند بھیجا تھا، الحمدللہ دارالعلوم دیوبند کے مفتیان کرام نے اس کی تصدیق وتائید کردی ہے، امید ہے کہ آپ محترم بھی اس کو بنظر تحقیق وتنقید ملاحظہ فرما کر اپنی تحقیق وموقف سے مطلع فرمائیں گے، واضح رہے کہ اس مضمون کے ارسال کا مقصد کسی کے فتویٰ کی تردید یا مخالفت نہیں، بلکہ مقصود صرف اور صرف یہ ہے کہ صحیح نقطہ نظر منقح اور واضح ہوکر سامنے آجائے، تاکہ فتاویٰ میں تعارض اور امت میں انتشار پیدا نہ ہو، قوی توقع ہے کہ جواب سے محروم نہیں فرمائیں گے، اخیر میں دعا کی درخواست ہے۔

احقر محمد سلمان پالنپوری

مفتی مدرسہ جامعہ خلیلیہ ماہی، شمالی گجرات

نوٹ: اگر ارسال کردہ مضمون آپ محترم کی رائے کے مطابق ہو تو اسی پر تصدیق

کے دستخط اور دارالافتاء کی مہر لگا کر روانہ فرمائیں تو عین کرم ہوگا، اور اگر حضرت کی تحقیق کے خلاف ہو تو استدلالی غلطی بھی واضح فرمائیں، تاکہ مزید غور وخوض اور نظر ثانی کی جاسکے، اور صحیح نتیجہ تک پہنچنے میں مدد ملے، گجرات کے ایک بڑے مشہور مفتی صاحب جو میرے محسن بھی ہیں اور اہم مسائل میں اکثر میں ان کی طرف رجوع کرتا ہوں، انہوں نے آپ کے پاس یہ مضمون بھیجنے کا حکم فرمایا ہے، لہٰذا یہ ارسال کردہ مضمون ان کے حکم کی تعمیل بھی ہے، اور تحقیق مسئلہ بھی مطلوب ہے، دیوبند کے مفتیان کرام کی تصدیق اگرچہ احقر کے شرح صدر کے لیے کافی ہے، لیکن مسئلہ کی نزاکت اور اس میں اختلاف کو دیکھتے ہوئے بڑے بڑے مفتیان کرام جو مرجع کی حیثیت رکھتے ہیں ان کی تصدیق وتائید کی ضرورت محسوس ہوتی ہے، تاکہ یہ سب کے لیے باعث اطمینان ہو، اور انتشار ختم ہوجائے۔ **اللهم أرنا الحق حقا و ارزقنا اتباعه و ارنا الباطل باطلا و ارزقنا اجتنابه.** (آمین)

دارالافتاء مدرسہ شاہی مرادآباد کا جواب

قربانی کے موضوع پر آنجناب کا مفصل مکتوب موصول ہوا جس میں فقہی دلائل کے ساتھ ساتھ منطقی اسلوب اور منطقی دلائل کے ذریعہ سے مسئلہ قربانی کو اجاگر کیا گیا ہے، اور آپ کے مکتوب گرامی کے ساتھ ساتھ مولانا رشید احمد فریدی کی بھی دو مفصل تحریریں موصول ہوئیں ان کی ایک تحریر اکیس صفحات پر مشتمل ہے، جو لگ بھگ ڈیڑھ سال پہلے بار بار یہاں آچکی ہے جس کا جواب دینا ضروری نہیں سمجھا گیا، شروع میں ایک آدھ دفعہ مختصراً جواب دیا گیا تھا جو حضرت مولانا مفتی محمد سلمان صاحب منصور پوری کے قلم سے جاری کیا گیا تھا، اور ان کی دوسری تحریر ۹ رصفحات پر مشتمل ہے جس کا حاصل سیمینار کے شرکاء اور ذمہ داروں سے ناراضگی اور خفگی ہے، ان دونوں تحریروں کا جواب دینا ہم نے ضروری نہیں سمجھا، چونکہ آنجناب کی تحریر میں دلائل، محنت اور سوجھ بوجھ غالب ہے اس لیے آپ کی تحریر پر توجہ دینا مناسب سمجھا گیا، اب آنجناب کی تحریر سے جو باتیں سمجھی گئی ہیں وہ یہ ہیں کہ مسئلہ کی کل چار شکلیں ہیں:

(۱) مؤکل یعنی مضحی کے مکان پر ایام نحر شروع نہیں ہوئے اور وکیل اور اضحیہ کے مکان پر ایام نحر شروع ہو گئے تو آنجناب نے اس شکل میں عدم جواز کو ثابت فرمایا ہے، احقر بھی اس بارے میں آنجناب کی تائید کرتا ہے، کہ ایسی صورت میں موکل کی طرف سے قربانی درست نہیں ہوگی۔

(۲) مکان مضحی اور مکان اضحیہ دونوں میں ایام نحر موجود ہیں تو ایسی صورت میں آنجناب کی مفصل تحریر میں دیہات اور شہر کے مسئلہ میں دلائل کے تحت جواز کو ثابت کیا گیا ہے اس مسئلہ میں بھی احقر آنجناب کی تائید کرتا ہے۔

(۳) مکان مضحی میں ایام نحر شروع ہو چکے ہیں مگر مکان اضحیہ اور مکانِ وکیل میں ایام نحر ابھی شروع نہیں ہوئے اس مسئلہ کے بارے میں بھی آنجناب کی تحریر سے احقر نے یہ سمجھا کہ جائز نہیں ہے اور اس کے بارے میں بھی احقر آنجناب کی تائید کرتا ہے۔

(۴) مکان مضحی میں ایام نحر شروع ہو کر گذر چکے یعنی بارہویں ذی الحجہ گذر چکی ہے اور مکان اضحیہ و مکان وکیل میں بارہویں ذی الحجہ ابھی شروع نہیں ہوئی یا شروع ہو چکی ہے تو ایسی صورت میں چونکہ مکان مضحی میں ایام نحر گذر چکے ہیں اس لیے قضا کے علاوہ کوئی شکل نہیں ہے اور جو چیز مؤکل ادا نہیں کرسکتا وکیل کیسے ادا کر سکے گا، یہ آنجناب کے دلائل اور تحریر کا حاصل ہے، اس چوتھی شکل کے بارے میں آنجناب سے گذارش کی جاتی ہے کہ آپ کے دلائل میں اس بات کو خوب واضح کیا گیا ہے کہ جس کی ادائیگی مؤکل کے لیے ممکن نہیں وہ وکیل ادا نہیں کرسکتا اور جس کی ادائیگی مؤکل کے لیے ممکن ہے وہ وکیل بھی ادا کرسکتا ہے، آنجناب کے منطقی دلائل اور اسلوب کے بارے میں ایک بات ذہن میں آرہی ہے وہ پیش خدمت ہے غور فرمایا جائے کہ پوری دنیا میں قمری مہینہ کی ابتداء سعودی عرب سے ہوتی ہے کیونکہ دنیا میں سب سے پہلے رؤیت ہلال سعودی عرب میں ہوتی ہے اس کے بعد سلسلہ وار پوری دنیا میں جاری ہوتی ہے، اس لیے سعودی عرب اور ہندوستان کے درمیان ہمیشہ کم از کم ایک دن کا آگے پیچھے رہنا ہوتا ہے کہ سعودیہ میں ایک دن پہلے اور ہندوستان میں ایک دن بعد اور کبھی دو دن بعد بھی ہوتا ہے، اور ہر سال یہ واقعہ پیش آتا رہتا ہے کہ بعض حجاج کرام

شروع کے جہازوں سے چلے جاتے ہیں اور مکۃ المکرّمہ میں مقیم رہتے ہیں اور سرمایہ دار اور مقیم ہونے کی وجہ سے ان کے اوپر بقرعید کی قربانی بھی لازم ہوتی ہے اور انہوں نے بقرعید کی قربانی ہندوستان میں اپنے گھر پر کرنے کا انتظام کردیا اور ان کی واپسی کا جہاز سعودیہ میں بارہویں ذی الحجہ گذر کر رات میں ہے، اور وہ سعودیہ کی تیرہویں ذی الحجہ کی صبح کو ہندوستان پہنچ جاتے ہیں جبکہ ہندوستان میں ابھی بارہویں ذی الحجہ شروع ہوئی ہے۔

تو معلوم ہوا کہ بارہویں ذی الحجہ کے غروب کے بعد سعودیہ والوں کے یہاں ایام قربانی ختم ہو چکے ہیں اور سعودیہ میں قضا کے علاوہ کوئی شکل نہیں ہے لیکن جس پر ایام قربانی ختم ہو چکے تھے اور قضاء کے علاوہ کوئی شکل نہیں تھی وہی آدمی ہندوستان آگیا، اور اس کو ادائے قربانی کا زمانہ مل گیا ہے تو کیا اس کی طرف سے وکیل سعودیہ کی تیرہویں تاریخ اور ہندوستان کی بارہویں تاریخ میں قربانی کردے تو درست ہوسکتی ہے یا نہیں؟ نیز منطقی دلائل کے اعتبار سے مؤکل کے لیے امکان ادا کافی ہے یا نہیں؟ اسی طرح ایک شخص تبوک میں رہتا ہے اس نے اپنی قربانی کا انتظام ہندوستان میں اپنے دوستوں کے حوالہ کردیا ہے وہ سعودیہ کی بارہویں ذی الحجہ گذر جانے کے بعد رات میں ہندوستان آسکتا ہے اس کے لیے امکان ادا مکمل محفوظ ہے تو کیا اس کی طرف سے ہندوستان کی بارہویں تاریخ میں قربانی کی جائے تو ادا ہوسکتی ہے یا نہیں؟ آنجناب سے گذارش ہے کہ مسئلہ کے اس گوشہ پر منطقی اسلوب سے نظر ثانی فرمائیں، اس گوشہ کے علاوہ آنجناب کی بقیہ پوری تحریر کی ہم تائید کرتے ہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
یکم جمادی الثانیہ ۱۴۳۱ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۰۸۳/۳۹)	۱۴۳۱/۶/۱ھ

جس کی طرف سے قربانی کی جائے اس کا نام لینا ضروری نہیں

سوال [۹۸۷۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: بکر اپنی اہلیہ کے نام سے قربانی کی دعا پڑھنے کے وقت اہلیہ کے نام کے ساتھ شوہر کا نام لے یا اہلیہ کے والد کا یا دونوں میں سے کسی کا بھی لے سکتا ہے؟

المستفتی: محمد احمد مدرسہ بشیریہ بھوجپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس کی طرف سے قربانی ہوتی ہے اس کا نام لینا ضروری نہیں ہے، قربانی نام لیے بغیر بھی ہو جاتی ہے، صرف نیت کافی ہے۔

وأما ركنها فذبح ما يجوز ذبحه في الأضحية بنية الأضحية في أيامها لأن ركن الشيء ما يقوم به ذلك الشيء والأضحية إنما تقوم بهذا الفعل.

(عالمگیری، کتاب الأضحیة، زکریا قدیم ۲۹۱/۵، جدید ۳۳۶/۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
۲۳ر جمادی الاولیٰ ۱۴۲۰ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۶۲۰۴/۳۴)	۱۴۲۰/۶/۱۶ھ

قربانی کی قضا میں بڑے جانور کا حصہ صدقہ کرنے کا حکم

سوال [۹۸۷۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: قربانی واجب تھی، لیکن قربانی نہ کر سکا، ایام قربانی گذرنے کے بعد قیمت صدقہ کرنا چاہتا ہے، تو کون سے جانور کی قیمت صدقہ کرے؟ اگر بڑے جانور کے ایک حصہ کی قیمت صدقہ کر دے تو صحیح ہے یا نہیں؟

المستفتی: عبدالرشید مدرسہ مرادیہ مظفرنگر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قربانی کے قابل متوسط درجہ کی بھیڑ یا بکری کی قیمت صدقہ کرنا واجب ہے، سبع بقر کی قیمت کا تصدق کافی نہیں، اس لیے کہ قربانی سے مراد اراقۂ دم ہے جس میں شرکت متصور نہیں اور گائے وغیرہ میں شرکت ایام نحر میں خلاف قیاس تھی

بعد میں وجوب قیمت کو اس پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔

قال الحصكفيؒ: ولو تركت التضحية ومضت أيامها تصدق بها حية ناذر فاعل تصدق لمعينة ولو فقيرا، وقال الشامي: قوله ومضت أيامها قيد به لما في النهاية: إذا وجبت بإيجابه صريحا أو بالشراء لها فإن تصدق بعينها في أيامها فعليه مثلها مكانها لأن الواجب عليه الإراقة و إنما ينتقل إلى الصدقة إذا وقع اليأس عن التضحية بمضى أيامها و إن لم يشتر مثلها حتى مضت أيامها تصدق بقيمتها لأن الإراقة إنما عرفت قربة في زمان مخصوص. (شامی، كتاب الأضحية، كراچی ٦/ ٣٢٠، زكريا ٩/ ٤٦٣)

وقال العلامة الحصكفي: وتصدق بقيمتها غنى شراها أو لا، لتعلقها بذمته بشرائها أولا، فالمراد بالقيمة قيمة شاة. (درمختار كراچی ٦/ ٣٢١، زكريا ديوبند ٩/ ٤٦٥)

من وجبت عليه الأضحية فلم يضح حتى مضت أيام النحر ...... فقد وجب عليه التصدق بقيمة شاة. (بدائع الصنائع، فصل فی كيفية الوجوب، زكريا ديوبند ٤/ ٢٠٣)

وإن كان من لم يضح غنيا ولم يوجب على نفسه شاة بعينها تصدق بقيمة شاة اشترىٰ أو لم يشتر. (هنديه زكريا قديم ٥/ ٢٩٦، جديد ٥/ ٣٤٢) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
۲۹/ ربیع الاول ۱۴۲۰ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۰۹۳)	۱۴۲۰/۳/۲۹ھ

کتابچہ ”مسائل قربانی“ کے ایک مغالطہ کا حل

سوال [۹۸۷۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے یہاں قریۂ کبیرہ کی قربانی لوگ فجر کی نماز پڑھ کر نماز عید سے پہلے پہلے ایک چھوٹے گاؤں میں لے جا کر کر لیتے ہیں، جس کو علماء کرام نے صحیح بتایا ہے، لیکن آپ کے ایک اردو کتابچہ ”احکام قربانی“ کو پڑھ کر سب لوگ تشویش میں پڑ گئے، اس میں لکھا ہے کہ

شہری کی قربانی دیہات میں صبح صادق سے پہلے پہنچنا ضروری ہے، ورنہ قربانی نہیں ہوگی، دار العلوم دیوبند کے مفتیان کرام کا فتویٰ بھی یہ ہے کہ ہم کو اس بارے میں کوئی جزئیہ نہیں ملا کہ صبح صادق سے پہلے جانور کا دیہات میں پہنچنا ضروری ہے، آں محترم سے اس جزئیہ کا حوالہ مع تفصیل درکار ہے، تاکہ بستی والوں کی تشویش دور کی جاسکے؟

المستفتی: عبدالرشید قاسمی سیڑھا بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مسائل قربانی میں یہ جولکھا گیا کہ جانور کا صبح صادق سے قبل دیہات پہنچ جانا لازم ہے اس قید میں مغالطہ ہوا ہے، صبح صادق سے قبل نہیں بلکہ نماز عید سے قبل پہنچ جانا لازم ہے، آئندہ ان شاء اللہ تعالیٰ کتاب سے یہ قید نکال دی جائے گی۔

وحيلة المصرى إذا أراد التعجيل أن يبعث بها إلى خارج المصر فيضحى بها كما طلع الفجر. (هدايه، كتاب الأضحية، اشرفى ديو بند ٣/ ٤٤٦)

وإذا أراد المصرى أن يتعجل له اللحم في يوم الأضحىٰ، فينبغي أن يأمر بإخراج الأضحية إلى بعض هذه القصور فيضحى هناك قبل الصلاة، فيجوز اعتباراً لمكان الأضحية. (تاتارخانية زكريا ١٧/ ٤٢٢، رقم: ٢٧٧٠٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱/ ذی قعدہ ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۶۱۴)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۱۱/۲۱ھ

قصاب کے گھر جانور مرنے سے قربانی ادا نہ ہوگی

سوال [۹۸۷۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کسی شخص نے قصائی سے بھینسا اس شرط پر خریدا کہ کل قربانی کر دینا، سو روپئے پیشگی معاملہ طے ہونے پر دیدیئے، قبل از وقت بھینسا قصائی کے گھر پر مرگیا تو قربانی دوسری کرنی ہوگی یا نہیں؟ اور قصائی قیمت پانے کا حقدار ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد اسحاق نولگڑھ راجستھان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: قربانی کا جانور قصائی کے گھر مرجانے کی وجہ سے قربانی ادانہیں ہوئی، لہٰذا دوسری قربانی لازم ہے۔

إذا اشتریٰ من آخر دابة علی أن یعلفها فالبیع جائز وکذٰلک إذا قال علی أن ینحرها . (هندیه کتاب البیوع، الباب العاشر فی الشروط التی تفسد البیع زکریا قدیم ۳/۱۳۵، جدید ۳/۱۳۶)

إذا اشتریٰ شاة للأضحیة وهو مؤسر ثم أنها ماتت ...... فی أیام النحر یجب علیه أن یضحی بشاة أخریٰ. (بدائع الصنائع، کتاب التضحیة، فصل فی کیفیة الوجوب، زکریا دیوبند ۴/۱۹۹، تاتارخانیة زکریا دیوبند ۱۷/۴۵۸ رقم: ۲۷۸۲۲، هدایه اشرفی دیوبند ۴/۴۴۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴؍صفر المظفر ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۶۰۳۱)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۲/۱۴ھ

وکیل قربانی کرنا بھول گیا

سوال [۹۸۸۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص قربانی کے دنوں میں قربانی کراتا ہے، امسال ایسا ہوا کہ جن حضرات نے قربانی کے حصوں کی رقمیں اپنے ناموں کے ساتھ بھیجی تھیں، قربانی کرنے والا ان کے حصوں کی قربانی کراناہی بھول گیا، تو مؤکل بھی بےقصور ہے اور وکیل بھی سبب نسیان کی بناء پر بےقصور ہے؟

حضرت مفتی صاحب سے درخواست ہے کہ مؤکلین کی قربانی درست ہے؟ اگر درست نہیں ہے تو انہیں کرنا کیا ہے؟ جوبھی درست مسئلہ ہو تحریر فرما دیں۔

المستفتی: محمد رضوان القاسمی سورت گجرات

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: قربانی کی ذمہ داری لینے والا حقوق اللہ اور حقوق العباد میں مالی حقوق دونوں چیزوں کی ذمہ داری لیتا ہے اور اتنی بڑی ذمہ داری لینے کے بعد مؤکلین کی طرف سے قربانی کرنا بھول جانا وکیل کی طرف سے انتہائی لاپرواہی اور غفلت ہے اس لیے ساری ذمہ داری وکیل کے سر رہے گی، اور سوالنامہ میں سائل کا یہ کہنا درست نہیں ہے کہ وکیل بے قصور ہے اور مؤکلین بھی بے قصور ہیں، اور وکیل کے اوپر امانت داری اور دیانت داری کے اعتبار سے یہ لازم ہے کہ مؤکلین کا ایک ایک پیسہ واپس کردے، اور ایماندارانہ طور پر مؤکلین کو واضح کردے کہ قربانی نہیں ہوسکی اور قربانی نہ ہونے کی وجہ بھی بتادے تاکہ مؤکلین اپنی فوت شدہ قربانی کی تلافی از خود کرسکیں، اور اگر الگ الگ سے الگ الگ حصے آئے ہیں تو ہر ایک حصہ کے بدلے میں ایک بکرا یا اس کی قیمت صدقہ کرنا لازم ہوجائے گی، لیکن اگر ایک جگہ سے سات حصے کی بات آئی ہے تو ایک بڑا جانور یا اس کی قیمت صدقہ کرسکتے ہیں۔

(مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۸/ ۲۲۵-۲۲۶، جدید زکریا ۸/ ۲۰۸، جدید زکریا مطول ۱۲/ ۱۲۷)

ولو تركت التضحية ومضت أيامها تصدق بها حية (در مختار) لوقوع اليأس عن التقرب بالإراقة و إن تصدق بقيمتها أجزأه أيضا لأن الواجب هنا التصدق بعينها وهذا مثله فيما هو المقصود. (شامی، کتاب الأضحية، زكريا ديوبند ٩/٤٦٣، كراچی ٦/ ٣٢٠)

ومنها أنها تقضى إذا فاتت عن وقتها ثم قضائها قد يكون ...... بالتصدق بعين الشاة حية وقد يكون بالتصدق بقيمة الشاة. (هنديه، الباب الأول، زكريا قديم ٥/ ٢٩٤، جديد ٥/ ٣٣٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱ر صفر المظفر ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۴۴۵)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵/۲/۲۱ھ

غفلت کی بناء پر قربانی نہیں کی تو کیا حکم ہے؟

سوال [۹۸۷۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: قربانی کے دن گذر گئے اور صاحب نصاب کسی غفلت کی وجہ سے قربانی نہیں کرسکا اب وہ اس کی قیمت صدقہ کرنا چاہتا ہے تو کیا وہ بڑے جانور کے ساتویں حصہ کی قیمت مثلاً ۳۰۰/ روپیہ صدقہ کرے یا پورے جانور کی قیمت صدقہ کرنا ضروری ہے؟

المستفتی: مولانا عبد الماجد مبارک نگر، مہاراشٹر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: صاحب نصاب اگر کسی وجہ سے ایام قربانی میں قربانی نہ کرسکا حتی کہ ایام قربانی گذر گئے تو اس پر قربانی کے لائق متوسط درجہ کی بھیڑ یا بکری کی قیمت کا صدقہ کرنا واجب ہے، بڑے جانور کے ساتویں حصہ کی قیمت صدقہ کرنا کافی نہ ہوگا۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۷/۴۸۰)

وإن كان لم يوجب على نفسه ولا اشترىٰ وهو موسر حتى مضت أيام النحر تصدق بقيمة شاة تجوز في الأضحية . (بدائع الصنائع، كتاب التضحية، فصل في كيفية الوجوب، زكريا ديوبند ۴/۲۰۳، هنديه زكريا قديم ۵/۲۹۶، جديد ۵/۳۴۲)

ولو تركت التضحية ومضت أيام النحر تصدق ...... بقيمتها غني شراها أو لا لتعلقها بذمته بشرائها أولا، والمراد بالقيمة قيمة شاة تجزئ فيها وتحته في الشامي قيمة شاة وسط. (در مختار مع الشامي، كتاب الأضحية، زكريا ديوبند ۹/۴۶۳ تا ۴۶۵، كراچی ۳۲۰- ۳۲۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹؍ صفر المظفر ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/۷۵۰۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۹/۲/۱۴۲۳ھ

قربانی وعقیقہ کا جانور اگر ضائع ہوجائے تو کیا حکم ہے؟

سوال [۹۸۷۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: قربانی وعقیقہ کا جانور اگر راستہ میں ضائع ہوجائے تو کیا حکم ہے؟ کیا صاحب جانور پر یہ قربانی وعقیقہ دوبارہ ضروری ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قربانی اور عقیقہ میں اصل مقصد اِراقت دم ہوتا ہے اس لیے اگر قربانی اور عقیقہ کا جانور گم ہوجائے اور صاحب جانور مالدار ہے یا ہلاک ہو جائے تو دوسرا اس کے بدلے میں کرنا لازم ہوتا ہے۔

إذا ماتت المشتراة للتضحية علی موسر مكانها أخریٰ. (هدایه، کتاب الأضحية، اشرفی دیوبند ٤/٤٤٨، تاتارخانية زکریا ١٧/٤٥٨، رقم: ٢٧٨٢٢)

إذا اشتریٰ شاة للأضحية وهو موسر ثم إنها ماتت أو سرقت أو ضلت فی أيام النحر أنه يجب عليه أن يضحی بشاة أخریٰ. (بدائع الصنائع زکریا دیوبند ٤/١٩٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍ذی قعدہ ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/۲۸۹۲)

ایام اضحیہ کے بعد گم شدہ جانور مل جانے پر اسی کا تصدق لازم

سوال [۹۸۷۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایام قربانی میں کسی کا جانور گم ہوگیا اور تیسرا دن گذرنے تک نہیں ملا، بلکہ تین چار دن کے بعد ملا اور یہ شخص سرمایہ دار ہے تو اب یہ شخص اسی جانور کا صدقہ کرے گا یا اس کی قیمت صدقہ کرے گا؟

المستفتی: محمد عمر بجنوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب اس مالدار شخص کا جانور ایام قربانی گذرنے کے بعد مل گیا تو اس شخص پر عین اسی جانور کا تصدق لازم ہے، اس کی قیمت صدقہ کرنے کا

اس کو اختیار نہیں ہے۔(مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم جدید ۱۵/ ۵۱۵)

أقول: ذكر في البدائع: أن الصحيح أن الشاة المشتراة للأضحية إذا لم يضح بها حتى مضى الوقت يتصدق الموسر بعينها حية كالفقير بلا خلاف بين أصحابنا. (شامی، كتاب الأضحية، زكريا ٩/ ٤٦٥، كراچی ٦/ ٣٢١)

ولو سرقت أضحية فلم يجدها حتى مضت أيام النحر فعليه أن يتصدق بها إذا وجدها ولا يذبحها فإذا ذبحها وتصدق بلحمها جاز. (خلاصة الفتاویٰ اشرفيه ٤/ ٣١٢)

لأن الأصل في الأموال التقرب بالتصدق بها لا بالإتلاف وهو الإراقة إلا أنه نقل إلى الإراقة مقيدا في وقت مخصوص (إلى قوله) فإذا مضى الوقت عاد الحكم إلى الأصل وهو التصدق بعين الشاة سواء كان معسرا أو موسرا. (بدائع الصنائع زكريا ٤/ ٢٠٢)

فإن كان قد أوجب التضحية على نفسه بشاة بعينها فلم يضحها حتى مضت أيام النحر فيتصدق بعينها حية سواء كان موسرا أو معسرا. (هنديه زكريا قديم ٥/ ٢٩٤، جديد ٣٣٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷رذی قعدہ ۱۴۳۴ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۲۸۵)

جانور گم ہوجانے پر دوسرے کی قربانی کردی پھر گم شدہ مل گیا تو کیا کرے؟

سوال [۹۸۷۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: سات آدمی نے مل کر ایک بڑا جانور خریدا، ان میں سے چار نے نفلی قربانی کا ارادہ کیا اور واجب قربانی کا ارادہ نہیں کیا، ان کی واجب قربانی کسی اور جانور میں ہے اور بقیہ تین آدمیوں نے اپنی واجب قربانی کی نیت کی بارہویں تاریخ کی شام کو قربانی کرنی تھی، اتفاق سے شام کو وہ جانور گم ہوگیا اور کسی اور جانور کی قربانی کا وقت نہیں رہا اور ان میں سے ہر ایک آدمی سرمایہ دار ہے، کوئی فقیر نہیں ہے، ایام نحر گذرنے کے بعد وہ جانور مل گیا تو نفلی قربانی

کرنے والوں کی قربانی کا کیا حکم ہے؟ اور واجب قربانی کرنے والوں کا کیا حکم ہے؟ کیونکہ نفلی قربانی کرنے والوں پر قربانی لازم نہیں تھی ،انہوں نے اپنی واجب قربانی الگ کردی تھی، اب نفلی والے اپنے اپنے حصوں کی قیمت وصول کرلیں تو واجب قربانی والے کیا کریں؟

المستفتی: عبدالرشید قاسمی، سیڑھا بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جن لوگوں نے نفلی قربانی کے لیے حصہ لیا ہے اور واجب قربانی دوسرے جانور میں کر چکے ہیں ان کے لیے اپنے اپنے حصوں کی قیمت وصول کرکے اپنے استعمال میں لانا جائز ہے، کیونکہ ان پر اس جانور کی قربانی کی قضا لازم نہیں ہے، اور واجب قربانی کرنے والوں کو اپنے اپنے حصوں کی قیمت کا صدقہ کرنا لازم ہے،لہٰذا جب گم شدہ جانور مل گیا تو اس کو فروخت کرکے اس کی قیمت تناسب کے ساتھ تقسیم کرکے وہی عمل کریں جو اوپر بیان کیا گیا ہے۔(مستفاد: فتاویٰ دار العلوم جدید ۱۵/ ۵۱۵)

ضلت أو سرقت فاشترىٰ أخرىٰ ثم وجدها ...... وإن ذبح الأولىٰ جاز ...... إن وجبت عن يسار فكذا الجواب. (در مختار على الشامى، كتاب الأضحية كراچى ٦/٣٢٣، زكريا ٩/٤٦٧)

اشترىٰ شاتين للأضحية فضاعت إحداهما فضحى بالثانية ثم وجدها فى أيام النحر أو بعد أيام النحر فلا شيئ عليه. (تاتارخانية زكريا ١٧/٤٥٨، رقم: ٢٧٨٢٠)

وقالوا: إن أدائها فى وقتها بإراقة الدم وقضائها بعد مضى وقتها بالتصدق بعينها أو بقيمتها. (فتح القدير اشرفى ٩/٥٢٠، كوئٹه ٨/٤٢٦)

اشترىٰ شاة ليضحى بها فلم يفعل حتى مضت أيام النحر تصدق بها حية فإن باعها تصدق بثمنها. (هنديه، الباب الرابع فيما يتعلق بالمكان والزمان، زكريا قديم ٥/٢٩٧، جديد ٥/٣٤٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱/ ذی الحجہ ۱۴۳۴ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۳۲۳)

تیسرے دن قربانی نہ کرسکا تو قیمت کا تصدق لازم

سوال [۹۸۸۰]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص پر قربانی واجب ہے، اس نے یہ سوچا کہ تیسرے دن قربانی کریں گے، اتفاق سے تیسرے دن اس کا جانور گم ہوگیا اوراس کی تلاش میں تیسرے دن کا سورج غروب ہوگیا لیکن وہ ہاتھ نہ آیا تواب یہ شخص کیا کرے؟

المستفتی: ممتاز احمد سیتاپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب تیسرے دن کے غروب تک اس شخص کا جانور نہ ملاجس کی بناء پر یہ شخص قربانی نہ کرسکا تو ایسی صورت میں اس پراس جانور کی قیمت کا صدقہ کرنا واجب ہوگا۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم جدید ۱۵/۵۱۴، احسن الفتاویٰ زکریا ۷/۲۸۰)

من وجبت عليه الأضحية فلم يضح حتى مضت أيام النحر فقد وجب عليه التصدق بقيمة شاة. (بدائع كتاب التضحية فصل فى كيفية الوجوب زكريا ٤/٢٠٣)

أن الموسر إذا اشترىٰ شاة للأضحية فى أول يوم النحر ولم يضح حتى مضت أيام النحر ثم افتقر كان عليه أن يتصدق بعينها أو بقيمتها. (البحر الرائق زكريا ٨/٣١٨، كراچى ٨/١٧٤، فتح القدير زكريا ٩/٥٢١، كوئٹه ٨/٤٢٧)

وإنما ينتقل إلى الصدقة إذا وقع اليأس عن التضحية بمضى أيامها. (شامى زكريا ٩/٤٦٣، كراچى ٦/٣٢٠)

لو اشترىٰ شاة للأضحية عن نفسه أو عن ولده فلم يضح حتى مضت أيام النحر كان عليه أن يتصدق بتلك الشاة أو بقيمتها. (خانية، جديد زكريا ٣/٢٤٣، وعلى هامش الهندية زكريا ٣/ ٣٤٦، وكذا فى الفتاوىٰ التاتارخانية ١٧ /٤٢٣، رقم: ٢٧٧٠٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/ ذی قعدہ ۱۴۳۴ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۳۱۰)

بعد تصدق گم شدہ جانور ایام قربانی کے بعد مل گیا

سوال [۹۸۸۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کسی شخص کا ایام قربانی میں جانور گم ہوگیا اور ایام قربانی کے گزرنے کے تقریباً ایک ہفتہ بعد ملا، اور یہ شخص پہلے ہی صدقہ کرچکا تو اب جانور ملنے کے بعد اس کو بھی صدقہ کرنا پڑے گا یا نہیں؟

المستفتی: محمد احمد مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مذکورہ میں ایام قربانی کے ایک ہفتہ بعد گم شدہ جانور مل گیا لیکن وہ پہلے ہی صدقہ کرچکا تو ایسی صورت میں جانور ملنے کے بعد اس کا تصدق لازم نہیں بلکہ اس کو اپنے کسی بھی کام میں لاسکتا ہے۔ (مستفاد: کتاب الفتاویٰ ۴/۱۶۴، فتاویٰ دار العلوم جدید ۱۵/۵۱۵)

ولو اشتریٰ شاتین للأضحية فضاعت إحداهما فضحى بالثانية ثم وجدها في أيام النحر فلا شيئ عليه. (البحر الرائق، كتاب الأضحية زكريا ٩/٣٢١، كوئٹه ٨/١٧٥)

وإن ضحى بالثانية أجزأه وسقطت عنه الأضحية وليس عليه أن يضحي بالأولىٰ؛ لأن التضحية بها لم تجب بالشراء بل كانت الأضحية واجبة في ذمته بمطلق الشاة فإذا ضحى بالثانية فقد أدى الواجب بها. (بدائع الصنائع زكريا ٤/١٩٩)

رجل اشتریٰ شاة بدينار فضلت واشتریٰ الشاة الأخریٰ بدينارين وذٰلك قيمتها وضحى بها ثم وجد الأولىٰ لم يلزمه التضحية بالتي وجدها.

(تاتارخانية زكريا ١٧/٤٥٩، رقم: ٢٧٨٢٣)

ولو أن رجلا اشتریٰ شاة للأضحية فضلت ثم اشتریٰ شاة أخریٰ ثم وجد الأولىٰ قبل أن يذبح الثانية كان له الخيار إن شاء ضحى الأولىٰ وإن شاء ضحى الثانية ولو أنه ضحى الثانية ثم وجد الأولىٰ هل عليه أن يضحي الأولىٰ ...... إن كان غنيا لايجب عليه. (خانية جديد زكريا ٣/٢٤٥، وعلى هامش الهندية زكريا ٣/٣٤٨)

فقير اشتریٰ أضحية فسرقت فاشتریٰ أخریٰ مكانها ثم وجد الأولىٰ

ضحی بهما ولو کان غنیا ضحی بواحدة منهما . (فتاویٰ سراجیه، مکتبه اتحاد ص: ۳۸٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷/ذی قعدہ ۱۴۳۴ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۳۱۹)

بڑے جانور کے حصہ کے ذریعہ قربانی کی قضاء کرنے کا حکم

سوال [۹۸۸۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: قربانی قضا ہونے کی صورت میں عام کتب فقہ وفتاویٰ میں متوسط جانور کی قیمت کا صدقہ لکھا ہوا ہے، تو کیا بڑے جانور کے ساتویں حصہ کی قیمت کا صدقہ کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد قاسم گودھروی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قربانی قضا ہونے کی صورت میں متوسط درجہ کے بڑے جانور کے ساتویں حصہ کے صدقہ کے متعلق صریح جزئیہ نہیں ملا، البتہ بکری صدقہ کرنے کے متعلق جزئیہ کی صراحت ہے، اس لیے متوسط درجہ کی بکری کی قیمت صدقہ کردینی چاہئے۔

ولو تركت التضحية ومضت أيام النحر تصدق بقيمتها غنى شراها أولا لتعلقها بذمته بشرائها أولا، والمراد بالقيمة قيمة شاة تجزئ فيها (در مختار) وفى الشامية تحت قوله: فالمراد بالقيمةالخ، قال القهستانى: أو قيمة شاة وسط. (در مختار مع الشامی، کتاب الأضحية، زکریا ۹/۴٦۳-٤٦٥، کراچی ٦/۳۲۰-۳۲۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/جمادی الثانیہ ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۱۱۳)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/٦/۲۲ھ

ایام قربانی گذرجانے کے بعد بڑے جانور کے ساتویں حصہ کی قیمت کا صدقہ

سوال [۹۸۸۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: قربانی کے ایام گذر جانے کے بعد قربانی کے جانور کی قیمت کا صدقہ کردینا واجب ہے، لیکن اگر اس صورت میں بکرے کی قیمت کا اعتبار کرکے صدقہ کیا جائے تو تقریباً دو ہزار روپئے لگتے ہیں، اس لیے کہ بکرا مہنگا ہے اور اگر کسی بڑے جانور کے ساتویں حصہ کی قیمت کا اعتبار کرکے صدقہ کیا جائے تو پانچ سو روپئے لگتے ہیں، اب آپ وضاحت فرمائیں کہ ایام قربانی گذر جانے کے بعد ہر دو صورت میں فراغ ذمہ ہو جائے گا، یا ایک بکرے کی قیمت کا صدقہ کرنا واجب ہوگا، یا اعتبار کسی ایک جانور کی قیمت کا ہوگا، یا کسی بڑے جانور کے ساتویں حصہ کی قیمت کا صدقہ کردینا بھی کافی ہے؟

المستفتی: ضیاء الرحمٰن بابر پور شاہدرہ دہلی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: فقہاء نے صدقہ کرنے میں شاۃ یا قیمت شاۃ کی قیمت لگائی ہے اس لیے بڑے جانور کے ساتویں حصہ یا اس کی قیمت کافی نہ ہوگی؛ کیونکہ قربانی میں مکمل جانور مد تقرب میں ہونا لازم ہے اور ساتویں حصہ یا اس کی قیمت کے تصدق میں بقیہ حصوں کا تقرب نہ ہونے کی وجہ سے اشکال لازم ہے۔

صار قيمة شاة صالحة دينا في ذمته يتصدق بها متى وجدها. (هندية، كتاب الأضحية، الباب الأول في تفسيرها و ركنها وصفتها، زكريا قديم ٥/٢٩٣، جديد ٥/٣٣٩، بدائع الصنائع زكريا ديوبند ٤/٢٠٣، شامي كراچی ٦/٣٢٠، زكريا ٩/٤٦٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍ ذی قعدہ ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۵۰۴)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۸/۱۱/۴ھ

قربانی کے حصہ کی قیمت مدرسہ میں دینا

سوال [۹۸۸۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے یہاں ذبیحہ نہیں ہوتا ہے اس وجہ سے دوسرے گاؤں میں قربانی کرنے کو راس لے جاتے ہیں جس میں بہت دقت وپریشانی ہوتی ہے، دوسرے گوشت کی بھی بہتات ہوجاتی ہے، اس صورت میں اگر کوئی آدمی اپنے حصہ کی قیمت کسی بڑے مدرسہ جیسے شاہی، مدرسہ حیات العلوم، یعنی جن مدارس میں درس نصابی کی مکمل تعلیم ہوتی ہے، دیدے، تو اس کی قربانی ادا ہوجائے گی یا نہیں؟ مثلاً ایک راس ایک ہزار روپئے کی ملتی ہے اس ایک ہزار کے ساتویں حصہ کی قیمت مذکورہ مدرسہ میں دیدیں تو قربانی ادا ہوجائے گی یا نہیں؟

المستفتی: عبدالکریم تاج پورہ بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفیق: اگر آپ اپنی قربانی کے حصہ کی قیمت مذکورہ بالا مدرسہ میں کسی ذمہ دار کو دے کر وکیل بنادیں کہ میری طرف سے قربانی کردیں اور وہ آپ کی طرف سے وکیل بن کر جانور خرید کر قربانی کردے تو قربانی ادا ہوجائے گی۔

ولو ذبح عن غيره بأمره جاز. (شامی، کتاب الأضحية، کراچی ٦/٣٣٥، زکریا دیوبند ٩/٤٨٣، فتاویٰ قاضی خان جدید زکریا ٣/٢٥١، وعلی هامش الهندية زکريا ٣/٣٥٥)

ومنها أن تجزئ فيها النيابة فيجوز للإنسان أن يضحي بنفسه وبغيره بإذنه. (بدائع الصنائع، فصل في كيفية الوجوب، کراچی ٥/٦٧، زکریا ٤/٢٠٠، هندیه زکریا قدیم ٥/٢٩٤، جدید ٥/٣٣٩) **فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
یکم رجب المرجب ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۳۰۶/۲۴)

۳ باب من یجب علیه الأضحیة ومن لا یجب

قربانی کس پر واجب ہے؟

سوال [۹۸۸۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: قربانی کس پر واجب ہوتی ہے؟

المستفتی: انور جمال، محلّہ بھٹی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایسا آزاد شخص جو ایام قربانی میں بقدر نصاب مال، روپیہ پیسہ، سونا چاندی یا مال تجارت یا ضرورت سے زائد ساز وسامان کا مالک ہو، ایسے شخص پر قربانی واجب ہے۔ (مستفاد: کتاب المسائل ۲/۲۲۰)

عن أبي هريرة –رضي الله عنه– قال: قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم: من وجد سعة فلم يضح فلا يقربن مصلانا. (مسند أحمد بن حنبل ۳/۳۲۱، رقم: ۸۲۵۶)

وأما شرائط الوجوب: منها اليسار، وهو ما يتعلق به وجوب صدقة الفطر (إلى قوله) والموسر في ظاهر الرواية: من له مأتا درهم أو عشرون ديناراً أو شيء يبلغ ذٰلك سوىٰ مسكنه ومتاع مسكنه ومركوبه وخادمه في حاجته التي لا يستغني عنها. (هنديه، كتاب الأضحية، زكريا قديم ۵/۲۹۲، جديد ۵/۳۳۶- ۳۳۷، المحيط البرهاني، المجلس العلمي ۸/۴۵۵، رقم: ۱۰۷۷۶، الفتاویٰ التاتارخانية زكريا ۱۷/۴۰۵، رقم: ۲۷۶۴۹، شامي زكريا ۹/۴۵۳، كراچی ۶/۳۱۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵؍ذی الحجہ ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۵۵۳)

قربانی واجب نہ ہونے کے باوجو قربانی کرنے کا حکم

سوال [۹۸۸٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر میں صرف اپنا حصہ ہی کروں اور اپنی بیوی کی طرف سے نہ کروں تو ایک حصہ قربانی نہ کرنے کا گنہگار کون ہوگا؟

المستفتی: محمد اسماعیل، سلیم پور، سہس پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر آپ کی بیوی صاحب نصاب نہیں ہے تو اس پر قربانی واجب نہیں ہے اور اس کی طرف سے قربانی نہ کرنے سے نہ آپ پر گناہ ہوگا اور نہ آپ کی بیوی پر۔

وأما شرائط الوجوب: منها اليسار، وهو ما يتعلق به وجوب صدقة الفطر. (هنديه، كتاب الأضحية، زكريا قديم ٥/٢٩٢، جديد ٥/٣٣٦ – ٣٣٧، جواهر الفقه قديم ١/٤٤٨، جديد زكريا ٦/٢٧٠، المحيط البرهاني، المجلس العلمي ٨/٤٥٥، رقم: ١٠٧٧٦، الفتاوىٰ التاتارخانية زكريا ١٧/٤٠٥، رقم: ٢٧٦٤٩، شامي زكريا ٩/٤٥٣، كراچی ٦/٣١٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳ر محرم الحرام ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۱۰۸۰)

قربانی کے وجوب کی شرط

سوال [۹۸۸۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کے چار بیٹے ہیں اور ہر ایک کی اولاد بھی ہے، اور چاروں بیٹے زید کے ساتھ مالک نصاب ہیں؛ لیکن سب ایک فیملی میں زید کے ساتھ رہتے ہیں، اب جواب طلب مسئلہ یہ ہے کہ زید اگر قربانی کا جانور خرید کر قربانی کرے تو کیا چاروں بیٹوں کی طرف سے قربانی

ساقط ہوجائے گی جبکہ اس جانور میں ان کو شریک نہیں کیا گیا، یا ان سے قربانی ساقط ہونے کے لیے ان کو الگ الگ شریک کرنا اور نام لینا لازم ہوگا؟ مدلل تحریر فرمائیں۔

المستفتی: اشرف الہدیٰ بیر بھومی، مغربی بنگال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زید کے چاروں لڑکے جو باپ کی فیملی میں رہتے ہیں ان کی کمائی اور آمدنی باپ کی ملکیت ہوا کرتی ہے، لیکن اگر باپ نے اجازت دے رکھی ہے کہ جو جتنا کمائے وہ اپنے پاس اپنی ملکیت میں الگ رکھے تو ایسی صورت میں لڑکوں کے پاس جب نصاب کے بقدر یا اس سے زائد پیسے ہوں تو ہر ایک پر اپنی اپنی قربانی الگ سے کرنا واجب ہوگا، باپ کا اپنی طرف سے ایک قربانی کرنے سے ان لڑکوں کا فریضہ ادا نہ ہوگا۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۸/۱۹۳، جدید زکریا مطول ۶/ ۱۶۶)

عن ابن عمر أنه كان لا يضحى عن حبل، ولكن كان يضحى عن ولده الصغار والكبار، ويعق عن ولده كلهم. (مصنف عبد الرزاق، المناسك، باب الضحايا، المجلس العلمی ٤/ ٣٨٠، رقم: ٨١٣٦)

فتجب التضحية على حر مسلم مقيم مؤسر عن نفسه. (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الأضحية، ياسر نديم ٢/ ٢٣١)

ولو ضحى عن أولاده الكبار و زوجته لايجوز إلا بإذنهم. (شامی، كتاب الأضحية، زكريا ٩/ ٤٥٧، كراچی ٦/ ٣١٥، بزازيه زكريا جديد ٣/ ١٦٠، وعلى هامش الهندية ٦/ ٢٩٥، قاضيخان زكريا جديد ٣/ ٢٤٣ وعلى هامش الهندية ٣/ ٣٤٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸ ؍رجب المرجب ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۴۹۸)

صاحب نصاب پر ہر سال قربانی کا لزوم اور سات کی تحدید کا حکم

سوال [۹۸۸۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ ایک شخص نے سات قربانیاں دے دی ہیں، اب آئندہ اس کو اور قربانیاں دینے کی ضرورت ہے یا نہیں؟ ادھر ہمارے ایریے میں سات قربانیاں دینا زندگی میں حد رکھی ہے؟

المستفتی: غلام حسین، مدرس رام نگر، ضلع اودھم سنگھ نگر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زندگی بھر ہر سال قربانی واجب ہے، جب تک نصاب کے بقدر مال موجود ہے۔

عن أبی هريرة –رضی الله عنه– قال: قال رسول الله ﷺ: من وجد سعة فلم يضح فلا يقربن مصلانا. (مسند أحمد بن حنبل ۳۲۱/۳، رقم: ۸۲۵۶)

ويشترط فی وجوبها اليسار لأنها حق فی مال يجب علی وجه القربة كالزكاة. (الجوهرة النيرة، كتاب الأضحية، مكتبه امداديه ملتان ۲۸/۲، دار الكتاب ديوبند ۲۶۷/۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍محرم الحرام ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۳۲/۲۳)

جائیداد کی پیداوار بقدر نصاب ہو تو قربانی واجب ہے یا نہیں؟

سوال [۹۸۸۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میرا ۲۲؍سال کا لڑکا ہے اور کالج میں پڑھتا ہے، اس کے پاس بیس بیگھے زمین ہے، تو اس پر قربانی واجب ہے یا نہیں؟

المستفتی: زوجہ عبدالکریم خاں مرحوم، محلّہ مغل پورہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر مذکورہ زمین کی پیداوار بقرعید کے دن نصاب کے برابر ہو جائے تو قربانی واجب ہوگی اور اگر بقدر نصاب نہ ہو تو قربانی واجب نہیں ہے۔

ولو كانت له دور و حوانيت للغلة وهي لاتكفي عياله فهو من الفقراء، وعلى هذا الكرم والآراضي إذا كانت غلتها لاتكفي. (البناية باب صدقة الفطر، اشرفيه ٤٨٢/٣، مجمع الأنهر مصرى قديم ٢٢٧/١، دار الكتب العلمية بيروت ٣٣٥/١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٣٠/ ذی قعدہ ١٤١٠ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٢٠٤٠/٢٦)

کیا چھ ہزار کی مالیت رکھنے والے شخص پر قربانی واجب ہے؟

سوال [٩٨٩٠]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک صاحب کے پاس دو مکان ہیں، ایک میں خود رہتے ہیں، دوسرا خالی پڑا رہتا ہے، کبھی کرایہ پر دیتا ہے، لیکن اس کے پاس نقد پیسہ یا زیور نہیں ہے، پانچ چھ ہزار کی مالیت کا سامان ہے، کیا اس پر قربانی واجب ہے؟

المستفتی: امیر احمد ممبئ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: جو مکان خالی پڑا ہوا ہے کبھی کبھی اس کو کرایہ پر دیتا ہے وہ اس کی آمدنی کا ذریعہ ہے، کبھی کرایہ پر دینے کا مطلب یہ ہے کہ جب مناسب پیسہ ملتا ہوگا تب کرایہ پر دیتا ہوگا، اور ذریعہ آمدنی پر زکوٰۃ اور صدقہ فطر واجب نہیں ہوتے اور قربانی اس پر واجب ہوتی ہے، جس پر صدقۂ فطر واجب ہو اور آج کے زمانہ میں پانچ چھ ہزار کا سامان قربانی کے نصاب کو نہیں پہنچتا ہے، لہٰذا مذکورہ شخص پر قربانی واجب نہیں ہے۔

وإن كان له عقار و مستغلات ملک اختلف المشايخ المتأخرون (إلى قوله) وأبو على الدقاق وغيره اعتبروا الدخل. (هنديه، كتاب الأضحية، الباب الأول، زكريا قديم ٢٩٢/٥، جديد ٣٣٧/٥، الفتاوىٰ التاتارخانية زكريا ٤٠٦/١٧،

رقم ٢٧٦٥١، المحيط البرهاني، المجلس العلمي ٨/ ٤٥٥، رقم: ١٠٧٧٨)

وفي الفتاوىٰ العتابية: وفي حق صاحب المستغلات يعتبر الفضل على قوت شهر. (الفتاوىٰ التاتارخانية كوئٹه ٢/ ٤١٨ زكريا ٣/ ٤٥٤، رقم: ٤٨٣٤)

وذكر في الفتاوىٰ فيمن له حوانيت و دور للغلة لكن غلتها لا تكفيه ولعياله أنه فقير. (شامي، كتاب الزكاة، باب المصرف، قبيل مطلب: في جهاز المرأة هل تصير به غنية، زكريا ٣/ ٢٩٦، كراچی ٢/ ٣٤٨)

فالغني في الأضحية ما هو الغني في صدقة الفطر. (قاضيخان زكريا جديد ٣/ ٢٤٢، وعلى هامش الهندية ٣/ ٣٤٤) **فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
۲۱؍صفر المظفر ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۸۹۲/۳۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۲/۲۱ھ

بے نمازی کی قربانی کا حکم

سوال [۹۸۹۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بے نمازی کی قربانی کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: زوجہ عبدالکریم خاں مرحوم، مغل پورہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قربانی اس صورت میں واجب ہوتی ہے جبکہ وہ بقرعید کے دن مالک نصاب ہو، وجوب قربانی کے لیے عدالت اور پابند صوم وصلاۃ ہونا مشروط نہیں ہے۔

وشرائطها: الإسلام والإقامة واليسار الذي يتعلق به وجوب صدقة الفطر. (الدر المختار، كتاب الاضحية، زكريا ٩/ ٤٥٢-٤٥٣، كراچی ٦/ ٣١٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰؍ذی قعدہ ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۰۴۰/۲۶)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۰/۱۱/۳۰ھ

داڑھی کٹوانے والے کی قربانی صحیح ہے یا نہیں؟

سوال [۹۸۹۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کسی شخص کو بقرعید کی قربانی کرنی ہے اور اس شخص نے بھول کر اپنی داڑھی بنوالی تو کیا اس کی قربانی صحیح ہو جائے گی یا نہیں؟

المستفتی: محمد مستقیم مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفیق: ایک مشت سے کم ڈاڑھی منڈوانا یا کٹوانا کسی شخص کے لیے جائز نہیں ہے، اس کا بہت بڑا گناہ ہوتا ہے، حدیث شریف سے ثابت ہے، اس کا گناہ مستقل ہے، مگر اس کی وجہ سے قربانی میں کوئی خلل نہیں ہوتا، قربانی جائز ہو جائے گی۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۲۰۴/۷)

عن ابن عمر رضی الله عنه عن النبی صلی الله علیه وسلم قال: احفوا الشوارب واعفوا اللحیٰ. (صحیح مسلم، باب خصال الفطرة، النسخة الهندیة ۱/۲۹، بیت الأفکار رقم: ۲۵۹)

وأما الأخذ منها وهی دون ذٰلک کما یفعله بعض المغاربة و مخنثة الرجال فلم یبحه أحد. (الدر المختار، باب ما یفسد الصوم وما لا یفسد، مطلب: فی الأخذ من اللحیة، زکریا ۳/۳۹۸، کراچی ۲/۴۱۸)

قال النووی نقلاً عن المذاهب: فقال أبو حنیفة لایکره. (شرح النووی علی مسلم، النسخة الهندیة ۲/۱۶۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹/ ذی الحجہ ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۵۵۳۷/۳۳)

غریب پر کس جانور کی قربانی لازم ہے؟

سوال [۹۸۹۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بڑے جانور کے سات شریکوں میں سے ایک شریک غریب ہے اور جانور گم ہو گیا ہے تو سب نے مل کر دوسرا خرید لیا، اب پہلا جانور مل گیا، دوسرے مالدار شرکاء پہلے جانور کی قربانی نہیں کرتے، تو کیا غریب پر اس پہلے جانور کی قربانی واجب ہوگی؟

المستفتی: عبدالحمید، نورتن پوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: غریب پر دونوں جانوروں کی قربانی واجب ہوگی، البتہ اگر اس نے دوسرا جانور خریدتے وقت یہ نیت کی ہو کہ پہلا جانور جو گم ہو گیا اس کی جگہ پر خریدتا ہوں تو ایک قربانی واجب ہوگی؛ اس لیے فقیر پر ضروری ہے کہ پہلے جانور میں سے اپنے حصہ کی قیمت شرکاء سے وصول کر کے صدقہ کر دے پھر اس جانور میں فقیر کا کچھ حق نہیں رہے گا، شرکاء کی ملک ہو جائے گا۔

وفی فتاویٰ سمرقند: الفقير إذا اشترىٰ شاة للأضحية فسرقت فاشترىٰ مكانها ثم وجد الأولىٰ فعليه أن يضحي بهما، ولو ضلت فليس عليه أن يشتري أخرىٰ مكانها. (البحر الرائق، كتاب الأضحية، زكريا ۸/ ۳۲۰، كوئٹه ۸/۱۷۵، الفتاویٰ تاتارخانية زكريا ۱۷/۴۱۳، رقم: ۲۷۶۷۴، المحيط البرهاني، المجلس العلمي ۸/۴۵۹، رقم: ۱۰۷۹۰-۱۰۷۹۱)

رجل اشترىٰ أضحية وأوجبها فضلت ثم اشترىٰ أخرىٰ، فأوجبها ثم وجد الأولىٰ إن كان أوجب الثانية بلسانه فعليه أن يضحي بهما، وإن أوجبها بدلا عن الأولىٰ فعليه أن يذبح أيهما شاء، ولم يفصل بين الفقير والغني. (البحر الرائق زكريا ۸/ ۳۲۰، كوئٹه ۸/ ۱۷۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ ربیع الاول ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۶۰۹۳)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۳/۲۹ھ

کیا آٹورکشہ کرایہ پر لگانے والے پر قربانی واجب ہے؟

سوال [۹۸۹۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کے پاس دو آٹو رکشہ ہیں دونوں کرایہ پر چلا رکھے ہیں، ان کے کرایہ پر ہی گذر بسر ہے، کیا زید پر قربانی واجب ہے؟ کیا آٹو رکشہ کی مالیت کو دیکھتے ہوئے قربانی کا وجوب آئے گا؟

المستفتی: امیر محمد، وارد حال ممبئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفیق: مذکورہ صورت میں آٹو رکشہ حوائج اصلیہ اور آلات آمدنی میں داخل ہے، اس کی آمدنی کا اعتبار ہوگا، اس کی مالیت کا اعتبار نہ ہوگا، لہٰذا آٹو رکشہ کے علاوہ دیگر سامان وغیرہ نصاب کے بقدر موجود ہیں تو اس شخص پر قربانی واجب ہوگی ورنہ نہیں۔

وإن كان له عقار و مستغلات ملك اختلف المشايخ المتأخرون (إلى قوله) وأبو علي الدقاق وغيره اعتبروا الدخل. (هنديه، كتاب الأضحية، الباب الأول، زكريا قديم ٥/٢٩٢، جديد ٥/٣٣٧، الفتاویٰ التاتارخانية زكريا ١٧/٤٠٦، رقم ٢٧٦٥١، المحيط البرهاني، المجلس العلمي ٨/٤٥٥، رقم: ١٠٧٧٨)

وفي الفتاویٰ العتابية: وفي حق صاحب المستغلات يعتبر الفضل على قوت شهر. (الفتاویٰ التاتارخانية كوئٹه ٢/٤١٩ زكريا ٣/٤٥٤، رقم: ٤٨٣٤)

من له متاع فاضل عن حاجته الأصلية مقدار ما يساوي مأتي درهم إلا أنه ليس للتجارة فإنه لايحل له أخذ الزكاة وتجب عليه الأضحية. (الفتاویٰ التاتارخانية زكريا ٣/٢١٥ رقم: ٤١٦٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸؍صفر المظفر ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۸۹۲/۳۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۲/۲۱ھ

ذمہ دارانِ مدرسہ کا مدرسہ سے قرض لے کر قربانی کرنا

سوال [۹۸۹۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: سات آدمیوں نے مدرسہ کے ذمہ دار سے ٹیلی فون پر اپنے اپنے حصے بک کرالیے اور رقم جمع نہیں کی، مدرسہ والوں نے مدرسہ کی رقم سے جانور خرید کر قربان کر دیا، اس کے بعد ساتوں شرکاء نے اپنے اپنے حصے کے پیسے ادا کیے، تو ایسی صورت میں کیا ساتوں شرکاء کی قربانی درست ہوگئی، نیز ذمہ دارانِ مدرسہ کا مدرسہ کے پیسے سے جانور خرید کر قربانی کرنا درست ہے؟ نیز اگر وہ جانور مرجاتا تو اس کا تاوان کس پر لازم آتا؟

المستفتی: محمد تعظیم القاسمی، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جن سات آدمیوں نے مدرسہ کے ذمہ داران کو ٹیلیفون پر اپنے اپنے حصے کی قربانی کرنے کی اجازت دی ہے اور ذمہ داران نے ان کے یہاں سے پیسہ آنے سے پہلے مدرسہ سے بطور قرض پیسہ لے کر ان کی طرف سے قربانی کردی، اور بعد میں وہ پیسہ وصول ہوگیا ہے تو ایسی صورت میں ان سب کی قربانی تو درست ہو گئی ہے، لیکن مدرسے سے مذکورہ شرکاء کے لیے جو قرض لیا گیا ہے وہ عمل ذمہ دارانِ مدرسہ کے لیے مکروہ ہے؛ اس لیے اس میں احتیاط ضروری ہے، ہاں البتہ ذمہ داران اگر اپنی جیب سے بطور قرض دے کر قربانی کردیں، تو کوئی مضائقہ نہیں۔

وإذا دفع الوكيل بالشراء الثمن من ماله من غير صريح إذن الموكل وقبض المبيع فله أن يرجع به على الموكل لوجود الإذن دلالة؛ لأن الحقوق لما كانت إلى العاقد وقد علمه المؤكل يكون راضياً بدفعه.

(اللباب فی شرح الكتاب، كتاب الوكالة، دار الكتب العلمية بيروت ۲/۱۴۳)

وفی البحر: قال فی جامع الفصولیین: ليس للمتولی إيداع مال الوقف والمسجد إلا ممن فی عياله ولا إقراضه فلو أقرضه ضمن وكذا المستقرض.

(البحر الرائق كتاب الوقف كوئٹه ٥/ ٢٣٩، زكريا ٥/ ٤٠١، تنقيح الفتاوىٰ الحامدية دار الكتب العلمية بيروت ١/ ٢٢٩، مجمع الضمانات ١/ ٣٣٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ — الجواب صحیح
۵؍صفر المظفر ۱۴۲۹ھ — احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۴۳۹) — ۱۴۲۹/۲/۵ھ

جس کا عقیقہ نہ ہوا ہو اس کی طرف سے قربانی کرنا

سوال [۹۸۹٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: جس شخص کا عقیقہ نہیں ہوا ہے تو کیا اس شخص کے نام سے قربانی درست ہے یا نہیں؟ تفصیل سے مطلع فرمائیں۔

المستفتی: محمد منظور الحق، سمستی پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: صورت مسئولہ میں جس شخص کا عقیقہ نہیں ہوا ہے اس کی طرف سے قربانی کرنا درست ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۸/ ۲٦۳، جدید زکریا مطول ۱۲/ ۱۵۹)

نیز عقیقہ مستحب ہے واجب نہیں، قربانی واجب ہے، نیز عقیقہ قربانی کی شرائط میں سے بھی نہیں ہے۔

عن معمر عن قتادة قال: من لم يعق عنه أجزأته أضحيته. (مصنف عبد الرزاق، المجلس العلمي ٤/ ٣٣١، رقم/ ٧٩٦٧)

وذكر محمدؒ في العقيقة: فمن شاء فعل ومن شاء لم يفعل، وهذا يشير إلى الإباحة. (عالمگيري، كتاب الكراهية الباب الثاني والعشرون، زكريا قديم ٥/ ٣٦٢، جديد ٥/ ٤١٨، الموسوعة الفقهية الكويتية ٢٦/ ١٠٧، بدائع الصنائع كراچي ٥/ ٦٩، زكريا ديوبند ٤/ ٢٠٤، شامي كراچي ٦/ ٣٢٦، زكريا ٩/ ٤٧٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ — الجواب صحیح
۸؍جمادی الثانیہ ۱۴۱٦ھ — احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۴۷۵) — ۱۴۱٦/٦/۸ھ

جس نے عقیقہ نہ کیا ہو، کیا وہ قربانی میں حصہ لے سکتا ہے؟

سوال [۹۸۹۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: جس شخص نے عقیقہ نہ کیا ہو، کیا وہ قربانی میں حصہ لے سکتا ہے؟

المستفتی: عابد حسین، محمود پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: لے سکتا ہے، بلکہ اگر مالک نصاب ہے تو حصہ لینا واجب ہے۔

عن أبی هريرة –رضی الله عنه– قال: قال رسول الله ﷺ: من وجد منكم سعة فلم يضح فلا يقربن مصلانا. (سنن الدار قطنی، الأشربة، باب الصيد والذبائح والأطعمة، دار الكتب العلمية بيرت ٤/١٨٩، رقم: ٤٧١٧)

عن معمر عن قتادة قال: من لم يعق عنه أجزأته أضحيته. (مصنف عبد الرزاق، المجلس العلمی ٤/٣٣١، رقم: ٧٩٦٧)

ذبح حيوان مخصوص بنية القربة فی وقت مخصوص، و شرائطها الإسلام والإقامة واليسار الذی يتعلق به وجوب صدقة الفطر. (تنوير الأبصار مع الدر، كتاب الأضحية، كوئٹہ ٥/٢١٩، زكريا ٩/٤٥٢–٤٥٣، كراچی ٦/٣١٢) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸/ ذی قعدہ ۱۴۰۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/۲/۳۷)

قربانی میں دی ہوئی رقم بچ جائے یا گھٹ جائے تو کیا کریں؟

سوال [۹۸۹۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: عوام مدارس کے سفراء کو اپنی طرف سے قربانی کرنے کے لیے رقم دیتے ہیں، بعد میں

ایسا اتفاق پیش آتا ہے کہ بعض کی قربانی کرنے کے بعد کچھ رقم بچ جاتی ہے اور بعض کی کم رہ جاتی ہے، تو کیا اس صورت میں بچے ہوئے روپیوں سے دوسرے کی کمی پوری کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر ناجائز ہے تو اس کمی کو مدرسہ پوری کرے یا سفیر؟ لیکن دونوں اس پر تیار نہ ہوں تو پھر اس کے لیے کیا شکل اختیار کی جائے؟ اس لیے کہ ان لوگوں کا پتہ معلوم نہیں کہ بعد میں اس رقم کا مطالبہ کر لیا جائے؟

المستفتی: سعید احمد قاسمی، ٹانڈہ رام پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر واقعی ایسا واقعہ پیش آتا ہے تو بہت سخت خطرناک طریقہ ہے، سفراء پر پورا پتہ لکھنے کی پابندی لگانا ضروری ہے، مذکورہ صورت میں اگر کسی کی رقم سے قربانی کا مکمل ایک حصہ پورا نہیں ہوتا ہے اور اس کو کسی جانور میں اس حالت میں شریک کر لیا جائے تو اس جانور میں شریک ہونے والے دوسرے شرکاء میں سے کسی کی قربانی صحیح نہیں ہوگی، کیونکہ جب کسی ایک شریک کی قربانی صحیح نہیں ہوتی ہے تو تمام شرکاء کی قربانی بیکار ہو جاتی ہے، نیز جن لوگوں کی رقم ہے ان کی قربانی کے بعد کچھ رقم بچ جائے وہ ان کو واپس لوٹا دینا واجب ہے، اگر واپسی کی کوئی صورت ہی نہ ہو، تو زائد رقم کا فقراء پر صدقہ کر دینا لازم ہوگا۔

ولو لأحدهم أقل من سبع لم يجز عن أحد. (الدر المختار، كتاب الأضحية، زكريا ۹/۴۵۷، كراچی ۶/۳۱۵-۳۱۶)

وكذا إذا كان نصيب أحدهم أقل من سبع بدنة لا يجوز عن الكل؛ لأن بعضه إذا خرج عن كونه قربة خرج كله. (البحر الرائق، كتاب الأضحية، کوئٹہ ۸/۱۷۴، زكريا ۸/۳۱۹)

لأن الزيادة هناک بدل ملک الموکل فتكون له، أي لأن الزيادة عوض ملک الآمر فلايجوز أن يستحقه الوكيل إلا بإذن الموكل ولا بغير إذنه. (البناية اشرفيه ۹/۲۴۶)

ورد بأن الدرهم ملک الموکل فتكون الزيادة بدل ملكه. (العناية على هامش فتح القدير، دار الفكر ۸/۴۴، زكريا ۸/۴۸، کوئٹہ ۷/۴۱) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/۱۲۷۱)

صاحب نصاب اپنی طرف سے قربانی کرے یا والدین کی طرف سے؟

سوال [۹۸۹۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) ہم نے ایک بکرا پالا، اس میں ہم پہلے والدین کے نام کی قربانی کریں یا پہلے اپنے نام کی اور دوسرا بکرا پالنے کی ہمارے پاس گنجائش نہیں ہے، اس کے لیے کیا فرماتے ہیں؟

(۲) اگر ہم بھینس میں حصہ لے رہے ہیں تو وہ سات سال میں پورا ہوگا یا ایک حصہ میں پورا ہو گیا؟

المستفتی: محمد دانش، اصالت پورہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) پہلے آپ پر قربانی کرنی واجب ہے، اس کے بعد گنجائش ہو تو والدین کی طرف سے قربانی کر سکتے ہیں، اگر والدین نے وصیت نہیں کی ہے اور نہ ان کے ترکہ کے ثلث میں گنجائش ہے، تو والدین کی طرف سے قربانی واجب نہیں، اپنی طرف سے واجب ہے۔

عن أبي هريرة -رضي اللّٰه عنه- قال: قال النبي ﷺ: من كان له مال فلم يضح فلا يقربن مصلانا، وقال مرة: من وجد سعة فلم يذبح فلا يقربن مصلانا. (المستدرك للحاكم، أضاحي، قديم ٤/٢٣٢، مكتبه نزار مصطفىٰ الباز جديد ٢٦٩٧، رقم: ٧٥٦٥ - ٧٥٦٦)

الأضحية واجبة على كل حر مسلم مقيم موسر في يوم الأضحىٰ عن نفسه. (هدايه، كتاب الأضحية، اشرفي ٤/٤٤٣، قدوري ص: ٢٢٨، شامي زكريا ٩/٤٥٢ - ٤٥٣، كراچي ٦/٣١٢)

(۲) اگر بھینس میں حصہ لیا جائے تو جائز ہے، مگر زندگی بھر ہر سال قربانی کرنی واجب ہے، چاہے بھینس میں حصہ لیا کریں یا بکرا کیا کریں، جبکہ آپ مال نصاب کے مالک

ہیں، لوگوں کا جو عقیدہ ہے کہ بھینس میں حصہ لینے میں سات سال میں فریضہ مکمل ہو جاتا ہے، آئندہ قربانی کرنا واجب نہیں ہے غلط ہے، بلکہ موسر مالدار پر ہر سال قربانی کرنا واجب ہے۔

عن أبی هريرة –رضی الله عنه– قال: قال النبی ﷺ: من كان له مال فلم يضح فلا يقربن مصلانا، وقال مرة: من وجد سعة فلم يذبح فلا يقربن مصلانا. (المستدرك للحاكم، أضاحی، قديم ٤/٢٣٢، مكتبه نزار مصطفىٰ الباز جديد ٧٦٩٧، رقم: ٧٥٦٥ - ٧٥٦٦)

الأضحية واجبة على كل حر مسلم مقيم موسر فی يوم الأضحىٰ عن نفسه. (هدايه، كتاب الأضحية، اشرفی ٤/٤٤٣، قدوری ص:٢٢٨، شامی زكريا ٩/٤٥٢- ٤٥٣، كراچی ٦/٣١٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹؍ذی الحجہ ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۳۷۴۶)

شوہر کے صاحب نصاب ہونے کی وجہ سے بیوی پر قربانی وغیرہ کا حکم

سوال [۹۹۰۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں یعنی محمد اسماعیل شریعت کے حساب سے مالدار شخص ہوں، میرے اوپر زکوٰۃ فرض ہے، اس لیے قربانی بھی واجب ہوتی ہے، میری ایک بیوی ہے، ہندوستانی رواج کے مطابق وہ میرے ہی ساتھ رہتی ہے، اس کی اپنی کوئی جائیداد نہیں ہے، اس کا جو کچھ بھی جہیز ہے وہ میرے پاس ہے، اور گھر کے استعمال میں آرہا ہے، اور وہ بھی اپنے آپ کو مالدار سمجھتی ہے، جیسا کہ ہندوستانی دستور ہے کہ شوہر اگر مالدار ہو تو بیوی بھی اپنے کو مالدار اور اگر شوہر غریب ہو تو بیوی بھی اپنے کو غریب سمجھتی ہے، اب مجھے آپ سے یہ مسئلہ دریافت کرنا ہے کہ: جس طرح مجھ پر قربانی واجب ہے اس طرح سے میری بیوی پر قربانی واجب ہے یا نہیں؟ کیونکہ وہ میرے ساتھ ہی اپنے کو مالدار سمجھتی ہے؟

المستفتی: محمد اسماعیل، سلیم پور، سہس پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر آپ کی بیوی کے پاس پرسنل طور پر، ذاتی زیور یا دیگر رقم بقدر نصاب نہیں ہے تو اس پر قربانی واجب نہیں ہے، اگر چہ وہ اپنے کو آپ کے ساتھ مالدار سمجھتی ہو۔

ولم تجب إلا بملك النصاب فدل أن وجوبها بالقدرة الميسرة؛ لأن اشتراط النصاب لاينافي وجوبها بالممكنة. (البحر الرائق، كتاب الأضحية، كوئٹه ۱۷٤/۸، زكريا ۳۱۹/۸)

وأما شرائط الوجوب أى شرائط الأضحية منها اليسار، وهو ما يتعلق به وجوب صدقة الفطر دون ما يتعلق به وجوب الزكاة. (فتاویٰ عالمگيری، كتاب الأضحية، زكريا قديم ۲۹۲/۵، جديد ۳۳٦/۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳ر محرم الحرام ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۸۰/۲۴)

شوہر کا اپنی طرف سے قربانی نہ کرکے بیوی کی طرف سے کرنے حکم

سوال [۹۹۰۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر شوہر اپنا حصہ نہ کرکے بیوی کا حصہ کرے تو اس کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: محمد اسماعیل، قصبہ سہس پور، سیوہارہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شوہر پر اپنی قربانی ادا کرنا واجب ہے اگر بیوی کی طرف سے قربانی کرکے اپنی طرف سے قربانی نہ کرے تو شوہر سخت گنہگار ثابت ہوگا اور قربانی کا وجوب اس پر باقی رہ جائے گا۔

عن أبي هريرة -رضى الله عنه- قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من وجد

سعة فلم يضح فلا يقربن مصلانا. (مسند أحمد بن حنبل ۳/۳۲۱، رقم: ۸۲۵۶)

وليس على الرجل أن يضحي عن أولاده الكبار و امرأته. (قاضيخان، كتاب الأضحية، زكريا جديد ۳/۲۴۳، وعلى هامش الهندية ۳/۳۴۵، شامي زكريا ۹/۴۵۷، كراچی ۶/۳۱۵، بزازيه زكريا جديد ۳/۱۶۰، وعلى هامش الهندية ۶/۲۹۵، هنديه زكريا قديم ۵/۲۹۲، جديد ۵/۳۳۶)

ومن وجد سعة ولم يضح فلا يقربن مصلانا، هذا وعيد يلحق بترك الواجب. (مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ۴/۱۶۶، مصری قديم ۲/۵۱۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم صفر المظفر ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/۱۰۹۵)

صاحب نصاب کا اپنی طرف سے قربانی نہ کرکے میت کی طرف سے قربانی کرنا

سوال [۹۹۰۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص کے پاس ایک ہی جانور رہے اور وہ اس جانور کو مردہ کے نام پر قربانی کرنا چاہتا ہے، اور خود صاحب نصاب ہونے کے باوجود اپنے نام پر قربانی نہیں کرتا، تو کیا اس کی یہ قربانی درست ہے؟ اور مردہ کے نام کی قربانی کے گوشت کا حکم زندہ لوگوں کی قربانی کے گوشت کی طرح ہے یا کچھ فرق ہے؟

المستفتی: شاہد جمال، مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ شخص کے پاس ایک ہی جانور رہے اور صاحب نصاب ہونے کی وجہ سے خود اس پر قربانی واجب ہے، تو یہ شخص میت کی طرف سے قربانی نہیں کرے گا، بلکہ اپنی طرف سے قربانی کرنا لازم ہے، البتہ بعض فقہاء نے لکھا ہے کہ ایسی صورت میں میت کی طرف سے قربانی نہ ہوگی بلکہ خود قربانی کرنے والے کی طرف سے

واجب قربانی ادا ہو جائے گی۔

تجب علی حر مسلم عن نفسه. (تنوير الأبصار، كتاب الأضحية، زكريا ٤٥٧/٩، كراچی ٣١٥/٦)

وإن تبرع بها عنه له الأكل لأنه يقع على ملك الذابح، والثواب للميت، ولهذا لو كان على الذابح واحدة سقطت عنه أضحيته كما في الأجناس. (شامی، كتاب الأضحية، زكريا ٤٨٤/٩، كراچی ٣٣٥/٦) **فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
۱۳؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۰۵۸/۳۹)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۵/۱۳ھ

مرحوم والد کی طرف سے کی گئی قربانی سے واجبی قربانی ساقط ہوگی یا نہیں؟

سوال [۹۹۰۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید اپنی واجب قربانی اگر اپنے والد مرحوم یا کسی دوسرے کے نام سے کر دے تو زید سے قربانی ساقط ہوگی یا نہیں؟ ایک مفتی صاحب سے اس سلسلے میں گفتگو ہوئی تو انہوں نے کہا کہ ہم مرحوم والد یا میت کی طرف سے کرنے کی صورت میں سقوط اضحیہ کا فتویٰ دیتے ہیں، رہا زندہ کی طرف سے تو ساقط نہیں ہوگی، اس سلسلے میں انہوں نے شامی اور عالمگیری کی عبارت پیش کی، لیکن بندہ نے ان سے کہا کہ دونوں صورتوں میں سقوط اضحیہ کا قول مناسب نہیں معلوم ہوتا ہے، کیونکہ اشباہ کے قاعدہ کے مطابق تزاحم کی موجودگی میں نیت ضروری ہے اور یہاں نیت نہیں پائی گئی، سقوط کا قول کرنا درست نہیں ہونا چاہیے، اس سلسلے میں موجودہ مفتیان کرام کا رجحان کیا ہے؟

المستفتی: شمس الرحمٰن الاعظمی، اعظم گڈھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زید پر جو قربانی واجب ہے اگر وہ قربانی اپنی جانب سے کرے اور والد صاحب کو ثواب پہنچانے کی نیت کرے تب تو زید سے قربانی کا

فریضہ ساقط ہوجائے گا، دوسری قربانی کرنے کی ضرورت نہیں، شامی اور عالمگیری کی عبارت کا محمل بھی یہی ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۸/ ۲۱۸، جدید ڈابھیل ۱۷/ ۳۳۰)

وإن تبرع بها عنه له الأكل لأنه يقع على ملك الذابح والثواب للميت؛ ولهذا لو كان على الذابح واحدة سقطت عنه أضحيته. (شامی، كتاب الأضحية، زكريا ۹/ ٤٨٤، كراچی ٦/ ٣٣٥)

اور اگر قربانی اپنی جانب سے نہیں کررہا ہے بلکہ والد محترم کی جانب سے کررہا ہے تو زید کے ذمہ سے فریضہ ساقط نہ ہوگا، اور یہ واجب کا تارک ہوکر گنہگار ہوگا۔

وهي واجبة على حر موسر عن نفسه لأنه أصل في الوجوب عليه.

(مجمع الأنهر، كتاب الأضحية، دار الكتب العلمية بيروت ٤/ ١٦٦، مصرى قديم ٢/ ٥١٦)

اور زندہ کی طرف سے قربانی کا مسئلہ: تو اگر غیر کی اجازت سے قربانی کی ہے تب تو غیر کی قربانی ادا ہوجائے گی، اور یہ اجازت اور حکم صراحتاً بھی ہوسکتا ہے، دلالۃً بھی اور معمول کے مطابق بھی، مثلاً زید کی قربانی ہمیشہ اس کا وہ بھائی کرتا ہے جو اس سے دور رہتا ہے، اور زید کی جانب سے یہ اجازت پہلے ہی سے ملی ہوئی ہے، اب اس سال نئی اجازت لازم نہیں، بلکہ معمول کے مطابق قربانی کردی گئی تو قربانی درست ہوگی جبکہ زید بھی اس بھروسے پر رہتا ہو کہ میرا بھائی میری قربانی کردے گا۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۷/ ۵۴۱)

ولو ضحى عن أولاده الكبار و زوجته لايجوز إلا بإذنهم. (شامی، كتاب الاضحية، زكريا ٩/ ٤٥٧، كراچی ٦/ ٣١٥، بزازيه زكريا جديد ٣/ ١٦٠، وعلى هامش الهندية ٦/ ٢٩٥، قاضيخان زكريا جديد ٣/ ٢٤٣، وعلى هامش الهندية ٣/ ٣٤٥)

اور اگر بغیر اجازت قربانی کی ہے جس میں نہ تو دلالۃً نہ صراحتاً اجازت ہو اور نہ معمول کے مطابق قربانی ہوئی ہو تو اب غیر کی جانب سے کی ہوئی قربانی ادا نہ ہوگی۔

إن فعل بغير أمرهم أو بغير أمر بعضهم لاتجوز عنه ولا عنهم في قولهم جميعاً. (هنديه زكريا قديم ٥/ ٣٠٢، زكريا جديد ٥/ ٣٤٨)

اس طرح سے قربانی کرنے کی صورت میں دیگر شرکاء کی قربانی بھی درست نہ ہوگی۔

لايجوز عن أحدهم. (مجمع الأنهر قديم ٢/٥١٧، دار الكتب العلمية بيروت ٤/١٦٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷ر محرم الحرام ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۳۴/۸۶۵۲)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۱/۱۹ھ

دوسرے کی طرف سے قربانی کرنے سے اپنا واجب ساقط نہ ہوگا

سوال [۹۹۰۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کے ذمہ قربانی واجب ہے زید اپنی طرف سے قربانی نہ دے کر کسی دوسرے کی طرف سے خواہ دوسرا زندہ ہو یا مردہ قربانی دیدے، تو کیا زید کے ذمہ سے واجب ساقط ہوجائے گا؟

المستفتی: محمد غفران غفرلہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جی نہیں، زید کے اوپر اپنی طرف سے قربانی کرنا واجب ہے، دوسرے کی طرف سے کرنے سے پہلے اپنا واجب ساقط نہ ہوگا۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۸/۲۲۲، جدید زکریا مطول ۱۲/۱۰۳)

وإنما تجب على حر مسلم مقيم موسر عن نفسه؛ لأنه أصل في الوجوب عليه. (مجمع الأنهر، كتاب الأضحية، دار الكتب العلمية بيروت ٤/١٦٧، مصری قديم ٢/٥١٦، هدايه اشرفی ٤/٤٤٣-٤٤٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵ر ربیع الاول ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/۳۰۷۰)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۳/۳/۱۵ھ

کیا صاحب نصاب پر ہر سال قربانی واجب ہے؟

سوال [۹۹۰۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: زید اہل نصاب ہے، اس پر قربانی واجب ہے، زید نے پہلے سال قربانی اپنے نام کی کردی، زید نے دوسرے سال اپنے باپ یا ماں یا اولاد کے نام سے کی لیکن اپنے نام سے نہیں کی اور وہ ہر سال یہی کرتا ہے، تو زید کا واجب اس طرح سے ادا ہو گیا یا اس کو ہر سال اپنے نام سے کرنا ہوگی؟

المستفتی: بشیر احمد نرولی، نئ بستی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زید پر صاحب نصاب ہونے کی وجہ سے ہر سال اپنی جانب سے قربانی کرنا واجب ہے، اس طرح ماں باپ یا اولاد کے نام سے قربانی کرنے سے زید کے ذمہ سے واجب ادا نہ ہوگا، اور ہر سال واجب کا تارک ہونے کی وجہ سے گنہگار ہوگا۔ (مستفاد: مسائل قربانی ص: ۱۴، فتاویٰ محمودیہ قدیم ۴/ ۲۸۸، جدید ڈابھیل ۱۷/ ۳۱۱)

لأنـه أصل في الوجوب عليه. (مجمع الأنهر، كتاب الأضحية، دار الكتب العلمية بيروت ٤/ ١٦٧، مصري قديم ٢/ ٥١٦، هدايه اشرفى ٤/ ٤٤٣-٤٤٤) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴ر محرم الحرام ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۴۲۹)

جس پر قربانی واجب ہے اس کا دوسرے کی طرف سے قربانی کرنا

سوال [۹۹۰۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید پر قربانی واجب ہے، مگر کسی سال اپنے مرنے والے والدین کے نام سے کر دیتا ہے، کسی سال اپنی بیوی کے نام سے کر دیتا ہے، کسی سال اپنے کسی چھوٹے بچے یا بڑے بچے کے نام سے کر دیتا ہے، کسی سال اپنے نام سے کر لیتا ہے، معلوم یہ کرنا ہے کہ جب قربانی زید پر واجب ہے، اور زید دوسروں کے نام سے قربانی کر رہا ہے، تو کیا زید کے ذمہ سے اس طرح قربانی کا وجوب باقی رہے گا، یا اتر جائے گا اور زید کو ثواب ملے گا، یا نہیں؟ یا جن کے نام سے قربانی کی ہے ان کی طرف سے ہی قربانی ہو کر ان کو ہی ثواب ملے گا،

ہمارے علاقے میں یہ رواج بعض جگہوں پر ہے، اس لیے وضاحت سے تحریر فرمادیں؟

المستفتی: امیر احمد ممبئ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس شخص پر خود قربانی واجب ہے اس کے لیے اپنی طرف سے قربانی کرنا لازم ہے، اس کے بعد اگر گنجائش ہو تو مرحوم والدین اور بیوی بچوں کی طرف سے کرسکتا ہے، ابتداءً ہی غیر کی جانب سے قربانی کرنے کی صورت میں واجب قربانی ادا نہ ہوگی، لہٰذا مذکورہ شخص نے جب اپنی طرف سے قربانی نہیں کی ہے تو ایام قربانی گذر جانے کے بعد ایک قربانی کا پیسہ صدقہ کرنا اس پر لازم ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ جدید ڈابھیل ۱۷/ ۳۳۰)

وتجب على كل حر مسلم موسر مقيم عن نفسه، وقوله عن نفسه لأنه أصل في الوجوب عليه. (البحر الرائق، كتاب الأضحية، زكريا ۸/ ۳۱۸-۳۱۹، کوئٹہ ۸/ ۱۷۳-۱۷٤)

ولو تركت التضحية ومضت أيامها -إلى قوله- وتصدق بقيمتها غني شراها أو لا. (الدر مع الرد، كتاب الأضحية، كراچی ٦/ ۳۲۰-۳۲۱، زكريا ۹/ ٤٦۳ تا ٤٦٥)

وقضاؤها بعد مضي وقتها بالتصدق بعينها أو بقيمتها. (فتح القدير، كتاب الاضحية، دار الفكر ۹/ ٥۰۷، زكريا ۹/ ٥۲۰، کوئٹہ ۸/ ٤۲٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
۱۸/ صفر المظفر ۱۴۳۱ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۸۹۲)	۱۴۳۱/۲/۱۸ھ

غریب کے قربانی کی نیت سے خریدے ہوئے جانور کا حکم

سوال [۹۹۰۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: شمیم احمد نامی ایک شخص نے ایک بکری کا بچہ (بکرا) چھوٹا سا خریدا اور خریدتے وقت یہ نیت کی کہ میں اس بچہ کو پال کر پوری عمر ہو جانے پر اس کی قربانی کروں گا، اب وہ بچہ بڑا پوری عمر کا ہو چکا ہے، شمیم احمد یہ چاہتے ہیں کہ میں اس بکرے کو فروخت کر کے کسی جانور میں

حصہ کرلوں اور باقی ماندہ رقم اپنے کسی دوسرے کام میں صرف کرلوں، کیونکہ شمیم کی مالی حالت اس وقت کافی کمزور ہے اور اس وقت بھی مالی حالت کمزور ہی تھی جبکہ قربانی کی نیت سے وہ بچہ خریدا تھا، شریعت مطہرہ کی روشنی میں جواب دیں کہ شمیم احمد اس بکرے کو فروخت کرکے کسی جانور میں حصہ لے کر باقی ماندہ رقم اپنے کسی دوسرے مصرف میں خرچ کرسکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتی: شمیم احمد، گڑھی سلیم پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: غریب اور فقیر قربانی کی نیت سے جو جانور خریدتا ہے اس کے اوپر اسی جانور کی قربانی واجب ہے۔ (مستفاد: مسائل قربانی ص:۲۴)

وأما الذی یجب علی الفقیر دون الغنی فالمشتری للأضحیة إذا کان المشتری فقیرا بأن اشتریٰ فقیر شاۃ ینوی أن یضحی بھا. (بدائع الصنائع، کتاب التضحیة، زکریا ٤/١٩٢، کراچی ٥/٦٢، ھندیہ زکریا قدیم ٥/٢٩١، جدید ٥/٣٣٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍شعبان المعظم ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۸۱۴۳)

فقیر کا پورے جانور کی قربانی کی نیت کرنا

سوال [۹۹۰۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ذاکر نے ایک بھینس پال رکھی تھی پھر اس کو قربانی کرنے کی نیت کرلی، پوری کی پوری اپنی ہی جانب سے، حالانکہ ذاکر ایسا شخص ہے کہ جس پر ایک بھی قربانی واجب نہیں تھی، مالک نصاب نہ ہونے کی وجہ سے اور ذاکر کے والدین نے اس طرح کا کوئی لفظ نہیں کہا تھا، کہ میں پورا حصہ اپنی طرف سے کروں گا، لیکن ذاکر کو اس کا مالک بنادیا تھا، اور ذاکر نے پوری کی پوری اپنے اور اپنے گھر والوں کی طرف سے نیت کرلی تھی، پھر اس کے بعد بقرعید کے قریب کچھ لوگ اس سے بھینس میں حصہ کے لیے کہنے لگے تو پانچ حصے ذاکر نے دوسرے

لوگوں کو دے دئے، اوران سے پیسے حاصل کر لیے اور گذشتہ بقرعید میں اس بھینس کی قربانی ہوچکی ہے، لہٰذا اس شکل میں ان لوگوں کے اوپر شریعت کے کیا احکام نافذ ہوں گے؟

المستفتی: محمد ذاکر بہرائچی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جب ذاکر فقیر نے پورا جانور اپنی جانب سے قربانی کے لیے متعین کرلیا تو پورے جانور کی اپنی طرف سے قربانی کرنی لازم تھی، کسی کو اس میں شریک کرنا جائز نہیں تھا، مگر جب اس نے دیگر پانچ افراد کو شریک کرلیا تو پورے جانور کی قربانی اسی کی طرف سے ہوگی، جن پانچ افراد کو شریک کیا ان کے حصوں کا تاوان ذاکر فقیر پر لازم ہوگا۔

وإن كان فقيراً معسراً فقد أوجب بالشراء فلايجوزأن يشرك فيها، وكذا لو أشرك فيها ستة بعد ما أوجبها لنفسه لم يسعه لأنه أوجبها كلها لله تعالىٰ، و إن أشرك جاز ويضمن ستة أسباعها. (هنديه، كتاب الأضحية، الباب الثامن فيما يتعلق بالشركة فى الضحايا، زكريا قديم ٥/٣٠٤، جديد ٥/٣٥١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷/ ذیقعدہ ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/۷۸۵۳)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۱۱/۱۷ھ

میت کی طرف سے واجبی قربانی کرنے میں کسی اور کو شریک کرنے کا حکم

سوال [۹۹۰۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کسی مرحوم کے نام قربانی کرنا جبکہ ان پر قربانی فرض تھی، اور موت ہوگئی یا وصیت کی ہو تو کسی اور کو ثواب میں شامل کرنے میں کیا کوئی حرج ہے؟

المستفتی: عبدالرشید بانکوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: میت پر قربانی فرض ہونے کی صورت میں یا اس

کی قربانی کی وصیت کو پورا کرنے کے لیے کسی اور کو ثواب میں شامل کرنا جائز نہیں۔ (مستاد: فتاویٰ رحیمیہ قدیم ۲/ ۸۶، جدید زکریا ۱۰/ ۲۶)

اور اس قربانی کے گوشت وغیرہ کو صدقہ کردینا واجب ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ قدیم ۲/ ۸۶، جدید زکریا ۱۰/ ۲۶)

وعن میت أی لو ضحیٰ عن میت وارثه بأمره ألزمه بالتصدق بها وعدم الأکل منها. (شامی، کتاب الأضحیة، زکریا ۹/ ٤٨٤، کراچی ٦/ ٣٣٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶ر جمادی الثانیہ ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۵۱۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۶/۶/۲۶ھ

بالغ اولاد کی طرف سے قربانی کرنا

سوال [۹۹۱۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: یہ بتلائیں کہ مثال کے طور پر گھر کا مالک والد ہے اور اس کے اوپر قربانی کا وجوب ہوگیا ہے، تو اگر والد چاہے کہ میں ایک دو ماہ کے لیے اپنے لڑکے کو گھر کا مالک بنا کر اس کی جانب سے قربانی کردوں تو آیا درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: ثناء اللہ پرتا پگڈھی، متعلم مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: محض باپ کے چندروز کے لیے اپنے لڑکے کو گھر کا مالک بنادینے کی وجہ سے لڑکا گھر کی دولت کا شرعاً مالک نہ ہوگا بلکہ مالک باپ ہی رہے گا، اس لیے باپ کے اوپر سے قربانی ساقط نہ ہوگی، ہاں البتہ لڑکے کی اجازت سے باپ بخوشی لڑکے کے نام سے بھی قربانی کردینا چاہے تو شرعاً اس کی اجازت ہے، اور ساتھ ساتھ باپ کو اپنی قربانی کرنا واجب ہے۔

ولو ضحیٰ عن أولاده الکبار وزوجته لایجوز إلا بإذنهم. (شامی، کتاب

الأضحية، زكريا ۹/۴۵۷، كراچی ۶/۳۱۵، بزازيه زكريا جديد ۳/۱۶۰، وعلى هامش الهندية ۶/۲۹۵، قاضيخان زكريا جديد ۳/۲۴۳، وعلى هامش الهندية ۳/۳۴۵) **فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
۹؍ربیع الاول ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵۷۹/۲۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۲/۳/۹ھ

کیا مالدار کی غریب لڑکی پر قربانی واجب ہے؟

سوال [۹۹۱۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ۱۴؍سال کی لڑکی ہے اس کے نام تو جائیداد نہیں ہے، مگر اس کے والدین کے پاس بہت زیادہ مال ہے تو اس لڑکی کی طرف سے قربانی واجب ہے یا نہیں؟

المستفتی: زوجہ عبدالکریم خاں، محلہ مغل پورہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ایسی بالغہ لڑکی جس کی ملکیت میں بقدر نصاب مال بقرعید کے دن نہ ہو تو اس پر قربانی واجب نہیں ہے۔

وشرائطها الإسلام والإقامة واليسار الذى يتعلق به وجوب صدقة الفطر. (الدر المختار، كتاب الأضحية، زكريا ۹/۴۵۲-۴۵۳، كراچی ۶/۳۱۲، هدايه اشرفی ۴/۴۴۳، مختصر القدوری ص: ۲۲۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰؍ذی قعدہ ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۰۴۰/۲۶)

شوہر کے صاحب نصاب ہونے کی وجہ سے بیوی پر قربانی کے وجوب کا حکم

سوال [۹۹۱۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: ہمارے ہندوستان میں زیادہ تر شوہر ہی پوری جائیداد کا مالک ہوتا ہے اور بیوی کی مالیت بھی اسی کے قبضہ میں رہتی ہے، چاہے وہ زیور ہو یا کاشت کی زمین اس حالت میں قربانی شوہر و بیوی دونوں میں سے کس پر واجب ہے؟

المستفتی: محمد اسماعیل، قصبہ سیوہارہ، ضلع بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر بیوی کی ملکیت میں بقدر نصاب زیور وغیرہ ہوتو بیوی پر قربانی واجب ہے، اگرچہ زیورات ودیگر مالیت شوہر ہی کے قبضہ میں کیوں نہ ہو۔

وأما شرائطها منها اليسار وهو ما يتعلق به وجوب صدقة الفطر (إلى قوله) وملك نصاباً تجب عليه الأضحية (إلى قوله) وجميع ما ذكرنا من الشرائط يستوى فيه الرجل والمرأة. (هنديه، كتاب الأضحية، زكريا جديد ٥/٣٣٦، قديم ٥/٢٩٢، شامی زكريا ٩/٤٥٣، كراچی ٦/٣١٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱ر صفر المظفر ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۹۵/۲۴)

مشترکہ خاندان کے بالغ غیر مستطیع کی قربانی کس پر واجب؟

سوال [۹۹۱۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص کے چار لڑکے ہیں جو کہ بالغ ہیں اور صاحب نصاب ہیں، باپ اور لڑکوں کی کمائی مشترک کر کے گھر کے اخراجات پورے کیے جاتے ہیں، تو کیا ایک ہی حصہ قربانی کافی ہے، یا پانچ الگ الگ حصے قربانی میں لگانا ضروری ہے۔

المستفتی: عبد المعید غفرلہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر مذکورہ شخص کے چار لڑکے اس کی فیملی میں

شامل ہیں تو ان لڑکوں کی آمدنی سب کی سب باپ کی ملکیت ہے، البتہ اگر باپ کی اجازت سے لڑکوں کے پاس الگ الگ اتنا پیسہ موجود ہے، جو حد نصاب کو پہنچ جاتا ہے تو ایسی صورت میں باپ پر اور ان چاروں لڑکوں پر الگ الگ قربانی کرنا لازم ہے، لیکن اگر لڑکوں کے پاس الگ الگ بقدر نصاب ملکیت نہیں ہے تو صرف باپ کے اوپر قربانی لازم ہے، لڑکوں پر نہیں ہے، اب سوال نامہ میں اگر لڑکوں کو پہلی شق کے اعتبار سے صاحب نصاب کہا جا رہا ہے تو ان پر قربانی واجب ہے، جیسا کہ جواب میں لکھا ہے اور اگر معاملہ دوسری شق کی طرح ہے اور مسئلہ نہ سمجھنے کی وجہ سے ان کو صاحب نصاب کہہ دیا گیا ہے تو شرعاً وہ صاحب نصاب نہیں ہیں۔

وليس عليه أن يضحى عن أولاده الكبار و زوجته إلا بإذن. (حاشية الطحطاوى على الدر كوئٹه ٤/ ٦١، قاضيخان زكريا جديد ٣/ ٢٤٣، وعلى هامش الهندية ٣/ ٣٤٥، بزازيه زكريا جديد ٣/ ١٦٠، وعلى هامش الهندية ٦/ ٢٩٥، شامى زكريا ٩/ ٤٥٧، كراچى ٦/ ٣١٥)

فتجب التضحية على حر مسلم مقيم موسر. (تنوير الأبصار مع الدر، كراچى ٦/ ٣١٢، زكريا ٩/ ٤٥٢-٤٥٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲ر محرم الحرام ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۵۹۵۴)

باپ بیٹے کا مال مشترک ہو تو قربانی کس پر؟

سوال [۹۹۱۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر باپ بیٹا ایک ہی میں ہوں، مال الگ الگ نہ ہو تو کیا اگر مال نصاب کی حد کو پہنچ جائے تو قربانی باپ بیٹے پر ہوگی یا صرف باپ پر یا بیٹے پر؟

المستفتی: جمیل احمد عفا اللہ عنہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایسی صورت میں قربانی صرف باپ پر واجب

ہوگی، بیٹے پرنہیں، جبکہ بیٹے کے پاس باپ سے الگ کوئی مال بقدر نصاب نہیں ہے، البتہ باپ اپنی خوشی سے کردے تو بیٹے پر احسان اور تبرع ہوگا، کیونکہ سارے مال کا مالک باپ ہے۔

الأب و ابنه يكتسبان في صنعة واحدة ولم يكن لهما شيئ فالكسب كله للأب إن كان الإبن في عياله لكونه معيناً له . (شامی، کتاب الشركة، مطلب: اجتمعا في دار واحدة واكتسبا...... زكريا ٦/٢ ٥٠، كراچی ٤/ ٣٢٥، هنديه زكريا قديم ٢/ ٣٢٩، جديد ٢ ٣٣٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍ذی الحجہ ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/ ۲۰۷۱)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۰/۱۲/۲۹ھ

بیٹے باپ کے ساتھ کاروبار میں شریک ہوں تو بیٹوں پر قربانی واجب ہے یا نہیں؟

سوال [۹۹۱۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہم پانچ بھائی ہیں، تمام شادی شدہ ہیں، اور والدین کے ساتھ اکٹھا رہتے ہیں، تمام برادران جو کماتے ہیں والد صاحب کو دے دیتے ہیں، صرف جیب خرچ اپنے پاس رکھتے ہیں تو اس صورت میں ہم پر قربانی واجب ہوتی ہے یا نہیں؟ اب تک والدین اپنی قربانی کرتے ہیں اور ہم نہیں کرتے؛ لیکن اس دفعہ ہم شش و پنج میں پڑ گئے ہیں، کیونکہ، والد صاحب کے پاس تقریباً چالیس ہزار روپیہ کا سرمایہ ہے، برائے کرم از روئے شرع ہمارے لیے کیا حکم ہے؟ والدین کا قربانی کرنا کافی ہے یا ہم بھی کریں؟ نیز ہمارے پاس سونا یا چاندی یا نقد روپیہ یا مال تجارت کچھ نہیں ہے، اور جو کچھ بھی ہے سب والد صاحب کی ملکیت میں ہے، تو ایسی صورت میں کیا حکم ہے؟

المستفتی: ضیاء الرحمٰن، سلیم مسجد چوہان نگر، دہلی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب آپ لوگ اپنے والد کی فیملی میں ہیں اور جو کچھ سرمایہ ہے سب والد کی تحویل میں ہے، تو ایسی صورت میں سارے سرمایہ کے مالک والد

صاحب ہیں انہیں پر قربانی واجب ہوگی، آپ لوگوں پر واجب نہیں ہے۔

الأب و ابنه يكتسبان فى صنعة واحدة ولم يكن لهما شيئ فالكسب كله للأب إن كان الإبن فى عياله لكونه معينا له . (شامی، کتاب الشركة، مطلب: اجتمعا فى دار واحدة واكتسبا...... زكريا ٦/٢ ٥٠، كراچی ٤/ ٣٢٥، هنديه زكريا قديم ٢/ ٣٢٩، جديد ٣٣٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم ذی قعدہ ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۴۹۳)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۸/۱۱/۱ھ

صاحب نصاب پر قربانی نہ کرنے کی وجہ سے کیا واجب ہے؟

سوال [۹۹۱۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید صاحب نصاب ہے اس پر قربانی کرنا واجب ہے، مگر اتنی استطاعت نہیں ہے کہ تنہا ایک جانور کی قربانی کر سکے، البتہ جانور میں ایک حصہ لے سکتا ہے، مگر باوجود کوشش کے جانور میں اس کو حصہ نہ مل سکا اور قربانی کرنے کے ایام ختم ہو گئے اور وہ قربانی کرنے سے محروم رہ گیا، اس صورت میں اس کا یہ واجب ازروئے شرع کس طرح ادا ہو؟ ازروئے شرع جواب سے مستفید فرمائیں۔

المستفتی: عزیز الرحمٰن، رحمٰن منزل محلہ قانون، گویان مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر زید صاحب نصاب ہے اور ایام قربانی میں قربانی نہیں کی ہے تو اس پر سال بھر کی ایک بکری یا بکرے کی قیمت صدقہ کرنا لازم ہے۔

وتصدق بقيمتها غنى شراها أولا لتعلقها بذمته بشرائها أولا فالمراد بالقيمة قيمة شاة تجزئ فيها. (الدر المختار، كتاب الأضحية، كراچی ٦/ ٣٢١، زكريا ٩/ ٤٦٥)

إن كان من لم يضح غنياً ولم يوجب على نفسه شاة بعينه تصدق بقيمة الشاة اشترىٰ أو لم يشتر. (عالمگيری، كتاب الأضحية، الباب الرابع فيما

يتعلق بالمكان والزمان، زكريا قديم ٥/٢٩٦، جديد ٥/٣٤٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲ رصفر المظفر ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/۲۱۳۶)

غیر موجود شخص کی طرف سے قربانی کرنا

سوال [۹۹۱۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص نے اپنے ساتھی سے کہا کہ تم جب قربانی کا جانور خریدو تو میرے لیے بھی دو حصہ اس میں رکھ لینا، اس کے ساتھی نے ایک جانور خرید لیا اور اپنے ساتھی کے لیے دو حصہ کی نیت کر لی، مگر جب جانور ذبح کیا گیا تو جس کے دو حصہ متعین کیے گئے تھے، وہ موجود نہیں تھا تو کیا اس غیر حاضر شخص کی جانب سے ان دو حصوں کی قربانی ادا ہوگی یا نہیں؟ تسلی بخش جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی: قاری محمد میاں جان محلّہ سرائے گیٹ رام پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جی ہاں غیر موجود شخص کی جانب سے قربانی ہو جاتی ہے، جبکہ اس نے اجازت دے دی ہو۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۴/۳۳۲، جدید ڈابھیل ۱۷/۳۲۰)

ولو ذبح أضحية غيره عن المالك بغير أمره صريحا يقع عن المالك.

(هنديه، الباب السابع في التضحية عن الغير، زكريا قديم ٥/ ٣٠٢، جديد ٥/٣٤٨، مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ٤/١٧٥، مصرى قديم ٢/ ٥٢٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲ رصفر المظفر ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/۱۱۲۸)

غلطی سے زید نے بکر کا جانور قربانی میں ذبح کر دیا

سوال [۹۹۱۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: زید قربانی کے لیے ایک جانور خرید لایا اور بکر بھی قربانی کے لیے اپنا ایک جانور خرید لایا، نماز عیدالاضحیٰ کے بعد زید نے قصائی سے کہا: کہ میرے جانور کی قربانی کردو، قصائی نے زید کے جانور کے بجائے بکر کے جانور کی قربانی کردی، تو یہ کس کی طرف سے قربانی ہوگی، یا قربانی ہوئی ہی نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: زید اور بکر نے قربانی کے لیے ایک ایک جانور خریدا اور قصائی نے بعد نماز عیدالاضحیٰ غلطی سے زید کے جانور کے بجائے بکر کے جانور کی قربانی کردی تو یہ قربانی درست ہوجائے گی اور یہ قربانی بکر کی طرف سے ہوگی نہ کہ زید کی طرف سے اور یہ قصائی دلالۃً بکر کی طرف سے وکیل ہوگا۔ (مستفاد: محمودیہ ڈابھیل ۱۷/ ۴۹۹)

ولو غلط إثنان وذبح كل شاة صاحبه عن نفسه صح استحساناً فيكون كل واحد وكيلاً عن الآخر دلالةً. (در مختار مع الشامی، کتاب الأضحیة، زکریا ٩/ ٤٧٦، کراچی ٦/ ٣٢٩)

ولو غلط و ذبح كل أضحية صاحبه صح ولا يضمنان، وهذا استحسان ووجهه أنه تعينت للذبح لتعينها للأضحية حتى وجب عليه أن يضحي بها بعينها في أيام النحر، يكره أن يبدل بها غيرها فصار المالك مستعيناً بمن يكون أهلا للذبح فصار مأذوناً له دلالة. (تبيين الحقائق، كتاب الأضحية، زكريا ٦/ ٤٨٧، امداديه ملتان ٦/ ٩)

ولو ذبح أضحية غيره بغير أمره جاز استحسانا للإذن دلالة. (مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ٤/ ١٧٥، مصرى قديم ٢/ ٥٢٢)

رجل دعا قصاباً ليضحى له، فضحى القصاب عن نفسه فهو عن الآمر. (هنديه، الباب السابع في التضحية عن الغير، زكريا قديم ٥/ ٣٠٣، جديد ٥/ ٣٤٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷/ ذی قعدہ ۱۴۳۴ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۳۲۰)

ناقص مکان اور وطن کا مکان حاجت اصلیہ میں داخل ہے یا نہیں؟

سوال [۹۹۱۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: قربانی کے دو مسئلے قابل توجہ ہیں:

(۱) ایک شخص جائے ملازمت میں فیملی کے ساتھ ذاتی یا کرایہ یا آجر کے دیئے ہوئے مکان میں سکونت پذیر ہے، اور اس کا اپنے وطن میں بھی ایک ذاتی مکان ہے، اور وہ عید، بقرعید اور تعطیلات میں وہاں جا کر قیام بھی کرتا ہے، سال میں کئی بار سکونت کی ضرورت پیش آتی ہے۔

(۲) ایک شخص کرایہ کے مکان میں سکونت پذیر ہے، اس کا ذاتی مکان نہیں ہے، اس نے اپنی تنخواہ یا آمدنی میں سے کچھ رقم پس انداز کر کے ذاتی مکان تعمیر کرنے کے لیے پلاٹ خریدا، یا پلاٹ خرید کر کچھ تعمیر بھی کردی، لیکن تعمیر ناقص ہے، وہ مکان قابل رہائش نہیں بنا ہے اور اس کے پاس کچھ رقم بھی نہیں ہے کہ باقی کام مکمل کر سکے، تو کیا پہلے مسئلے میں وطن کا مکان اور دوسرے مسئلے میں پلاٹ یا ناقص تعمیر کردہ مکان، حاجت اصلیہ میں داخل ہے یا نہیں؟ کیا وہ مانع اخذ زکوٰۃ اور موجب قربانی وصدقۂ فطر ہے؟ اور کیا اس کی وجہ سے استطاعتِ حج ثابت ہوگی؟

عموماً یہ سمجھا جاتا ہے کہ حاجت اصلیہ میں صرف وہ چیزیں داخل ہیں جن کی انسان کو ضرورت ہو، اور زیر استعمال بھی ہوں، حالانکہ انسان کی بنیادی ضرورت کی چیزیں حاجات اصلیہ ہیں، خواہ ملکیت میں ہو یا نہ ہوں، پس اگر یہ ملکیت میں ہیں اور قابل استعمال بھی ہیں، تو ان کا زیر استعمال ہونا ضروری ہے، ورنہ عدم استعمال کی وجہ سے فاضل شمار ہوں گی، اور جن فقہی عبارات سے زیر استعمال ہونا ضروری معلوم ہوتا ہے وہ صرف اسی صورت میں ہے، اور اگر یہ قابل استعمال نہیں ہیں، اور انسان ان کو قابل استعمال بنانے کی فکر اور کوشش میں ہے، تو بھی یہ حاجت اصلیہ میں داخل ہیں، فقہاء نے اس صورت سے کہیں تعرض نہیں کیا ہے، اور عدم تعرض کی وجہ آگے آرہی ہے، اور اگر ان کو یوں ہی چھوڑے رکھا ہے، ان کو قابل استعمال بنانے کی فکر اور کوشش نہیں کرتا ہے تو یہ فاضل شمار ہوں گی، اور اگر یہ چیزیں کسی کی ملکیت میں نہ ہوں، تو بھی یہ اس کی حاجات اصلیہ

ہیں، بنیادی ضرورتیں پوری کرنے کے لیے ملکیت میں ان کے ہونے کی ضرورت ہے، لیکن ان کا حاجات اصلیہ میں سے ہونا حج، قربانی وصدقۂ فطر کے وجوب سے مانع نہ ہوگا، کیونکہ ابھی ان چیزوں میں رقم صرف نہیں ہوئی ہے، وہ چیزیں ملکیت میں موجود نہیں ہیں۔

ایک ضروری وضاحت

فقہاء نے ایک زائد مکان کو فاضل قرار دے کر اس کی قیمت کا غنا میں اعتبار کیا ہے۔

وما زاد علی الدار الواحدة ...... یعتبر فی الغنیٰ. (بزازیه علی الهندیة ۱/۲۲۷)

اور یہ فقہاء کے زمانہ کے عرف وعادت کے لحاظ سے ہے، کیونکہ ان کے زمانے میں جدید تیز رفتار ذرائع ابلاغ ومواصلات کے فقدان کی وجہ سے عام طور پر لوگ مستقل رہائش ایک ہی بستی یا شہر میں رکھتے تھے، اور دوسرے شہر میں تجارت یا اور کسی ضرورت سے جاتے تھے تو بحیثیت مسافر کے جاتے تھے، پھر جب ضرورت پوری ہو جاتی تھی، تو وہاں سے کوچ کر کے اپنے وطن کی طرف لوٹ آتے تھے، اور کبھی ایسا ہوتا تھا کہ اپنے وطن کو ترک کر کے کسی دوسری جگہ جا کر آباد ہوجاتے تھے، اس کو وطن بنالیتے تھے، اپنے وطن سابق سے ایسا تعلق کہ سال کے درمیان آمد ورفت ہو، نہیں رکھتے تھے، پس جب فقہاء کے زمانہ میں عموماً سکونت ایک ہی شہر یا بستی میں ہوتی تھی، تو ایک شہر میں رہائش کی ضرورت عادۃً ایک مکان سے پوری ہوجاتی ہے، ایک شہر میں عادتاً لوگ ایک ہی مکان میں رہتے ہیں، اگر مکان چھوٹا اور تنگ ہو، تو عموماً یہ کیا جاتا ہے کہ چھوٹے مکان کو فروخت کر دیتے ہیں یا کرایہ پر دے دیتے ہیں اور دوسرا بڑا مکان خریدتے ہیں، یا کرایہ پر لیتے ہیں، لیکن رہائش ایک ہی مکان میں رکھتے ہیں، چھوٹے اور بڑے دونوں مکان میں بیک وقت رہائش اختیار نہیں کرتے ہیں، فقہاء نے اپنے زمانے کے اسی عرف وعادت کے تناظر میں یہ بات کہی ہے کہ ایک سے زائد مکان فاضل ہے، چنانچہ المحیط البرہانی میں اس کی صراحت بھی موجود ہے:

ویعتبر ما زاد علی الدار الواحدة فی العادة. (المحیط البرهانی ۲/۲۸۵)

یہ عبارت تصریح کررہی ہے کہ ایک سے زائد مکان کو فاضل کہنا عادۃً عدم حاجت کی وجہ سے تھا، اس لیے نہیں کہ سکنیٰ کی ضرورت ہر شخص کے حق میں ایک مکان سے پوری ہو جاتی ہے، ایک سے زائد مکان کا بہر صورت فاضل نہ ہونا مسلم بھی ہے، جیسے کسی شخص کی دو بیویاں اور دو مکان ہیں، ہر بیوی کو ایک مکان میں ٹھہرایا ہے، تو سب دونوں مکان کو حاجت اصلیہ میں داخل مانتے ہیں۔

عرض کیا جا چکا ہے کہ پہلے زمانہ میں عام طور پر لوگ ایک ہی جگہ کو اپنی مستقل قیام گاہ بناتے تھے، لیکن موجودہ دور میں معاشی دوڑ دھوپ میں اضافہ، معاشی وسائل ومواقع کے پھیلاؤ اور ذرائع مواصلات میں ترقی کی وجہ سے ایک نئی صورت حال پیدا ہوگئی ہے کہ بہت سے لوگ ملازمت وغیرہ کے لیے اپنے وطن اصلی سے تعلق باقی رکھتے ہوئے کسی اور جگہ اقامت اختیار کر لیتے ہیں، اور ان کا سال کا زیادہ تر حصہ اسی مقام پر گذرتا ہے، عید، بقرعید اور تعطیلات میں اپنے وطن کی طرف جاتے ہیں، پھر لوٹ آتے ہیں، فقہاء نے قرآن وحدیث کو سامنے رکھتے ہوئے انسان کی جائے رہائش کی درجہ بندی کی ہے اور اسے تین حصوں میں تقسیم کیا ہے، وطن اصلی، وطن اقامت اور وطن سکنیٰ، اس کے باوجود عصر حاضر میں جائے ملازمت اور موضع ارتزاق کے وطن اقامت یا وطن اصلی میں داخل ہونے کے سلسلے میں دور حاضر کے اکابرین اور مفتیان کرام کے درمیان اختلاف خود یہ بتا رہا ہے کہ جائے ملازمت میں قیام کی نوعیت و حیثیت، وطن اقامت میں قیام کی نوعیت سے مختلف ہے، ورنہ یہ اختلاف نہ ہوتا۔

پہلا مسئلہ

اگر کوئی شخص جائے ملازمت میں فیملی کے ساتھ ذاتی یا کرایہ یا آجر کے دیے ہوئے مکان میں سکونت پذیر ہے، اس کا اپنے وطن میں بھی ایک ذاتی مکان ہے، اور وہ عید، بقرعید اور تعطیلات میں وہاں جا کر قیام کرتا ہے، سال میں کئی بار وطن میں جانے اور اپنے مکان میں سکونت کی ضرورت پیش آتی ہے، تو یہ دونوں مکان اس کی حاجت اصلیہ میں داخل ہوں گے، اگر اس کے پاس ان مکانات کے علاوہ دوسرا فاضل مال بقدر نصاب موجود نہیں ہے تو اس پر

نہ قربانی اور نہ صدقۂ فطر واجب ہے اور نہ حج فرض ہے، وجہ اس کی یہ ہے کہ فقہاء نے ''**فاضل عـن سكناه**'' اور ''**دار لايسكنها**'' کو موجب قربانی وصدقہ فطر اور مانع اخذ زکوٰۃ قرار دیا ہے، بشرطیکہ اس کی قیمت بقدر نصاب ہو، اور فقہاء نے ایک سے زائد مکان کو جو فاضل کہا ہے وہ ان کے زمانہ کے عرف و عادت اور طرز معاشرت کی وجہ سے عدم حاجت کی بنا پر تھا، جیسا کہ اس کی تفصیل سابق میں گذر چکی ہے، کتب فقہ میں یہ صراحت موجود ہے، کہ فاضل وہ مکان ہے جس میں سکونت نہ کی جائے، اور جس میں آدمی رہتا ہے، جس مکان کی سکونت کے لیے ضرورت ہے، وہ حاجت اصلیہ میں داخل ہے۔

وإذا كـان لـه دار لايسـكنها ويؤاجرها أو لايؤاجرها يعتبر قيمتها فى الـغـنـىٰ وكـذا إذا سـكنها وفضل عن سكناه شيئ يعتبر فيه قيمة الفاضل فى النصاب. (بزازيه على الهندية ۱/ ۲۲۷، جديد زكريا مطول ۱/ ۷۱)

ودار لايحتاج إلى سكنها فإن كان محتاجاً إلى ما ذكرنا حاجة أصلية فهو فقيريحل دفع الزكاة إليه. (فتح القدير زكريا ۲/ ۲۶۶، كوئٹه ۲/ ۲۰۲)

فـلا تثبـت الاستـطـاعة بـدار يسـكنهـا ...... وتثبت الاستطاعة بدار لايسكنها. (البحر الرائق ۲/ ۳۱۳)

فقہاء نے کہیں یہ تصریح نہیں کی ہے کہ کسی کے دو مکان ہوں اور دونوں میں رہائش کی ضرورت ہو، اور رہائش رکھتا بھی ہو، تو بھی دوسرا مکان حاجت اصلیہ سے زائد ہے، ہاں یہ صراحت موجود ہے کہ کسی کے دو مکان ہوں، ایک میں وہ سکونت پذیر ہے اور دوسرے میں سکونت نہیں کرتا، تو دوسرا مکان فاضل ہے۔

ولـو كـان لـه دارإن يسكن فى إحداهما ولا يسكن فى الأخرىٰ تعتبر قيمة الثانية. (مجمع الأنهر ۱/ ۳۲۹)

اسی طرح کا مسئلہ بزازیہ میں بھی ہے:

ولـو كـان فى دار باجارة فـاشتـرىٰ أرضـاً بـنـصـاب و بنى فيها منزلاً يسكنه لزمت. (بزازيه على الهندية ۶/ ۲۸۷، جديد زكريا مطول ۳/ ۱۵۵)

بزازیہ کے جزئیہ سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص کرایہ کے مکان میں سکونت پذیر تھا اور اس کے پاس بقدر نصاب مال تھا جس سے زمین خرید کر سکونت کے لیے مکان بنایا، لیکن ابھی تک اس میں رہائش اختیار نہیں کی ہے، تو یہ مکان فاضل شمار ہوگا اور اس پر قربانی واجب ہوگی، کیونکہ مکان قابل استعمال ہونے کے باوجود زیر استعمال نہیں ہے، اور اگر کرایہ کا مکان ترک کر کے ذاتی بنائے ہوئے مکان میں سکونت پذیر ہو چکا ہے تو کوئی اس کو فاضل نہیں کہہ سکتا ہے۔

کسب معاش انسان کی بنیادی ضرورت ہے، اسی لیے اس کے تمام وسائل و ذرائع خواہ کاشتکاری کے لیے بیل اور ہل ہوں یا دیگر پیشہ وروں کے آلات و اوزار یا دوکان وغیرہ سب کو کسب معاش کی ضرورت کے تحت حاجت اصلیہ میں شمار کیا گیا ہے، عصر حاضر میں جائے ملازمت پر رہائش کے لیے مکان کا ہونا، کسب معاش کے لیے ضرورت کی حیثیت اختیار کر چکا ہے، اور جائے ملازمت میں سکونت کی ضرورت، وطن کے مکان سے پوری نہیں ہوسکتی ہے، اور نہ وطن میں سکونت کی ضرورت جائے ملازمت کے مکان سے پوری ہوسکتی ہے اور وطن اصلی ترک کر کے موضع ملازمت کو وطن اصلی بنا دینا، نہ تو شرعاً ضروری ہے اور نہ ہی ہر ایک کے لیے آسان ہے، بلکہ اب تو وطن اصلی کو وطن بنائے رکھنا بچند وجوہ ضروری سا ہو گیا ہے، پس جب ملازم کو سال میں دو جگہوں میں سکونت کی ضرورت ہے اور یہ ضرورت دو مکانوں ہی سے پوری ہوسکتی ہے، تو دونوں مکان حاجت اصلیہ میں داخل ہوں گے، اور کسی چیز کے حاجت اصلیہ میں داخل ہونے کے لیے اس کا پورے سال استعمال میں آنا بھی ضروری نہیں؛ بلکہ سال کے بعض حصے میں اس کی ضرورت پیش آنا اور استعمال میں آنا کافی ہے۔

ولو كان له دار فيها بيتان شتوى و صيفى و فرش شتوى وصيفى لم يكن بها غنياً. (الفتاویٰ الهندية زكريا قديم ۲۹۳/۵، زكريا جديد ۳۳۸/۵)

وحلت لمن له كسوة الشتاء لايحتاج إليها فى الصيف. (البحر الرائق كوئٹه ۲۴۵/۲، زكريا ۴۲۷/۲)

فاضلاً عن حاجته فى جميع السنة هٰكذا فى الزاهدى. (الفتاویٰ الهندية زكريا قديم ۱۸۹/۱، زكريا جديد مطول ۲۵۱/۱)

فقہاء نے یہ بھی لکھا ہے کہ حاجت اصلیہ میں تقدیر نہیں کہ اتنی مقدار مثلاً ایک مکان حاجت اصلیہ میں داخل ہو اور اس سے زائد بہر صورت خواہ سکونت کے لیے اس کی ضرورت ہو یا نہ ہو، فاضل ہو، بلکہ کفایت کا اعتبار ہے۔

قال في المراقي: والمعتبر فيها الكفاية لا التقدير. (حاشية الطحطاوي على المراقي ص: ۷۲۳)

اس لیے جس کو سکونت کے لیے دو مکان کی ضرورت ہے اس کے لیے دو مکان بھی حاجت اصلیہ میں داخل ہوں گے، اور جس کو سکونت کے لیے ایک مکان کا کچھ حصہ کافی ہے، تو اس کے لیے ایک مکان کا باقی حصہ بھی فاضل ہوگا۔

ولو كان له دار واحدة وفضلت عن سكناه شيئ يعتبر الفاضل إن كانت قيمته نصاباً. (مجمع الأنهر ۱/ ۳۳٤)

نیز ایسا بھی نہیں ہے کہ وہ کم سے کم مقدار جو حاجت پوری کرنے کے لیے انتہائی ناگزیر ہو، اتنی ہی مقدار حاجت اصلیہ میں داخل ہو، اور باقی فاضل ہو، بلکہ جتنی مقدار حاجت میں مشغول ہو، وہ سب حاجت اصلیہ میں داخل ہے۔

فلايعتبر في الحاجة قدر ما لا بد منه. (بدائع الصنائع ۲/ ۲۹۸)

مذکورہ تفصیل سے یہ بات واضح ہوگئی کہ اس مسئلہ میں دونوں مکان حاجت اصلیہ میں داخل ہیں، کسی کو فاضل قرار نہیں دیا جائے گا، لہٰذا مذکور شخص پر نہ قربانی واجب ہے اور نہ صدقۂ فطر، بشرطیکہ اس کے پاس دوسرا فاضل مال بقدر نصاب موجود نہ ہو، اور اس پر حج بھی فرض نہیں۔

دوسرا مسئلہ

اگر کوئی شخص کرایہ کے مکان میں سکونت پذیر ہے، اس کا ذاتی مکان نہیں ہے، اس نے اپنی تنخواہ یا آمدنی میں سے کچھ رقم پس انداز کی اور اس رقم سے مکان تعمیر کرنے کے لیے پلاٹ خریدا، یا پلاٹ خرید کر کچھ تعمیر بھی کردی، لیکن تعمیر ناقص ہے، وہ مکان قابل رہائش نہیں بنا ہے،

اور اس کے پاس مزید کچھ رقم بھی نہیں ہے کہ باقی کام مکمل کر سکے، تو کیا یہ پلاٹ یا ناقص تعمیر کردہ مکان جس کی قیمت نصاب سے زائد ہے، فاضل شمار کر کے موجب قربانی وصدقۂ فطر اور مانع اخذ زکوٰۃ قرار دیا جائے گا یا نہیں؟ اور کیا اس کی وجہ سے استطاعت حج ثابت ہوگی یا نہیں؟

اس کا جواب بھی ظاہر ہے کہ جب سکنیٰ انسان کی بنیادی ضرورت ہے، اور مذکورہ شخص نے پس انداز کردہ رقم اسی بنیادی ضرورت میں استعمال کی ہے، اس لیے یہ اس کی حاجت اصلیہ میں داخل ہے، رہ گیا یہ شبہ کہ کسی چیز کا حاجت اصلیہ میں داخل ہونے کے لیے اس کا زیر استعمال ہونا ضروری ہے، اور یہ زیر استعمال نہیں ہے، لہٰذا یہ حاجت اصلیہ میں داخل نہ ہونی چاہیے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ کسی چیز کا قابل استعمال ہونے کے باوجود استعمال میں نہ آنا، اس کے حاجت اصلیہ میں داخل ہونے سے مانع ہے اور یہ اس کے فاضل ہونے کی علامت ہے، البتہ کسی ضروری چیز کا ناقابل استعمال ہونے کی وجہ سے استعمال میں نہ آنا، اس کے حاجت اصلیہ میں داخل ہونے سے مانع نہیں، اور نہ یہ اس کے فاضل ہونے کی علامت ہوسکتی ہے، کیونکہ زیر استعمال نہ ہونا، عدم حاجت کی وجہ سے نہیں، بلکہ مجبوراً ناقابل استعمال ہونے کی وجہ سے ہے، چنانچہ احسن الفتاویٰ میں غیر آباد زمین کے مانع اخذ زکوٰۃ ہونے کی تفصیل کے بارے میں فتویٰ موجود ہے:

سوال: ایک عیال دار عالم دین جو کہ دینی تعلیم کا کام لوجہ اللہ کرتا ہے اس کی زمین تو ہے، لیکن قابل کاشت جو حصہ ہے وہ نفقۂ عیال کے لیے کافی نہیں، ہاں مجموعہ زمین یعنی قابل کاشت وغیر قابل کاشت کی قیمت پندرہ بیس ہزار روپئے ہوجاتی ہے، آیا ایسے عالم دین کو زکوٰۃ لینا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: اگر غیر آباد زمین آباد ہونے کے بعد صرف بقدر کفایت ہی رہے گی تو زکوٰۃ لے سکتے ہیں اور اگر قدر کفایت سے زائد ہوگی اور زائد حصہ کی قیمت بقدر نصاب ہو، تو یہ مانع اخذ زکوٰۃ ہے۔ (احسن الفتاویٰ ۴/ ۲۹۶)

مذکورہ فتویٰ سے معلوم ہوا کہ کسی چیز کا حاجت اصلیہ میں داخل ہونے کے لیے زیر استعمال ہونا اس وقت ضروری ہے جبکہ وہ قابل استعمال ہو، لیکن اگر کوئی ضروری چیز ناقابل

استعمال ہونے کی وجہ سے زیر استعمال نہ ہو، تو یہ حاجت اصلیہ میں داخل ہونے سے مانع نہیں ہے، جیسا کہ غیر آباد اور غیر قابل کاشت زمین کو جو فی الحال زیر استعمال نہیں، اور اس وقت اس سے ضرورت پوری نہیں ہورہی ہے، اس کے باوجود اس کو حاجت اصلیہ میں شمار کیا ہے، بشرطیکہ آباد ہونے کے بعد بقدر کفایت رہے۔

اگر کسی شخص نے نقد رقم اپنی واقعی اور بنیادی ضرورت کی خاطر جمع کر رکھی ہے مثلاً: رہائش کا گھر نہیں ہے، ابھی اس ضرورت کی تکمیل ہونے نہ پائی تھی کہ اس سے پہلے اس پر سال پورا ہوجاتا ہے تو کیا اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی؟ اور یہ رقم حاجت اصلیہ میں شمار کی جائے گی، اس سلسلے میں فقہاء کے اقوال مختلف ہیں، محقق ابن نجیم شرح المجمع لابن الملک سے نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

فإذا كان له دراهم مستحقة ليصرفها إلى تلك الحوائج صارت كالمعدومة ...... فقد صرح بأن من معه دراهم و أمسكها بنية صرفها إلى حاجته الأصلية لاتجب الزكاة إذا حال الحول وهي عنده. (البحر الرائق ۲/۲۰٦)

یہ قول مفتی بہ ہے یا نہیں؟ یہاں اس سے بحث مقصود نہیں، بلکہ صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ جب بنیادی ضرورت کے لیے جو رقم جمع کر رکھی ہے، ابھی صرف بھی نہیں کی ہے، اس کو بھی بعض فقہاء نے حاجت اصلیہ میں شمار کیا ہے، پس اگر وہ رقم بنیادی ضرورت میں استعمال کردی جائے تو ظاہر ہے کہ اس کے لیے حاجت اصلیہ میں مشغول ہونے کے بارے میں کسی فقیہ کا اختلاف نہ رہے گا، چنانچہ جواہر الفقہ ۷/۷۰ پر فقہاء کرام کی بیان کردہ جزئیات کے پیش نظر دراہم ودنانیر کے حاجت اصلیہ میں مشغول ہونے کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ دراہم ودنانیر کو ایسی چیز میں صرف کیا جائے جو انسان کی بنیادی ضرورت کے کام آتی ہے، اور ظاہر ہے کہ مکان انسان کی بنیادی ضرورت سکنیٰ کے کام آتا ہے؛ لہٰذا اس میں صرف کردہ رقم بھی حاجت اصلیہ میں مشغول ہے۔

ذاتی مکان کا ہونا انسان کی بنیادی ضرورت ہے

انسان اپنے معاش میں کچھ بنیادی ضرورتوں یعنی روٹی، کپڑا، رہائشی مکان، گھریلو

سامان، سواری، خادم وغیرہ کا محتاج ہوتا ہے، جن کے بغیر زندگی گذارنا دشوار ہے، فقہاء نے ان ہی چیزوں کو جن سے انسان کی بنیادی ضرورتیں پوری ہوتی ہیں، حاجات اصلیہ قرار دیا ہے۔

لأن هذه الأشياء من الحوائج اللازمة التى لابد للإنسان منها.

(شامی، کتاب الزکاة ۳/۲٦٦)

ان کو حاجت اصلیہ میں داخل کرنے کا مقصد صرف یہ ہے کہ اگر یہ چیزیں کسی کی ملکیت میں موجود ہوں اور زیر استعمال ہوں، تو ان کی قیمت خواہ کتنی ہی ہو اس کی وجہ سے وہ غنا ثابت نہ ہوگا جس کی وجہ سے زکوٰۃ لینا حرام اور قربانی وصدقۂ فطر واجب ہوتا ہے اور نہ ہی ان کی قیمت کی وجہ سے استطاعت حج ثابت ہوگی، اگر یہ چیزیں ملکیت کی نہ ہوں بلکہ اجارہ یا اعارہ کی ہوں، تو ان کو حاجت اصلیہ میں داخل کرنے کا کوئی فائدہ نہیں، کیونکہ جب یہ شخص ان کا مالک ہی نہیں ہے، تو ان کی قیمت کی وجہ سے غنا حرمت اخذ زکوٰۃ اور غنا موجب قربانی و صدقہ فطر وغیرہ کے ثابت ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہے، کہ ان کو حاجت اصلیہ میں داخل کرنے کی ضرورت پیش آئے، رہ گیا کرایہ تو اگر وہ واجب ہو چکا ہے تو وہ دین میں داخل ہے، اور رہ گیا یہ شبہ کہ اجارہ اور اعارہ کے مکان کو حاجت اصلیہ میں داخل کرنے کا فائدہ یہ ہے کہ اس کی وجہ سے دوسرے ذاتی مکان کا فاضل ہونا ثابت ہوگا، تو اس کا جواب یہ ہے کہ دوسرے ذاتی مکان کا فاضل ہونا، اجارہ یا اعارہ کے مکان کی وجہ سے نہیں، بلکہ صرف عدم سکونت کی وجہ سے ثابت ہوتا ہے، جیسا کہ کتب فقہ میں جا بجا اس کی تصریح موجود ہے۔

بس کیا یہ ممکن ہے کہ بنیادی ضرورت کی چیزیں اگر کسی کی ملکیت میں موجود ہوں، تو ان کا ہونا تو اس شخص کے لیے ضروری ہو اور وہ اس کی حاجت اصلیہ میں داخل ہوں، اور اگر یہ چیزیں اسی شخص کی ملکیت میں موجود نہ ہوں اور وہ ان کی تحصیل کے لیے رقم صرف کرتا ہے تو جب تک وہ چیزیں قابل استعمال بن کر اس کے زیر استعمال نہ آجائیں، تب تک وہ چیزیں اس کے لیے ضروری نہ ہوں اور اس کی حاجت اصلیہ میں داخل نہ ہوں؟ ہرگز نہیں، حاصل یہ کہ حاجت اصلیہ کے ذیل میں ذکر کردہ چیزوں سے ذاتی اور ملکیت کی چیزیں مراد ہیں، پس ذاتی رہائش کا مکان

ہونا انسان کی بنیادی ضرورت ہے، اب ظاہر ہے کہ جب تک کسی شخص کا ذاتی مکان نہ بن جائے تب تک مجبوراً وہ کسی نہ کسی مکان میں سکونت اختیار کرے گا اور مجبوراً اجارہ یا اعارہ کے مکان میں سکونت پذیر ہونے سے سکونت کی ضرورت کا پورا ہونا نہیں کہا جا سکتا ہے، کیونکہ سکنیٰ انسان کی بنیادی اور دائمی ضرورت ہے جس کے لیے ذاتی مکان کی حاجت ہے، لہٰذا اگر کسی شخص کا ذاتی مکان نہیں ہے، اور وہ اس کی تعمیر میں رقم صرف کرتا ہے تو وہ رقم بھی حاجت اصلیہ میں مشغول ہے، اگرچہ وہ فی الحال قابل استعمال نہ بنا ہو، کیونکہ جب اس کو قابل استعمال بنائے گا تب ہی تو استعمال کر سکے گا، اس سے پہلے کیسے استعمال کر سکتا ہے؟ محض عدم استعمال کی وجہ سے اس کو حاجت اصلیہ سے خارج کر دینا دانش مندی نہیں ہے، بلا شبہ فقہاء نے حاجت اصلیہ میں داخل اشیاء کو عدم استعمال کی وجہ سے فاضل قرار دیا ہے، لیکن وہ اسی وقت ہے جبکہ وہ قابل استعمال ہوں، جیسا کہ اس کا حوالہ ''ایک شبہ کا ازالہ'' کے عنوان کے تحت آ رہا ہے۔

یہاں یہ بات قابل توجہ ہے کہ فقہاء نے حاجت اصلیہ کے ذیل میں جن چیزوں کا تذکرہ کیا ہے، ان میں مکان کے علاوہ باقی سب چیزیں بنی بنائی تیار قابل استعمال مل جاتی ہیں، اور اکثر لوگ بھی تیار ہی خریدتے ہیں، اگر کوئی ان کو بذات خود بنائے، تو بھی زیادہ وقت درکار نہیں، حاجت اصلیہ میں مکان ایسی چیز ہے جس کو لوگ تیار بھی خریدتے ہیں اور اکثر خود بھی بنواتے ہیں، فقہاء کے زمانہ میں چونکہ طرز معاشرت سادہ تھا، اس لیے ان کے مکان بھی عموماً کچے اور سادہ ہوتے تھے، مکان کی تعمیر کے لیے کچھ دن یا مہینہ کافی ہو جایا کرتا تھا، کیونکہ پانی کی لائن، گٹر لائن، اور لائٹ فٹنگ وغیرہ کئی جھمیلے تھے ہی نہیں جو آج مکان کا ایک ضروری حصہ بن چکے ہیں، لہٰذا مکان کی تعمیر کے لیے سال دو سال کی لمبی مدت درکار نہیں ہوتی تھی جیسا کہ اب درکار ہے، اسی لیے فقہاء نے اس مسئلہ سے کہیں تعرض ہی نہیں کیا ہے کہ اگر کسی شخص کا ذاتی مکان نہیں ہے اور وہ کرایہ کے مکان میں سکونت پذیر ہے اور اس نے ذاتی مکان کی تعمیر شروع کی، لیکن ابھی وہ قابل سکونت نہیں بنا ہے، اور قربانی، عید الفطر یا حج کا وقت آ گیا، تو یہ حاجت اصلیہ میں داخل ہوگا یا فاضل شمار ہوگا؟ عصر حاضر میں مہنگائی، معاشرت اور طرز تعمیر

کے پیشِ نظر مکان تعمیر کرنا پیسوں کا پانی کرنے کے مترادف ہے، بلکہ پیسوں کا پانی کردینے کے باوجود معمار اور مزدوروں کی بدعنوانیوں، وعدہ خلافیوں اور وقت پر کام نہ کرنے کی وجہ سے آنکھوں میں پانی آجاتا ہے، اور اپنی مٹی پلید ہوجاتی ہے، مزدوری پیٹ بھر کر لینے کے باوجود اس شان سے کام کرتے ہیں کہ گویا مفت میں کام کرکے ہم پر احسان کررہے ہیں، ہفتے کا کام مہینے میں اور مہینے کا کام کئی مہینوں میں مشکل سے پورا کرتے ہیں، آج کل پیسے والوں کو مکان بناتے بناتے کم از کم سال تو لگ ہی جاتا ہے، تو وہ ملازم اور قلیل آمدنی والا طبقہ جس کو مکان بنانے کے لیے پیسوں کا پانی کرنے سے پہلے خون کا پانی کرنا ہوتا ہے اور کما کما کر کچھ رقم پس انداز کرکے مکان بنانا پڑتا ہے، اگر اس کو مکان بناتے بناتے دو تین سال بلکہ اس سے بھی زیادہ مدت بیت جائے تو کوئی تعجب کی بات نہیں، اس مدت میں پلاٹ یا ناقص تعمیر کردہ مکان کو فاضل قرار دینے کا مطلب یہ ہوگا کہ یہ طبقہ اس کو فروخت کرکے حج کرلے، مکان نہ بنائے، کیونکہ اس طبقہ کی اکثریت اپنی زندگی میں دونوں کی استطاعت نہیں رکھتی ہے۔

کیا کرایہ کے مکان سے سکونت کی ضرورت پوری ہوجاتی ہے؟

کرایہ کے مکان میں سکونت پذیر ہونے والے کے بارے میں یہ کہنا کہ کرایہ کے مکان سے اس کی سکونت کی ضرورت پوری ہوچکی ہے، اب سکونت کے لیے ذاتی مکان کی حاجت نہیں، لہٰذا ذاتی مکان تعمیر کرنے کے لیے خریدا ہوا پلاٹ یا ناقص تعمیر کردہ مکان اس کی حاجت اصلیہ سے زائد ہے، نہ تو درست ہے اور نہ ہی فقہی عبارت سے اس کی تائید ہوتی ہے، اور وجہ اس کی یہ ہے کہ جیسے خادم اور سواری حاجت اصلیہ میں داخل ہیں، پس اگر کسی شخص کے پاس خادم رکھنے اور سواری خریدنے کے لیے روپئے نہ ہوں جس کی وجہ سے بجائے خادم کے خود کام کرتا ہے اور سواری نہ ہونے کی وجہ سے پیدل چل کر اپنی حاجتیں پوری کرتا ہے، تو اس شخص کے بارے میں یہ کہنا کہ اس کی ضرورت خود کام کرنے اور پیدل چل کر کام کرنے سے پوری ہورہی ہے؛ لہٰذا اب اس کو خادم اور سواری کی ضرورت نہیں ہے، درست نہیں۔ کیونکہ یہ

شخص بدرجۂ مجبوری خادم اور سواری نہ ہونے کی وجہ سے مشقت برداشت کرکے اپنا کام چلا رہا ہے، اس کو ضرورت کا پورا ہونا نہیں کہا جاسکتا ہے، اسی طرح کرایہ کے مکان میں سکونت پذیر ہونے والا بدرجۂ مجبوری ذاتی مکان نہ ہونے کی وجہ سے بہ مشقت بادل ناخواستہ کرایہ کے مکان میں رہ رہا ہے، اس کو سکونت کی ضرورت کا پورا ہونا نہیں کہا جاسکتا ہے، بلکہ ابھی بھی اس کو سکونت کے لیے ذاتی مکان کی ضرورت ہے، کیونکہ ذاتی مکان میں جو بےفکری، فارغ البالی اور چین وسکون حاصل ہوتا ہے وہ کرایہ کے مکان میں کہاں میسر ہوسکتا ہے؟ کرایہ کے مکان میں دن گذارنے والا قرار وفرار کی حالت کے درمیان دائر رہتا ہے۔

جو ٹوٹی ہوئی جھونپڑی بے دخل ہو ☆ بھلی اس محل سے جہاں کچھ دخل ہو

اسی لیے وہ اس عرصہ میں اپنے دل میں ضیق اور تنگی محسوس کرتا ہے اور صحیح معنی میں ہر وقت اس فکر میں غرق رہتا ہے کہ کسی طرح میرا ذاتی مکان بن جائے، تاکہ در در پھرنے کی مصیبت اور محتاجی کی زندگی سے نجات مل جائے، چنانچہ وہ اپنی حاجت اصلیہ یعنی روٹی کپڑا وغیرہ میں بھی تنگی و ترشی کے ساتھ گذر بسر کرکے ذاتی مکان بنانے کے لیے اپنی تنخواہ یا آمدنی سے ہر ماہ کچھ رقم پس انداز کرتا ہے اور ذاتی مکان کی تعمیر میں صرف کرتا ہے اور جب تک ذاتی مکان بنا کر اس میں سکونت پذیر نہیں ہو جاتا ہے تب تک سکون کا سانس نہیں لیتا ہے، گویا وہ خود بھی کرایہ کے مکان سے سکونت کی ضرورت ہو جانے کے حق میں نہیں ہے، حاجت اصلیہ میں حاجت کا بروقت موجود ہونا ضروری ہے، اور کرایہ کے مکان میں سکونت پذیر ہونے والا ذاتی مکان اس لیے نہیں بنا رہا ہے کہ آئندہ کسی زمانہ میں اگر کرایہ کا مکان نہ ملے تو رہائش کے کام آئے گا، بلکہ وہ اس لیے بنا رہا ہے کہ ذاتی مکان بنتے ہی کرایہ کا مکان ترک کرکے اس میں سکونت پذیر ہو جائے تاکہ در در پھرنے کی مصیبت سے نجات مل جائے اور وہ چین وسکون حاصل ہو جائے جو کرایہ کے مکان میں میسر نہیں، اگر ذاتی مکان آج تیار ہو جائے تو آج ہی اس میں سکونت پذیر ہو جائے، لہٰذا ذاتی مکان کی حاجت بروقت موجود ہے، جب انسان اپنی بنیادی ضرورت سکنیٰ کے بارے میں بےفکر ہو جائے تو کہا جائے گا کہ اس کی سکنیٰ کی ضرورت پوری ہو گئی، حالانکہ کرایہ کے مکان میں سکونت پذیر

ہونے والا اپنی بنیادی حاجت سکنیٰ کے بارے میں صحیح معنی میں ہر وقت متفکر رہتا ہے، بلکہ عملی طور پر بھی ہر ممکن کوشش کرتا ہے، ملازم اور مزدور طبقہ کی اکثریت ایسی ہے جو مرحلہ وار کئی قسطوں میں زندگی بھر میں خدا خدا کر کے بہ مشکل ایک مکان تعمیر کر پاتی ہے، اب ظاہر ہے کہ وہ ملازم جس کی تنخواہ چار پانچ ہزار روپئے کے قریب ہے، کئی کی تو اتنی بھی نہیں ہوتی، چند ماہ میں مکان کھڑا کر دینا اس کے بس میں نہیں، لہٰذا جب کچھ رقم جمع ہو جائے گی تو پلاٹ خریدے گا، پھر کچھ رقم جمع ہوگی تو بنیادیں رکھے گا، اور دیواریں کھڑی کرے گا، پھر کچھ رقم جمع ہونے پر چھت ڈالے گا۔

بسا اوقات مکان کی تعمیر مکمل کرتے کرتے کئی سال گذر جاتے ہیں، اس مدت میں اس کو اگر فاضل ہی قرار دیا جائے تو اس پر قربانی وصدقہ فطر واجب ہوگا، انتہائی پریشانی میں ہونے کے باوجود مستحق زکوٰۃ بھی نہ ہو سکے گا، بلکہ حج بھی فرض ہو جائے گا، اس کو فروخت کر کے حج کرنا لازم ہوگا، پس اگر یہ غریب اپنی اس کل کائنات کو فروخت کر کے حج کا فریضہ ادا کرلے، تو اس کا مکان بنانے کا خواب تو ادھورا ہی رہ جائے گا اور اپنی باقی زندگی میں دوبارہ مکان بنانے کی سکت نہ رکھ سکے گا، اور زندگی بھر مکان بنانے کی فکر اس کو ستاتی رہے گی اور مکان بنانے کی حسرت دل میں لے کر قبر میں چلا جائے گا، اور اگر اس کو فروخت کر کے حج نہ کرے تو حج نہ کرنے کے وبال کے ساتھ دنیا سے رخصت ہوگا۔

کرایہ کے مکان میں در در پھرنے میں جو پریشانی اور مصیبت ہے اس کا صحیح اندازہ اسی شخص کو ہو سکتا ہے جو اس مصیبت سے دو چار رہے، یا رہ چکا ہے، اب تو حال یہ ہوگیا ہے کہ بڑے شہروں کو تو چھوڑیئے چھوٹے دیہاتوں میں بھی کرایہ کا مکان ملنا مشکل ہو رہا ہے، اور جب مالک کرایہ کا مکان خالی کرواتا ہے تو کرایہ دار کے پیروں تلے سے زمین کھسک جاتی ہے اور بے چارہ دوسرے مکان کی جستجو میں لوگوں کی خوشامد کرتا ہوا مارا مارا پھرتا ہے، پھر مکان کا پورا اثاثہ ادھر سے ادھر کرنا یہ بھی درد سر ہے، بالخصوص جبکہ حاجت اصلیہ میں حاجت اور استعمال سے مراد اضطراری نہیں، بلکہ نفس حاجت ہے، تو کیا ان افکارِ پریشان اور حالات کے باوجود یہ کہنا درست ہو سکتا ہے کہ کرایہ کے مکان سے سکونت کی ضرورت پوری ہو جاتی

ہے، ذاتی مکان کی ضرورت نہیں، اس لیے ذاتی مکان بنانے کے لیے خریدا ہوا پلاٹ یا ناقص تعمیر کردہ مکان اس کی حاجت اصلیہ سے زائد ہے؟ جبکہ سکونت کی ضرورت کا کرایہ کے مکان سے پورا ہوجانا اوراب ذاتی مکان کی تعمیر کا فاضل ہونا، اسی طرح کسی ضروری چیز کا حاجت اصلیہ میں داخل ہونے کے لیے اس کا بہرصورت (قابل استعمال ہو یا نہ ہو) زیر استعمال ہونا کسی فقہی عبارت سے ثابت بھی نہیں، ہاں قابل استعمال ہونے کی صورت میں بلاشبہ زیر استعمال ہونا ضروری ہے، البتہ اگر کوئی شخص ذاتی مکان بنانے پر قادر ہے، اس کے باوجود ذاتی مکان نہیں بناتا ہے، اپنی آمدنی ذاتی مکان کی تعمیر میں صرف نہیں کرتا ہے بلکہ بہ رضا ورغبت کرایہ کے مکان میں سکونت پذیر ہے، تو ایسے شخص کے بارے میں یہ کہنا بجا ہے کہ کرایہ کے مکان سے اس کی سکونت کی ضرورت پوری ہوچکی ہے ورنہ ذاتی مکان کے بارے میں متفکر ہوتا، اوراپنی آمدنی اس میں صرف کرتا، جیسے ذاتی مکان ہونے کے باوجود اس میں سکونت اختیار نہ کرنا عدم حاجت کی علامت ہے، لیکن ہر کرایہ دار پر یہ تیر چلانا کہ کرایہ کے مکان سے اس کی سکنیٰ کی ضرورت پوری ہوچکی ہے درست نہیں ہے۔

ایک شبہ کا ازالہ

مکان بنانے کے لیے خریدے ہوئے پلاٹ یا ناقص تعمیر کردہ مکان کے فاضل ہونے کے سلسلے میں بزازیہ کے ایک جزئیہ سے شبہ پیدا ہوسکتا ہے اور وہ جزئیہ یہ ہے:

ولو كان في دار بإجارة فاشترىٰ أرضاً بنصاب و بنى فيها منزلاً يسكنه لزمت. (بزازيه على الهندية ٦/٢٨٧)

اس جزئیہ میں ذاتی مکان کے فاضل ہونے کے سلسلے میں دو احتمال ہیں:

(۱) پہلا احتمال یہ ہے کہ ذاتی مکان کے فاضل ہونے کی وجہ اجارہ کے مکان سے سکونت کی ضرورت پوری ہوجانا ہے۔

(۲) دوسرا احتمال یہ ہے کہ ذاتی مکان کے فاضل ہونے کی وجہ قابل سکونت ہونے کے

باوجود عدم سکونت ہے، یعنی جب ذاتی مکان قابل رہائش بن چکا ہے اس کے باوجود اس کو استعمال نہ کرنا اور کرایہ کے مکان ہی میں سکونت پذیر رہنا، اس کے فاضل ہونے کی علامت ہے، اب سوال یہ ہے کہ یہاں کون سا احتمال مراد ہے؟ اور فاضل ہونے کی کون سی وجہ درست ہے؟

تو اس کا جواب یہی ہوسکتا ہے کہ فقہی عبارت سے جس احتمال اور وجہ کی تائید ہوتی ہو وہی احتمال مراد اور وجہ درست ہے، اور فقہی عبارت سے پہلے احتمال کی تائید نہیں ہوتی ہے، کسی جزئیہ سے سکونت کی ضرورت کا کرایہ کے مکان سے پورا ہوجانا اور ذاتی مکان کا اس کی وجہ سے فاضل ہونا ثابت نہیں، لہٰذا پہلا احتمال مراد نہیں ہوسکتا ہے، البتہ دوسرے احتمال کی فقہی عبارات سے تائید ہوتی ہے، اس لیے دوسرا احتمال اور وجہ ہی درست ہے، چنانچہ بدائع الصنائع میں ہے:

وذكر ابن شجاع أنه إذا كانت له دار لا يسكنها ولا يؤاجرها و متاع لا يمتهنه وعبد لا يستخدمه وجب عليه أن يبيعه و يحج به وحرم عليه أخذ الزكاة إذا بلغ نصاباً لأنه إذا كان كذٰلك كان فاضلاً عن حاجته. (بدائع الصنائع ۲/۲۹۸)

اس عبارت سے دو باتیں معلوم ہوئیں: (۱) اس عبارت میں ذاتی مکان کے فاضل ہونے کی وجہ، عدم سکونت بتائی ہے، نہ کہ سکونت کی ضرورت کا اجارہ یا اعارہ یا اور کسی مکان سے پورا ہوجانا، حالانکہ دار غیر مسکونہ کا مالک کسی نہ کسی مکان میں سکونت پذیر ہوگا۔

(۲) فقہاء نے کوئی بھی ضروری چیز جو قابل استعمال ہے اس کے زیر استعمال نہ ہونے کو فاضل ہونے کی علامت قرار دیا ہے، چنانچہ فتاویٰ رحیمیہ میں بھی اس کے متعلق فتویٰ موجود ہے:

سوال: جس کے پاس ایک ہی مکان ہو، لیکن اس میں خود نہیں رہتا ہے کرایہ پر دے رکھا ہے اور وہ خود کرایہ کے گھر میں رہتا ہے، تو قربانی کے متعلق مالداری میں اس گھر کی قیمت کا اعتبار کیا جائے گا؟

جواب: اپنا گھر چاہے کرایہ پر دیا ہو یا مفت یا خالی پڑا ہو، اور خود دوسرے مکان میں کرایہ پر رہتا ہے یا مفت، ہر ایک صورت میں قربانی اور فطرہ کے متعلق مالداری میں اس مکان کی قیمت کا اعتبار ہوگا، کیونکہ یہ مکان فی الحال حاجت اصلیہ سے زائد ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ بترتیب جدید ۱۰/۲۳۱)

لہٰذا اگر کوئی ضروری چیز قابل استعمال نہ ہونے کی وجہ سے زیر استعمال نہ ہو، تو اس کو فاضل نہیں کہا جاسکتا ہے، کیونکہ استعمال میں نہ آنا عدم حاجت کی وجہ سے نہیں، بلکہ مجبوراً نا قابل استعمال ہونے کی وجہ سے ہے، پس اس کے استعمال میں نہ آنے کو فاضل ہونے کی علامت کیسے قرار دیا جاسکتا ہے؟ جبکہ استعمال میں نہ آنے کی معتبر وجہ (نا قابل استعمال ہونا) موجود ہے۔

خلاصہ بحث

سکونت کی ضرورت کا ایک مکان سے پورا ہو جانا اور ایک سے زائد مکان کا بہر صورت خواہ سکونت کے لیے اس کی ضرورت ہو یا نہ ہو، فاضل ہونا، اسی طرح سکونت کی ضرورت کا کرایہ کے مکان سے پورا ہو جانا، اور ذاتی مکان کے لیے خریدے ہوئے پلاٹ یا ناقص تعمیر کردہ مکان کا فاضل ہونا کسی فقہی عبارت سے ثابت نہیں، بلکہ اس کے فاضل نہ ہونے کی تائید فقہی عبارات سے ہوتی ہے، بالخصوص جبکہ حاجت اصلیہ میں حاجت سے مراد اضطراری نہیں، بلکہ نفس حاجت ہے، وجوب اضحیہ کا مدار چونکہ قدرت ممکنہ پر ہے، اس لیے جس طرح اس میں زیادہ توسیع منشاء شارع اور تصریحات فقہاء کے خلاف ہے، اسی طرح حاجت اصلیہ میں داخل اشیاء کو فاضل قرار دینا بھی منشاء شارع اور تصریحاتِ فقہاء کے مطابق نہیں، افراط وتفریط سے بچ کر راہِ اعتدال پر گامزن ہونا ضروری ہے، حاصل یہ ہے کہ پہلے مسئلے میں وطن کا مکان بھی اور دوسرے مسئلے میں مکان بنانے کے لیے خریدا ہوا پلاٹ یا ناقص تعمیر کردہ مکان بھی حاجت اصلیہ میں داخل ہے، لہٰذا مذکورہ شخص کے پاس اس کے علاوہ بقدر نصاب فاضل مال موجود نہ ہو، تو اس پر قربانی وصدقہ فطر واجب نہیں، اور حج بھی فرض نہیں، بلکہ وہ مستحق زکوٰۃ ہے۔

تنبیہ

ممکن ہے کہ اس مضمون سے کچھ لوگ اپنا مکان زکوٰۃ کی رقم سے عمدہ سے عمدہ بنانے کا جواز سمجھ لیں، اس لیے اس کا سد باب ضروری ہے، تو اس سلسلے میں دو باتیں عرض ہیں:

(۱) مستحقین زکوٰۃ کو یہ بات فراموش نہیں کرنی چاہیے کہ شریعت نے مفت خوری، گدا گری اور سوال کرنے کی مذمت بیان کرکے ہاتھ کی کمائی کھانے اور خود کفیل بننے کا حکم، بلکہ دوسروں کے پاس سے لینے والا بننے کے بجائے خود دینے والا بننے کی فضیلت بیان فرمائی ہے، اور زکوٰۃ کو مال کا میل بتایا ہے، لہٰذا زکوٰۃ کا مال بوقت ضرورت بقدر ضرورت ہی اپنی حاجت روائی میں صرف کرنا چاہیے، زکوٰۃ کی رقم سے اگر کوئی محتاج اپنا مکان اعتدال کے ساتھ بنائے تو کوئی بری بات نہیں، لیکن زکوٰۃ وصول کر کرکے بے محابا تعمیر میں صرف کرنا اور شاہانہ خرچ کرکے مالداروں کے مکانوں جیسا عالیشان مکان تعمیر کرنا بے مروتی اور بے غیرتی ہے، اس سے احتراز چاہیے۔

(۲) معطین زکوٰۃ اس بے اعتدالی کا تنہا ایک ہاتھ سے سد باب کرسکتے ہیں اور یہ ان کی ذمہ داری بھی بنتی ہے، اور وہ اس طرح کہ کفایت شعار واقعی ضرورت مندوں ہی کو زکوٰۃ دیں، تاکہ مقصدِ زکوٰۃ کی تکمیل کے ساتھ ساتھ خود بھی زیادہ اجر وثواب کے مستحق ہوں، نیز مال زکوٰۃ سے شاہانہ خرچ بے جا صرف اور بے اعتدالیاں جیسی برائیوں کا بآسانی سد باب بھی ہو جائے۔

لیکن کچھ لوگوں کی بے اعتدالیوں کے سد باب کے لیے یہ تو نہیں کیا جاسکتا ہے کہ واقعی مستحقین زکوٰۃ کی ایک بڑی تعداد کو ہی غیر مستحق قرار دے دیا جائے، بلکہ ان پر حج، قربانی وصدقہ فطر بھی واجب کر دیا جائے، ورنہ بڑی تعداد حرج میں مبتلا ہو جائے گی، جبکہ اس کا بآسانی سد باب ممکن بھی ہے۔ (کمامر)

هذا ما ظهر لي إلى الآن، والله تعالىٰ اعلم بالصواب

احقر محمد سلمان قاسمی پالنپوری
مفتی مدرسہ جامعہ خلیلیہ ماہی شمالی گجرات

حضرت مولانا مفتی محمد سلمان صاحب پالن پوری .... مدظلہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آنجناب کی ارساد کردہ تحریر جو دس صفحہ پر مشتمل ہے، موصول ہوئی اور اس دس صفحہ پر مختصر سے دو مسئلے ہیں: (۱) کوئی ملازم شخص جائے ملازمت میں فیملی کے ساتھ ذاتی یا کرائے کے مکان

یا کسی کے مفت دیئے ہوئے مکان میں رہائش اختیار کرتا ہواور اس کا ذاتی مکان اپنے وطن میں ہوتو ایسی صورت میں اس کے وطن اصلی کا مکان حاجت اصلیہ سے فاضل سمجھا جائے گا یا نہیں؟

(۲) ایک شخص کرائے کے مکان میں رہتا ہواور اس کا ذاتی کوئی مکان نہ ہواور اس نے اپنی تنخواہ سے یا کسی طرح کی آمدنی کے پیسہ سے ذاتی مکان کی غرض سے پلاٹ خرید کر ڈال دیا ہو یا اس پلاٹ میں ناقص تعمیر کردی ہو جو ابھی قابل رہائش نہیں ہے، دونوں مسئلوں سے متعلق جناب والا کا دس صفحہ پر تحریر کردہ جواب پڑھا گیا ہے جس میں تقریباً ایک ڈیڑھ گھنٹہ صرف ہوا، حالانکہ دونوں مسئلوں کا جواب ایک صفحہ کے اندر آسانی کے ساتھ ہضم کرسکتے ہیں، اس لیے جناب والا سے گذارش ہے کہ آئندہ اگر تحریر بھیجیں تو اس کا خلاصہ اور حاصل لکھ کر روانہ فرمائیں، جو ایک ڈیڑھ صفحہ سے زائد نہ ہو، اس لیے کہ ہمارے یہاں ناقل فتاویٰ کو مکمل نقل کرنا پڑتا ہے، آنجناب کی تحریر تین چار گھنٹہ میں بھی مشکل سے نقل ہوسکتی ہے، اس لیے ہمارے دار الافتاء میں مفتیان کرام کے درمیان مشورہ ہوا ہے کہ آنجناب سے گذارش کی جائے کہ اتنی لمبی تحریر جس میں ضرورت سے زائد مثالیں اور نظائر لکھی جاتی ہیں نہ بھیجا کریں، اس لیے کہ یہاں کے دار الافتاء میں ہر وقت استفتاء اور سوالات کا ہجوم رہتا ہے، نہ مفتیوں کے پاس اتنی لمبی تحریر پڑھنے کا وقت ہوتا ہے اور نہ ہی نقل کرنے والے اتنی لمبی تحریر رجسٹر میں نقل کرسکتے ہیں، اس لیے بار بار گذارش ہے کہ اتنی طویل تحریر روانہ کرنے کی زحمت نہ فرمائیں۔

اب اس کے بعد آنجناب کی تحریر سے متعلق ہم یہ سمجھتے ہیں کہ پہلے مسئلے میں اس کے وطن کا مکان حاجت اصلیہ میں شامل ہے، حاجت اصلیہ سے فاضل نہیں ہے، اور اسی طرح دوسرے مسئلے میں بھی خریدا ہوا پلاٹ یا ناقص تعمیر کردہ پلاٹ حاجت اصلیہ سے فاضل نہیں ہے، وہ بھی حاجت اصلیہ میں داخل ہے، لہٰذا دونوں شخص اگر ایسے ہیں کہ ان کے پاس وطن کے مکان یا ناقص تعمیر شدہ مکان کے علاوہ بقدر نصاب مال نہیں ہے تو ان پر قربانی اور صدقہ فطر واجب نہیں ہوگا۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸ر شعبان المعظم ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۱۷۲/۳۹)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۸/۸ھ

صاحب نصاب ہونے کے لیے کیا کاشت کی زمین کا اعتبار ہے؟

سوال [۹۹۲۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) اگر کسی کے پاس رہائشی مکان کے علاوہ ایک اور بھی مکان ہے، جس کو بچوں کی شادی کے بعد ان کی ملک میں دے دینا ہے، مگر ابھی خالی پڑا ہوا ہے؟

(۲) ایسے ہی کاشت کار کے پاس دو بیگہ کاشت کی آراضی ہے جس کی قیمت دس بارہ ہزار روپئے، اس وقت کے اعتبار سے ہوتی ہے، صاحب زکوٰۃ نہیں ہے، مگر اس کی قیمت مقرر کرنے پر نصاب کو پہنچ جاتی ہے، تو ایسے عالم میں فطرہ اور قربانی ان دونوں پر واجب ہوگی یا نہیں، جواب بحوالۂ کتب عنایت فرمائیں۔

المستفتی: محمد شفیع غفرلہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: (۱) اگر زائد مکان کسی قسم کے استعمال میں نہیں ہے، اور نہ ہی اس کو کرایہ پر دے رکھا ہے بلکہ صرف خالی پڑا ہوا ہے، تو اگر اس مکان کی قیمت نصاب کے بقدر ہو تو قربانی اور صدقہ فطر واجب ہے۔ (مستفاد: بہشتی زیور ۳/۳۴)

وكدار لا تكون للسكنىٰ ولا للتجارة، ولو كان له دار واحدة يسكنها وفضلت عن سكناه يعتبر الفاضل إن كانت قيمته نصابا. (مجمع الأنهر، كتاب الزكاة، باب صدقة الفطر، دار الكتب العلمية بيروت ١/٣٣٤، مصرى قديم ١/٢٢٦)

اور اگر زائد مکان کرایہ پر دے رکھا ہے اور اس سے آمدنی حاصل کر کے گذارا کرتا ہے، تو وہ اسباب کے حکم میں ہے، اس کی آمدنی میں نصاب کا اعتبار کیا جائے گا، بقدر نصاب ہو تو قربانی وفطرہ واجب ہے، ورنہ نہیں۔

ولو كانت له دور وحوانيت للغلة وهى لا تكفى عياله فهو من الفقراء. (مجمع الأنهر، كتاب الزكاة، باب صدقة الفطر، دار الكتب العلمية بيروت ١/٣٣٥،

مصری قدیم ۱/۲۲۷، البنایہ اشرفیہ دیوبند ۳/۴۸۲)

(۲) کاشت کی زمین کی قیمت نصاب میں شامل نہیں ہوگی؛ کیونکہ وہ گذارہ کے اسباب میں سے ہے، ہاں البتہ اس کی پیداوار میں نصاب کا اعتبار ہوگا، اگر پیداوار عید و بقرعید کے دن بقدر نصاب ہے تو قربانی وفطرہ واجب ورنہ نہیں۔

وعلى هذا الكرم والأرض ولايعتبر ما قيمته لصاحب من قوت شهر بلا خلاف عندنا. (مجمع الأنهر، باب صدقة الفطر، دار الكتب العلمية بيروت ۱/۳۳۵، مصری قدیم ۱/۲۲۷، البنایہ اشرفیہ دیوبند ۳/۴۸۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم ذی الحجہ ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/۲۰۴۴)

٤ باب التضحية عن الغير

زندہ اور مردہ دونوں کی طرف سے قربانی کا جواز

سوال [۹۹۲۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہم نے سنا ہے کہ آدمی اپنی واجب قربانی بھی کرسکتا ہے اور اپنے زندہ اور مرحوم عزیزوں کی طرف سے بھی نفلی قربانی بھی کرسکتا ہے، اسی طرح حضور ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر سو جانور قربان کیے، کچھ اپنی طرف سے کچھ اپنی امت کی طرف سے تو کیا خلفائے راشدین یا صحابہ کرامؓ سے بھی یہ عمل ثابت ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو کتبِ حدیث کے حوالے کے ساتھ جواب تحریر فرمادیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم سے ابھی اپنی قربانی کے ساتھ، حضور ﷺ کی طرف سے اور اپنے مرحومین کی طرف سے قربانی کرنا ثابت ہے، چنانچہ حضرت علیؓ نے ہمیشہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے قربانی فرمائی ہے، اسی طرح زندہ عزیزوں کی طرف سے قربانی کرنا بھی ثابت ہے، چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اپنے بچوں کی طرف سے قربانی کیا کرتے تھے۔

عن حنش قال: رأيت علياً رضـ يضحي بكبشين فقلت له: ما هذا؟ فقال: إن رسول الله ﷺ أوصاني أن أضحي عنه فأنا أضحي عنه. (أبوداؤد شريف، كتاب الضحايا، باب الأضحية عن الميت، النسخة الهندية ٢/٣٨٥، دار السلام رقم: ٢٧٩٠، سنن الترمذي، أبواب الأضاحي، باب في الأضحية بكبش، النسخة الهندية ١/٢٧٥، دار السلام رقم: ١٤٩٤، مجمع الزوائد، كتاب الأضاحي، باب فيمن أوصىٰ بأن يضحي عنه، دار الكتب العلمية بيروت ٤/٢٣، المستدرك للحاكم مكتبه نزار مصطفىٰ الباز بيروت ٤/٢٥٥، رقم: ٧٧٥٦)

عن نافع عن ابن عمر رضـ أنه كان لايضحي عن حبل ولكن كان يضحي

عن ولده الصغار والكبار، ويعق عن ولده كلهم. (المصنف عبد الرزاق، المجلس العلمي بيروت، كتاب المناسك، باب الضحايا ٤/ ٣٨٠، رقم: ٨١٣٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲/ذی الحجہ ۱۴۳۴ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۳۲۵)

”وقد صح أن رسول الله ﷺ ضحى بكبشين أحدهما عن نفسه“

حدیث کا مطلب

سوال [۹۹۲۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: پیغمبر علیہ الصلاۃ نے اس طرح قربانی دی ہے، ”**وقد صح أن رسول الله ﷺ ضحى بكبشين أحدهما عن نفسه والآخر عمن لم يذبح من أمته**“ اس حدیث پاک کا مطلب کیا ہے، پوری امت کی طرف سے قربانی فرمائی، یا قربانی تو اپنی طرف سے دی اور اس کا ثواب ”**عمن لم يذبح من أمته**“ کو ہدیہ کردیا، اگر ناگوار نہ ہو تو برائے مہربانی امداد الفتاویٰ ۵/ ترجیح الراجح کا مطالعہ فرما کر مسئلہ کی توضیح فرمادیں، ان اطراف میں کچھ لوگوں میں اختلاف ہوگیا ہے، صحیح مسئلہ سمجھنا ہے، شبہات کو دور کرنا ہے۔

المستفتی: محمد غفران غفرلہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ حدیث شریف میں حضور ﷺ کا مقصود امت کی طرف سے قربانی کرنا نہیں ہے، بلکہ جنہوں نے قربانی نہیں کی ہے ان کو قربانی کے ثواب میں شریک کرنا مقصود ہے، تفصیل امداد الفتاویٰ ۳/ ۵۷۳ تا ۵۷۴ میں موجود ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/ ربیع الاول ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۳۰۷۰)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۵/ ۳/ ۱۴۱۳ھ

حضور پاک ﷺ کی طرف سے قربانی

سوال [۹۹۲۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: عرض یہ ہے چھ افراد نے مل کر ایسے جانور کی قربانی کی جس میں سات حصہ ہو سکتے ہیں، چھ حصے چھ افراد نے لے لیے اور ساتواں حصہ کئی افراد نے یا چھ افراد نے ہی مشترک طور پر حضرت محمد ﷺ کے لیے لے لیا، اس مذکورہ بالا شکل میں قربانی درست ہو جائیگی، یا نہیں؟ کیا اس طرح مشترک طور پر حضرت محمد ﷺ کے لیے حصہ لینا جائز ہے یا نہیں؟ حضور پاک ﷺ کے لیے جو حصہ لیا وہ قربانی ہی کا لیا؟

المستفتی: عبداللہ مدھوبنی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: چھ آدمی مل کر ساتواں حصہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے قربانی کر دیں تو شرعاً جائز اور درست ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۴/ ۲۸۸، جدید ڈابھیل ۱۷/ ۴۰۵، فتاویٰ رحیمیہ قدیم ۲/ ۹۰، جدید زکریا ۱۰/ ۵۷)

وإن مات أحد السبعة المشتركين في البدنة، وقال الورثة: اذبحوا عنه وعنكم صح عن الكل استحسانا لقصد القربة من الكل. (الدر المختار، كتاب الأضحية، كراچی ٦/ ٣٢٦، زكريا ديوبند ٩/ ٤٧١، تبيين الحقائق امداديه ملتان ٦/ ٧، زكريا ديوبند ٦/ ٤٨٤، البحر الرائق كوئٹه ٨/ ١٧٧، زكريا ديوبند ٨/ ٣٢٥، مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ٤/ ١٧٣، هنديه زكريا قديم ٥/ ٣٠٥، جديد ٥/ ٣٥٢، تاتارخانية زكريا ١٧/ ٤٥٣، رقم: ٢٧٨٠٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸؍ ربیع الثانی ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/ ۲۶۵۲)

مردے کی طرف سے قربانی کرنا

سوال [۹۹۲۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر کسی مردے کے نام سے قربانی کی جائے تو قربانی اس مردہ کے نام سے جائز ہے یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں مع حوالہ اس فتویٰ کا جواب تحریر فرمائیں۔

المستفتی: محمد یوسف ضلع پورنیہ بہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جی جائز ہے۔(مستفاد: امداد الفتاویٰ ۳/۵۳۲، کفایت المفتی قدیم ۸/۲۲۲، جدید زکریا مطول ۱۲/۱۰۲، فتاویٰ محمودیہ قدیم ۴/ ۲۸۸، جدید ڈابھیل ۱۷/ ۳۲۵،فتاویٰ رشیدیہ قدیم ص: ۴۵۶،جدید زکریا ص:۵۳۷،فتاویٰ خلیلیہ ص:۲۲۲)

من ضحى عن الميت يصنع كما يصنع في أضحية نفسه من التصدق والأكل والأجر للميت والملك للذابح. (شامی، كتاب الأضحية، كراچی ٦/٣٢٦، زكريا ديوبند ٩/ ٤٧٢، فتاویٰ بزازيه جديد زكريا ٣/ ١٦٠، وعلى هامش الهندية زكريا ٦/ ٢٩٥، تاتارخانية زكريا ١٧/ ٤٤٤، رقم: ٢٧٧٧١، فتاویٰ قاضيخان جديد زكريا ٣/ ٢٤٨، وعلى هامش الهندية زكريا ٣/ ٣٥٢، البحر الرائق كوئٹه ٥٩/٣، زكريا ٣/ ١٠٥، مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ٤/ ١٧٣، هدايه اشرفی ديوبند ٤/ ٤٤٩) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴ر ذی الحجہ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/۹۹۹)

میت کی طرف سے قربانی کا حکم

سوال [۹۹۲۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میت کی طرف سے قربانی کرنے کا کیا حکم ہے؟ میت کو ثواب پہنچتا ہے یا نہیں اور

ہمیں کیا ثواب ملتا ہے؟

المستفتی: زوجہ عبد الکریم خاں مرحوم محلّہ مغل پورہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: میت کی طرف سے قربانی کرنا جائز ہے اور میت کو اس کا پورا ثواب مل جاتا ہے اور قربانی کرنے والے کو بھی پورا ثواب مل جائے گا۔ (ان شاء اللہ)

عن أبی هريرة أن رسول الله ﷺ كان إذا أراد أن يضحی اشتری كبشين عظيمين سمينين أقرنين أملحين موجوءين فذبح أحدهما عن أمته لمن شهد لله بالتوحيد وشهد له بالبلاغ وذبح الآخر عن محمد وعن آل محمد ﷺ. (سنن ابن ماجه، الأضاحی، باب أضاحی رسول الله ﷺ، النسخة الهندية ٢/ ٢٢٥-٢٢٦، دار السلام رقم: ٣١٢٢)

لأن الموت لايمنع التقرب عن الميت بدليل أنه يجوز أن يتصدق عنه ويحج عنه وقد صح أن رسول الله ﷺ ضحی بكبشين أحدهماعن نفسه والآخر عمن لم يذبح من أمته وإن كان منهم من قد مات قبل أن يذبح. (شامی، كتاب الأضحية، كراچی ٦/ ٣٢٦، زكريا ٩/ ٤٧١)

سئل عمن يضحی عن الميت قال:يصنع به كما يصنع بأضحيته ...... فقيل له أتصير عن الميت قال: الأجر للميت والملک للمضحی وبه قال سلمة وابن مقاتل وأبو مطيع. (تاتارخانية زكريا ١٧/ ٤٤٤، رقم: ٢٧٧٧١، فتاویٰ قاضيخان جديد زكريا ٣/ ٢٤٨، وعلی هامش الهندية زكريا ٣/ ٣٥٢)

الأفضل لمن يتصدق نفلا أن ينوی لجميع المومنين والمؤمنات لأنه تصل إليهم ولا ينقص من أجره شيئ. (شامی، كتاب الحج، باب الحج عن الغير مطلب: فی إهداء ثواب الأعمال للغير، زكريا ديوبند ٣/ ١٠، كراچی ٢/ ٥٩٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۳۰؍ ذی قعدہ ۱۴۱۰ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/ ۲۰۴۰)

ایک حصہ چار مرحومین اور امت محمدیہ کی طرف سے کرنا

سوال [۹۹۲۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کے خاندان کے چار افراد مرحوم ہو چکے ہیں، زید قربانی کر رہا ہے ایک اپنے نام پر دوسرا حصہ چاروں مرحومین کے نام پر تو کیا ایک حصہ میں چند مرحومین کے نام سے قربانی درست ہوسکتی ہے یا نہیں؟ اور پھر ان چاروں کے ساتھ ثواب میں امت محمدیہ کو بھی شریک کرتا ہے تو ان چاروں کی طرف سے قربانی ہو جائے گی؟

المستفتی: رشید احمد بانکوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جی ہاں ایک حصہ چاروں کے ایصال ثواب کے لیے ان کے نام سے کرنا جائز ہے، نیز تمام امت محمدیہ کو بھی ثواب میں شریک کر لینا جائز ہے، اور یہ چونکہ نفلی قربانی ہے اس لیے ان چاروں کی طرف سے صحیح ہو جائے گی اور وہ حصہ بہر حال ذابح کی ملکیت ہے، مرحومین کے لیے ثواب ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۳/۵۷۲)

عن أبی هريرة أن رسول الله ﷺ كان إذا أراد أن يضحی اشتری كبشين عظيمين سمينين أقرنين أملحين موجوءين فذبح أحدهما عن أمته لمن شهد لله بالتوحيد وشهد له بالبلاغ و ذبح الآخرعن محمد و عن آل محمد ﷺ. (سنن ابن ماجه، الأضاحی باب أضاحی رسول الله ﷺ النسخة الهندية ۲/۲۲۵-۲۲۶، دار السلام رقم: ۳۱۲۲)

لأن الموت لايمنع التقرب عن الميت بدليل أنه يجوز أن يتصدق عنه ويحج عنه وقد صح أن رسول الله ﷺ ضحی بكبشين أحدهما عن نفسه والآخر عمن لم يذبح من أمته و إن كان منهم من قد مات قبل أن يذبح. (شامی، كتاب الأضحية، كراچی ۶/۳۲۶، زكريا ۹/ ۴۷۱)

سئل عمن يضحى عن الميت قال: يصنع به كما يصنع بأضحيته ...... فقيل له أتصير عن الميت قال: الأجر للميت والملک للمضحى وبه قال سلمة و ابن مقاتل وأبو مطيع. (تاتارخانية زكريا ١٧/ ٤٤٤، رقم: ٢٧٧٧١، فتاوىٰ قاضيخان جديد زكريا ٣/ ٢٤٨، وعلى هامش الهندية زكريا ٣/ ٣٥٢) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
۲۵ رمحرم الحرام ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۳۰۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۶/۱/۲۵ھ

ایک حصۂ قربانی متعدد اموات کی طرف سے کرنا

سوال [۹۹۲۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک حصہ قربانی متعدد مردوں کی طرف سے دینا درست ہے یا نہیں؟ مثلاً ایک دنبہ ہے اس کی قربانی بہت سے مردوں کی طرف سے کردی جائے، ذبح کرکے یہ دعا پڑھے ’’**اللّٰهم تقبله من زيد، عمر، بكر، خالد**‘‘ اس طرح قربانی درست ہوگی؟

المستفتی: محمد غفران غفرلہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جی ہاں ایک دنبہ یا بکرا یا بڑے جانور کا ایک حصہ متعدد مردوں کی طرف سے بطور قربانی دیا جائے تو صحیح اور درست ہے، حضرت تھانویؒ نے کسی زمانہ میں عدم جواز کا فتویٰ صادر فرمایا تھا لیکن ایک سال کے بعد اس فتویٰ سے رجوع کرکے جواز کا اعلان کردیا ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۳/ ۵۷۳)

عن أبي هريرة أن رسول الله ﷺ كان إذا أراد أن يضحى اشترى كبشين عظيمين سمينين أقرنين أملحين موجوءين فذبح أحدهما عن أمته لمن شهد للّٰه بالتوحيد وشهد له بالبلاغ و ذبح الآخر عن محمد و عن آل محمد ﷺ. (سنن ابن ماجه، الأضاحى، باب أضاحى رسول الله ﷺ، النسخة الهندية ٢/ ٢٢٥-٢٢٦، دار السلام رقم: ٣١٢٢)

لأن الموت لايمنع التقرب عن الميت بدليل أنه يجوز أن يتصدق عنه ويحج عنه وقد صح أن رسول الله ﷺ ضحى بكبشين أحدهما عن نفسه والآخر عمن لم يذبح من أمته و إن كان منهم من قد مات قبل أن يذبح.

(شامی کتاب الأضحية کراچی ٦/٣٢٦، زکریا ٩/ ٤٧١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
١٥/ربیع الاول ١٤١٣ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٣٠٧٠/٢٨)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
١٤١٣/٣/١٥ھ

نفلی قربانی کر کے سب کو ثواب پہنچانا

سوال [٩٩٢٨]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کسی کے نام پر قربانی کرنا اور دیگر حضرات کو ثواب میں شامل کرنے کا کیا معنی اور مطلب ہے؟

المستفتی: عبدالرشید بانکوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: کسی میت کے نام نفلی قربانی کر کے دوسروں کو ثواب پہنچانے کا مطلب یہ ہے کہ کسی ایک میت کے لیے قربانی کر کے دوسروں کو بھی ثواب میں شامل کرنا جائز ہوگا۔

عن أبي هريرة أن رسول الله ﷺ كان إذا أراد أن يضحي اشترى كبشين عظيمين سمينين أقرنين أملحين موجوءين فذبح أحدهما عن أمته لمن شهد لله بالتوحيد وشهد له بالبلاغ و ذبح الآخر عن محمد و عن آل محمد ﷺ. (سنن ابن ماجه، الأضاحي، باب أضاحي رسول الله ﷺ، النسخة الهندية ٢/٢٢٥-٢٢٦، دار السلام رقم: ٣١٢٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٢٢/جمادی الثانیہ ١٤١٦ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٤٥١٧/٣٢)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
١٤١٦/٦/٢٢ھ

بڑے جانور میں تین لوگوں کا مل کر ایک حصہ میت کی طرف سے قربانی کرنیکا حکم

سوال [۹۹۲۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک بڑے جانور میں ۶/ حصے دوسرے لوگوں کے ہوں، اور ایک حصہ تین لوگ مل کر کسی میت کی طرف سے لے لیں تو یہ جائز ہے یا نہیں؟

نوٹ: جواب دینے سے قبل احسن الفتاویٰ اور فتاویٰ محمودیہ پر بھی ایک نظر ڈالیں، نیز جس پہلو میں زیادہ احتیاط ہو تحریر فرمائیں۔

المستفتی: عبد السلام رحمت نگر سہارنپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر کسی بڑے جانور میں چند لوگ مشترکہ طور پر ایک حصہ کسی میت کے لیے لیں اور اس قربانی کا ثواب اسے پہنچائیں تو یہ جائز اور درست ہے۔

وإن مات أحد السبعة المشتركين في البدنة، وقال الورثة: اذبحوا عنه وعنكم صح عن الكل استحسانا لقصد القربة من الكل. (الدر المختار، كتاب الأضحية، كراچی ٦/٣٢٦، زكريا ديوبند ٩/٤٧١، تبيين الحقائق امداديه ملتان ٦/٧، زكريا ديوبند ٦/٤٨٤، البحر الرائق كوئٹه ٨/١٧٧، زكريا ديوبند ٨/٣٢٥، مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ٤/١٧٣، هنديه زكريا قديم ٥/٣٠٥، جديد ٥/٣٥٢، تاتارخانية زكريا ١٧/٤٥٣، رقم: ٢٧٨٠٧)

نوٹ: سوالنامہ میں درج کردہ نوٹ میں فتاویٰ محمودیہ اور احسن الفتاویٰ کے حوالہ سے جو بات لکھی گئی ہے، وہ مقام ہمارا دیکھا ہوا ہے، صاحب احسن الفتاویٰ کی تحریر کا جواب صاحب فتاویٰ محمودیہ نے دے رکھا ہے اور حضرت فقیہ الامت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی نور اللہ مرقدہ کا فتویٰ صاحب احسن الفتاویٰ کے ذکر کردہ مسئلہ کے مقابلہ میں زیادہ صحیح اور معتبر ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/ ذی قعدہ ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۲۱۱)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۵/۱۱/۱۴۳۱ھ

چندآدمیوں کا ایک دنبہ حضور ﷺ کی طرف سے قربانی کرنا

سوال [۹۹۳۰]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ظفر کے کمرہ میں چار آدمی رہتے ہیں، عید الاضحیٰ کے موقع پر آپس میں یہ بات طے ہوئی کہ تھوڑا تھوڑا پیسہ جمع کر کے ایک دنبہ لے کر حضور پاک ﷺ یا کسی فرد واحد کے نام سے قربانی کردیں، تو یہ قربانی جائز ہوگی یا نہیں؟

المستفتی: شفیع احمد بحرین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جائز اور درست ہوجاتی ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۳/۵۷۳، فتاویٰ محمودیہ قدیم ۴/ ۲۸۸، جدید ڈابھیل ۱۷/ ۴۰۵)

وإن مات أحد السبعة المشتركين في البدنة، وقال الورثة: اذبحوا عنه وعنكم صح عن الكل استحسانا لقصد القربة من الكل. (الدر المختار، كتاب الأضحية، كراچی ٦/ ٣٢٦، زكريا ديو بند ٩/ ٤٧١، تبيين الحقائق امداديه ملتان ٦/ ٧، زكريا ديو بند ٦/ ٤٨٤، البحر الرائق كوئٹه ٨/ ١٧٧، زكريا ديو بند ٨/ ٣٢٥، مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ٤/ ١٧٣، هنديه زكريا قديم ٥/ ٣٠٥، جديد ٥/ ٣٥٢، تاتارخانية زكريا ١٧/ ٤٥٣، رقم: ٢٧٨٠٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵ر صفر المظفر ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/ ۱۶۴۳)

ایک قربانی پوری امت محمدیہ کی طرف سے کرنے کا حکم

سوال [۹۹۳۱]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: قربانی کے لیے ایک جانور اور بڑے جانوروں میں ایک حصہ فی کس ادائے

واجب کے لیے ضروری ہے، کیا اس طرح نفلی قربانی میں بھی حکم ہے، اگر شخص واحد ایک جانور یا ایک حصہ پوری امت محمدیہ یا تمام صحابہ کی طرف سے کردے تو اس کے ثواب میں سب کی شرکت ہوگی یا نہیں؟ او اس قربانی کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: عبداللہ مدرسہ فرقانیہ گونڈہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: شخص واحد اگر ایک جانور یا ایک حصہ کی قربانی چند اشخاص یا پوری امت محمدیہ علی صاحبہا الصلاۃ والسلام کی طرف سے کرتا ہے تو اس میں تمام لوگوں کی شرکت ہوتی ہے، اور اس کا ثواب سب کو پہنچتا ہے اور اس طرح قربانی صحیح ہوجاتی ہے۔ (مستفاد: مسائل قربانی ۲۸، فتاویٰ محمودیہ قدیم ۴/ ۲۸۸، ۱۴/ ۳۳۶، جدید ڈابھیل ۱۷/ ۴۰۴-۴۰۵)

عن أبي هريرة أن رسول الله ﷺ كان إذا أراد أن يضحي اشترى كبشين عظيمين سمينين أقرنين أملحين موجوءين فذبح أحدهما عن أمته لمن شهد لله بالتوحيد وشهد له بالبلاغ و ذبح الآخرعن محمد و عن آل محمد ﷺ. (سنن ابن ماجه، الأضاحي، باب أضاحي رسول الله ﷺ، النسخة الهندية ٢/ ٢٢٥-٢٢٦، دارالسلام رقم: ٣١٢٢)

لأن الموت لايمنع التقرب عن الميت بدليل أنه يجوز أن يتصدق عنه ويحج عنه وقد صح أن رسول الله ﷺ ضحى بكبشين أحدهماعن نفسه والآخر عمن لم يذبح من أمته و إن كان منهم من قد مات قبل أن يذبح. (شامی، كتاب الأضحية، كراچی ٦/ ٣٢٦، زكريا ٩/ ٤٧١)

وإن مات أحد السبعة المشتركين فى البدنة، وقال الورثة: اذبحوا عنه وعنكم صح عن الكل استحسانا لقصد القربة من الكل. (الدر المختار، كتاب الأضحية، كراچی ٦/ ٣٢٦، زكريا ديوبند ٩/ ٤٧١، تبيين الحقائق امداديه ملتان ٦/ ٧، زكريا ديوبند ٦/ ٤٨٤، البحر الرائق كوئٹه ٨/ ١٧٧، زكريا ديوبند ٨/ ٣٢٥، مجمع

الأنهـر، دار الـكتـب العلمية بيروت ٤/١٧٣، هنديه زكريا قديم ٥/٣٠٥، جديد ٥/٣٥٢، تاتارخانية زكريا ١٧/٤٥٣، رقم: ٢٧٨٠٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷/ذی الحجہ ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۵۳۰)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۷/۱۲/۱۴۱۸ھ

۵ باب الشركة فى الأضحية

اجتماعی قربانی

سوال [۹۹۳۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کیا اجتماعی قربانی جائز ہے، جبکہ صاحب قربانی کو نہ اپنے جانور کا علم ہے اور نہ ہی اپنے جانور کی قیمت کا علم ہے؟

المستفتی: حنیف اندوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اجتماعی قربانی دوطرح سے ہوسکتی ہے (۱) سات آدمی بڑے جانور میں شریک ہوکر قربانی کردیں، سات آدمی برابر پیسہ دیکر سات بکرے اکٹھے لے آئیں، اور کس کا جانور کونسا ہے؟ یہ متعین کیے بغیر ذبح کردیں، تو اس طرح قربانی جائز اور درست ہے۔

اشترىٰ سبعة نفر سبع شياه بينهم، ولم يسم لكل واحد منهم شاة بعينها فضحوا بها كذٰلك، فالقياس أن لايجوز وفى الاستحسان يجوز. (هنديه، كتاب الأضحية، الباب الثامن فيما يتعلق بالشركة فى الضحايا، زكريا قديم ۵/۳۰۶، جديد ۵/۳۵۳)

(۲) دوسری شکل یہ ہے کہ ایک شخص کے پاس مختلف لوگوں نے اپنی اپنی قربانی کے لیے پیسہ بھیج دیا اور وہ شخص سب کی طرف سے وکیل بن کر سب کی قربانی کی نیت سے بڑا جانور خرید لے یا ان لوگوں کی تعداد کے مطابق چھوٹے جانور خرید لے، پھر ان سب کی طرف سے تعیین کیے بغیر ان کی طرف سے قربانی کی نیت سے سب جانوروں کو ذبح کردے، تو اس طرح سے بھی سب کی طرف سے قربانی جائز اور درست ہو جاتی ہے، لہٰذا مدارس میں مختلف لوگوں کی جو اجتماعی قربانی ہوتی ہے، وہ بلاشبہ جائز اور درست ہے، اسی طرح اگر صرف خریداری کے وقت ہر ایک کا جانور متعین ہو جائے کہ فلاں جانور فلاں کے لیے پھر اس کے بعد ذبح کے وقت ان کی طرف

سے نیت کیے بغیر صرف بسم اللہ پڑھ کر حلال کر دینے سے قربانی درست ہو جاتی ہے۔

ومنها أن تجزئ فيها النيابة فيجوز للإنسان أن يضحی بنفسه و بغيره بإذنه. (بدائع الصنائع، كتاب التضحية، فصل فی كيفية الوجوب، زكريا ٤/٢٠٠، كراچی ٥/٦٧، هنديه زكريا جديد ٥/٣٣٩، قديم ٥/٢٩٤)

وأما الضحايا فلا بد فيها من النية لكن عند الشراء لا عند الذبح. (الأشباه والنظائر، قديم ١/٤٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵ ربیع الاول ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۵۲۳)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری
۱۵/۳/۱۴۲۹ھ

اجتماعی قربانی میں نیت کا حکم

سوال [۹۹۳۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کیا اجتماعی قربانی میں بوقت ذبح نام لینا ضروری ہے یا صرف نیت کافی ہے؟

المستفتی: حنیف اندوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اجتماعی قربانی میں بوقت ذبح نام لینا ضروری نہیں ہے، صرف خریدتے وقت نیت کر لینا کافی ہے، اور اگر خریدتے وقت نیت نہیں کی ہے تو بوقت ذبح نیت کر لینا بھی کافی ہے۔

وأما الضحايا فلا بد فيها من النية لكن عند الشراء لا عند الذبح.

(الأشباه والنظائر قديم ص: ٤٠ وهكذا فی الهندية زكريا قديم ٥/٢٩٤، جديد ٥/٣٤٠، مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ٤/١٧٥، مصری قديم ٢/٥٢٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵ ربیع الاول ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۵۲۳)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۵/۳/۱۴۲۹ھ

بڑے جانور میں عین قربانی کے وقت شریک ہونا

سوال [۹۹۳۴]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص اپنے گھر والوں کے لیے ایک قربانی کا جانور خرید کرلایا اور عین قربانی کے وقت ایک دوسرا شخص شامل ہونا چاہتا ہے؟ تو کیا حکم ہے؟

المستفتی: فروغ احمد کشن گنج

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: گھر والوں میں سے جن پر قربانی واجب ہے، ان سب کے حصوں کے بعد بھی ایک دو حصے فاضل ہیں تو ذبح سے پہلے پہلے ان فاضل حصوں میں دوسروں کو شامل کرلینا جائز ہے، کوئی مضائقہ نہیں۔

عن جابر –رضی اللہ عنه– قال: نحرنا بالحديبية مع رسول الله صلى الله عليه وسلم البدنة عن سبعة والبقرة عن سبعة. (مسند أحمد بن حنبل ٣/ ٢٩٤، رقم: ١٤١٧٣– ١٤٢٧٨– ١٥١٠٩ – ١٥١١١)

لأن المراد أنها تجزئ عن سبعة بنية القربة من كل منهم. (شامی، کتاب الأضحية، زكريا ٩/ ٤٥٧، كراچی ٦/ ٣١٦، مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ٤/ ١٦٨، مصری قديم ٢/ ٥١٧، بدائع الصنائع زكريا ٤/ ٢٠٧، كراچی ٥/ ٧١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم ذی الحجہ ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۴۲۴۴)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱/ ۱۲/ ۱۴۱۵ھ

دو، تین یا چار افراد ایک بڑے جانور میں برابر شریک ہو سکتے ہیں؟

سوال [۹۹۳۵]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک بڑا جانور دو شخص کے درمیان برابر تقسیم یا تین کے درمیان برابر تقسیم یا چار یا

پانچ کے درمیان برابر تقسیم کے بارے میں مدلل جواب تحریر فرمائیں؟

المستفتی: محمد صابر غفرلہ، خادم مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایک بڑے جانور میں دو آدمی، تین آدمی، چار آدمی، پانچ آدمی، چھ آدمی بھی شریک ہو سکتے ہیں، سات آدمی کا ہونا ضروری نہیں ہے، لہٰذا اگر دو آدمی برابر برابر تقسیم کرلیں یا تین آدمی مل کر قربانی کر دیں تو یہ جائز اور درست ہے۔

ولو كانت البدنة بين اثنين نصفان يجوز في الأصح؛ لأن نصف السبع يكون تبعا لثلاثة أسباع. (تبيين الحقائق، كتاب الأضحية، امداديه ملتان ٦/٤، زكريا ٦/٤٧٦)

ويجوز ذلك عن سبعة أو أقل من ذلك (إلى قوله) ولا شك في جواز بدنة أو بقرة عن أقل من سبعة بأن اشترك اثنان أو ثلاثة، أو أربعة، أو خمسة أو ستة في بدنة أو بقرة؛ لأنه لما جاز السبع فالزيادة أولىٰ. (بدائع الصنائع، كتاب التضحية، زكريا ٤/٢٠٧، كراچی ٥/٧١، مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ٤/١٦٨، مصرى قديم ٢/٥١٧) فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍ذی الحجہ ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۵۳۰/۲۵)

بڑے جانور میں صرف پانچ یا دو آدمیوں کا قربانی کرنا

سوال [۹۹۳٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) کہ قربانی کے لیے ایک بڑا جانور خریدا گیا اس میں پانچ آدمی حصہ دار ہیں ابھی پورے سات حصے مکمل نہیں ہوئے تھے، اور آخر تک بقیہ دو حصوں کے لیے کوئی تیار نہ ہوسکا، پھر اس جانور کی قربانی انہیں پانچ لوگوں کی طرف سے کر دی گئی۔

اب دریافت یہ کرنا ہے کہ پانچ لوگوں کی طرف سے اس پورے جانور کی قربانی صحیح

ہوئی یا نہیں؟ جبکہ اس میں ابھی دو حصے متعین نہیں ہوئے تھے؟

(۲) اسی طرح اگر ایک بڑا جانور دو آدمیوں نے برابر برابر رقم دے کر خریدا اور دونوں نے سات حصے متعین نہ کر کے اپنے اپنے ناموں سے قربانی کر دی، تو شرعاً یہ قربانی درست ہوگی یا نہیں؟

المستفتی: سید محمد ضیاء الاسلام سہارنپوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر پانچ آدمیوں نے برابر برابر قیمت دے کر پورے جانور کی قربانی کر دی ہے تو سب کی طرف سے قربانی صحیح ہوگی اور جانور بجائے سات حصے کے پانچ کا ہو جائے گا۔

وتجوز عن ستة و خمسة أو أربعة أو ثلاثة لأنه لما جاز عن سبعة فما دونها أولیٰ. (البحر الرائق، کتاب الأضحية، کوئٹه ۸/۱۷٤، زکریا ۸/۳۱۹، مجمع الأنهر، دار الکتب العلمية بيروت ٤/۱٦۸، مصری قديم ۲/٥۱۷، تبيين الحقائق امداديه ملتان ٦/٤، زکريا ٦/٤٧٦، هنديه زکريا قديم ٥/۳۰٤، جديد ٥/۳٥۱، هدايه اشرفی ٤/٤٤٤)

(۲) اسی طرح سات حصے والے بڑے جانور کو صرف دو آدمی مل کر برابر برابر قیمت دے کر اپنی طرف سے قربانی کر دیں تب بھی جائز ہے۔

ولو كانت البدنة بين اثنين نصفين تجوز فی الأصح. (هدايه کتاب الأضحية، اشرفی ٤/٤٤٥، تبيين الحقائق امداديه ملتان ٦/٤، زکريا ٦/٤٧٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰ محرم الحرام ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۶۳۹۸)

ایک جانور کے چھ شرکاء کا ساتویں حصہ میں برابر کا شریک ہونا؟

سوال [۹۹۳۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ عیدالاضحیٰ کے موقع پر چھ افراد نے ایک جانور بھینس کٹڑا وغیرہ مبلغ ۶۰۰ر سوروپیہ سے خریدا، اور چھ کے چھ نے اس جانور میں برابر کی شرکت کے ساتھ قربانی کردی، یعنی ہر ایک نے سوسوروپئے ادا کیے، ساتویں حصے کا کوئی تذکرہ نہیں، گوشت برابر تقسیم کردیا، تو کیا تمام چھ افراد کی قربانی درست ہوئی یا نہیں؟ اس صورت میں ساتواں حصہ ناقص رہا، جو چھ جگہ تقسیم ہوگیا جبکہ قربانی میں کوئی حصہ ناقص نہ ہونا چاہیے؟

المستفتی: محمد صابر خادم مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بڑے جانور میں چھ افراد شریک ہوکر ہر ایک مستقل ایک ایک حصہ لے کر ساتواں حصہ میں سب کا برابر شریک ہوجانا درست اور جائز ہے، اس سے کسی کی قربانی پر کسی قسم کا اثر مرتب نہ ہوگا، سب کی قربانی صحیح ہوجائے گی، کیونکہ ساتواں حصہ اگرچہ مستقل حصہ نہیں ہے لیکن مستقل حصوں کے تابع ہوکر فی الجملۃ تقرب الی اللہ میں داخل ہے۔

وتجوز عن ستة أو خمسة أو أربعة أو ثلاثة ذكره محمد في الأصل، لأنه لما جاز عن سبعة فما دونها أولىٰ. (البحر الرائق، كتاب الأضحية، كوئٹه ۸/۱۷٤، زكريا ۳۱۹/۸، مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ٤/۱٦۸، مصرى قديم ۲/۵۱۷، بدائع الصنائع، زكريا ٤/۲۰۷، كراچى ۵/۷۱، تبيين الحقائق امداديه ملتان ٦/۳، زكريا ٦/٤۷٦، شامى زكريا ۹/٤۵۷، كراچى ٦/۳۱٦، هدايه اشرفى ٤/٤٤٤، هنديه زكريا قديم ۵/۳۰٤، جديد ۵/۳۵۱)

لأن ذٰلك النصف وإن لم يصر أضحية؛ لكنه صار قربة تبعاً للأضحية، وكم من شيئ ثبت ضمناً ولا يثبت قصداً وله نظائر كثيرة؛ منها إذا ضحى شاة فخرج من بطنها جنين حي، فإنه يجب عليه أن يضحيها وإن لم تجز أضحيته ابتداءً. (البناية اشرفيه ۱۲/۱۹، قديم ٤/۱۷۳) **فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
۲ر ذی الحجہ ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۵۳۰/۳۵)

قربانی کے جانور میں آٹھ لوگوں کا شرکت کرنا

سوال [۹۹۳۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک بڑے جانور کے اندر غلطی سے آٹھ حضرات شریک ہوگئے اور سب کی طرف سے اس بڑے جانور کو قربان کردیا گیا، جب گوشت تقسیم کرنے کا نمبر آیا تو اس وقت معلوم ہوا کہ شرکاء آٹھ ہوگئے ہیں، اگر ان آٹھ شرکاء میں سے اس وقت کوئی ایک شریک علاحدہ ہوجائے اور اس کے پیسے واپس کردیے جائیں تو باقی سات شرکاء کی طرف سے قربانی درست ہوسکتی ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد انور حسین، نوگاؤں، آسام

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آٹھ آدمی کی شرکت میں اگر یکے بعد دیگرے علی الترتیب پیسے جمع کیے ہیں اور سات آدمی مکمل ہونے کے بعد آخر میں آٹھویں آدمی نے پیسے جمع کیے ہیں تو ایسی صورت میں آخر میں جس سے پیسے جمع کیے گئے ہیں اس کی طرف سے قربانی درست نہیں ہوئی ہے، کیونکہ اس کی شرکت ہی درست نہیں ہوئی ہے، اس لیے آٹھویں کو چھوڑ کر بقیہ ساتوں کی قربانی درست ہوگئی اور اگر بغیر ترتیب کے آٹھ آدمی شریک ہوگئے ہیں اور آخر میں کس کے پیسے جمع ہوئے ہیں، اس کا پتہ ہی نہیں ہے بلکہ آٹھ آدمیوں نے شریک ہوکر ایک جانور خریدلیا ہے، بعد میں پتہ چلا کہ سات کے بجائے آٹھ کی طرف سے قربانی ہوئی ہے تو ایسی صورت میں کسی کی بھی قربانی درست نہیں ہوئی ہے۔

والبقر والبعير يجزئ عن سبعة إذا كانوا يريدون به وجه الله تعالىٰ، والتقدير بالسبع يمنع الزيادة ولايمنع النقصان ...... ولو اشترىٰ بقرة يريد أن يضحي بها ثم أشرك فيها ستة يكره ويجزيهم (إلى قوله) إلا أن يريد حين اشتراها أن يشركهم فيها فلا يكره و إن فعل ذلك قبل أن يشريها كان أحسن. (عالمگیری، الباب الثامن فيما يتعلق بالشركة في الضحايا، زكريا قديم ٥/٣٠٤، جديد ٥/٣٥١)

وإذا كان الشركاء في البدنة أو البقرة ثمانية لم يجزهم لأن نصيب أحدهم

أقل من السبع. (عـالمگیری، الباب الثامن فیما یتعلق بالشرکة فی الضحایا زکریا قدیم ۳۰۵/۵، جدید ۳۵۲/۵، البحر الرائق کوئٹه ۱۷٤/۸، زکریا ۳۱۹/۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳رصفر المظفر ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۹۷۶/۴۰)

سات سو افراد کی طرف سے لاعلی التعیین سو بڑے جانور کی قربانی

سوال [۹۹۳۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مغربی مما لک سے مختلف لوگوں نے ہندوستان کے مدرسے میں قربانی کے لیے پیسے بھیجے، مدرسے والوں نے سب کی فہرست تیار کی، جس میں سات سو حصے جمع ہو گئے، اب مدرسے والوں نے ان سات سو لوگوں کی طرف سے قربانی کے لیے لم سم سو بڑے جانور خریدے، اس میں یہ تعین نہیں ہوا کہ کس جانور میں کس کا حصہ ہے، تو مدرسے والوں نے سو جانور خرید کر ان سات سو کی طرف سے قربانی کر دی ہے، تو سب کی قربانی درست ہوگئی یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مدرسے والوں نے ان سات سو کی طرف سے سو بڑے جانور خرید کر لاعلی التعیین ایک ایک حصہ سب کی طرف سے نیت کر کے کر دیا تو سب کی قربانی درست ہوگئی۔

اشتریٰ کل واحد منهم شاة للأضحية، أحدهم بعشرة والآخر بعشرين والآخر بثلاثين وقيمة كل واحدة مثل ثمنها فاختلطت حتى لايعرف كل واحد منهم شاته بعينها واصطلحوا على أن يأخذ كل واحد منهم شاة فيضحى بها أجزأتهم. (هنديه، الباب الثامن فيما يتعلق بالشركة فى الضحايا، زكريا قديم ۳۰۵/۵، جديد ۳۵۲/۵، شامى كراچى ۳۲۷/٦، زكريا ٤٧٢/٩)

اشتریٰ سبعة نفر سبع شياه بينهم ولم يسم لكل واحد منهم شاة بعينها

فضحوا بها كذٰلك فالقياس أن لايجوز، وفی الاستحسان يجوز. (هنديه، كتاب الأضحية، الباب الثامن فيما يتعلق بالشركة فی الضحايا، زكريا قديم ٣٠٦/٥، جديد ٣٥٣/٥)

وعلى هذا إذا غلط رجلان فذبح كل واحد منهما أضحية صاحبه عن نفسه أنه يجزئ كل واحد منهما أضحية عنه استحسانا. (بدائع الصنائع، كتاب التضحية، زكريا ٢٠١/٤، كراچی ٦٧/٥، هدايه اشرفی ٤٥١/٤، هنديه زكريا قديم ٣٠٢/٥، جديد ٣٤٩/٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۳۴/۱۲/۵ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: (۱۱۳۴۰/۴۰))

پانچ بڑے جانوروں میں ۳۵/لوگوں کا حضور ﷺ کی طرف سے قربانی کرنے کا حکم

سوال [۹۹۴۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے علاقہ میں ایک مدرسہ ہے جس کے زیر انتظام بڑے جانوروں کی قربانی ہوتی ہے، مدرسہ کی طرف سے عید الاضحیٰ کے موقعہ پر تخمینہ لگا کر اعلان کر دیا جاتا ہے کہ بڑے جانور میں فی حصہ قربانی کا اتنا صرفہ ہوگا، مختلف حضرات اپنے اور متعلقین کے لیے قربانی کا وکیل بنا کر متعینہ رقم مدرسہ کو ادا کرتے ہیں، بعض حضرات حضور ﷺ اور دیگر انبیاء اور اولیاء کی طرف سے قربانی کا بھی وکیل بناتے ہیں ذمہ داران مدرسہ کا یہ طریقہ ہے کہ جس ترتیب سے نام آتے ہیں وہ اسی ترتیب سے سات سات ناموں کے لیے ایک ایک جانور متعین کرتے چلے جاتے ہیں لیکن ایک نام سے ہونے والی متعدد قربانیوں کو ترتیب سے ہٹا کر ایک ساتھ کر لیتے ہیں، مثلاً حضور ﷺ کی طرف سے قربانی کے لیے ۳۵/ حصے آئے تو یہ قربانیاں اندراج کی ترتیب سے نہ کر کے ایک ساتھ پانچ جانور قربان کر دیتے ہیں، گذشتہ کئی سالوں سے یہ معمول جاری تھا، لیکن اس سال بعض احباب نے یہ شبہ پیش کیا کہ اس صورت میں حضور ﷺ کی طرف سے صرف پانچ قربانیاں منعقد ہوتی ہیں، ۳۵/ نہیں، اور آپ کو ۳۵/

قربانیوں کا وکیل بنایا گیا ہے اس لیے یا تو آپ ۳۵؍ جانور قربان کریں یا ایک جانور میں ایک ایک حصہ حضور ﷺ کا رکھیں، اس سے ۳۵؍ قربانیاں بھی ادا ہو جائیں گی، اور جن قربانیوں میں حضور ﷺ کے حصہ کی شرکت ہو جائے گی وہ عنداللہ زیادہ مقبول ہوں گی، برائے مہربانی وضاحت فرمائیں کہ پہلے سے جاری طریقہ پر قربانی کرنے میں مؤکلین کی منشاء کے مطابق ۳۵؍ قربانیاں ادا ہوں گی یا نہیں؟ بہرصورت بہتر شکل کیا ہوگی؟

مزید ایک بات کی وضاحت فرمائیں کہ جانوروں کی کثرت کی وجہ سے یہ بہت مشکل ہوتا جا رہا ہے کہ ہر ہر جانور پر ذبح کرنے والا ناموں کی پرچی لے کر کھڑا رہے، اور ذبح کے بعد سارے نام لیا کرے، تو کیا اس بات کی گنجائش ہے کہ دل میں نیت کر لے کہ وکلاء نے جن لوگوں کے نام دیئے ہیں ان میں سے سات افراد کی طرف سے یہ قربانی کر رہا ہوں، اور زبانی تمام نام نہ لے؟

المستفتی: عبدالرحمٰن بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مذکورہ فی السوال صورت میں پانچ بڑے جانوروں میں بلا شبہ ۳۵؍ قربانیاں حضور پاک ﷺ کے نام سے درست ہو جاتی ہیں، اس لیے کہ ایک بڑے جانور میں سات حصے کرنا شرعاً درست ہے، لہٰذا پانچ جانوروں میں پینتیس آدمیوں کی طرف سے حضور پاک ﷺ کے نام سے حصے کرنا بلا شبہ درست ہے، اور جو لوگ اس کو ناجائز کہتے ہیں ان کی بات درست نہیں ہے، سوالنامہ میں دوسرا جزئیہ پوچھا گیا ہے کہ ذبح کے وقت ہر ایک حصہ دار کا نام لینا ضروری ہے یا صرف دل میں نیت کرنا کافی ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جانور خریدتے وقت جن جن لوگوں کے نام متعین کر لیے جاتے ہیں وہی کافی ہو جاتا ہے وہ جانور انہیں ناموں کے ساتھ متعین سمجھا جاتا ہے، پھر ذبح کرتے وقت سب کا نام لینے کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ صرف نیت کر لینا کافی ہے، اور بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر ذبح کر دیا جائے۔

ذبح المشتراة لها بلا نية الأضحية جازت اكتفاء بالنية عند الشراء.

(عالمگیری، کتاب الأضحیة، الباب الثانی فی وجوب الأضحیة بالنذر وما هو فی معناه، زکریا قدیم ۲۹۴/۵، جدید ۳۴۰/۵، مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ۱۷۵/۴، مصری قدیم ۵۲۲/۲)

وأما الضحايا فلا بد فيها من النية لكن عند الشراء لا عند الذبح. (الأشباه والنظائر قديم ص: ۴۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷؍ربیع الاول ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۰۱۲/۴۰)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۷؍۳؍۱۴۳۴ھ

سوآدمیوں کی طرف سے لاعلی التعیین سوبکرے قربان کردینا

سوال [۹۹۴۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مدرسے میں سوآدمیوں نے قربانی کا پیسہ بھیجا، مدرسے والوں نے سوبکرے خرید کران کی طرف سے قربان کردے، یہ متعین نہیں کیا کہ کونسا بکرا کس کی طرف سے ہے، اس صورت میں ان سب کی قربانی درست ہوگئی یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مدرسہ میں سوآدمیوں نے قربانی کے لیے پیسے بھیجے، مدرسے والوں نے سوبکرے خرید کر لاعلی التعیین ان کی طرف سے قربان کردیئے تو سب کی قربانی درست ہوگئی۔

اشتریٰ سبعة نفر سبع شياه بينهم ولم يسم لكل واحد منهم شاة بعينها فضحوا بها كذٰلک، فالقياس أن لايجوز وفي الاستحسان يجوز. (هنديه، كتاب الأضحية، الباب الثامن فيما يتعلق بالشركة في الضحايا، زكريا قديم ۵/۳۰۶، جديد ۵/۳۵۳)

لو اختلطت الغنم فضحى كل واحد واحدة ورضوا بذٰلک جاز. (هنديه، الباب الثامن فيما يتعلق بالشركة في الضحايا، زكريا قديم ۵/۳۰۶، جديد ۵/۳۵۳، شامی کراچی ۶/۳۲۹، زكريا ۹/۴۷۷، بدائع الصنائع زكريا ۴/۲۰۱، کراچی ۵/۶۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍ذی الحجہ ۱۴۳۴ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۳۳۷)

نائی کی شرکت کے ساتھ دوسرے شرکاء کی قربانی بلا کراہت درست

سوال [۹۹۴۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: قربانی کے جانور کے شرکاء میں اگر کوئی نائی ہو جو داڑھی بھی مونڈتا ہو تو اس کی وجہ سے اس جانور کی قربانی میں کوئی فرق آئیگا یا نہیں؟

المستفتی: عبداللہ مدرسہ فرقانیہ گونڈہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صاحبین کے اصول کے مطابق تعاون علی المعصیت کی وجہ سے نائی کی کمائی مکروہ تنزیہی ہے اور مکروہ تنزیہی حلال کے قریب قریب ہوتا ہے، اور حضرت امام ابوحنیفہؒ کے اصول کے مطابق بلاکراہت حلال ہے۔

لہٰذا جس جانور میں نائی کی شرکت ہو اس جانور کی قربانی میں کوئی فرق نہیں آئے گا، بلکہ تمام شرکاء کی قربانی بلا شبہ درست ہو جائے گی۔

كراهة تنزيهية ما كانت إلى الحل أقرب وهي تقابل ترك السنة.

(لغة الفقهاء ص: ۳۷۹)

إذا استاجر رجلا لينحت له طنبورا أو بربطا ففعل يطيب له الأجر إلا أنه يأثم في الإعانة على المعصية. (تاتارخانية زكريا ۱۵/۱۳۱، رقم: ۲۲۴۳۷)

ويكره له أن يستاجر امرأة حرة أو أمة ليستخدمها و يخلو بها لقوله صلى الله عليه وسلم: لايخلون رجل بامرأة ليس منها بسبيل فإن ثالثهما الشيطان ولأنه لا يأمن من الفتنة على نفسه أو عليها إذا خلا بها ولكن هذا النهي لمعنى من غير العقد فلا يمنع صحة الإجارة وجوب الأجر إذا عمل كالنهي عن البيع وقت النداء. (المبسوط للسرخسي، دار الكتب العلمية بيروت ۱۶/۵۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲؍صفر المظفر ۱۴۳۵ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۴۴۷)

سات شرکاء میں سے ایک کا پیسہ سود یا صدقہ کا ہے

سوال [۹۹۴۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: سات آدمیوں نے مل کر ایک بڑا جانور قربانی کے لیے خریدا، ان سات میں سے ایک کا پیسہ سود کا ہے، اور ایک کا سٹے کا ہے تو ایسی صورت میں اس پورے جانور کی قربانی کا کیا حکم ہے؟ سود اور سٹے داروں کی قربانی کا کیا حکم ہے؟ ان کے حرمت کی خباثت کی نحوست دوسرے شرکاء کے حصوں میں پہنچے گی یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سات آدمیوں نے قربانی کے لیے جو بڑا جانور خریدا ہے جس میں سود اور سٹے کا پیسہ شامل ہے تو ایسی صورت میں اولاً جس کا پیسہ سود کا ہے، اور جس کا سٹے کا ہے، ان کی قربانی درست نہ ہوگی، نیز ان کی حرمت کی خباثت کی وجہ سے سارے شرکاء کی قربانی صحیح نہ ہوگی۔ (مستفاد: جامع الفتاویٰ ۴/ ۲۷۷، کفایت المفتی زکریا ۱۹۰، جدید زکریا مطول ۱۲/ ۹۶، احسن الفتاویٰ ۷/ ۵۰۳)

ولو ذبحوها بلا إذن الورثة لم يجزهم لأن بعضها لم يقع قربة وإن كان شريك الستة نصرانيا أو مريدا اللحم لم يجز عن واحد منهم لأن الإراقة لا تتجزأ. (شامی، كتاب الأضحية، زكريا ٩/ ٤٧٢، كراچی ٦/ ٣٢٦)

وكذا إذا كان عبدا أو مدبرا يريد الأضحية لأن نيته باطلة لأنه ليس من أهل هذه القربة فكان نصيبه لحما فمنع الجواز أصلا. (شامی، كتاب الأضحية، كراچی ٦/ ٣٢٦، زكريا ٩/ ٤٧٢)

أو كان شريك السبع من يريد اللحم أو كان نصرانيا و نحو ذلك لايجوز للآخرين. (هنديه، الباب الثامن فيما يتعلق بالشركة فى الضحايا، زكريا قديم ٥/ ٣٠٤، جديد ٥/ ٣٥١، فتاویٰ سراجيه اتحاد ص: ٣٨٦)

وفى الكافى: وإن كان شريك الستة نصرانيا أو رجلا يريد اللحم لم يجز عن واحد منهم. (فتاویٰ تاتارخانية زكريا ١٧/ ٤٥٤، رقم: ٢٧٨١١)

وفي الكافي: ولو ذبحها الباقون بغير إذن الورثة لايجزيهم لأنه لم يقع بعضها قربة لعدم الإذن منهم فلم يقع الكل قربة ضرورة عدم التجزئ.

(تاتارخانية زكريا ١٧/٤٥٤، رقم: ٢٧٨٠٨) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۱/ذی قعدہ ۱۴۳۴ھ

(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۳۱۱)

بینک کے ملازم کو قربانی میں شریک کرنے کا حکم

سوال [۹۹۴۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے یہاں ایک صاحب بینک میں ملازم ہیں جو تنخواہ ملتی ہے اسی پران کا گذران ہے، انہوں نے قربانی کے جانور میں حصہ لیا، معلوم یہ کرنا ہے کہ اس ملازم کی قربانی درست ہے؟ اوراس کے ساتھ جن بقیہ چھ حصہ داروں نے شرکت کی تھی، ان کی قربانی درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: عبدالرشید قاسمی سیڑھا بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: احسن الفتاویٰ میں بینک میں ملازمت کرنے والے کی تنخواہ اور اجرت کو بالکل ناجائز کہا ہے، اور اس کے ساتھ شریک ہوکر قربانی کرنے والوں میں سے کسی کی بھی قربانی درست نہ ہوگی، اس مسئلے کے لکھنے کے بعد انہوں نے دلیل میں جو جزئیات پیش کیے ہیں، وہ اس مسئلہ کے موافق نہیں ہیں، کیونکہ جزئیات میں جو نظائر پیش کیے گئے ہیں وہ غیر مسلم، یہودی اور نصرانی کے ساتھ قربانی میں شرکت سے متعلق ہیں، اور غیر مسلم، یہودی اور نصرانی کی قربانی شرعی طور پر صحیح نہیں ہوتی ہے، اس لیے ان کی پیش کردہ دلیل اور مسئلہ ہمارے حلق سے نیچے نہیں اترتا۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ زکریا ۷/۵۰۳)

بلکہ اس کے خلاف دلیل اور نظائر ہمارے سامنے ہیں، مثلاً اگر کسی شخص نے دوسرے کو اپنی دیوار پر تصویر بنانے کے لیے اجرت پر لیا تو تصویر بنانے کا کام اس کے لیے ناجائز اور

مکروہ ہے، مگر حق المحنت کی وجہ سے اجرت اس کے لیے جائز ہے، اسی طرح کسی مسلمان کو، کوئی غیر مسلم مندر بنانے کے لیے اجرت پر لائے، اور مسلمان، مندر یا گردوارہ یا عیسائیوں کا چرچ بنا دے تو اس مسلمان کے لیے حق المحنت کی وجہ سے اجرت حلال اور جائز ہے، نیز غیر مسلم نے کسی مسلمان کو خنزیر چرانے کے لیے اجرت پر لیا، اور مسلمان خنزیر چرالے، تو خنزیر چرانا تو اس کے لیے جائز نہیں، لیکن حق المحنت کی وجہ سے اس کی اجرت اس کے لیے جائز ہے، نیز شراب بنانے والا، شراب نچوڑنے والا، بیچنے والا، اس کی خدمت کرنے والا، ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے والا، سب مستحق لعنت اور گنہگار ہوتے ہیں، لیکن شراب ڈھوکر لے جانے والے کے لیے اپنی حق المحنت اور اجرت لینا امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک بلا کراہت جائز ہے، اور صاحبین کے نزدیک کراہت کے ساتھ جائز ہے۔

اسی طرح حضور ﷺ نے سود لینے والے، سود دینے والے، اس کا حساب و کتاب لکھنے والے اور اس کا گواہ بننے والے پر لعنت فرمائی ہے، اس لیے بینک کے ملازم کے لیے سودی حساب و کتاب کا لکھنا باعث لعنت اور باعث گناہ ہے، لیکن اس ملازمت کی تنخواہ، حق المحنت کی وجہ سے مذکورہ دلائل کی روشنی میں اس کے لیے حرام نہیں ہونی چاہیے، بلکہ حلال اور جائز ہوگی، اس لیے ہم بینک کے ملازم کی تنخواہ کو جائز سمجھتے ہیں، اور اس کے ساتھ قربانی میں شرکت بھی جائز سمجھتے ہیں، جن نظائر کی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے وہ ذیل میں ملاحظہ فرمائیے:

عن محمد: رجل استاجر رجلا ليصور له صورا أو تماثيل الرجال في بيت أو فسطاط فإني أكره ذٰلك و أجعل له الأجر ...... وقوله ...... ولو استاجر الذمي مسلما ليبني له بيعة أو كنيسة جاز ويطيب له الأجر كذا في المحيط. (هنديه كتاب الإجارة، الباب السادس عشر في مسائل الشيوع في الإجارة، زكريا قديم ٤/ ٤٥٠، جديد ٤/ ٤٨٦، الفتاویٰ التاتارخانية زكريا ١٥/ ١٣٠، رقم: ٢٢٤٣١، ١٥/ ١٣١، رقم: ٢٢٤٣٨)

وفي الشامية: وعلى هذا الخلاف لو آجره دابته لينقل عليها الخمر أو أجره نفسه ليرعى له الخنازير يطيب له الأجر عنده و عندهما يكره ......

وقوله ...... أو خياطا أمره أن يتخذ له ثوبا على زى الفساق يكره له أن يفعل لأنه سبب التشبه بالمجوس والفسقة. (شامی، کتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغیره، فصل فی البیع زکریا ۹/ ۵٦۲، کراچی ٦/ ۳۹۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍ربیع الاول ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۴۸۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۳/۲ھ

مالداروں کے ساتھ فقیروں کی قربانی

سوال [۹۹۴۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: سات آدمیوں نے مل کر ایک بڑا جانور خریدا، ان میں سے ۲؍آدمی فقیر ہیں جن کے اوپر قربانی واجب نہیں ہے، تو ایک ہی جانور کے اندر سرمایہ داروں کے ساتھ ۲؍فقیروں کی قربانی درست ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صحت قربانی کے لیے قربت شرط ہے، خواہ قربت کی جہت میں اختلاف ہی کیوں نہ ہو، لہٰذا مسئولہ صورت میں سرمایہ داروں کے ساتھ فقیروں کی قربانی بھی درست ہے، جبکہ سب کی نیت قربت کی ہو۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم ۱۵/ ۵۵۴)

ولو أرادوا القربة أي الأضحية أو غيرها من القرب أجزأهم و سواء كانت القربة واجبة أو تطوعاأو وجب على البعض دون البعض سواء اتفقت جهات القربة أو اختلفت. (هنديه، الباب الثامن فيما يتعلق بالشركة فى الضحايا، زكريا قديم ٥/ ٣٠٤، جديد ٥/ ٣٥١)

ووجهه أن البقرة تجوز عن سبعة لكن من شرطه أن يكون قصد الكل القربة و إن اختلفت جهاتها كالأضحية والقران والمتعة عندنا لاتحاد المقصود وهو القربة. (هدايه، كتاب الأضحية، اشرفى ٤/ ٤٤٩)

ولو أرادوا القربة الأضحية أو غيرها من القرب أجزأهم سواء كانت القربة واجبة أو تطوعا أو وجبت على البعض دون البعض وسواء اتفقت جهات القربة أو اختلفت بأن أراد بعضهم الأضحية وبعضهم جزاء الصيد وبعضهم هدى الإحصار وبعضهم كفارة شيئ أصابه في إحرامه وبعضهم هدى التطوع وبعضهم دم المتعة والقران وهذا قول أصحابنا الثلاثة. (بدائع زكريا ٤/ ٢٠٩، كراچى ٥/ ٧١، حاشيه چلپى امداديه ملتان ٦/ ٨، زكريا ٦/ ٤٨٥)

ولو كان بعض الشركاء صغيرا أو أم ولد بأن ضحى عن الصغير أبوه و عن أم الولد مولاها وإن لم يجب عليهما جاز لأن كلها وقعت قربة. (تبيين الحقائق، زكريا ٦/ ٤٨٥، امداديه ملتان ٦/ ٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴/ ذی قعدہ ۱۴۳۴ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۳۱۴)

سات شرکاء میں سے کسی کی نیت گوشت خوری کی ہو تو کیا حکم ہے؟

سوال [۹۹۴۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: سات آدمیوں میں سے ایک نے قربانی کی نیت نہیں کی ہے بلکہ گوشت کی نیت کی ہے اور وہ جانور خرید کرلایا گیا، اگر اس شخص نے ذبح ہوجانے کے بعد تک قربانی کی نیت نہیں کی، تو یہ قربانی ہوئی یا نہیں؟ اور اگر ذبح کے بعد نیت کی تو کیا حکم ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بڑے جانور میں حصہ لینے والے سبھی شرکاء کا قربت وعبادت کی نیت کرنا لازم ہے، لہٰذا سات شرکاء میں سے اگر کسی نے گوشت کی نیت کی اور ذبح ہوجانے کے بعد تک قربانی کی نیت نہیں کی یا ذبح ہونے کے بعد نیت کی تو قربانی کسی کی بھی درست نہ ہوگی۔

وإن كان أحدهم يريد اللحم لم يجز عن واحد منهم. (تاتارخانية زكريا ١٧/ ٤٥٠، رقم: ٢٧٧٩٣)

أو كان شريک السبع من يريد اللحم أو كان نصرانيا ونحو ذٰلک لايجوز للآخرين أيضا. (هنديه، الباب الثامن فيما يتعلق بالشركة فی الضحايا، زكريا قديم ٥/ ٣٠٤، جديد ٥/ ٣٥١، سراجيه، مكتبه اتحاد ١/ ٣٨٦)

وإن كان شريک الستة نصرانيا أو مريدا اللحم لم يجز عن واحد. (در مختار مع الشامی، كتاب الأضحية، زكريا ٩/ ٤٧٢، كراچی ٦/ ٣٢٦)

فلو أراد أحدهم بنصيبه اللحم ...... **لايجوز عن واحد منهم.** (ملتقى الأبحر، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ١٦٨، مصرى قديم ٢/ ٥١٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷/ ذی قعدہ ۱۴۳۴ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۳۲۰)

گوشت خوری کی نیت تھی مگر ذبح سے قبل قربانی کی نیت کرلی

سوال [۹۹۴۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: سات آدمیوں میں سے دو نے گوشت خوری کی نیت کی تھی، لیکن ذبح سے پہلے انہوں نے قربانی کی نیت کرلی، تو قربانی ہوئی یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: سات شرکاء میں سے دو نے پہلے گوشت خوری کی نیت کی تھی، لیکن ذبح سے پہلے ان دونوں نے قربانی کی نیت کرلی تو ایسی صورت میں سب کی قربانی درست ہوجائے گی، اس لیے کہ اعتبار آخری نیت کا ہوتا ہے، اور جب اخیر میں انہوں نے ذبح سے پہلے قربانی کی نیت کرلی تو سب کی قربانی درست ہوجائے گی۔ (مستفاد: انوار مناسک ص: ۵۱۲)

أو سبع البقرة بأن اشترک مع ستة فی بقرة أو بعير وكل يريد القربة وهو من

أهلها. (مجمع الأنهر، کتاب الأضحية، دار الكتب العلمية بيروت ١٦٨/٤، مصری قديم ٥١٧/٢)

إن البقرة تجوز عن سبعة إذا كانوا يريدون وجه الله. (هنديه جديد ٣٥١/٥، قديم ٣٠٤/٥)

إن البدنة تجزئ عن سبعة بنية القربة من كل منهم. (شامی، زکریا ٤٥٧/٩، کراچی ٣١٦/٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍ ذی قعدہ ۱۴۳۴ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۱۱۳۱۲/۴۰)

مختلف جہات کی نیت ایک جانور میں کرنے کا حکم

سوال [۹۹۴۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ سات آدمیوں نے مل کر بڑا جانور قربانی کے لیے خریدا، ان میں سے دو آدمیوں نے اپنی واجب قربانی کی نیت کی، اور دو نے نذر کی قربانی کی نیت کی، ایک نے مرحوم والد کی طرف سے قربانی کی نیت کی، اور ایک نے اپنی نفلی قربانی کی نیت، کی تو ایسی صورت میں مختلف قسم کی قربانیوں کی نیت ایک جانور میں جائز ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: چونکہ سب کی نیت تقرب الی اللہ کی ہے اس لیے مختلف جہات کی نیت کرنے والوں میں سے ہر ایک کی قربانی درست ہوگئی۔

ولو أرادوا القربة الأضحية أو غيرها من القرب أجزأهم سواء كانت القربة واجبة أو تطوعا أو وجبت على البعض دون البعض، وسواء اتفقت جهات القربة أو اختلف بأن أراد بعضهم الأضحية، وبعضهم جزاء الصيد، وبعضهم هدى الإحصار، وبعضهم كفارة شيئ أصابه في إحرامه، وبعضهم هدى التطوع، وبعضهم دم المتعة والقران ...... ولنا أن الجهات وإن اختلفت صورة فهي في

المعنی واحد؛ لأن المقصود من الکل التقرب إلی الله عز شأنه. (بدائع، کتاب التضحیة، زکریا ٤/٢٠٩، کراچی ٥/ ٧١، هندیه زکریا قدیم ٥/٣٠٤، جدید ٥/٣٥١)

والإبل والبقر یجوز عن سبعة إذا أراد الکل القربة اختلفت جهة القوبة أو اتحدت. (قاضیخان زکریا جدید ٣/٢٤٦، وعلی هامش الهندیة ٣/٣٤٩)

ولو نویٰ بعض الشرکاء الأضحیة وبعضهم هدی المتعة، وبعضهم هدی القران، وبعضهم جزاء الصید، وبعضهم دم العقیقة، جاز عن الکل فی ظاهر الروایة، عن محمد فی النوادر کذلک. (تاتارخانیة زکریا ١٧/ ٤٥٢، رقم: ٢٧٨٠٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹/ ذی قعدہ ۱۴۳۴ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۱۱۲۹۱/۴۰)

بڑے جانور کی قربانی میں مختلف جہات کا حکم

سوال [۹۹۴۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے بنگال میں یہ عام دستور ہے کہ لوگ ایک ساتھ مل کر ایک گائے میں تین چار شخص قربانی کرتے ہیں، اب ایک شخص نے ایک ہی گائے میں اپنی طرف سے قربانی، عقیقہ، دم جنایت، دم شکر، نفلی قربانی وغیرہ کی نیت کی، تو سوال یہ ہے کہ مذکورہ شخص کی قربانی مختلف جہات کے ساتھ ایک ہی گائے میں درست ہے یا نہیں؟ اگر اس طرح سے نیت کر کے قربانی کر لی تو کونسی جہت ادا ہوگی؟ وضاحت کے ساتھ مع حوالہ جواب تحریر فرمائیں۔

المستفتی: مفتی فخر الدین قاسمی مغربی بنگال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایک گائے یا بھینس میں سات حصے ہو سکتے ہیں اور بجائے سات آدمی کے تین یا چار آدمی برابر حصہ داری کے ساتھ بھی ایک گائے یا بھینس میں شریک ہو سکتے ہیں، نیز اسی طرح ایک ہی شخص ایک گائے میں اپنی طرف سے قربانی کا

حصہ ایک عقیقہ کا حصہ ایک دم جنایت کا حصہ ایک دم شکر کا حصہ ایک نفلی قربانی کا حصہ کرسکتا ہے، چاہے یہ قربت مختلف جہات کی کیوں نہ ہو تب بھی جائز ہے۔

وتجوز عن ستة أو خمسة أو أربعة أو ثلاثة ذكره في الأصل لأنه لما جاز عن سبعة فما دونها أولىٰ. (البحر الرائق، كتاب الأضحية، زكريا ۳۲۵/۸، كوئٹه ۱۷۸/۸)

سواء اتفقت جهات القربة أو اختلفت بأن أراد بعضهم الأضحية، وبعضهم جزاء الصيد، وبعضهم هدى الإحصار، وبعضهم كفارة عن شيئ أصابه في إحرامه، وبعضهم هدى التطوع، وبعضهم دم المتعة أو القرآن وهذا قول أصحابنا الثلاثة رحمهم الله تعالىٰ وكذٰلك إن أراد بعضهم العقيقة عن ولد وُلد له من قبل كذا ذكر محمد في نوادر الضحايا. (هنديه، الباب الثامن فيما يتعلق بالشركة في الضحايا، زكريا قديم ۳۰۴/۵، جديد ۳۵۱/۵) **فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
۴ر ذی الحجہ ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۰۸۸۱)

ایک شخص نے بڑے جانور میں واجب، نفلی قربانی، عقیقہ کی نیت کی ہو تو؟

سوال [۹۹۵۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک بڑے جانور میں ایک ہی شخص واجب قربانی کے ساتھ دیگر چھ حصوں میں سے بعض عقیقہ اور بعض نفلی قربانی کی نیت کرسکتا ہے یا نہیں؟ اس سلسلے میں مفتی رشید احمد صاحب لدھیانویؒ کیا فرماتے ہیں؟ اور مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ کیا فرماتے ہیں؛ نیز مفتی بہ قول تحریر کیجئے۔

المستفتی: عبداللہ لدھیانوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایک شخص بڑے جانور میں مختلف جہات کی نیت کرسکتا ہے یا نہیں؟ اس کو مفتی رشید صاحبؒ نے ناجائز لکھا ہے مگر حضرت فقیہ الامت مفتی

محمود صاحبؒ نے اس کو جائز لکھا ہے اور جواز کا قول ہی زیادہ صحیح اور مفتی بہ ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ زکریا ۳/۵۳۲، فتاویٰ دارالعلوم ۱۵/۵۵۲)

لو ذبح بدنة عن أضحية و متعة و قران مع اختلاف جهة قربتهم جاز عندنا لاتحاد المقصود وهو القربة. (مجمع الأنهر، كتاب الأضحية، دار الكتب العلمية بيروت ٤/١٧٣، مصرى قديم ٢/٥٢١، هدايه اشرفى ٤/٤٤٩، بدائع الصنائع زكريا ٤/٢٠٩، كراچى ٥/٧١، الفتاوىٰ التاتارخانية زكريا ١٧/٤٥٢، رقم: ٢٧٨٠٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴ رذی قعدہ ۱۴۳۴ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۲۹۲)

شخص واحد کا بڑے جانور میں جہات متعددہ کی نیت کرنا

سوال [۹۹۵۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: فتاویٰ محمود یہ ۱۷/ ۲۵۱ پر فتویٰ ہے جس میں اشرف المدارس کراچی کے فتویٰ کا جواب دیا ہے، کیا یہ جواب درست ہے؟ جبکہ ص ۲۵۵ پر تحریر ہے کہ اگر ایک شخص ایک گائے خریدتے وقت جہات متعددہ تقرب کی نیت کرلے تو اس کا حکم صراحتاً کتب فقہ میں نہیں ملا اس سے اوپر مفتی بہ قول میں پورا جانور قربان کرنے میں ایک ہی قربانی کا حصہ ہونا مذکور ہے، احسن الفتاویٰ ۷/۵۴۳ پر رسالہ ''گائے کی قربانی'' میں ایک شخص کے دو حصے ہیں، اس کا بھی مطالعہ فرمالیں تو بہتر ہو، خاص کر رسالہ کے اخیر صفحہ کا مطالعہ ہو تو اور بہتر ہوگا، اس میں یہ ہے کہ تحریر مذکور کے بعد بندہ نے حضرت مفتی محمود حسن صاحب کی خدمت میں لکھا کہ ملتقی الابحر کے جزئیہ میں ''ذبح'' صیغہ مجہول ہے اس لیے اس سے استدلال تام نہیں، اس کے جواب میں مفتی صاحب نے تحریر فرمایا کہ ''ملتقی الابحر کا جزئیہ اگر بصیغۂ مجہول ہو تو اس سے صراحتاً شخص واحد کی طرف سے تعدد جہات پر استدلال قوی نہیں ہوگا''، اسی صفحہ کے ختم پر ہے، غرض کہ اب تک متعدد واجبات کی صحت کے بارے میں بھی کوئی صریح جزئیہ نہیں ملا اور تزاحم

النفل بالواجب تو اس سے بھی ابعد ہے اس کا جواز کیسے ثابت ہوگا؟

المستفتی: نور محمد جھنجھانوی مظفرنگر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حضرت مفتی رشید احمد صاحب مدظلہ العالی کی رائے کا مدار اس پر ہے کہ حدیث شریف کو اپنے مورد پر رکھا جائے مگر حدیث شریف بھی تو اپنی جگہ مطلق ہے، اس میں علی الاطلاق سات حصوں اور سات افراد کی طرف سے جواز کی قربانی کا ذکر ہے نہ ان ساتوں کا ازقبیل واجب ہونا ذکر ہے، اور نہ ہی ازقبیل تطوع ہونا اور نہ ہی واجب وتطوع کے اختلاط کی ممانعت ہے البتہ فقہاء کی عبارات صاف اور واضح نہیں ہیں؛ بلکہ فقہاء کی عبارات سے جواز تزاحم النفل بالواجب اور عدم جواز دونوں پہلوؤں کی طرف ذہن منتقل ہوتا ہے اس لیے عدم جواز پر زور دینا سمجھ میں نہیں آتا اس لیے کہ خود ائمہ اربعہ نے اس مسئلہ کو قیاسی ثابت کرکے کافی اختلاف کیا ہے، اس کی تفصیل اوجز المسالک قدیم ۴/ ۳۰۱ تا ۳۰۲، جدید دارالقلم بیروت ۱۰/ ۲۵۸ تا ۲۶۰ میں دیکھی جاسکتی ہے۔ حدیث شریف یہ ہے:

عن جابر بن عبد الله قال كنا نتمتع في عهد رسول الله ﷺ نذبح البقرة عن سبعة والجزور عن سبعة نشترك فيها. (أبوداؤد شريف، باب في البقر والجزور عن كم تجزئ، النسخة الهندية ۲/ ۳۸۸ دار السلام رقم: ۲۸۰۷)

اب حدیث شریف میں اشتراک بالکل مطلق ہے اس میں تزاحم النفل بالواجب کے عدم جواز کی بات کرنا صرف قائل کی اپنی رائے ہے، لہٰذا دوسروں کا اس کے خلاف پہلو کو اختیار کرنا ممنوع کیوں ہو، لہٰذا ہم ''فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۷/ ۲۵۵، جدید ڈابھیل ۱۷/ ۴۱۰'' کے فتویٰ کی رو سے حدیث کا مفہوم مناسب سمجھ کر جائز کہتے ہیں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍ شوال المکرّم ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۴۸۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۱۹/۱۰/۳ھ

بڑے جانور میں شخص واحد کی طرف سے متعدد جہات قربت کی نیت

سوال [۹۹۵۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) کہ کتاب ''مسائل قربانی وعقیقہ'' کے صفحہ ۱۵ر پر مسئلہ ہے کہ ایک بڑے جانور میں قربانی کے ساتھ اگر کوئی اپنے بچے کے عقیقہ کا حصہ لینا چاہے تو قربانی وعقیقہ دونوں جائز ہیں، عالمگیری اور شامی مع جلد وصفحہ کے ساتھ لکھا ہے، اس سے یہ معلوم ہو رہا ہے کہ واحد شخص واجب قربانی کے ساتھ نفلی حصہ قربانی کا جمع کرسکتا ہے لیکن شامی وعالمگیری کہہ رہی ہے: **أراد بعضهم الأضحية وبعضهم جزاء الصيد.**

''عالمگیری ۵/۳۰۴، عالمگیری اردو ۴۶۹'' پر ہے اور اگر سب نے قربانی کا ارادہ کیا یا قربانی کے سوا دوسری قربت کا قصد کیا تو سب کی مراد ادا ہو جائے گی، خواہ یہ قربت واجب ہو یا نفلی یا بعض نے واجب اور بعض نے نفل ادا کی ہو اور خواہ جہات قربت ایک ہی ہوں یا مختلف ہوں، جیسے بعض نے ہدی احصار کا اور بعض نے احرام میں کسی جرم کے کفارہ کا اور بعض نے ہدی تطوع کا اور بعض نے دم متعہ یا قران کا ارادہ کیا اور یہ ہمارے اصحاب ثلاثہ کا قول ہے، اسی طرح اگر بعض نے اپنے فرزند کے عقیقہ کا جو بیشتر پیدا ہوا ہے، قصد کیا تو بھی جائز ہے، ایسا ہی امام محمدؒ نے نوادر الضحایا میں ذکر کیا اور اگر کسی نے ولیمہ کا یعنی نکاح کی ضیافت کا قصد کیا تو یہ صورت مذکور نہیں ہے مگر چاہیے کہ جائز ہووے، اور امام ابوحنیفہؒ سے ایک روایت ہے کہ انہوں نے جہات قربت مختلف ہونے کی صورت میں شرکت کو مکروہ فرمایا ہے، اور امام اعظم سے یہ بھی مروی ہے کہ اگر یہ اشتراک ایک ہی نوعِ قربت میں ہو تو مجھے زیادہ پسند ہے اور ایسا ہی امام ابو یوسفؒ نے فرمایا ہے اس اردو عبارت سے اور بندہ نے مدرسہ مرادیہ میں شامی کی عبارت اور اس کا ترجمہ حاصل کیا تھا، یہی معلوم ہوتا ہے کہ دوسرے لوگ عقیقہ وغیرہ وغیرہ کے حصے اس بڑے جانور میں لے سکتے ہیں، واحد شخص کا ایک جانور میں واجب حصہ کے ساتھ نفلی حصہ جمع کرنا ثابت نہیں معلوم ہوتا۔

(۲) ''احسن الفتاویٰ جلد ہفتم ۴۹۸'' پر گائے میں جتنے مالک ہوتے ہیں اس میں حصے بھی صرف اتنے ہی ہوتے ہیں ایسے ہی مذکورہ کتاب کے ۵۴۱ پر ہے، البتہ اگر کسی نے گائے میں اپنے حصہ کے ساتھ غیر کی طرف سے نفل قربانی یا عقیقہ کا حصہ رکھا تو چونکہ یہ شخص ان سب حصوں کا خود مالک ہے، اس لیے قول راجح پر اس کے سب حصوں کو ملا کر اس کی ایک ہی قربانی شمار ہوگی۔

''عالمگیری اردو ۴۵۹، سوال ۱۸'' پر ہے، اور مشائخ نے باہم اختلاف کیا ہے کہ بدنہ افضل ہے یا ایک بکری سو بعضے مشائخ نے فرمایا کہ اگر بکری کی قیمت بہ نسبت بدنہ کے زیادہ ہو تو بکری افضل ہے، کیونکہ بکری پوری فرض ہوگی، اور بدنہ کا ساتواں حصہ فرض ہوگا اور باقی نفل ہوگا، اور شیخ امام ابوبکر محمد بن الفضل نے فرمایا کہ بدنہ افضل ہے کیونکہ اس میں بہ نسبت بکری کے گوشت زیادہ ہوتا ہے اور یہ جو مشائخ نے کہا کہ بدنہ کا باقی حصہ نفل ہوگا سو ایسا نہیں ہے بلکہ جب ایک ہی شخص نے قربانی کی تو پورا فرض ہوگا اور اس کو نماز کی قرأت کے ساتھ مشابہ کیا ہے کہ اگر نماز میں صرف اسی قدر قرأت پر اقتصار کیا جس سے نماز جائز ہو جاتی ہے یعنی تین آیت پر تو جائز ہے، لیکن اگر اس سے زیادہ پڑھی تو سب فرض ہوگی، اس موقع پر کتاب ''ایضاح المسالک ۴۲ تا ۴۳'' سے کچھ عبارت نقل کر دوں شاید کام میں آوے، مگر مقلد محض کے لیے ایسے مسائل میں عالم محقق کی تقلید جائز نہیں ہے بلکہ اپنے امام کے قول راجح اور قول مفتی بہ پر عمل کرنا لازم ہے، ایک بڑا جانور اگر ایک ہی شخص قربانی کریگا تو حصہ ایک ہی واجب کا ادا ہوگا، اسی طرح اسی کتاب ''احسن الفتاویٰ جلد ۷'' کے ختم پر حضرت مفتی صاحبؒ کا ارشاد نقل فرما رہے ہیں، ''ملتقی الابحر'' کا جزئیہ اگر بصیغہ مجہول ہو تو اس سے صراحتاً شخص واحد کی طرف سے تعدد جہات پر استدلال قوی نہیں ہوگا، حضرت مفتی صاحب گنگوہیؒ کے نزدیک ''لو ذبح بدنة'' صیغۂ مجہول ہونا معلوم ہوتا ہے۔

اسی کتاب کے ص: ۵۴۷ پر ہے، مزید یہ کہ تعدد اشخاص کی صورت میں لحم واجب التصدق ہے یعنی اراقۃ میں سنین ماضیہ کی نیت غیر معتبر اور لحم میں معتبر ہے، مگر شخص واحد کی صورت میں وجوب تصدق مذکور نہیں، اس فرق سے خوب واضح ہو گیا کہ تعدد نیت کا اعتبار

نہیں ورنہ تو واحد شخص کی صورت میں بھی لحم واجب التصدق ہوتا؟

المستفتی: حافظ نور محمد جھنجھانوی مظفرنگر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: متعدد افراد کی طرف سے مختلف جہات سے تقرب کی نیت ہو تو حضرت امام ابوحنیفہؒ کے دو قول ہیں:

(۱) قول مشہور جو ظاہر الروایہ ہے اس کے مطابق بلا کراہت تعدد جہات کے ساتھ قربانی جائز ہے اسی کو حضرات صاحبین نے اختیار فرمایا ہے اور اسی کو فقہاء نے

هذا قول أصحابنا الثلاثة. (بدائع کراچی ۵/ ۷۲، زکریا ۴/ ۲۰۹)

سے ذکر فرمایا ہے، اور اسی پر فتویٰ ہے۔

(۲) حضرت امام صاحب کا قول غیر مشہور جس کو روی یا قیل سے بیان کیا جاتا ہے کہ متعدد افراد کی طرف سے متعدد جہات کے تقرب کی نیت ہو تو مکروہ ہے اور پسندیدہ یہی ہے کہ تعدد جہات نہ ہو اور اسی کے موافق امام زفرؒ کا قول ہے یا ان کا قول اس سے بھی سخت ہے:

وقال زفر لايجوز إلاإذا اتفقت جهات القربة. (بدائع کراچی ۵/ ۷۲، زکریا ۴/ ۲۰۹)

مگر حضرت امام صاحب کے اس قول پر فتویٰ نہیں ہے اور امام ابو یوسفؒ کی بھی ایک روایت اسی طرح ہے جس پر اعتماد نہیں کیا گیا، اب غور فرمائیے کہ فقہاء کے ان اقوال میں شخص واحد کی طرف سے تعدد جہات سے تقرب کی نیت سے قربانی کا حکم کہاں بیان کیا گیا ہے کہیں بھی مذکور نہیں ہے بلکہ بالکل خاموشی ہے اس لیے اس حکم کو امام صاحب کے قول مشہور اور قول مفتی بہ کے ساتھ شامل کرنا ہوگا اور قول غیر مشہور کے ساتھ لاحق کرنا درست نہ ہوگا، کیونکہ قول مشہور کی موجودگی میں غیر مشہور کو مقیس علیہ بنانا درست نہیں ہے اسی وجہ سے شخص واحد کی طرف سے واجب قربانی نفل قربانی، عقیقہ وغیرہ کو جائز کہا جاتا ہے، اب آنجناب سے گذارش ہے کہ ایضاح المسالک کی عبارت دوبارہ ملاحظہ فرمائیں، مقلد محض پر لازم ہے کہ مقلد محقق کے تفرد کو اختیار نہ کرے بلکہ امام صاحبؒ کے مذہب اور قول مشہور کو اختیار کرے تو کیا قول مشہور کی موجودگی میں قول ضعیف کو اختیار کرسکتا ہے بلکہ قول مشہور ہی کو

اختیار کرنا ہوگا، لہٰذا آنجناب کا ایضاح المسالک کی عبارت سے اپنا استدلال پیش کرنا درست نہ ہوگا اور شخص واحد کی طرف سے متعدد جہات کے تقرب کی نیت سے قربانی وغیرہ جائز ہوگی۔

آنجناب جن عبارات سے شخص واحد کی طرف سے جہات مختلف کی نیت سے عدم جواز پر استدلال کرنا چاہتے ہیں ان سے استدلال تام نہیں ہوتا اس لیے کہ وہ تمام عبارات اشخاص متعددہ کی صورت میں ہیں، ملاحظہ فرمائیں:

ولو أرادوا القربة الأضحية أو غيرها من القرب اجزأهم سواء كانت القربة واجبة أو تطوعاً أو وجبت على البعض دون البعض وسواء اتفقت جهات القربة أو اختلفت بأن أراد بعضهم الأضحية وبعضهم جزاء الصيد وبعضهم هدى الإحصار وبعضهم كفارة شيئ أصابه في إحرامه وبعضهم هدى التطوع وبعضهم دم المتعة والقران وهذا قول أصحابنا الثلاثة وقال زفر لايجوز إلا إذا اتفقت جهات القربة بأن كان الكل بجهة واحدة ...... وكذٰلك إن أراد بعضهم العقيقة عن ولد ولد له من قبل لأن ذٰلك من جهة التقرب ...... كذا ذكره محمد في نوادر الضحايا، ولم يذكر ما إذا أراد أحدهم الوليمة وهي ضيافة التزوج وينبغي أن يجوز ...... وروى عن أبي حنيفةؒ كره الاشتراك عند اختلاف الجهة وروى عنه أنه قال لو كان هٰذا من نوع واحد لكان أحب إلى وهكذا قال أبو يوسفؒ. (بدائع الصنائع، كتاب التضحية، فصل شرائط جواز إقامة الواجب، كراچی قدیم ۷۱/۵-۷۲، زکریا ۲۰۹/۴، هندیه زکریا قدیم ۳۰۴/۵، جدید ۳۵۱/۵، شامی زکریا ۴۷۳/۹، کراچی ۳۲۶/۶)

ان عبارات پر غور فرمائیں، معلوم ہوجائے گا کہ شخص واحد کی طرف سے تعدد جہات کے جواز وعدم جواز سے متعلق کوئی لفظ نہیں ہے، بلکہ بالکل خاموشی ہے اور آنجناب کے استدلال میں یہی عبارات ہیں، لہٰذا استدلال تام نہیں، وہی کہنا ہوگا جو اوپر ہم نے لکھا ہے، اور آنجناب نے احسن الفتاویٰ سے بھی استدلال فرمایا ہے اور احسن الفتاویٰ میں استدلال کی کل کائنات دو عبارتیں ہیں اور دونوں استدال میں ناتمام ہیں:

(۱) **ولو ضحى بالكل فالكل فرض كأركان الصلاة.** (در مختار زكريا

۹/۴۸۲، کراچی ٦/۳۳۳)

واضح ہو کہ اس عبارت سے صاحب درمختار یہ کہنا چاہتے ہیں کہ کوئی مالدار شخص ایک بڑا جانور قربانی کرتا ہے اور اس میں اس نے اپنی واجب قربانی کے ساتھ نفل قربانی وغیرہ کی کوئی نیت کی تو پورا جانور صرف ایک قربانی شمار ہوگی، ایسا نہ ہوگا کہ ساتواں حصہ واجب کی طرف سے ہو جائے اور باقی چھ حصے خود بخود بلا نیت کے نفل قربانی ہو جائیں اس لیے کہ فعل واحد میں تعدد کے لیے نیت شرط ہے، ہاں البتہ فعل متعدد ہوں تو اس میں نیت کی ضرورت نہیں بلکہ بلا نیت ایک فعل واجب قربانی کی طرف سے ہو جائے گا اور دوسرا فعل نفل کی طرف سے ہو جائیگا، لہٰذا اگر مالدار بلا نیت دو بکری قربان کرے گا تو ایک واجب کی طرف سے اور دوسری نفل قربانی ہو جائے گی، لہٰذا صاحب احسن الفتاویٰ کا اس عبارت سے شخص واحد کی طرف سے تعدد جہات کے عدم جواز پر استدلال تام نہیں ہے، پوری عبارت ملاحظہ فرمائیں جو علامہ شامی نے اس کے نیچے درج فرمائی ہے:

الظاهر أن المراد لو ضحى ببدنة يكون الواجب كلها لا سبعها بدليل قوله في الخانية ولو أن رجلا موسرا ضحى ببدنة عن نفسه خاصة كان الكل أضحية واجبة عند عامة العلماء وعليه الفتوىٰ ...... لو ضحى الغنى بشاتين فالزيادة تطوع عند عامة العلماء...... لعل وجه الفرق أن التضحية بشاتين تحصل بفعلين منفصلين وإراقة دمين فيقع الواجب إحداهما فقط والزائدة تطوع بخلاف البدنة فإنها بفعل واحد ما وإراقة واحدة فيقع كلها واجبا. (شامی زکریا ۹/۴۸۲، کراچی ٦/۳۳۳)

(۲) ولو ذبح ببدنة عن أضحية و متعة وقران لإتحاد المقصود وهو القربة. (ملتقى الأبحر، دار الكتب العلمية بيروت ٤/١٧٣، مصرى قديم ٢/٥٢١)

اس میں ذبح کے صیغۂ مجہول ہونے پر کوئی دلیل نہیں بلکہ اس کے بعد متصلاً صیغۂ معروف "**و يأكل من لحم أضحية ذبح**" کے صیغۂ معروف ہونے پر دلیل ہے، لہٰذا صیغۂ مجہول کہہ کر عدم جواز پر استدلال تام نہیں، بلکہ صیغۂ معروف قرار دیکر جواز ہی پر

استدلال تام ہوتا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷؍ ربیع الاول ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۶۸۰)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/۳/۱۸ھ

بڑے جانور میں ایک نے واجب، دو نے نذر، ایک نے مرحوم، اور ایک نے نفلی قربانی کی نیت کی تو؟

سوال [۹۹۵۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: سات آدمیوں نے مل کر ایک بڑا جانور قربانی کے لیے خریدا ان میں سے دو آدمیوں نے اپنی واجب قربانی کی نیت کی، دو نے نذر کی قربانی، ایک نے مرحوم والد کی طرف سے قربانی اور ایک نے اپنی نفلی قربانی کی نیت کی، ایسی صورت میں مختلف قسم کی قربانیاں ایک جانور میں جائز ہیں یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: چونکہ شرکت کرنے والوں میں سب کی نیت تقرب الی اللہ کی ہے اس لیے مختلف جہات کی نیت کرنے کے باوجود سوالنامہ میں درج کردہ سب طرح کے لوگوں میں سے ہر ایک کی قربانی درست ہوگئی۔

ولو أرادوا القربة الأضحية أو غيرها من القرب اجزأهم سواء كانت القربة واجبة أو تطوعاً أو وجبت على البعض دون البعض وسواء اتفقت جهات القربة أو اختلفت بأن أراد بعضهم الأضحية وبعضهم جزاء الصيد وبعضهم هدى الإحصار وبعضهم كفارة شيئ أصابه فى إحرامه وبعضهم هدى التطوع . (بدائع الصنائع، كتاب التضحية، فصل شرائط جواز إقامة الواجب، كراچی قديم ۵/ ۷۱-۷۲، زكريا ۴/ ۲۰۹، هنديه زكريا قديم ۵/ ۳۰۴، جديد ۵/ ۳۵۱،

شامی زکریا ۹/۴۷۳، کراچی ۶/۳۲۶)

وإن نوى بعض الشركاء التطوع وبعضهم أضحية العام الماضی صار دينـا عـليـه وبـعـضهم الواجبة عن عامه ذٰلک جاز الكل. (تـاتـارخـانية زكريا ۱۷/٤٥٢، رقم: ۲۷۸۰۲)

قـد عـلـم أن الشـرط قـصـد الـقربة من الكل ...... وشمل ما لو كانت القربة واجبة على الكل أو البعض اتفقت جهاتها أو لا، كأضحية وإحصار و جـزاء صيد و حلق ومتعة وقران ...... لأن المقصود من الكل القربة. (شامی، كتاب الأضحية، زكريا ۹/٤٧٢، كراچی ٦/٣٢٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵ر محرم الحرام ۱۴۳۵ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۴۱۵)

واجب قربانی میں نفلی قربانی کی نیت کرنا

سوال [۹۹۵۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص اپنی واجب قربانی کے ساتھ میت کی طرف سے ایک حصہ ایک جانور میں رکھ سکتا ہے؟

المستفتی: عبدالجبار لکھیم پوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایک بڑے جانور میں اپنی واجب قربانی کے حصہ کے ساتھ اپنے کسی مرحوم عزیز کی طرف سے حصہ رکھنا بلاشبہ جائز اور درست ہے۔
(مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ڈابھیل ۱۷/ ۴۰۸-۴۰۹)

وإن مـات أحد السبعة المشتركين فی البدنة وقالت الورثة اذبحوا عنه و عنكم صح عن الكل لقصد القربة عن الكل. (شامی، كتاب الأضحية، زكريا ۹/٤٧١، كراچی ٦/٣٢٦، البنايه اشرفيه ١٢/٤٩، هنديه زكريا قديم ٥/٣٠٥، جديد ٥/٣٥١)

واختلفوا فی البقرة قال بعض العلماء يقع سبعها فرضا والباقی تطوعا.
(شامی، کتاب الأضحية، زکریا ۹/ ٤٦٦، کراچی ٦/ ٣٢٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/ ذی قعدہ ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۲۱۱)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۵/ ۱۱/ ۱۴۳۱ھ

بڑے جانور میں قربانی کرنے والوں کے ساتھ عقیقہ کرنے والے کی شرکت کا حکم

سوال [۹۹۵۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: قربانی کے ایک جانور میں چھ حصہ دار ہیں، پانچ حصہ دار قربانی کی نیت سے حصہ لیے ہوئے ہیں، اور چھٹا شخص ایک حصہ قربانی کے لیے اور ایک حصہ بنیت عقیقہ لیتا ہے، تو کیا اس طرح ایک جانور میں متعدد جہات قربت جائز ہے، جبکہ صاحب احسن الفتاویٰ نے اس شکل کو ناجائز بتایا ہے، اور محمودیہ میں جائز لکھا ہے، اس میں درست قول کی تعیین فرمائیں؟

المستفتی: مفتی محمد سمیر عثمان آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: قربانی کے جانور میں چھ حصے قربانی کے اور ایک حصہ عقیقہ کا رکھنا جائز اور درست ہے، اور احسن الفتاویٰ اور فتاویٰ محمودیہ میں سے فتاویٰ محمودیہ میں جو مسئلہ لکھا ہوا ہے وہی صحیح ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۳/ ۵۳۲، فتاویٰ دار العلوم ۱۵/ ۵۶۴، فتاویٰ رحیمیہ کراچی ۴/ ۲۷، جدید زکریا ۱۰/ ۲۷، آپ کے مسائل اور ان کا حل ۵/ ۴۸۳، کتاب المسائل ۲/ ۳۴۰)

وكذا لو أراد بعضهم العقيقة عن ولد قد ولد له من قبل لأن ذلك جهة التقرب بالشكر على نعمة الولد. (شامی، کتاب الأضحية، زکریا ۹/ ٤٧٢، کراچی ٦/ ٣٢٦)

ولو أرادوا القربة الأضحية أو غيرها من القرب أجزأهم سواء كانت القربة واجبة أو تطوعا أو وجب على البعض دون البعض (الى قوله) وكذلك إن أراد بعضهم العقيقة عن ولد له. (هنديه، الباب الثامن فيما يتعلق

بالشركة في الضحايا، زكريا قديم ۵/ ۳۰۴، جديد ۵/ ۳۵۱، بدائع الصنائع زكريا ۴/ ۲۰۹، كراچی ۵/ ۷۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲؍صفر المظفر ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۴۳۱)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵/۲/۲۲ھ

قربانی کے جانور میں عقیقہ کا حصہ لینا

سوال [۹۹۵۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید مالک نصاب ہے اور خالد نصاب کی تعداد کا مالک نہیں اور یہ دونوں بجائے اپنی قربانی کرنے کے اپنے لڑکے یا لڑکی کا عقیقہ کرتے ہیں، تو کیا ان دونوں کا عقیقہ کرنا درست ہے؟ اور قربانی نہ کرنا درست ہے؟ جواب مع الدلیل عنایت فرمائیں۔

المستفتی: محمد عرفان غفرلہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر یہ دونوں بڑے جانور میں اپنے لڑکوں کی طرف سے عقیقہ کا ارادہ رکھتے ہیں تو ان کا عقیقہ اور دوسروں کی قربانی صحیح اور درست ہوجائیگی اور الگ الگ بکرے سے عقیقہ کیا تب بھی درست ہے۔

لأن المقصود عن الكل القربة وكذا بعضهم العقيقة عن ولد له من قبل لأن ذٰلك جهة التقرب بالشكر على نعمة الولد. (شامي، كتاب الأضحية، زكريا ۹/ ۴۷۲، كراچی ۶/ ۳۲۶، هنديه زكريا قديم ۵/ ۳۰۴، جديد ۵/ ۳۵۱، بدائع الصنائع زكريا ۴/ ۲۰۹، كراچی ۵/ ۷۱)

البتہ اگر ان دونوں حضرات نے اپنی قربانی نہیں کی ہے تو زید جو صاحب نصاب ہے قربانی نہ کرنے کی وجہ سے گنہگار ہوگا، اس لیے کہ صاحب نصاب پر قربانی کرنا واجب ہے اور خالد جو صاحب نصاب نہیں ہے، وہ قربانی نہ کرنے کی وجہ سے گنہگار نہیں ہوگا۔

ومنها اليسار وهو ما يتعلق به وجوب صدقة الفطر دون ما يتعلق به وجوب الزكاة (إلى قوله) وملك نصابا تجب عليه الأضحية. (فتاویٰ عالمگیری، کتاب الأضحية، الباب الأول، زكريا قديم ٥/ ٢٩٢، جديد ٥/ ٣٣٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍رجب المرجب ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/ ۲۲۸۵)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۱/۷/۵ھ

قربانی کے جانور میں عقیقہ کرنے کا حکم

سوال [۹۹۵۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کے گھر والوں نے قربانی کا جانور خریدا جس میں سے زید کے والد نے چار حصہ لیے، اس میں سے ایک حصہ اپنے لیے اور ایک حصہ بیوی کے لیے، بقیہ دو حصے زید کے جدین مرحوم کے لیے متعین کیے، بقیہ تین حصے میں سے دو حصے چچا کے لیے اور تیسرا حصہ تیسرے چچا نے لے لیا، مگر اپنی فرضیت کی ادائیگی کے بجائے عقیقہ کی نیت کر لی تو زید نے کہا کہ عقیقہ ترک کر کے فرضیت ادا کریں یا تیرے والد نے دادا، دادی کے لیے جو حصہ لیا ہے ان میں سے ایک آپ لے لیں تاکہ عقیقہ اور فرضیت دونوں ادا ہو جائیں اور ایک ہی حصہ میں دادا اور دادی کو بھی شریک کریں تو پھر قربانی کے وقت رسول اللہ ﷺ کو بھی شامل کیا تو ائمہ اربعہ میں سے کن کے یہاں قربانی ہوئی اور کن کے یہاں نہیں، جبکہ بعض نے مذکورہ مسئلہ شافعیہ کی طرف منسوب کیا ہے، حنفیہ کے یہاں ہوئی یا نہیں، اگر نہیں ہوئی تو پھر ادائیگی کی کیا شکل ہوگی؟

المستفتی: عبد الرشید بانکوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: قربانی کے جانور کے اندر بعض لوگ عقیقہ کی نیت کریں اور بعض قربانی کی یا ایصال ثواب کی بہر صورت قربانی صحیح ہو جائے گی، شرط یہ ہے کہ سب شرکاء کی نیت قربت خداوندی ہو اور ثواب کے اندر رسول اللہ ﷺ کو بھی شامل کرنا

درست ہے، جن لوگوں پر قربانی واجب تھی وہ لوگ اپنی قربانی ترک کر کے عقیقہ یا دوسروں کو ایصال ثواب کے لیے ان کی طرف سے قربانی کریں گے تو ان پر اپنی قربانی نہ کرنے کا گناہ ہوگا۔(مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ قدیم ۲/ ۸۰، جدید زکریا ۱۰/ ۲۵)

ولو أرادوا القربة الأضحية أو غيرها من القرب أجزأهم سواء كانت القربة واجبة أو تطوعاً أو وجبت على البعض دون البعض وسواء اتفقت جهات القربة أو اختلفت بأن أراد بعضهم الأضحية وبعضهم جزاء الصيد وبعضهم هدى الإحصار (إلى قوله) **وكذلك إن أراد بعضهم العقيقة عن ولد له من قبل** (هنديه، كتاب الأضحية، الباب الثامن فيما يتعلق بالشركة فى الضحايا، زكريا قديم ٥/ ٣٠٤، جديد ٥/ ٣٥١، شامى زكريا ٩/ ٤٧٢، كراچى ٦/ ٣٢٦، بدائع الصنائع زكريا ٤/ ٢٠٩، كراچى ٥/ ٧١) **فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
۲۶/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۵۱۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۶/۶/۲۶ھ

قربانی کے جانور میں عقیقہ کا حصہ لینا

سوال [۹۹۵۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: سات آدمیوں نے مل کر قربانی کے لیے ایک بڑا جانور خریدا ان سات میں سے ایک شخص بچہ کے عقیقہ کا حصہ لینا چاہتا ہے تو قربانی میں عقیقہ کا حصہ لینا کیسا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قربانی کے جانور میں عقیقہ کا حصہ لینا جائز ہے، اس لیے کہ عقیقہ بھی قربت میں داخل ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۷/ ۵۳۶، محمودیہ ڈابھیل ۱۷/ ۵۱۵، محمودیہ میرٹھ ۲۶/ ۴۱۱ تا ۴۱۴، باقیات فتاویٰ رشیدیہ ۲۳۷)

ولو نوى بعض الشركاء الأضحية وبعضهم هدى المتعة وبعضهم دم

العقيقة لولد ولد له في عامه ذٰلك جاز عن الكل في ظاهر الرواية.
(تاتارخانية زكريا ١٧/ ٤٥٢، رقم: ٢٧٨٠٣)

وكذا لو أراد بعضهم العقيقة عن ولد قد ولد له من قبل لأن ذٰلك جهة التقرب بالشكر على نعمة الولد. (شامی، كتاب الأضحية، زكريا ٩/ ٤٧٢، كراچی ٦/ ٣٢٦)

ولو أرادوا القربة الأضحية أو غيرها من القرب اجزأهم سواء كانت القربة واجبة أو تطوعاً أو وجبت على البعض دون البعض وسواء اتفقت جهات القربة أو اختلفت بأن أراد بعضهم الأضحية وبعضهم جزاء الصيد وبعضهم هدى الإحصار. (بدائع الصنائع، كتاب التضحية، فصل شرائط جواز إقامة الواجب، كراچی ٥/ ٧١-٧٢، زكريا ٤/ ٢٠٩، هنديه زكريا قديم ٥/ ٣٠٤، جديد ٥/ ٣٥١، شامی زكريا ٩/ ٤٧٣، كراچی ٦/ ٣٢٦، تبيين الحقائق زكريا ٦/ ٤٨٤-٤٨٥، امداديه ملتان ٦/ ٨)

ويستوى إن كان قصدهم جميعا التضحية أو قصد بعضهم قربة أخرىٰ.
(المبسوط للسرخسی، دار الكتب العلمية بيروت ١٢/ ١٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍ ذی قعدہ ۱۴۳۴ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۳۱۵)

قربانی کے جانور میں ولیمہ کا حصہ لینا

سوال [۹۹۵۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: چار آدمیوں نے مل کر ایک بڑا جانور خریدا تین آدمیوں نے کہا کہ ہمیں قربانی کا حصہ لینا ہے، چوتھا آدمی یہ کہتا ہے کہ بیٹے کا ولیمہ ہے، ہم ولیمہ کے لیے بقیہ ۴؍ حصہ لیں گے، ایک شخص نے ولیمہ کے لیے چار حصہ لے لیے تو باقی شرکاء کی قربانی درست ہوگی یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ایک ہی شخص نے قربانی کے جانور میں ۴؍ حصہ

ولیمہ کے لے لیے، تو اس سے دیگر شرکاء کی قربانی پر کوئی اثر نہ پڑے گا بلکہ تمام شرکاء کی قربانی صحیح ہو جائے گی؛ کیونکہ ولیمہ بھی فی الجملہ تقرب الی اللہ ہی ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۷/ ۵۳۶، محمودیہ ڈابھیل ۱۷/ ۴۲۲، محمودیہ میرٹھ ۲۶/ ۳۳۴)

ولم يذكر الوليمة ولكن ينبغي أن تجوز لأنها تقام شكراً لله على نعمة النكاح، وردت بها السنة فإذا قصد بها الشكر إو إقامة السنة فقد أراد القربة . (شامي، كتاب الأضحية، زكريا ۹/ ٤٧٢، كراچی ٦/ ٣٢٦)

ولم يذكر ما إذا أراد أحدهم الوليمة وهي ضيافة التزويج و ينبغي أن يجوز لأنها إنما تقام شكراً لله على نعمة النكاح . (تبيين الحقائق زكريا ٦/ ٤٨٥، امداديه ملتان ٦/ ٨، هنديه زكريا قديم ٥/ ٣٠٤، جديد ٥/ ٣٥١، بدائع الصنائع زكريا ٤/ ٢٠٩، كراچی ٥/ ٧١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸؍ ذی قعدہ ۱۴۳۴ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۳۲۱)

ایک بڑے جانور میں قربانی، صدقہ، نذر وغیرہ کی نیت کرنا

سوال [۹۹۶۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بڑے جانور میں قربانی کے سات حصہ ہوتے ہیں تو اگر کوئی شخص ایک حصہ صدقہ کا، دوسرا شخص ایک حصہ نذر کا لینا چاہے تو دوسروں کی قربانی درست ہوگی یا نہیں؟

المستفتی: محمد زبیر مظاہری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بڑے جانور میں سات حصے ہو سکتے ہیں، اور حنفی مسلک میں، راجح اور مفتی بہ قول یہی ہے کہ ساتوں حصے کسی بھی جہت سے تقرب الی اللہ کے ہوں، لہٰذا اگر شرکاء میں سے کوئی قربانی کا حصہ لیتا ہے اور کوئی نذر کا حصہ لیتا ہے اور کوئی نفلی قربانی

کا حصہ لیتا ہے اور کوئی عقیقہ کا حصہ لیتا ہے، تو یہ تمام حصے کسی نہ کسی جہت سے رضائے الٰہی اور تقرب الی اللہ کی قبیل سے ہیں، اس لیے سب کی طرف سے حصے صحیح ہو جائیں گے، لیکن افضل اور بہتر یہ ہے کہ جہت کا اختلاف نہ ہو، مگر فریضہ سب کی طرف سے ہر اعتبار سے صحیح ہو جائے گا۔

إن الدماء أنواع ثلاثة (إلى قوله) فالأول دم الأضحية نفلا كان أو واجبا منذوراً كان أو واجبا متبداً. (بدائع الصنائع، كتاب التضحية، زكريا ٤/٢٢٣، ٢٢٤، كراچی ٥/٨٠)

ولو أرادوا القربة الأضحية أو غيرها من القرب أجزأهم سواء كانت القربة واجبة أو تطوعاً أو وجبت على البعض دون البعض وسواء اتفقت جهات القربة أو اختلفت بأن أراد بعضهم الأضحية وبعضهم جزاء الصيد وبعضهم هدى الإحصار وبعضهم كفارة شيئ أصابه في إحرامه وبعضهم هدى التطوع وبعضهم دم المتعة والقران وهذا قول أصحابنا الثلاثة . (بدائع كراچی ٥/٧١-٧٢، زكريا ٤/٢٠٩، هنديه زكريا قديم ٥/٣٠٤، جديد ٥/٣٥١، شامی زكريا ٩/٤٧٢، كراچی ٦/٣٢٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱ ؍رجب المرجب ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۳۷۱)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۱/ ۷/ ۱۴۲۸ھ

غریب شریک کے درمیان سے نکل جانے کا حکم

سوال [۹۹۶۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: سات افراد نے مشترکہ طور پر قربانی کے لیے ایک جانور خریدا ان شرکاء میں امیر غریب دونوں طرح کے لوگ تھے، اس کے بعد ایک غریب جس پر قربانی واجب نہیں تھی، علاحدہ ہو گیا، اب سوال یہ ہے کہ:

(الف) بقیہ شرکاء کسی دوسرے شخص (امیر و غریب) کو شامل کر کے قربانی کر سکتے ہیں یا نہیں؟ یا اسی کو شریک کرنا ضروری ہے؟

(ب) اگر کسی کوشامل کیے بغیر بقیہ چھ افراد قربانی کرلیں تو کیا قربانی درست ہوگئی؟

المستفتی: ابوالمکارم المعروفی مئو

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قربانی کے جانور میں شریک افراد میں سے اگر کوئی غریب شخص علاحدہ ہوتا ہے تو اس کی وجہ سے دوسرے شرکاء کی قربانی بھی درست نہ ہوگی، لہٰذا اسی کو شریک کرنا ضروری ہے، اس کی جگہ کسی دوسرے امیر یا غریب کو شریک کرنا کافی نہیں، نیز اگر اس کی جگہ کسی کو شامل کیے بغیر بقیہ چھ شرکاء اس جانور کی قربانی کرلیں تو بھی کسی کی قربانی درست نہ ہوگی۔ (مستفاد: کفایت المفتی ۸/ ۲۰۶، جدید زکریا مطول ۱۲/ ۹۸-۹۹)

فإما إذا كان فقيراً فلا يجوز له أن يشرك فيها لأنه أوجبها على نفسه بالشراء للأضحية فتعينت للوجوب فلا يسقط عنه ما أوجبه على نفسه.

(بدائع الصنائع، كتاب التضحية، زكريا ٤/ ٢١٠، کراچی ٥/ ٧٢ دار الكتب العلمية بيروت ٦/ ٣٠٧، البنايه اشرفيه ١٢/ ٢١، شامی کراچی ٦/ ٣١٧، زكريا ٩/ ٤٥٩، هنديه زكريا قديم ٥/ ٣٠٤، جديد ٥/ ٣٥١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/ ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۵۷۰)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴/ ۴/ ۱۴۲۹ھ

فقیر نے قربانی کا بکرا خریدنے کے بعد فروخت کردیا اور بڑے جانور میں حصہ لے لیا

سوال [۹۹۶۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: فقیر نے قربانی کے لیے جو بکرا خریدا ہے وہ اس کو بیچ کر کسی بڑے جانور میں حصہ لینا چاہتا ہے اور اس بکرے کی قیمت حصہ کی قیمت سے زیادہ ہے، مثلاً بکرا تین ہزار کا ہے اور حصہ دو ہزار کا ہے، اور ایک ہزار جو اس کے پاس بچ رہے ہیں ان کو اپنی ضروریات میں خرچ کرنا چاہتا ہے ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: فقیر کے لیے قربانی کا بکرا بیچ کر کسی بڑے جانور میں حصہ لینا جائز نہیں ہے، بلکہ اسی بکرے کی قربانی لازم ہے، لیکن اگر بیچ دیا تو مکروہ ہوگا، اور جوزائد قیمت ہے اس کو اپنے استعمال میں نہیں لاسکتا ہے، اس کا صدقہ کرنا واجب ہے۔

أما الذی یجب علی الفقیر دون الغنی فالمشتری للأضحیة. (هندیه، کتاب الأضحیة، زکریا قدیم ٥/ ٢٩١، جدید ٥/٣٣٦، بدائع الصنائع کراچی ٥/٦٢، زکریا ٤/ ١٩٢)

رجل اشتریٰ شاة للأضحیة و أوجبها بلسانه، ثم اشتریٰ أخریٰ جاز له بیع الأولی فی قول أبی حنیفة و محمد، وإن کانت الثانیة شرا من الأولیٰ، وذبح الثانیة، فإنه یتصدق بفضل ما بین القیمتین؛ لأنه لما أوجب الأولیٰ بلسانه فقد جعل مقدار مالیة الأولیٰ لله تعالیٰ، فلایکون له أن یستفضل لنفسه شیئا، ولهذا یلزمه التصدق بالفضل. (هندیه، کتاب الأضحیة، الباب الثانی فی وجوب الأضحیة بالنذر، زکریا قدیم ٥/ ٢٩٤، جدید ٥/ ٣٣٩، بدائع الصنائع زکریا ٤/ ٢٠٠، کراچی ٥/٦٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹ رذی قعدہ ۱۴۳۴ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۲۱۰)

سات شرکاء میں سے دو فقیر ہیں اور جانور گم ہوکر ملا ہی نہیں تو کیا کریں؟

سوال [۹۹۶۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: سات آدمیوں نے مل کر ایک بڑا جانور قربانی کے لیے خریدا، ان میں دو آدمی فقیر ہیں، ان پر قربانی واجب نہیں، عیدالاضحیٰ کے روز وہ جانور غائب ہوگیا، ایام قربانی گذر گئے اس کا اب تک پتہ نہیں چلا، اب معلوم یہ کرنا ہے کہ ان فقیروں کی قربانی کا کیا حکم ہوگا، اور

سرمایہ داروں کی قربانی کا کیا حکم ہوگا؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مالدار اور فقیروں نے مل کر قربانی کے لیے جو جانور خریدا تھا، وہ عید کے روز گم ہوگیا اور ایام نحر گذرنے پر بھی نہیں ملا، اس کے بارے میں حکم یہ ہے کہ مالداروں سے قربانی ساقط نہیں ہوتی ہے، ان پر دوسرے جانور کی قربانی لازم ہے، اس صورت میں ایام نحر گذرنے کی وجہ سے مالداروں پر جانور کی قیمت کا صدقہ کرنا واجب ہوگا۔ اور فقیروں پر کوئی چیز لازم نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ دار العلوم ۱۵/۵۱۴)

إن المنذور لو هلكت أو ضاعت تسقط التضحية بسبب النذر غير أنه إن كان موسرا تلزمه أخرىٰ بإيجاب الشرع ابتداءً لا بالنذر، ولو معسرا لا شيئ عليه أصلا. (شامی، كتاب الأضحية، زكريا ۹/۴۷۱، كراچی ۶/۳۲۵-۳۲۶)

إذا اشترىٰ شاة للأضحية وهو موسر ثم إنها ماتت أو سرقت أو ضلت في أيام النحر أنه يجب عليه أن يضحي بشاة أخرىٰ ...... ولو اشترىٰ شاة للأضحية وهو معسر ...... ثم ضلت فلا شيئ عليه ولا يجب عليه شيئ آخر. (بدائع الصنائع زكريا ۴/۱۹۹-۲۰۰، كراچی ۵/۶۶)

الفقير إذا اشترىٰ أضحية فضلت فليس عليه أن يشتري مكانها أخرىٰ ولو كان غنيا فعليه ذٰلك. (تاتارخانية زكريا ۱۷/۴۱۳، رقم: ۲۷۶۷۴) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/ ذی قعدہ ۱۴۳۴ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۳۱۲)

بڑے جانور میں غیر مسلم کی شرکت

سوال [۹۹۶۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کسی مسلمان نے کسی غیر مسلم کے بیل کو پالا اور جب بیل قربانی کے لائق ہوگیا تو

غیر مسلم نے کہا میری طرف سے اس کی قربانی کردو اور مسلمان چاہتا ہے کہ میں نے اس کو پالا ہے میں اپنے بچہ کا نام ڈال دوں، تو کیا ایک قربانی میں مسلم اور غیر مسلم دونوں شریک ہو سکتے ہیں؟ پھر اس کا گوشت مسلمان کھا سکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: قسمت علی بردوان مغربی بنگال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: غیر مسلم کی طرف سے قربانی معتبر نہیں ہے، اور قربانی کے اندر تمام شرکاء کا نفس قربانی میں شریک ہونا لازم اور ضروری ہے، اسی لیے قربانی کے بڑے جانور میں غیر مسلم کی شرکت درست نہیں ہے، اس کی شرکت کی وجہ سے مسلمانوں کی قربانی درست نہیں ہے۔

وإن كان شريك الستة نصرانيا أو مريدا اللحم لم يجز عن واحد منهم لأن الإراقة لا تتجزأ. (شامي، كتاب الأضحية، زكريا ۹/ ۴۷۲، كراچی ۶/ ۳۲۶، هنديه زكريا جديد ۵/ ۳۵۱، قديم ۵/ ۳۰۴) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵ ر جمادی الاول ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۲۹۴)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۸/۵/۱۵ھ

ما بقیہ رقم غرباء کو دینے کا وکیل بنانا

سوال [۹۹۶۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک صاحب نے مجھے کئی قربانی کرانے کے لیے پیسے دیئے تھے، قربانی کرادی گئی لیکن اس میں سے کچھ رقم بچ گئی، تو رقم دینے والے کو بتادیا گیا کہ اتنی رقم بچ گئی ہے اس کا کیا کرنا ہے، اس پر انہوں نے کہا ضرورتمندوں کو دیدیں، تو دریافت کرنا ہے کہ:

(۱) کیا اس پیسے سے کسی ضرورت کی جگہ پر نل لگوا سکتے ہیں؟

(۲) غریب بستی میں شادی بیاہ کے موقع پر کھانے پکانے کے برتن خرید کر دے سکتے ہیں؟

(۳) کسی غریب کو بکری خرید کر پالنے کے لیے دے سکتے ہیں؟

(۴) یا کسی مدرسہ کی ضرورت میں دے سکتے ہیں؟

(۵) کسی غریب بچے کو کورس کی کتابیں خرید کر دے سکتے ہیں یا نہیں؟ شرعی حکم کیا ہے؟

المستفتی: حکیم شمیم الدین جھبو کا نالہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: حسب تحریر سوال رقم دہندہ نے آپ کو مابقیہ رقم غریب اور نادار لوگوں کو دینے کا وکیل بنایا ہے، بریں بنا آپ پر لازم ہے کہ آپ وہ رقم براہ راست کسی غریب کے ہاتھ میں دیدیں یا بکری یا کورس کی کتابیں نیز اسی طرح کی دیگر ضروریات کی چیزیں خرید کر حاجت مند لوگوں کو ان کا مالک بنادیں، تاہم بعینہ رقم خیرات کرنا ہی افضل ہے۔

الوكيل إنما يستفيد التصرف من الموكل وقد أمره بالدفع إلى فلان فلا يملك الدفع إلى غيره. (شامی، کتاب الزکاة، زکریا ۳/ ۱۸۹، کراچی ۲/ ۲٦۹)

لايجوز لأحد أن يتصرف في ملك غيره بلا إذنه وبلا وكالة منه أو ولاية عليه وإن فعل كان ضامنا. (الأشباه ۲/ ٤٤، شرح المجلة رستم اتحاد ۱/ ٦۱، رقم المادة: ۹٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم جمادی الاولیٰ ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۰۴۴)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱/ ۵/ ۱۴۳۱ھ

۶ باب: قربانی کے جانور اور ان کی عمروں کا بیان

بھینس کی قربانی جائز ہے یا نہیں؟

سوال [۹۹۶۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: غیر مقلدین کا کہنا ہے کہ بھینس کی قربانی جائز نہیں، جبکہ ائمہ اربعہ کے نزدیک گائے کی طرف بھینس کی قربانی بھی جائز ہے، گزارش ہے کہ بھینس کی قربانی کے تعلق سے کوئی حدیث مع حوالہ تحریر کریں، نیز فقہ کی کتابوں سے بھی حوالے پیش کریں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بھینس کی قربانی بلاشبہ جائز اور درست ہے، اور اس کی قربانی حضور ﷺ نے کیوں نہیں کی، اس پر غور کرنے کی ضرورت ہے کہ عرب کی سرزمین میں بھینس زندہ نہیں رہ سکتی تھی، اور آج بھی یہی حال ہے اور جہاں بھینس زندہ رہتی ہے، وہاں تک آپ ﷺ کے زمانے میں اسلام نہیں پہنچ سکا، بلکہ صحابہؓ کے آخری دور اور تابعین کے زمانے میں ان علاقوں میں اسلام پہنچا جن میں بھینس زندہ رہتی ہے، چنانچہ جب ان علاقوں میں اسلام پہنچ گیا تو اجلۂ تابعین میں امام حسن بصریؒ وغیرہ نے ”الجوامیس بمنزلۃ البقر“ کے الفاظ کے ذریعہ حکم شرعی بیان فرمادیا ہے، ذیل میں عبارات ملاحظہ فرمائیے:

عن الحسن أنه كان يقول: الجواميس بمنزلة البقر. (مصنف ابن أبي شيبة، كتاب الزكاة في الجواميس تعد في الصدقة، مؤسسة علوم القرآن ۶۵/۷، رقم: ۱۰۸۴۸)

مصنف عبد الرزاق کی لمبی روایت کا مختصر حصہ ملاحظہ ہو:

وتحسب الجواميس مع البقر. (مصنف عبد الرزاق، باب البقر، المجلس العلمي بيروت ۲۴/۴، رقم: ۶۸۵۱)

الجاموس نوع من البقر بدليل أنه يضم ذٰلک إلى الغنم والبقر في

باب الزكاة. (بدائع الصنائع، كتاب التضحية، زكريا ٤/٢٠٥، كراچی ٥/٦٩)

ويجزئ الجاموس في الأضحية عن سبعة. (تاتارخانية زكريا ١٧/٤٣٤، رقم: ٢٧٧٤٢)

الـجـاموس يجوز في الضحايا والهدايا استحسانا. (خلاصة الفتاوىٰ، اشرفی ديـوبند ٤/٣١٤، البحر الرائق زكريا ٨/٣٢٤، كوئٹه ٨/١٧٧، قاضيخان زكريا جديد ٣/٢٤٥، وعلى هامش الهندية ٣/٣٤٨، بزازيه زكريا جديد ٣/١٥٧، وعلى هامش الهندية ٦/٢٨٩)

يـجوز التضحية بالجاموس عن سبعة هو المختار. (فتاوىٰ سراجية، اتحاد ص: ٣٨٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷/ ذی قعدہ ۱۴۳۴ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۳۲۱)

گائے کی قربانی کا شرعی حکم

سوال [۹۹۶۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: گاؤ پرستی کے اس ملک میں گائے کا ذبیحہ ممنوع ہے، پھر بھی بعض مسلم آبادی والے خطے میں بلا روک ٹوک گائے کا ذبیحہ ہوتا ہے، نیز بعض وہ ہندوستانی خطے جہاں ہندوؤں کی کثیر آبادی ہے، ایسی جگہوں پر کچھ مسلمان رہتے ہیں وہ چوری چھپے گائے کا ذبیحہ کرتے رہتے ہیں، یہاں صرف دریافت یہ کرنا ہے کہ ایسے ماحول ومعاشرے میں عید قربانی کے موقع سے اگر کوئی بندۂ خدا چوری چھپے گائے کی قربانی پیش کرتا ہے تو اس کی شرعی حیثیت کیا ہوگی؟ ڈرے، سہمے اور ملک کے قوانین کی بندشوں کو توڑتے ہوئے گائے کی قربانی پیش کرنا کیسا ہے؟ کیا اس قسم کی قربانی سے قربانی کی روحانیت متأثر نہیں ہوتی؟ مفصل اور مدلل وضاحت فرمائیں۔

المستفتی: ابو حارث عثمانی علی گنج ضلع ایٹہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: گائے کا ذبیحہ شرعی نقطۂ نظر سے بلا شبہ جائز ہے

اورگائے کی قربانی کرنے کی صورت میں قربانی کرنا بلا کراہت درست ہوجاتی ہے، حکومت کے قانون کی وجہ سے اس کی روحانیت پر کوئی اثر نہیں پڑتا، نیز گائے کے ذبیحہ سے ممانعت، مداخلت فی الدین ہے، اور حکومت کو مداخلت فی الدین کا اختیار نہیں ہے، لیکن گائے کا ذبیحہ قانونی اعتبار سے بہت بڑا جرم تصور کیا جاتا ہے، اس لیے مسلمانوں کو اپنی عزت وآبرو کی تحفظ کی خاطر گائے کے ذبیحہ سے باز رہنا چاہیے، اس لیے کہ گائے کے بجائے بھینس اور کٹڑے کے ذریعہ سے مسلمانوں کی قربانی اور دوسری ضروریات کا بدل بآسانی حاصل ہو جاتا ہے۔ (مستفاد: امداد المفتیین ۲/۹۶۳)

قال الله تعالیٰ: ﴿وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ﴾. (البقرة: ۱۹۵)

عن حذيفة –رضي الله عنه– قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ليس للمؤمن أن يذل نفسه، قالوا: يا رسول الله! وكيف يذل نفسه؟ قال: يتعرض من البلاء لما لا يطيق. (مسند البزار، مكتبه العلوم والحكم ۷/۲۱۸، رقم: ۲۷۹۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍صفر المظفر ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۱۸۷۸)

خصی کی قربانی

سوال [۹۹۶۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: قربانی کے جانوروں میں خصی بکرے کی قربانی ہوتی ہے جبکہ بکرے کا خصی ہونا ہی ایک نقص ہے، بعض آدمی اعتراض کرتے ہیں کہ یہ فیملی پلاننگ کی قسم ہے، جبکہ فیملی پلاننگ حرام ہے علماء کے نزدیک، تو خصی بکرے کا کیا جواز ہے؟ اس کا بھی شرعی دلیل سے جواب عنایت فرمائیں۔

ہمارے یہاں پر اس مسئلہ پر لوگوں میں بحث چل رہی ہے اس لیے مجھے معلومات کی ضرروت پیش آئی۔

المستفتی: گل بہار عالم کشن گنج

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جانوروں میں خصی ہونا شریعت اسلامی میں عیب نہیں ہے، البتہ انسانوں کے حق میں عیب ہے، اور جانور میں زینت اور خوبصورتی کا ذریعہ ہے اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خصی جانوروں کی خود قربانی فرمائی ہے۔

عن جابرؓ قال: ذبح النبی ﷺ یوم الذبح کبشین أقرنین أملحین موجوء ین. (سنن أبی داؤد، الضحایا، باب ما یستحب من الضحایا، النسخة الهندیة ۲/۳۸٦، دار السلام رقم: ۲۷۹۵، مشکوٰۃ شریف ۱/۱۲۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
۱٦/ربیع الاول ۱۴۱۲ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/۲۵۹۵)	۱۴۱۲/۳/۱٦ھ

خصی بکرے کی قربانی

سوال [۹۹٦۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) ایک بکرا خصی کرایا گیا وہ پورے طور پر خصی نہ ہوسکا یعنی ایک فوطہ نکل گیا اور ایک باقی رہ گیا ہے، ویسے اس کی قوتِ مردانہ بھی ختم ہوگئی ہے، لہٰذا ایسے بکرے کی قربانی کرنا جائز ہوگی یا نہیں؟ مدلل تحریر فرمائیں۔

(۲) اور اس بکرے کو قربانی کے نام سے رکھا گیا ہے اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟ اگر اس کی قربانی جائز نہ ہو تو اس کی قیمت کا دوسرا بکرا خرید کر قربانی کرنا واجب ہوگی یا نہیں؟

المستفتی: محمد اسلم مانیاوالا ضلع بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: خصی کرنا شرعاً عیب نہیں ہے، اس لیے ایسے جانور کی قربانی بلا کراہت جائز اور درست ہے، نیز حضور ﷺ نے خود خصی جانور کی قربانی فرمائی ہے۔

عن جابرؓ قال: ذبح النبی ﷺ یوم الذبح کبشین أقرنین أملحین

موجوء ين. (سنن أبی داؤد، الضحايا، باب ما يستحب من الضحايا، النسخة الهندية ۲/۳۸٦، دار السلام رقم: ۲۷۹۵، مشکوٰۃ شریف ۱/۱۲۸) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰رشوال المکرّم ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۲۸۴۷)

ایک بکرا ایک فرد کی طرف سے اور گائے بھینس، اونٹ سات کی طرف سے

سوال [۹۹۷۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک بکرے کو ایک ہی حصہ میں قرار دیا گیا ہے، متعدد افراد کی طرف سے جائز نہیں ہے، یہ کس روایت سے ثابت ہے، اور گائے یا بدنہ کی قربانی سات آدمی کی طرف سے جائز ہے؟ اس سلسلے میں کتابوں کے حوالے سے جواب عنایت فرمائیں، نوازش ہوگی۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: بدنہ اور گائے کی قربانی سات افراد کی طرف سے جائز ہے اور بکرے کی قربانی صرف ایک فرد کی طرف سے جائز ہے، متعدد افراد کی طرف سے جائز نہیں ہے۔

وقال بعض أهل العلم لا تجزئ الشاة إلا عن نفس واحدة وهو قول عبد الله بن المبارك، وغيره من أهل العلم. (ترمذی شریف، باب ماجاء أن الشاة الواحدة تجزئ عن أهل البيت، النسخة الهندية ۱/۲۷۷، تحت رقم الحديث ۱۵۰۵)

عن أبي سعيد قال: كان النبي صلى الله عليه وسلم يضحى بكبش أقرن فحيل، ينظر فی سواد، ويأكل فی سواد، ويمشي فی سواد. (أبو داؤد شريف، باب ما يستحب من الضحايا، النسخة الهندية ۲/۳۸٦، دار السلام رقم: ۲۷۹٦)

عن ابن عباس أن النبی صلى الله عليه وسلم أتاه رجل فقال: إن علی بدنة، وأنا موسر بها، ولا أجدها فأشتريها فأمره النبی صلى الله عليه وسلم أن يبتاع سبع شياه فيذبحهن.

(سنن ابن ماجه، باب كم يجزئ من الغنم عن البدنة، النسخة الهندية ۲/۲۲٦، دار السلام

رقم: ٣١٣٦، مسند أحمد بن حنبل ١/٣١١-٣١٢، رقم: ٢٨٤٠-٢٨٥٣)

عن جابر بن عبد الله أنه قال: نحرنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم بالحديبية البدنة عن سبعة والبقرة عن سبعة. (ترمذی شریف، الأضحية، باب ماجاء فی الاشتراك فی الأضحية، النسخة الهندية ١/٢٧٦، دار السلام رقم: ١٥٠٢، صحيح مسلم، باب الاشتراك فی الهدی ...... النسخة الهندية ١/٤٢٤، بيت الأفكار رقم: ١٣١٨، مؤطا إمام محمد مكتبه فيصل رقم: ٢٨٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳/ ذی الحجہ ۱۴۳۴ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۳۲۸)

ایک بڑے جانور کو ایک آدمی تنہا اپنی طرف سے قربان کردے تو؟

سوال [۱۷۹۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حدیث وفقہ میں ہے کہ بڑے جانور میں سات آدمی شریک ہوسکتے ہیں، کیا بڑا جانور جس میں سات حصے ہوسکتے ہیں، ایک آدمی کی طرف سے ہوسکتا ہے یا نہیں؟ کیا اس میں افضلیت کا پہلو رہے گا؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بڑے جانور کی قربانی جس میں سات آدمی شریک ہوسکتے ہیں، ایک آدمی تنہا اپنی طرف سے پورا جانور کردے تو افضل اور زیادہ بہتر ہے۔

ولو أن رجلا موسرا أو امرأة موسرة ضحى بدنة عن نفسه خاصة كان الكل أضحية واجبة عند عامة العلماء وعليه الفتوىٰ. (خانيه، كتاب الأضحية، فصل فيما يجوز في الضحايا ومالا يجوز، زكريا جديد ٣/٢٤٦، وعلى هامش الهندية ٣/٣٥٠)

ويجوز ذٰلک عن سبعة أو أقل من ذٰلک، ولا شک فی جواز بدنة أو بقرة عن أقل من سبعة بأن اشترک اثنان أو ثلاثة أو أربعة أو خمسة أو ستة فی بدنة أو بقرة لأنه

لما جاز السبع فالزيادة أولىٰ. (بدائع الصنائع، كتاب التضحية، زكريا ٤/٢٠٧، كراچی ٥/٧١)

بـدنة تـجوز عن واحد أيضا …… ويجوز اشتراک أقل من سبعة، قال العيـنـي في شرح الكنز: وتجوز عن ستة أو خمسة أو أربعة أو ثلاثة، ذكره مـحـمـد فـي الأصل لأنه لما جاز عن السبعة فمن دونه أولىٰ. (مجمع الأنهر، كتاب الأضحية، دار الكتب العلمية بيروت ٤/١٦٨، مصرى قديم ٢/٥١٧)

ويجزئ عما دون سبعة بالأولىٰ. (شامی، كتاب الأضحية، زكريا ٩/٤٥٧، كراچی ٦/٣١٦)

ومـاقـالوا: إن البدنة تكون بعضها نفلا فليس كذٰلک بل إذا ذبحت عن واحد كان كلها فرضا. (خانيه، فصل فيما يجوز في الضحايا و مالا يجوز، زكريا جديد ٣/٢٤٦، وعلى هامش الهندية ٣/٣٤٩) **فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
۵/ ذی قعدہ ۱۴۳۴ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۳۳۸)

بڑے جانور میں سات، اور چھوٹے میں ایک کا حکم، زندہ اور مردہ دونوں کیلئے

سوال [۹۹۷۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بڑے جانور کی قربانی میں سات آدمی تک شریک ہو سکتے ہیں اور دنبہ خصی چھوٹے جانور میں ایک ہی حصہ ہو سکتا ہے، یہ مسئلہ احیاء واموات کے لیے مساوی ہے یا کچھ فرق ہے؟

المستفتی: محمد غفران غفرلہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جی ہاں! یہ مسئلہ احیاء اور اموات میں مساوی ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۳/ ۵۳۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/ ربیع الاول ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۳۰۷۰)

۷/۸/ ماہ کے فربہ بکرے کی قربانی درست ہے یا نہیں؟

سوال [۹۹۷۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) ایک بکرا عمر تقریباً ۷/ یا ۸/ ماہ ہے وہ دانتا ہوا نہیں ہے، لیکن دیکھنے میں تندرست اور سال بھر کا معلوم ہوتا ہے اس بکرے کی قربانی کر سکتے ہیں یا نہیں؟

(۲) اگر بکرا اگلے سال کی قربانی کی نیت سے لیا تو اس کی اس سال قربانی کر سکتے ہیں یا نہیں؟ جب کہ اس کی عمر ایک سال ہے؟

المستفتی: ڈاکٹر محمد نسیم

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) سال بھر سے کم عمر کے بکرے کی قربانی جائز نہیں ہے اگر چہ تندرست ہی کیوں نہ ہو اس لیے مذکورہ بکرے کی قربانی درست نہ ہوگی۔

(مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ قدیم ۳/ ۱۸۰، جدید ۱۰/ ۴۷)

(۲) اگر سال پورا ہو چکا ہے تو اس سال بھی اس کی قربانی جائز اور درست ہے، اس لیے کہ اس میں مانع قربانی نہیں ہے۔

عن جابر –رضی الله عنه– قال: قال رسول الله ﷺ: لاتذبحوا إلا مسنة إلا أن يعسر عليكم فتذبحوا جذعة من الضأن. (صحيح مسلم، باب سن الأضحية، النسخة الهندية ۲/ ۱۵۵، بيت الأفكار رقم: ۱۹۶۳)

ويشترط الكامل، فلايجوز الناقص سواء كان النقصان من حيث السن أو من حيث الذات. (قاضيخان، كتاب الأضحية، فصل فيما يجوز في الضحايا ومالا يجوز، زكريا جديد ۳/ ۲۴۵، وعلى هامش الهندية ۳/ ۳۴۹)

ويجزئ في الأضحية الثني، فصاعدا من كل شيئ، ولايجزئ ما دون ذٰلک من كل شيئ ...... والثني من الغنم الذي تم عليه سنة. (المحيط البرهاني،

المجلس العلمی ۸/٦٦٤، رقم: ١٠٨١٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹/ ذی الحجہ ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۲۹۱۸)

کیا تیرہویں ذی الحجہ کو پیدا ہونے والے بکرے کی آئندہ سال قربانی درست ہے؟

سوال [۹۹۷۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر تیرہویں ذی الحجہ کو بکری کا بچہ پیدا ہوا تو کیا آئندہ سال اس کی قربانی کر سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتی: نثار احمد بستوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر ۱۳/ ذی الحجہ کو پیدا ہوا ہے تو وہ آئندہ سال ایام قربانی میں پورے سال کا نہیں ہوگا، اور سال پورے ہونے سے ایک آدھ یوم کی کمی کی وجہ سے بھی قربانی درست نہیں ہوتی ہے، اس لیے مذکورہ صورت میں آئندہ سال مذکورہ بچہ کی قربانی درست نہ ہوگی۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۳/ ۵٦۸)

عن جابر –رضی الله عنه– قال: قال رسول الله ﷺ: لاتذبحوا إلا مسنة. (سنن أبی داؤد، باب ما یجوز من السن فی الضحایا، النسخة الهندیة ١/ ٣٨٦، دار السلام رقم: ٢٧٩٧، المکتب الإسلامي ٤/ ٢٩٤، رقم: ٢٩١٨)

وتقدیر هذه الأسنان لما قلنا، یمنع النقصان ولا یمنع الزیادة حتی لو ضحی بأقل من ذٰلک شیئا لایجوز. (عالمگیری، کتاب الأضحیة، الباب الخامس فی بیان محل إقامة الواجب، زکریا قدیم ٥/٢٩٧، جدید ٥/ ٣٤٣، بدائع الصنائع کراچی ٥/ ٧٠، زکریا ٤/ ٢٠٦)

ویشترط الکامل، فلایجوز الناقص سواء کان النقصان من حیث السن أو من حیث الذات. (قاضیخان، کتاب الأضحیة فصل فیما یجوز فی الضحایا

ومالا یجوز، زکریا جدید ۳/ ۲٤٥، وعلی هامش الهندیة ۳/ ۳٤۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/ ۲۲۴۷)

بغیر دانتے ایک سالہ بکرے کی قربانی

سوال [۹۹۷۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بکرا ایک سال کا ہے لیکن دانت نہیں ہیں تو کیا قربانی کر سکتے ہیں؟

المستفتی: محمد فراز بڑی مسجد بلند شہر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر واقعتاً بکرا ایک سال کا ہے اور آپ کو حتمی طور پر معلوم ہے کہ بکرے کی عمر ایک سال ہے تو اس کی قربانی شرعاً درست ہے، دانت پر قربانی کی صحت کا مدار نہیں ہے، بلکہ صحت کا مدار عمر پر ہے، دانت عمر معلوم کرنے کی احتیاطی طور پر ایک علامت ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۸/ ۲۳۷، جدید زکریا مطول ۱۲/ ۸۵، احسن الفتاویٰ ۷/ ۵۲۰، محمودیہ قدیم ۴/ ۳۱۵، جدید ڈابھیل ۱۷/ ۳۶۲)

وصح حول من الشاة فلو ضحى بسن أقل لايجوز و بأكبر يجوز.
(شامی، كتاب الأضحية، زكريا ۹/ ٤٦٦، كراچی ٦/ ۳۲۲)

و تقدير هذه الأسنان بما قلنا، لمنع النقصان لا لمنع الزيادة حتى لو ضحى بأقل من ذٰلک سنا لايجوز، ولو ضحى بأكثر من ذٰلک سنا يجوز و يكون أفضل. (بدائع الصنائع، كتاب التضحية، زكريا ٤/ ۲۰٦، كراچی ٥/ ۷۰، هنديه زكريا قديم ٥/ ۲۹۷، جديد ٥/ ۳٤۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸؍ ذی الحجہ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۹۵۴)

کیا ایک موٹھ سے بڑی سینگ کا جانور دو سال کا ہے؟

سوال [۹۹۷۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مدارس کے علماء کہتے ہیں کہ اگر ایک موٹھ سے بڑی سینگ ہو تو جانور دو سال کا مانا جائے گا، اس کی حقیقت کیا ہے؟

المستفتی: حنیف اندور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایک موٹھ سے بڑی سینگ کا ہونا جانور کے دو سال ہونے کے لیے علامت کی جو بات کہی گئی ہے وہ ہم کو معلوم نہیں، یہ جانوروں سے متعلق تجربہ رکھنے والے بتائیں گے، حضراتِ فقہاء نے سینگوں کے اوپر کوئی مدار نہیں رکھا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵ /ربیع الاول ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۵۲۳)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۳/۱۵ھ

بڑے جانور کی عمر کتنی ہو؟

سوال [۹۹۷۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) گائے، بیل، بھینس، بھینسا دو سال کا ہونا ضروری ہے؟ اس سے کم عمر کے جانور کی قربانی درست نہ ہوگی، اب وضاحت طلب امر یہ ہے کہ گائے، بیل، بھینس، بھینسا دو سال کے کب ہوتے ہیں، اس کی علامت کیا ہے؟ بحوالہ مدلل کریں۔

(۲) بڑے جانور میں دو سال کا تعین قصائی کے کہنے پر ہوگا یا نہیں؟ کیونکہ قصائی بیچوان ہوتا ہے، اور اس کا کہنا ہے کہ میں تو بیچوان ہوں، مجھے جو جتنی رقم دے گا اس کے حساب سے مال دوں گا، اس میں عمر کا کوئی تعلق نہیں ہے؛ اس صورت میں عمر کا تعین کس طرح ہو؟

المستفتی: حنیف اندور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) گائے، بیل، بھینس وغیرہ بڑے جانور کی عمر دو سال مکمل ہونا لازم ہے، دو سال سے کم کے جانور کی قربانی جائز نہیں ہے، اور چھوٹے جانور بکری، بھیڑ وغیرہ کی عمر ایک سال پوری ہونا لازم اور ضروری ہے، اور عمر پوری ہونے کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ جانور دونتا ہوا ہو، اس کی وجہ یہ ہے کہ عمر پوری ہونے سے پہلے جانور دونتا نہیں ہوتا، بلکہ عمر پوری ہونے کے بعد دونتا ہونے لگتا ہے تو اس سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ دونتا ہونے سے پہلے بھی عمر پوری ہوسکتی ہے، لہٰذا اگر مالکِ جانور باوثوق طریقہ سے کہتا ہے کہ عمر پوری ہوگئی اور دیکھنے سے بھی عمر پوری معلوم ہوتی ہے تو ایسی صورت میں میں جانور کی عمر پوری تسلیم کرلی جائے گی، اور بہتر بات یہ ہے کہ اگر جانور دونتا ہوا نہیں ہے تو اس سلسلے میں تجربہ کار آدمی کو دکھا دیا جائے اور وہ بتا دے کہ اس کی عمر پوری ہوگئی ہے اور دیکھنے میں بھی عمر پوری معلوم ہوتی ہے اور مالک بھی پوری عمر بتلاتا ہے تو پھر اس کا اعتبار کرلیا جائے گا اور اس کی قربانی بلاتردد جائز ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۸/ ۲۳۷، جدید زکریا مطول ۱۲/ ۸۵، جواہر الفقہ قدیم ۱/ ۴۴۹، جدید زکریا ۶/ ۳۲۵)

(۲) بڑے جانور میں دو سال کا تعین صرف قصائی کے کہنے سے نہ ہوگا، بلکہ دیکھنے میں بھی جانور دو سال کا معلوم ہوتا ہو اور دو ایک تجربہ کار آدمی بھی کہتے ہوں کہ اس کی عمر پوری ہوگئی ہے، یہ اس وقت ہے جبکہ جانور اونا ہو، لیکن اگر جانور دونتا ہے تو پھر مزید تحقیق کی ضرورت نہیں، اس لیے کہ عمر پوری ہونے کے بعد ہی جانور دونتا ہوتا ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۸/ ۲۳۷، جدید زکریا مطول ۱۲/ ۸۵، جواہر الفقہ قدیم ۱/ ۴۴۹، جدید زکریا ۶/ ۳۲۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
۱۵ / ربیع الاول ۱۴۲۹ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۵۲۳)	۱۴۲۹/۳/۱۵ھ

بڑے جانور کی عمر دو سال ہونا ضروری ہے یا چار دانت

سوال [۹۹۷۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ ایک عالم صاحب کا کہنا ہے کہ بڑے جانور کی عمر دو سال ہونا ضروری ہے اور اس میں چار دانت ہونا یہ علامت ہے، دو سال کے ہونے کی، لہٰذا اگر کسی بیل کی عمر دو سال ہو گئی ہے لیکن یا تو اس کے دانت ابھی آئے نہیں یا آ کر سب ٹوٹ گئے یا کچھ ٹوٹ گئے اور جانور چارہ کھا سکتا ہے تو اس کی قربانی درست ہے؟

المستفتی: محمد زبیر مظاہری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: اصل حکم یہ ہے کہ گائے اور بھینس کی قربانی کے لیے دو سال کی عمر پوری ہونا لازم ہے، دانتوں پر مدار نہیں ہے، ہاں عام طور پر گائے اور بھینس کے دو سال پورے ہونے سے پہلے مادر زاد دانت ٹوٹتے نہیں، بلکہ دو سال پورے ہونے کے بعد مادر زاد دانت ٹوٹ جاتے ہیں اور نئے دانت نکلتے ہیں، اس کو دونتا کہا جاتا ہے، اگر جانور دونتا ہوتا ہے تو اس کی عمر پوری ہونا یقینی ہو جاتی ہے، اس لیے دونتا جانور کی تلاش ہوتی ہے، لہٰذا اگر کسی نے اپنے گھر جانور پال رکھا ہے، اور دو سال جانور کی عمر پوری ہو چکی ہے تو اس کے دانت دیکھنے کی ضرورت نہیں اور بازار سے جو جانور خریدا جاتا ہے اس کا دانت اس لیے دیکھا جاتا ہے کہ عمر پوری ہونے کے بارے میں یقینی معلوم نہیں اور دانت کے ذریعہ یقین ہو جاتا ہے نیز اگر جانور کے دانت اکثر یا سب ٹوٹ جاتے ہیں، مگر بدستور چرنے پر قادر ہے، تو وہ عیب دار نہیں ہے اور اس کی قربانی بلاتردد جائز ہے۔

وأما الهتماء وهي التي لا أسنان لها فإن كانت ترعى وتعتلف جازت وإلا فلا. (بدائع الصنائع، كتاب التضحية، باب محل التضحية، زكريا ٤/ ٢١٥، كراچی ٥/ ٧٥، المبسوط، دارالكتب العلمية بيروت ١٢/ ١٧، هدايه اشرفی ٤/ ٤٤٨)

ولايجوز بالهتماء التي لا أسنان لها إن كانت لا تعتلف وإن كانت تعتلف جاز هو الصحيح. (البحر الرائق، كتاب الأضحية، كوئٹه ٨/ ١٧٦، زكريا ٨/ ٣٢٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱ ؍ رجب المرجب ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۳۷۱)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۱/ ۷/ ۱۴۲۸ھ

اُونا جانور کی قربانی

سوال [۹۹۷۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: خالد نے ایک بکرا قربانی کے لیے خریدا، بعد میں پتہ چلا کہ وہ اُونا ہے، دونتا نہیں تو اس بکرے کی قربانی جائز ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: خالد کے اس بکرے کی عمر ایک سال ہے تو اس کی قربانی بلا شبہ درست ہے، خواہ وہ دونتا ہو یا نہ ہو، اس لیے کہ صحت قربانی کے لیے بکرے کا ایک سال کا ہونا ضروری ہے، دونتا ہونا ضروری نہیں، بلکہ دونتا ہونا سال بھر کا ہونے کی علامت ہے، کہ اکثر بکرا سال بھر کا ہونے کے بعد ہی دونتا ہوتا ہے۔

فلا يجوز شيئ مما ذكرنا من الإبل والبقر والغنم عن الأضحية إلا الثنى من كل جنس والثنى من الغنم إبن سنة. (هنديه، كتاب الأضحية، الباب الخامس فى بيان محل إقامة الواجب، زكريا قديم ۵/۲۹۷، جديد ۵/۳۴۳)

ويجزئ فى الأضحية الثنى فصاعدا من كل شيئ ...... والثنى من الغنم الذى تم له سنة. (تاتارخانية زكريا ۱۷/۴۲۵، رقم: ۲۷۷۱۳-۲۷۷۱۴)

وصح الثنى فصاعدا من الثلاثة والثنى هو ابن خمس من الإبل و حولين من البقر والجاموس و حول من الشاة. (در مختار مع الشامى، كتاب الأضحية، زكريا ۹/۴۶۶، كراچى ۶/۳۲۲)

ويجزئ فى الأضحية الثنى فصاعدا من كل شيئ ...... والثنى من الغنم الذى تم عليه سنة و طعن فى الثانية. (المحيط البرهانى رشيديه ۶/۴۷۸، المجلس العلمى ۸/۴۶۶ رقم: ۱۰۸۱۳)

وأما سنه: فلايجوز شيئ مما ذكرنا من الإبل والبقر والغنم من الأضحية إلا الثنى من كل جنس ...... وأما معانى هذه الأسماء فقد ذكر

القدوری أن الفقهاء قالوا الجذع من الغنم ابن ستة أشهر والثنی منه ابن سنة. (بدائع الصنائع زکریا ٤/٢٠٦، کراچی ٥/٧٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍ ذی قعدہ ۱۴۳۴ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۱۱۲۹۴/۴۰)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۱/۱۱/۱۴۳۴ھ

فقیر نے بنیت قربانی ایک سال سے کم عمر کا بکرا خرید لیا

سوال [۹۹۸۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: فقیر نے بقرعید کے زمانہ میں قربانی کے ارادے سے ایک بکرا خریدا وہ بکرا نابالغ ہے، اور پوری عمر کا نہیں ہے، قربانی کے شرائط پر نہیں اترتا ہے تو ظاہر بات ہے کہ اس کی قربانی درست نہیں ہوگی تو اب فقیر اس جانور کا کیا کرے؟ اور فقیر کے قربانی کے جانور خریدنے سے عملی نذر منعقد ہو جاتی ہے یہاں شرائط پر نہ اترنے کی وجہ سے عملی نذر منعقد ہوگئی یا نہیں؟

المستفتی: مولانا عبد الناصر مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اس مسئلہ سے متعلق بعینہٖ صریح جزئیہ دستیاب نہیں ہوسکا لیکن اس سے متقارب اور مؤید جزئیات حاصل ہوگئے ان جزئیات کا خلاصہ یہ ہے کہ جب فقیر نے قربانی کی نیت سے بکرا خرید لیا ہے اور وہ بکرا ایام قربانی تک عمر اور جسامت کے لحاظ سے کمسن اور نابالغ ہے اس عمر کا جانور قربانی میں شرعاً درست نہیں تو ایسی صورت میں بھی فقیر کی طرف سے نذر فعلی منعقد ہوگئی ہے اس جانور کو کسی اور کام میں لینا اس فقیر کے لیے جائز نہیں ہوگا اور نہ ہی ایام قربانی میں اس کو ذبح کرنا درست ہوگا بلکہ ایام قربانی گذر جانے کے بعد وہ جانور بعینہٖ غریبوں کو صدقہ کر دینا لازم ہوگا، جزئیات ملاحظہ ہوں:

إن الشراء للأضحية ممن لا أضحية عليه يجري مجریٰ الإيجاب وهو النذر بالتضحية عرفا لأنه إذا اشتریٰ للأضحية مع فقره فالظاهر أنه

يضحى فيصير كأنه قال جعلت هذه الشاة أضحية. (بدائع الصنائع، كتاب التضحية، زكريا ۱۹۲/٤، كراچی ٦۲/٥)

ثم قضائها قد يكون بالتصدق بعين الشاة وقد يكون بالتصدق بقيمة الشاة فإن كان أوجب التضحية على نفسه بشاة بعينها فلم يضحها حتى مضت أيام النحر يتصدق بعينها حية، وكذٰلك المعسر إذا اشترىٰ شاة ليضحى بها فلم يضح حتى مضت الوقت لأن الشراء للأضحية من الفقير كالنذر بالتضحية. (بدائع الصنائع زكريا ۲۰۲/٤، كراچی ٦۸/٥، هنديه زكريا قديم ۲۹٤/٥، جديد ۳۳۹/٥)

ولو تركت التضحية ومضت أيامها تصدق بها حية ناذر لمعينة. (در مختار مع الشامی، كتاب الأضحية، زكريا ٤٦۳/۹، كراچی ۳۲۰/٦)

فإن كان أوجب على نفسه أو كان المضحى فقير وقد اشترىٰ شاة بنية الأضحية فلم يفعل حتى مضت أيام النحر تصدق بها حية. (عالمگيری، الباب الرابع فيما يتعلق بالمكان والزمان، زكريا قديم ۲۹٦/٥، جديد ۳٤۲/٥، الموسوعة الفقهية الكويتية ٤٥/۳٤، بدائع الصنائع كراچی ٦۸/٥، زكريا ۲۰۲/٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍صفر المظفر ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۲۸۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۲/۲۷ھ

قربانی کی نیت سے پالے گئے جانور کی ہی قربانی واجب ہے یا دوسرے کی بھی؟

سوال [۹۹۸۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کیا یہ بات صحیح ہے کہ وہ جانور جس کو قربانی کی نیت سے خریدا ہو، جس پر نویں ذی الحجہ قائم ہوگئی اس کی قربانی واجب ہے چاہے غریب کا ہو یا مالدار کا، نویں ذی الحجہ سے پہلے اگر کوئی غریب بنیت قربانی جانور خریدے تو اس پر وجوب نہ ہوگا، لہٰذا وہ نویں تاریخ سے پہلے بنیت قربانی جانور خرید کر فروخت کرسکتا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفیق: اگر مالدار نے بنیت قربانی خریدا ہے تو وہی جانور قربان کرنا واجب نہ ہوگا اور اگر غریب نے بنیت قربانی خریدا ہے تو اسی جانور کی قربانی کرنا واجب ہوگا۔

وأما الذی یجب علی الفقیر دون الغنی فالمشتری للأضحیة إذا کان المشتری فقیرا، بأن اشتریٰ فقیر شاۃ ینوی أن یضحی بها. (بدائع الصنائع، کتاب التضحیة، کراچی ۶۲/۵، زکریا ۱۹۲/٤، هندیه زکریا قدیم ۲۹۱/۵، جدید ۳۳٦/۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰ر صفر المظفر ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۲۲/۲۴)

قربانی کی نیت سے پالے ہوئے جانور کی قربانی کا حکم

سوال [۹۹۸۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر کسی جانور کو ابتدائے سال ہی سے بنیت قربانی پالا گیا ہو تو اسی جانور کی قربانی واجب ہوگی یا اس کو فروخت کر کے دوسرا جانور بھی قربان کیا جاسکتا ہے، غریب و مالدار کے فرق کو ملحوظ رکھتے ہوئے جواب عنایت فرمائیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفیق: اگر مالدار نے بنیت قربانی خرید کر پالا ہے تو فروخت کر کے دوسرا جانور قربان کرسکتا ہے، اور اگر غریب نے بنیت قربانی خریدا ہے تو فروخت کرنا جائز نہ ہوگا، بلکہ اسی جانور کی قربانی واجب ہوگی، اور اگر جانور گھر کا ہے یا بوقت خریداری قربانی کی نیت نہیں تھی، اور بعد میں قربانی کی نیت سے چارا کھلانا شروع کیا ہے تو مالدار وفقیر دونوں کے لیے فروخت کر کے دوسرا جانور قربان کرنا جائز ہے۔

وأما الذی یجب علی الفقیر دون الغنی فالمشتری للأضحیة إذا کان

المشتری فقیرا، بأن اشتریٰ فقیر شاۃ ینوی أن یضحی بها (إلی قوله) وإن کان غنیا لایجب علیه بالشراء شیئ بالاتفاق (وقوله) ولو کان فی ملک انسان شاۃ فنویٰ أن یضحی بها أو اشتریٰ شاۃ ولم ینو الأضحیة وقت الشراء ثم نویٰ بعد ذٰلک أن یضحی بها لایجب علیه سواء کان غنیا أو فقیرا لأن النیة لم تقارن الشراء فلا تعتبر. (بدائع الصنائع، کتاب التضحیة، زکریا ٤/١٩٢-١٩٣، هندیه زکریا قدیم ٥/٢٩١، جدید ٥/٣٣٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰؍صفر المظفر ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/۱۱۲۲)

کیا بنیت قربانی خریدنے سے جانور متعین ہوجاتا ہے؟

سوال [۹۹۸۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایام اضحیہ میں قربانی کا جانور بنیت قربانی خریدنے سے قربانی کے لیے متعین ہوتا ہے یا ایام اضحیہ سے قبل خریدنے سے بھی متعین ہوجاتا ہے؟

المستفتی: ابوالمکارم المعروفی مئو

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: غریب شخص قربانی کی نیت سے قربانی کا جانور ایام اضحیہ سے پہلے خریدے یا ایام اضحیہ کے اندر خریدے بہرصورت وہ جانور قربانی کے لیے متعین ہوجاتا ہے اور مالدار شخص کے قربانی کی نیت سے جانور خریدنے سے وہ جانور متعین نہیں ہوتا خواہ ایام اضحیہ سے پہلے خریدے یا ایام اضحیہ کے اندر خریدے۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۷/۵۲۹، فتاویٰ نظامیہ ص: ۳۳۹)

وأما الذی یجب علی الفقیر دون الغنی فالمشتری للأضحیة إذا کان المشتری فقیرا، بأن اشتریٰ فقیر شاۃ ینوی أن یضحی بها وإن کان غنیا لاتجب علیه بشراء شیئ بالاتفاق. (بدائع الصنائع، کتاب التضحیة، کراچی ٥/٦٢،

زکریا ۱۹۲/٤، هندیه زکریا قدیم ۲۹۱/۵، جدید ۳۳۲/۵) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
۱۲ / ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۵۷۰/۳۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۴/۱۲ھ

متعینہ جانور دوسرے کے نام سے ذبح کرنا

سوال [۹۹۸۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید وبکر نے قصائی سے دو بھینسے مع اجرت ذبح کسی قیمت پر خریدے اور مقرر کردیا کہ یہ میری طرف سے قربانی ہوگی، مگر بوقت ذبح قصائی نے بکر کا بھینسا زید کے لیے ذبح کردیا، مالک کو جب معلوم ہوا تو اس نے اپنا مقرر کردہ ذبح کرایا، اگر مالک راضی ہو جائے تو کیا اس کی قربانی صحیح ہوگئی؟ اور اگر راضی نہیں جیسے معلوم ہونے پر اپنا مقرر کردہ ذبح کرایا تو بکر کی قربانی کا کیا حکم ہوگا؟ اگر قربانی نہیں ہوئی تو یہ تاوان کس پر ہوگا؟

المستفتی: محمد اسحاق نولگڑھ راجستھان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: زید وبکر نے قصائی سے جو دو بھینسے خرید کر اپنا اپنا بھینسا قربانی کیلئے مقرر کردیا اور قصائی نے بکر کا مقرر کردہ بھینسا زید کیلئے ذبح کردیا تو وہ بکر کی طرف سے قربانی ہوگئی، اور زید کا اپنا مقرر کردہ بھینسا ذبح کرانا بھی درست ہوگیا لہٰذا دونوں کی قربانی صحیح ہوگئی۔

ولو غلط اثنان وذبح كل شاة صاحبه يعني عن نفسه ...... فيكون كل واحد وكيلا عن الآخر دلالة. (شامی، کتاب الأضحية، زکریا ۴٧٦/۹، کراچی ۳۲۹/٦)

أنه لو اشتراها بنية الأضحية فذبحها غيره بلا إذن فإن أخذها مذبوحة ولم يضمنه أجزأته وإن ضمنه لا تجزيه. (الأشباه کراچی ۳۲/۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴ / صفر المظفر ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۶۰۳۱/۳۴)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۲/۱۴ھ

دودھ دوہنے اور قربانی کی نیت سے خریدے گئے جانور کا حکم

سوال [۹۹۸۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (الف) زید نے سال کے شروع میں ایک گائے اس نیت سے خریدی کہ عید الاضحیٰ کے دن آنے تک اس کے دودھ وغیرہ سے فائدہ حاصل کرتا رہے گا، اس وقت تک اگر یہ جانور اللہ نے زندہ رکھا تو قربانی بھی اسی جانور کی کرے گا، تو اس طرح سال کے شروع یا عید الاضحیٰ سے چند دن پہلے ایسی مشترک نیت سے جانور خریدنا اور فائدہ حاصل کرتے رہنا اور پھر اسی کی قربانی کرنا درست ہے یا نہیں؟

(ب) نیز قربانی کے دن سے پہلے اگر کوئی ضرورت پیش آجائے تو تقریب میں اس جانور کو ذبح یا فروخت کر کے اس کا پیسہ استعمال کرنا درست ہے یا نہیں؟

(ج) اگر قربانی کا جانور قربانی سے پہلے بیمار ہو جائے تو کیا حکم ہے؟

المستفتی: محمد ہارون رشید کرناٹک

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (الف) زید اگر مالدار ہے اور دودھ دوہنے اور قربانی کی نیت سے جانور خریدتا ہے تو اس طرح خریدنا اور اس طرح خریدے ہوئے جانور سے بلا ضرورت کسی قسم کا نفع حاصل کرنا مکروہ ہے، کیونکہ مالدار ہونے کی وجہ سے یہ جانور اس کے حق میں ایسا متعین تو نہیں ہوتا کہ اسی کا ذبح کرنا واجب ہوگا مگر اتنی تعیین ضروری ہو جاتی ہے کہ بلا ضرورت اس کو بدلنا یا اس سے نفع حاصل کرنا مکروہ ہو جاتا ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۸/۲۱۴، جدید زکریا مطول ۱۲/۱۲۴)

وأما المشتراة من المؤسر للأضحية فلا بأس أن يحلبها و يجز صوفها. (بدائع الصنائع، كتاب التضحية، زكريا ٤/ ٢٢٠، كراچی ٥/٧٨، هنديه زكريا قديم ٥/ ٣٠١، جديد ٥/ ٣٤٧)

والصحيح: الموسر والمعسر فى حلبها وجز صوفها سواء فى الكراهة.

(هنديه، كتاب الأضحية، الباب السادس فى بيان ما يستحب فى الأضحية والانتفاع بها، زكريا جديد ٥/ ٣٤٧، قديم ٥/ ٣٠١)

اور اگر وہ غریب ہے تو اس کے لیے ایسی مشترکہ نیت سے جانور خریدنا اور ذبح سے پہلے اس سے کسی قسم کا فائدہ اٹھانا ہر حال میں مکروہ ہے، کیونکہ اس کے حق میں بنیت قربانی خریدا ہوا جانور قربانی کے واسطے متعین ہوکر نذر کے حکم میں ہوجاتا ہے اور ہر حال میں اس پر اسی کی قربانی واجب ہے۔

ولو اشتریٰ شاة للأضحية يكره أن يحلبها أو يجز صوفها فينتفع به لأنه عينهاللقربة فلا يحل له الانتفاع بجزء من أجزائها قبل إقامة القربة بها كما لا يحل له الانتفاع بلحمها، إذا ذبح قبل وقتها. (فتاویٰ عالمگیری، کتاب الأضحية، الباب السادس فی بیان ما یستحب فی الأضحیة والانتفاع بها، زکریا قدیم ۵/ ۳۰۰، جدید ۵/ ۳۴۷، بدائع الصنائع زکریا ۴/ ۲۱۹، کراچی ۵/ ۷۸)

(ب) ایام قربانی سے پہلے اگر کوئی ضرورت شدیدہ پیش آجائے تو مالدار کے لیے بنیت قربانی خریدے ہوئے جانور کو ذبح کرنا یا بیچ کر اس کا پیسہ استعمال کرنا بلا کراہت جائز ہے، بشرطیکہ اس کے بدلے میں دوسرے جانور کی قربانی کی نیت ہو اور غریب کے لیے کسی حال میں بھی قربانی سے قبل انتفاع جائز نہیں۔

إن المشتراة للأضحية متعينة للقربة إلى أن يقام غيرها مقامها. (شامی، کتاب الأضحية، زکریا ۹/ ۴۷۶، کراچی ۶/ ۳۲۹، بدائع الصنائع کراچی ۵/ ۷۸، زکریا ۴/ ۲۲۰)

(ج) قربانی سے پہلے اگر وہ جانور اتنا بیمار ہوجائے کہ قربانی کے قابل نہ رہے تو مالک اگر مالدار ہے تو اس پر اس کے بدلے میں دوسرے جانور کی قربانی واجب ہے اور اگر وہ فقیر ہے تو اس پر اسی جانور کی قربانی واجب ہے۔

ولو اشتریٰ أضحية وهي صحيحة العين ثم أعورت عنده وهو مؤسر (إلى قوله) لا تجزى عنه وعليه مكانها أخرىٰ بخلاف الفقير وفي موضع: وفي حق المعسر تجوز على كل حال. (هندیه، کتاب الأضحية، الباب الخامس فی بیان محل إقامة الواجب، زکریا قدیم ۵/ ۲۹۹، جدید ۵/ ۳۴۵، بدائع الصنائع کراچی ۵/ ۷۶، زکریا ۴/ ۲۱۶) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۲۱۱)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۶/۱۷ھ

قربانی کی نیت سے خریدے گئے بکرے کو عقیقہ کے لیے رکھنے کا حکم

سوال [۹۹۸٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک بکرا قربانی کے لیے خریدا اگر اس بکرے کو عقیقہ کے لیے رکھ لیا اور کسی بڑے جانور میں قربانی کا ایک حصہ لے لیا تو کیا ایسا کرنا صحیح اور درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد صلاح الدین نو ہٹہ سہرسا بہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر آپ اس قدر سرمایہ دار ہیں کہ آپ پر قربانی کرنا واجب ہے اور اس واجب کی ادائیگی کے لیے آپ نے بکرا خریدا ہے تو ایسی صورت میں آپ کو اختیار ہے چاہے اس بکرے کو قربانی کے لیے رکھیں یا عقیقہ کے لیے ارادہ کریں یا اسے بیچ دیں، اور پھر واجب قربانی کی ادائیگی کے لیے کسی بڑے جانور میں حصہ لے لیں اس طرح کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

ووجهه أن نية التعيين قارنت الفعل وهو الشراء فأوجبت تعيين المشترى للأضحية إلا أن تعيينه للأضحية لا يمنع جواز التضحية بغيرها. (بدائع الصنائع، كتاب التضحية، باب كيفية الوجوب، زكريا ٢٠٢/٤، كراچی ٦٨/٥)

إذا اشترىٰ شاة ينوى بها الأضحية ففى هذا الوجه فى ظاهر الرواية لاتصير أضحية مالم يوجبها بلسانه. (تاتارخانية زكريا ٤١٢/١٧، رقم: ٢٧٦٧١)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷/ ذی قعدہ ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۵۲۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۱۱/۱۷ھ

فقیر کا ایامِ نحر سے قبل خرید کردہ جانور کو بدلنا

سوال [۹۹۸۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ اگر فقیر نے ایامِ نحر سے پہلے قربانی کے ارادے سے کوئی جانور خریدا ہو پھر اس کا ارادہ بدل جائے کہ اس جانور کو بیچ کر دوسرا جانور اس کے بدلے میں لے کر قربانی کردے تو اس کے لیے ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

اسی طرح اگر فقیر خریدنے کے بعد پچھتانے لگے اور یہ ارادہ کرلے کہ اسے بیچ کر اس کا پیسہ گھر کی ضرورت میں استعمال کروں گا تو ایسا کرنا فقیر کے لیے جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد یعقوب غازی آبادی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: فقیر نے جو جانور ایامِ نحر سے پہلے قربانی کے ارادے سے خریدا ہے اب اس جانور کو اس کے لیے بدلنا جائز ہے یا نہیں؟ اسی طرح خریدنے کے بعد پچھتانے لگے تو اسے بیچ کر اس کا پیسہ اپنی ضرورت میں استعمال کرنا چاہے تو ایسا کرسکتا ہے یا نہیں؟ تو یہ بات قابل غور ہے، اس کے بارے میں فتاویٰ دارالعلوم قدیم ۷/۲۰، عزیز الفتاویٰ میں مفتی عزیز الرحمٰن صاحب کا فتویٰ یہ ہے کہ اگر ایامِ نحر سے پہلے فقیر نے قربانی کے ارادے سے جانور کو خریدا ہے تو اس کا بدل دینا جائز ہے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ ایام نحر سے پہلے خریدنے کی وجہ سے فقیر کے اوپر نہ اس کی قربانی واجب ہوئی اور نہ ہی فقیر کی طرف سے خریدنے کی وجہ سے نذر منعقد ہوئی، لہٰذا اس فقیر کے لیے اس کا بدلنا بھی جائز ہوا اور یہ بھی جائز ہوا کہ اس جانور کو بیچ کر اس کا پیسہ اپنی ذاتی ضروریات میں خرچ کرے، حضرتؒ نے اس کے جواز میں شامی کی یہ عبارت دلیل کے طور پر پیش فرمائی ہے:

ووقع في التاتارخانية: التعبير بقوله شراها لها أيام النحر وظاهره أنه لو شراها لها قبل لاتجب. (شامي، كتاب الأضحية، زكريا ٩/٤٦٥، كراچی ٦/٣٢١)

حضرت کے زمانہ میں فتاویٰ تاتارخانیہ طبع ہوکر شائع نہ ہوسکا تھا، اس لیے حضرت مفتی صاحبؒ اصل کی طرف مراجعت نہ کرسکے، اور اب الحمد للہ فتاویٰ تاتارخانیہ مکمل شائع ہوکر عام ہوچکا ہے، اس لیے اصل کی طرف مراجعت ضروری ہے، فتاویٰ تاتاخانیہ کی اصل عبارت ملاحظہ فرمایئے:

وفی العتابية: المختار أن الفقير لو اشتراها بنية التضحية فی أيام النحر تصير التضحية واجبة فی حقه وإن لم يقل بلسانه شيئا فی جواب ظاهر الرواية هذا اختيار الصدر الشهيد وعليه الفتویٰ. (تاتارخانية زكريا ۱۷/ ٤١٢، رقم: ٢٧٦٦٩)

اس عبارت میں اس بات کو واضح کیا گیا ہے کہ فقیر نے ایامِ نحر میں قربانی کی نیت سے کوئی جانور خرید لیا ہے تو اس کی قربانی اس کے اوپر واجب ہو جاتی ہے اگر چہ اس نے اپنی زبان سے قربانی کی صراحت نہ کی ہو اور یہی مفتی بہ قول ہے، اب اس عبارت پر غور کرنے کی ضرورت ہے کہ ایامِ نحر میں خریدنے کی صورت میں فقیر کے حق میں وہ جانور اضحیہ منذورہ بن جاتا ہے، جس بناء پر نہ اس کے لیے اسے بدلنا جائز ہے اور نہ ہی اس کو بیچ کر کے اس کا پیسہ اپنی ضرورت میں خرچ کرنا جائز ہے، اور حضرت مفتی صاحب نے آگے کی جو عبارت شامی سے نقل فرمائی ہے کہ:

وظاهره: أنه لو اشتراها لها قبلها لاتجب.

یہ عبارت فتاویٰ التاتارخانیہ میں نہیں ہے، بلکہ علامہ شامی نے تاتارخانیہ کی عبارت سے مفہوم مخالف کے طور پر اپنی طرف سے لکھا ہے، اس لیے ایام نحر سے پہلے خرید کردہ جانور سے متعلق صراحت کے ساتھ کسی بھی فقہ کی عبارت میں موجود نہیں ہے، ہاں البتہ فتاویٰ تاتارخانیہ اور محیط برہانی میں شمس الائمہ سرخسی اور شمس الائمہ حلوانی اور زعفرانی کے حوالہ سے یہ بات صراحت کے ساتھ موجود ہے کہ فقیر نے اگر قربانی کی نیت سے قربانی کا جانور خرید لیا ہے تو قربانی کی نیت سے خریدنے کی وجہ سے اس کے اوپر اس جانور کی قربانی واجب نہیں ہے، اور اگر زبان سے صراحت کر دی ہے کہ میں اس کی قربانی کروں گا تب قربانی کرنا واجب ہوتا ہے، تو ان فقہاء کرام کی صراحت کے مطابق جب اس کی قربانی کرنا واجب نہ ہوا تو اس کا بدلنا بھی جائز ہوا، اور اس کو بیچ کر اس کا پیسہ اپنی ضرورت میں استعمال کرنا فقیر کے لیے جائز ہو جائے گا اور اس میں ان فقہاء کی طرف سے ایام قربانی سے پہلے یا ایام قربانی کے درمیان میں خریدنے کی کوئی صراحت نہیں بلکہ مطلق ہے، لیکن چونکہ آگے عتابیہ کے حوالہ سے ایامِ قربانی میں خریدنے کی صراحت آرہی ہے، اس لیے اس مطلق حکم کو ایام قربانی سے پہلے

خریدے جانے پر محمول کیا جانا ممکن ہے، اوراس کے برخلاف ایام قربانی سے پہلے یا ایام قربانی کے درمیان کی قید کے بغیر شیخ الاسلام خواہر زادہؒ اور امام طحاویؒ کے حوالہ سے نقل فرمایا ہے کہ فقیر نے جو جانور قربانی کے ارادے سے خریدا ہے اس کے خریدتے ہی فقیر کے اوپر اس کی قربانی واجب ہو جاتی ہے، لہٰذا فقیر کی طرف سے وہ جانور اضحیہ منذ ورہ ہو گیا اب ایام قربانی میں متعین طور پر اس جانور کی قربانی کرنا لازم ہو جائیگا۔

اب اس تفصیل کے بعد یہ بات واضح ہوگئی کہ ایام نحر سے پہلے فقیر نے جو قربانی کی نیت سے جانور خریدا ہے اس کی قربانی اس کے اوپر واجب ہونے میں تردد اور شک واقع ہو چکا ہے، حتمی طور پر اس کے وجوب کی بات نہیں کہی جاسکتی، اس لیے کہ حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحب اور علامہ شامیؒ دونوں عظیم الشان شخصیت ہیں، ان دونوں کی رائے اس بارے میں یہی ہے کہ ایام نحر سے پہلے فقیر کا خریدا ہوا جانور اضحیہ منذ ورہ نہیں ہوتا ہے اس کو بدلنا بھی جائز ہے، اور جب بدلنا جائز ہے تو اس کو بیچ کر ان پیسوں کو اپنی ضرورت میں خرچ کرنا بھی جائز ہوگا، مگر احتیاط اسی میں ہے کہ حتی الامکان فقیر اس جانور کو بدلنے یا بیچنے کا ارادہ نہ کرے البتہ کوئی مجبوری ہو تو بات الگ ہے۔

اس کے بدلنے اوراس کو بیچ کھانے کے بارے میں فقیر کی حوصلہ افزائی نہ کی جائے، اب الفتاویٰ التاتارخانیہ اور المحیط البرہانی کی عبارت ملاحظہ فرمایئے:

وإن كان المشترى فقيرا، ذكر شيخ الاسلام خواهرزاده فى شرح كتاب الأضحية إن فى ظاهر رواية أصحابنا تصير واجبة الأضحية، وروى الزعفرانى عن أصحابنا أنها لا تصير واجبة و إلى هذا أشار شمس الأئمة السرخسى رحمه الله فى شرحه و ذكر شمس الأئمة الحلوانى فى شرحه: أن فى ظاهر رواية أصحابنا لاتصير واجبة الأضحية وذكر الطحاوى فى مختصره أنها تصير واجبة وأما إذا صرح بلسانه وقت الشراء أنه اشتراها ليضحى بها فقد ذكر شمس الأئمة الحلوانى أنها تصير واجبة ذكره

الزعفرانی فی أضاحیه. (الفتاویٰ التاتارخانية زکریا ۱۷/ ۴۱۱، رقم: ۲۷۶۶۸، المحیط البرهانی، المجلس العلمی ۷/ ۲۵۹، رقم: ۱۰۷۸۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴/ ذی قعدہ ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/ ۱۱۷۴۵)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۴/ ۱۱/ ۱۴۳۵ھ

ایام نحر میں فقیر کا خریدے ہوئے جانور کو بدلنا

سوال [۹۹۸۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص غریب اور فقیر ہے اس نے ایامِ اضحیہ میں قربانی کی نیت سے ایک جانور خریدا ہے تو کیا اس کے لیے اس جانور کو بدلنا جائز ہے یا نہیں؟ اسی طرح اگر وہ جانور خرید کر پچھتاتا ہے اور یہ سوچتا ہے کہ قربانی نہیں کروں گا اور اس جانور کو بیچ کر اس کا پیسہ اپنی ضرورت میں لگائیں گے، تو کیا ایسا کرنا اس شخص کے لیے جائز ہے؟

المستفتی: محمد یعقوب غازی آبادی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: فقیر نے جو جانور ایام اضحیہ میں قربانی کی نیت سے خریدا ہے، اس کے لیے اس جانور کی قربانی واجب ہوگئی ہے اب اس کا بدلنا اس کے لیے جائز نہیں ہے، اسی طرح اگر خدانخواستہ وہ جانور گم ہو جائے یا ہلاک ہو جائے تو اس کی جگہ پر دوسرے جانور کی قربانی فقیر کے اوپر لازم نہیں ہے، اسی طرح اگر اس کا ارادہ بدل جائے کہ قربانی نہیں کرنی ہے بلکہ جانور کو بیچ کر پیسہ اپنی ضرورت میں استعمال کریں گے تو ایسا کرنا بھی اس کے لیے جائز نہیں ہے، اس لیے کہ قربانی کی نیت سے جانور خریدنے کے بعد اس کے لیے نذر کے درجے میں ہوگیا، لہٰذا وہ جانور اضحیۂ منذورہ ہوگیا اس کی قربانی ہر حال میں لازم ہے، اس کو بیچ کر اس کا پیسہ استعمال میں لانا جائز نہیں۔

وفی العتابية: المختار أن الفقیر لو اشتراها بنیة التضحیة فی أیام النحر

تصیر التضحية واجبة في حقه وإن لم يقل بلسانه شيئا في جواب ظاهر الرواية هذا اختيار الصدر الشهيد وعليه الفتوىٰ. (تاتارخانية زكريا ۱۷/٤١٢، رقم: ٢٧٦٦٩)

وفيه أيضا الفقير إذا اشترىٰ أضحية فضلت فليس عليه أن يشترى مكانها أخرىٰ ولو كان غنيا فعليه ذلك. (الفتاوىٰ التاتارخانية ۱۷/٤١٢، رقم: ٢٧٦٧٤)

إن كان معسرا فاشترىٰ شاة للأضحية فهلكت في أيام النحر أو ضاعت سقطت عنه ليس عليه شيئ آخر لما ذكرنا أن الشراء من الفقير للأضحية بمنزلة النذر فإذا هلكت فقد هلك محل إقامة الواجب فيسقط عنه وليس عليه شيئ آخر. (بدائع الصنائع، كتاب التضحية، فصل في كيفية الوجوب، زكريا ٤/١٩٩، كراچی ٥/٦٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
۲۴/ ذی قعدہ ۱۴۳۵ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۷۴۲)	۱۴۳۵/۱۱/۲۴ھ

قربانی کے ارادے سے خریدے گئے جانور کی جگہ دوسرے جانور کی قربانی کرنا

سوال [۹۹۸۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص مالدار ہے، اس نے ایام نحر سے پہلے یا ایام نحر میں قربانی کی نیت سے ایک جانور خریدا اور بعد میں اس کا ارادہ بدل گیا کہ اس جانور کو بیچ کر دوسرا جانور اس کی جگہ پر ذبح کریں گے تو اس کے لیے جانور کا بدلنا جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر جائز ہے تو کیونکر جائز ہے؟ اور اگر نا جائز ہے تو کیوں نا جائز ہے؟

المستفتی: عبد اللہ لالباغ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: صاحب نصاب آدمی کے لیے قربانی کی نیت سے خریدے ہوئے جانور کو بدلنا جائز اور درست ہے، چاہے ایام نحر سے پہلے خریدا ہو یا ایام نحر

کے درمیان میں خریدا ہو ہرصورت میں جائز ہے، لیکن اتنی بات لازم ہے کہ دوسرا جانور پہلے جانور کے برابر ہو یا اس سے بہتر ہو اور پہلے جانور کے مقابلہ میں کمزور اور گھٹیا جانور سے بدلنا جائز نہیں، اگر پہلے جانور سے دوسرا جانور کمزور ہے اور اس کی قیمت بھی کم ہے تو جتنی قیمت کم ہے اتنی قیمت کا صدقہ کرنا لازم ہو جائے گا۔

إذا اشتریٰ أضحیة و باعها حتی جاز البیع فی ظاهر روایة أصحابنا: ثم قال اشتری مثلها وضحی بها فإن کانت الثانیة مثل الأولیٰ أو خیرا منها جاز ولایلزمه شیئ آخر وإن کانت الثانیة شرا من الأولیٰ فعلیه أن یتصدق بفضل القیمتین. (الفتاویٰ التاتارخانیة زکریا ۱۷/ ٤١٤، رقم: ۲۷٦۸۷، المحیط البرهانی، المجلس العلمی ۸/ ٤٦۰، رقم: ۱۰۷۹۲)

فإذا اشتریٰ أضحیة ثم باعها فاشتریٰ مثلها فلا باس بذٰلک ...... والأصل فیه ماروی أن النبی ﷺ دفع دینارا إلی حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ لیشتری له شاة للأضحیة فاشتریٰ شاة ثم باعها بدینارین ثم اشتریٰ شاة بدینار وجاء بالشاة والدینار إلی رسول الله ﷺ فأخبره بذٰلک فقال ﷺ: بارک الله فی صفقتک أما الشاة فضح بها وأما الدینار فتصدق به فقد جوز رسول الله ﷺ – بیعه مااشتراها للأضحیة وإن کانت الثانیة شرا من الأولیٰ وقد کان أوجب الأولیٰ فتصدق بالفضل فیما بین القیمتین. (المبسوط للسرخسی، دار الکتب العلمیة بیروت ۱۲/ ۱۳) **فقط** واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴؍ ذی قعدہ ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/ ۱۱۷۴۱)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵/۱۱/۲۴ھ

عیدگاہ میں قربانی کرنا

سوال [۹۹۹۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: ذبح کے لیے جگہ میسر نہ ہونے کی صورت میں کیا قربانی کے جانور کو عیدگاہ میں ذبح کرنا درست ہے؟

المستفتی: سخاوت حسین مرادآبادی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر قربانی کے لیے کوئی دوسری جگہ ہی نہ ہوتو شدت ضرورت کی بنا پر اس کی گنجائش ہے۔

المشقة تجلب التيسير. (الأشباه والنظائر ۱/ ۱۲۵)

البتہ دم مسفوح کو وہاں سے صاف کردینا ضروری ہے، کیونکہ عیدگاہ کی تنظیف و تطییب کا اہتمام رکھنا ہی اولیٰ ہے۔ (مستفاد: امدادالفتاویٰ ۲/ ۶۵۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵/ ربیع الثانی ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۶۵۱/۲۳)

قربانی کے جانور پر کفن رکھ کر ذبح کرنا

سوال [۹۹۹۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بکر کا کہنا ہے کہ قربانی کے جانوروں پر کفن رکھ کر قربانی کرنا، ادب ہے، اچھا ہے، بہتر ہے، لہٰذا شرعاً بکر پر کیا حکم ہوگا؟

المستفتی: بشیرالدین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قربانی کے جانور پر کفن رکھ کر قربانی کا ثبوت کسی حدیث اور کتب فقہ میں نہیں ہے، ہاں البتہ بوقت قربانی، قربانی کے جانور پر قدم رکھ کر قربانی کرنا حضور ﷺ سے ثابت ہے اور بکر کا دعویٰ بلا دلیل ہے۔

عن أنس ؓ أن النبي ﷺ كان يضحي بكبشين أملحين أقرنين، ويضع رجله

علی صفحتهما ویذبحهما بیده (بخاری شریف، باب وضع القدم علی صفح الذبیحة، النسخة الهندیة ۲/۸۳۵، رقم: ۵۳٤۹، ف: ۵۵٦٤، صحیح مسلم، الأضاحی، باب استحباب استحسان التضحیة و ذبحهما مباشرة بلا توکیل، النسخة الهندیة ۲/۱۵۵، بیت الأفکار رقم: ۱۹٦٦) **فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
۱۴؍محرم الحرام ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/ ۲۵۲۵)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۲/۱/۱۴ھ

ناجائز اور حرام رقم سے قربانی کرنا

سوال [۹۹۹۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ناجائز اور حرام پیسے سے قربانی کرے تو کیا فریضۂ قربانی ادا ہو جائے گا اس میں کسی قسم کی کراہت تو نہیں؟

المستفتی: فصیح احمد مدھوبنی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفیق: ناجائز اور حرام پیسے سے قربانی کا فریضہ ادا نہیں ہوگا۔

غصب شاة فضحی بها عن نفسه لاتجزیه لعدم الملک. (شامی، کتاب الأضحیة، زکریا ۹/۴۷۸، کراچی ٦/۳۳۱، البنایه ۱۲/٦۳،بدائع الصنائع کراچی ۵/٧٦، زکریا ٤/۲۱۷، الموسوعة الفقهیة الکویتیة ۵/۸۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰؍جمادی الثانیہ ۱۴۲٦ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۸۸۱٦)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲٦/٦/۲۰ھ

شیعوں سے قربانی کا جانور خریدنا

سوال [۹۹۹۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: شیعوں سے قربانی کا جانور خرید کر قربانی کرنا کیسا ہے؟ نیز ان کے یہاں کھانا پینا ازروئے شرع کیا حیثیت رکھتا ہے؟

المستفتی: ابوالمکارم المعروفی، مئو

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قربانی کا جانور شیعوں سے، غیر مسلموں سے ہر قوم سے خریدنا جائز ہے، البتہ شیعوں کے یہاں کھانے پینے سے احتیاط رکھنا چاہیے تاکہ ان کے ساتھ موالات اور دوستی کا سلسلہ شروع نہ ہو، اور نفس کھانا پینا حرام نہیں۔

﴿**قال اللہ تعالیٰ: لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكَافِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ.** [آل عمران: ۲۸]﴾

لا بأس بأن يكون بين المسلم والذمي معاملة إذا كان لابد منه.

(هنديه، كتاب الكراهية، الباب الرابع عشر في أهل الذمة والأحكام التي تعود إليهم، زكريا قديم ۵/۳۴۸، جديد ۵/۴۰۲)

ولم يذكر محمدؒ الأكل مع المجوسي وغيره من أهل الشرك أنه هل يحرم أم لا؟ حكى عن الحاكم الإمام عبد الرحمن الكاتب أنه ان ابتلى به المسلم مرة أو مرتين فلا بأس به وأما الدوام عليه فيكره. (هنديه، كتاب الكراهية، الباب الرابع عشر في أهل الذمة والأحكام التي تعود إليهم، زكريا قديم ۵/۳۴۷، جديد ۵/۴۰۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۵۷۰)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۴/۱۲ھ

قربانی کے جانور کو ذریعۂ آمدنی بنانا

سوال [۹۹۹۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: ایک شخص نے ایک بڑا جانور بنیت قربانی مثال کے طور پر چار ہزار میں خریدا، اور دوسرے لوگوں کو قربانی کے لیے چار ہزار سات سو روپئے کے حساب سے شریک کیا، واضح رہے کہ اس شخص کا ارادہ بوقت خریداری خود اس میں شریک ہونے کا اور دوسرے چھ افراد کو شریک کرنے کا تھا تو:

(الف) اس کے لیے ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

(ب) اس جانور کی قربانی شرعاً درست ہوگی یا نہیں؟

(ج) اگر قیمت خرید بتا کر شریک کرے تو کیا حکم ہے؟ اگر قیمت خرید بتائے بغیر شریک کرے تو کیسا ہے؟

(د) اگر بنیت تجارت خریدا ہے اور بعد میں مذکورہ طریقہ پر کسی کو شریک کرتا ہے تو اس کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: ابوالمکارم المعروفی مئو

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: قربانی کی نیت سے جانور چار ہزار میں خرید کر سات سو کے نفع کے ساتھ سینتالیس سو کے حساب سے دوسرے لوگوں کو اس میں شریک کرنا جائز نہیں، اس لیے کہ قربانی کے جانور کو ذریعۂ آمدنی بنانا اور اس سے نفع اٹھانا جائز نہیں، البتہ اس جانور کی قربانی درست ہو جائے گی، اور جو زائد پیسے لیے ہیں اسے دوسرے شرکاء کو واپس کرنا ضروری ہے، ہاں اگر جانور کو تجارت کی نیت سے چار ہزار میں خریدا ہو تو سات سو کے نفع کے ساتھ سینتالیس سو کے حساب سے لوگوں کو اس میں شریک کرنا جائز ہے۔

إن المشتراة للأضحية متعينة للقربة إلى أن يقام غيرها مقامها فلا يحل الانتفاع بها مادامت متعينة. (بدائع الصنائع، كتاب التضحية، مايستحب قبل التضحية وعندها وبعدها، زكريا ٤/ ٢٢٠، كراچی ٥/ ٧٨، دار الكتب العلمية بيروت ٦/ ٣٢١، شامی زكريا ٩/ ٤٧٦، كراچی ٦/ ٣٢٩)

إذا ثمنه بما قام عليه وبفضل مؤنة ...... ثم باعه مرابحة على تلك القيمة جاز .

(شامی، کتاب البیوع، باب المرابحة والتولیة، زکریا ۷/ ۳۵۰، کراچی ۵/ ۱۳۴) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍ ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۵۷۰)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۴/۱۴ھ

۷ باب مایکون عیبا فی الأضحیة و مالایکون عیبا

کون سا عیب مانع قربانی ہے؟

سوال [۹۹۹۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ معلم الحجاج میں لکھا ہے کہ اگر بکری کے دو تھن میں سے ایک تھن سوکھ جائے اور اس سے دودھ نہ نکلے تو ایسے جانور کی قربانی جائز نہیں، اسی طرح گائے وغیرہ چار تھن والے جانور کے دو تھن سوکھ جائیں اوران سے دودھ نہ نکلے تو ایسے جانور کی بھی قربانی جائز نہیں، لیکن اگر جانور کی عمر زیادہ ہونے کی وجہ سے اس کے کسی بھی تھن سے دودھ نہ نکلے بلکہ سارے تھن سوکھ جائیں اور یہ دودھ نہ نکلنا کسی خاص وجہ یا بیماری کی وجہ سے نہیں ہے تو ایسی صورت میں اس جانور کو عیب دار شمار نہیں کیا جائیگا، تو مفتی صاحب سے گذارش ہے کہ آخر کیا وجہ ہے کہ بکری کے تھن اور گائے وغیرہ کے دو تھن سوکھ جانے کی وجہ سے اس کی قربانی جائز نہیں ہوتی؟ اس کے بر خلاف بکری کے دو تھن اور گائے وغیرہ کے چاروں تھن سوکھ جانے کی صورت میں قربانی کیوں جائز ہے؟ مدلل طور پر اس سوال کا جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی: مولانا خلیل اللہ مقیم مکہ مکرمہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قربانی میں حکم شرعی یہی ہے کہ جانور عیب دار نہ ہو اور عیب سے ایسا عیب مراد ہے جو فطری طور پر نہ ہو بلکہ بعد میں کسی خاص وجہ یا بیماری کی وجہ سے پیدا ہو گیا ہو تو ایسے عیب سے پاک ہونا لازم ہے، لہٰذا دو تھن والے مادہ جانور کے ایک تھن سے دودھ نکلے اور دوسرے تھن سے دودھ نہ نکلے بلکہ سوکھ جائے، اسی طرح چار تھن والے مادہ جانور کے دو تھن سوکھ جائیں اوران سے دودھ نہ نکلے تو یہ ایسا عیب ہے جس کی وجہ سے قربانی جائز نہیں لیکن اگر مادہ جانور ایسا ہو جو فطری طور پر بانجھ ہو اور اس کے سارے تھن سوکھے ہوئے ہوں اسی طرح وہ جانور جس کی زیادہ عمر کی وجہ سے سارے تھن سوکھ گئے ہوں

اور کسی سے بھی دودھ نہ نکلتا ہو تو ایسے جانور کی قربانی بلاشبہ جائز اور درست ہے، اس لیے کہ یہ ایسا عیب نہیں ہے کہ جو بعد میں عارض ہوا ہو، جس کی وجہ سے اس جانور کی قربانی جائز نہ ہوتی ہو، لہٰذا اگر جانور دودھ دینے کے لائق ہو مگر کسی بیماری کی وجہ سے اس کے تھن سوکھ گئے ہوں تو اس کی قربانی جائز نہیں اور معلم الحجاج کی عبارت کا بھی یہی مطلب ہے، جیسا کہ فقہی جزئیات سے واضح ہوتا ہے، ملاحظہ فرمائیے:

وذكر فيها جواز التي لاينزل لها لبن من غير علة. (شامي، كتاب الأضحية، كراچی ٦/٣٢٥، زكريا ٩/ ٤٧٠، خلاصة الفتاویٰ، اشرفی دیوبند ٤/ ٣٢١)

يجوز العاجزة عن الولادة لكبر سنها والتي بها كي والتي لاينزل لها لبن من غير علة. (هنديه زكريا قديم ٥/٢٩٧، جديد ٥/٣٤٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍ذی الحجہ ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/ ۱۱۷۸۵)

کیا ادھیا پر دی ہوئی بکری کے بچوں کی قربانی درست ہے؟

سوال [۹۹۹۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے اپنی بکری پالنے کے لیے اس شرط پر خالد کو دی کہ تم اس بکری کو کھلاؤ پلاؤ، اس کے بعد جو بچہ پیدا ہوگا اس میں آدھا آدھا ہوگا اس کے بعد اس بکری سے دو بچے مذکر پیدا ہوئے تو ایک زید کا ہوا اور ایک خالد کا تو زید نے اپنے حصہ والے بکرے کو قربانی کے لیے چھوڑ دیا تو اس قسم کے بکرے کی قربانی درست ہے یا نہیں اور ایک شخص صاحب نصاب نہیں ہے اس نے اس قسم کی قربانی کر لی، تو اس کے لیے کیا حکم ہے؟ وہی قربانی اس کے لیے کافی ہے یا کوئی اور دوسرا کرے گا؟ اس قسم کی قربانی لوگوں میں بہت رائج ہے؟

المستفتی: نذیر احمد نیپال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اس طرح کا معاملہ اجارۂ فاسدہ ہونے کی وجہ

سے جائز نہیں ہے اور نہ ہی ایسے معاملات سے حاصل شدہ جانور کی قربانی جائز ہوگی، ہاں البتہ فقہاء نے اس طرح کے معاملہ جائز ہونے کے لیے ایک حیلہ لکھا ہے کہ مالک جانور اس کی مناسب قیمت لگا کر نصف جانور لینے والے کے ہاتھ فروخت کردے تو جانور دونوں کے مابین مشترک ہوجائے گا، پھر اس کے بعد مشتری کو قیمت معاف کردے، اس کے بعد آدھے آدھے کا معاملہ دونوں کے درمیان صحیح ہوجائے گا اور حاصل شدہ جانور کی قربانی بھی جائز ہو جائے گی۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۱/ ۱۱۵)

دفع بقرة إلى رجل على أن يعلفها ومايكون من اللبن والسمن بينهما انصافا، فالإجارة فاسدة ...... والحيلة في جوازه أن يبيع نصف البقرة منه بثمن ويبرئه عنه ثم يأمر باتخاذ اللبن والمصل فيكون بينهما. (هنديه، كتاب الإجارة، الباب الخامس عشر، الفصل الثالث، زكريا قديم ٤/ ٤٤٥، جديد ٤/ ٤٨١، فتاویٰ قاضي خان جديد زكريا ٢/ ٢١٠، وعلى هامش الهندية زكريا ٢/ ٣٣٠، فتاویٰ بزازيه جديد زكريا ٢/ ٢١-٢٢، وعلى هامش الهندية زكريا ٥/ ٣٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷/ ذی قعدہ ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۵۰۳۹)

بٹائی پر دی ہوئی بکری کے بچہ کی قربانی

سوال [۹۹۹۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص نے ایک بکری بٹائی پر دی، اور دوسرے شخص نے آدھے حصہ پر لیا ہے، تھوڑے دن کے بعد اس بکری کے دو بچہ ہوئے، ایک نر اور ایک مادہ، تو اس نے نر قربانی کے لیے رکھا ہے تو وہ قربانی دونوں کی ہوگی یا کس کی ہوگی؟ جس نے پرورش کی ہے اس کی یا جس کی بکری ہے یا دونوں کی ہوگی، مع دلائل جواب تحریر فرمائیں۔

المستفتی: عبدالغفور سنبھلی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اس طرح بٹائی پر دینا جائز نہیں ہے، بکری اور اس کے بچے سب اصل مالک کی ملکیت ہیں، بٹائی پر دینے والے کو اپنے عمل کی اجرت اور اس گھاس کی قیمت ملے گی، جس کو اس نے اپنے کھیت وغیرہ سے کاٹ کر کھلایا ہے، اس کی قربانی اصل مالک کی طرف سے ادا ہوسکتی ہے، چرانے والے کی طرف سے قربانی ادا نہیں ہوگی۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۴/۲۶۰، جدید ڈابھیل ۱۶/۵۹۴)

دفع بقرة إلى رجل على أن يعلفها ومايكون من اللبن والسمن بينهما انصافا، فالإجارة فاسدة وعلى صاحب البقرة للرجل أجر قيامه وقيمة علفه إن علفها من علف هو ملكه لا ما سرحها في المرعىٰ. (هنديه، كتاب الإجارة، الباب الخامس عشر، الفصل الثالث، زكريا قديم ٤/٤٤٥، جديد ٤/٤٨١، فتاوىٰ قاضى خان جديد زكريا ٢/٢١٠، وعلى هامش الهندية زكريا ٢/٣٣٠، فتاوىٰ بزازيه جديد زكريا ٢/٢١-٢٢، وعلى هامش الهندية زكريا ٥/٣٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸/ ذی قعدہ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/۹۹۳)

ادھیا پر پالنے والے کا مالک کے بکری کی قربانی کرنے کا حکم

سوال [۹۹۹۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہم نے دوسرے کی ایک بکری پالی تھی، اس سے دو بچے پیدا ہوئے، کچھ دنوں کے بعد وہ بچے بڑے ہوگئے، ایک ایک کر کے دونوں آدمیوں نے تقسیم بھی کرلیا، اس کی ہم قربانی کر سکتے ہیں یا نہیں اور جس کی بکری تھی وہ قربانی کرسکتا ہے یا نہیں؟ لیکن ہم قربانی کرنے کی حیثیت رکھتے ہیں؟

المستفتی: اہل اللہ دانیال پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: ادھیا پر بکرا پالنے والے کے حق میں ناجائز ہے، پالنے

والے کو پالنے کی اجرت ملے گی، جانور اصل مالک کی ملکیت میں ہوگا، اس لیے مالک کے لیے اس کی قربانی جائز ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۴/۲۶۰، جدید ڈابھیل ۱۶/۵۹۴، اصلاح الرسوم ص: ۱۴۳)

دفع بقرة إلى رجل على أن يعلفها ومايكون من اللبن والسمن بينهما انصافا، فالإجارة فاسدة وعلى صاحب البقرة للرجل أجر قيامه وقيمة علفه إن علفها من علف هو ملكه لا ما سرحها فى المرعىٰ. (هنديه، كتاب الإجارة، الباب الخامس عشر، الفصل الثالث، زكريا قديم ٤/٤٤٥، جديد ٤/٤٨١، فتاوىٰ قاضى خان جديد زكريا ٢/٢١٠، وعلى هامش الهندية زكريا ٢/٣٣٠، فتاوىٰ بزازيه جديد زكريا ٢/٢١-٢٢، وعلى هامش الهندية زكريا ٥/٣٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸/ رجب المرجب ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/ ۱۸۷۵)

ادھیا پر دیئے ہوئے جانور کے بچوں کی قربانی کا حکم

سوال [۹۹۹۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے اپنی بکری ادھیا پر پرورش کے لیے خورشید کو دی، بعدہٗ بکری نے دو بچے دیئے، اور دونوں نے طے شدہ بات کے مطابق ایک ایک بچہ تقسیم کر کے لے لیا، اب زید بکری کا مالک اپنے حصہ کے بچہ کو اپنے لیے حلال سمجھ کر اس کی قربانی دیتا ہے، آیا بکری کے مالک زید کے لیے اس بچہ کی قربانی بلا کسی شرط کے مطلقاً جائز اور درست ہے، یا اس بچہ میں کسی قسم کا خبث ہے؟

ہمارے گاؤں میں کتب فتاویٰ کے نہ ہونے کی وجہ سے لوگ حضرت اقدس مولانا اشرف علی تھانویؒ کی کتاب بہشتی زیور کے مسائل کو مفتی بہ سمجھ کر اس پر عمل کرتے ہیں جس میں یہ ہے کہ ''مسئلہ ۳۹'' اگر کوئی جانور کسی کو حصہ پر دیا ہے تو یہ جانور پرورش کرنے والے کی ملک نہیں ہوا بلکہ اصل مالک کا ہی ہے، اس لیے اگر کسی نے اس پالنے والے سے خرید کر قربانی کر دی تو قربانی نہیں ہوئی، اگر ایسا جانور خریدنا ہو تو اصل مالک سے جس نے حصہ پر دیا ہے خرید لیں۔ (بہشتی زیور طبع جدید جسیم بکڈپو جامع مسجد دہلی ص: ۱۶۳)

لیکن ایک صاحب دو سال سے یہ بتارہے ہیں کہ بکری کے مالک کی قربانی بھی جائز اور درست نہیں ہو رہی ہے اور اب تک ان تمام لوگوں کی قربانی جو ایک مدت دراز سے بغیر اجرت ادا کئے کرتے آئے ہیں نہیں ہوئی، اور قربانی کے درست ہونے کی شرط یہ ہے کہ پرورش کرنے والے کو پہلے اس کی اجرت ادا کردے کیونکہ اس معاملہ کا تعلق اجارۂ فاسدہ سے ہے، نیز بہشتی زیور کے مسائل مفتی بہ نہیں ہیں، اور میں جو کچھ بیان کررہا ہوں وہی فتاویٰ محمودیہ، فتاویٰ رحیمیہ، عالمگیری، شامی اور بدائع کے اندر بھی موجود ہے؟

المستفتی: حافظ اشتیاق احمد بھاگلپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ادھیا پر دیئے ہوئے جانور مالک کی ملکیت ہیں اور جو بچہ مالک کے پاس آیا ہوا ہے وہ بھی مالک کی ملکیت ہے، اس لیے اس بچہ میں قربانی کے شرائط پائے جانے کے بعد اس بچہ کی قربانی مالک کے لیے بلاشبہ جائز ہے اور یہی مسئلہ بہشتی زیور، فتاویٰ محمودیہ، فتاویٰ عالمگیری، اور بدائع الصنائع وغیرہ میں موجود ہے، اور یہی بات صحیح ہے، اور بہشتی زیور کے مسائل مفتی بہ ہیں، اور بکر کے لیے اس کی قربانی اس وقت تک درست نہیں جب تک کہ معاملہ فاسدہ کو درست نہ کرلے اور معاملہ فاسدہ کو درست کرنے کی شکل یہ ہے کہ ادھیا پر لینے والے کو مالک کی طرف سے پرورش کی اجرت دی جائے اور بچہ نہ دیا جائے اور بچہ کی قیمت لگا کر کے ادھیا پر لینے والے کے ہاتھ فروخت کردے اور پھر مالک قیمت کو معاف کردے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ڈابھیل ۱۶/ ۵۹۸، بہشتی زیور ۳/ ۴۱)

وعلى هذا إذا دفع البقرة بالعلف ليكون الحادث بينهما نصفين فما حدث فهو لصاحب البقرة وللآخر مثل علفه وأجر مثله. (رد المحتار، كتاب الشركة، فصل في الشركة الفاسدة، مطلب: يرجع القياس، زكريا ٦/ ٥٠٤، كراچی ٤/ ٣٢٧، عالمگیری، الباب الخامس عشر، الفصل الثالث، زكريا قديم ٤/ ٤٤٥، جديد ٤/ ٤٨١، تاتارخانية زكريا ٧/ ٥٠٥، رقم: ١١٠١٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰/ محرم الحرام ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۰۹۴۴)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۰/ ۱/ ۱۴۳۴ھ

ادھیا پر دی ہوئی بکری سے پیدا شدہ بچہ کی قربانی

سوال [۱۰۰۰۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے ایک شخص سے ایک بکری اس شرط پر لی کہ اس سے جتنے بچے پیدا ہوں گے ان کا آدھا زید کو ملے گا اور آدھا مالک کو اور اصل بکری مالک کو واپس کر دی جائے گی۔

اب سوال یہ ہے (۱) کہ یہ معاملہ از روئے شرع درست ہے یا نہیں؟

(۲) اگر فتویٰ عدم جواز پر ہو تو جواز کی کیا شکل ہوگی؟

(۳) ایسے معاملہ سے حاصل کردہ بکری کی قربانی کرنا درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: حبیب اللہ شعبۂ افتاء مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) اس طرح کا معاملہ اجارۂ فاسدہ ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے۔

(۲) جواز کی صورت یہ ہے کہ مالک جانور کی مناسب قیمت لگا کر نصف حصہ پرورش کرنے والے کے ہاتھ فروخت کر دے، پھر قیمت معاف کر دے، تو ایسی صورت میں جانور دونوں کے درمیان مشترک ہو جائے گا اور جانور کے بچے وآمدنی وغیرہ نصف نصف تقسیم کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہوگا۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۱/۱۱۵)

(۳) ایسے معاملہ سے حاصل کردہ بکری کی قربانی مالک کے لیے جائز اور درست ہے، البتہ پرورش کرنے والے (مستاجر) کے لیے جائز اور درست نہیں۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۳/۶۰۲)

دفع بقرة إلى رجل على أن يعلفها ومايكون من اللبن والسمن بينهما انصافا، فالإجارة فاسدة (إلى قوله) والحيلة فى جوازه أن يبيع نصف البقرة منه بثمن ويبرئه عنه ثم يأمر باتخاذ اللبن والمصل فيكون بينهما. (هنديه، كتاب الإجارة، الباب الخامس عشر، الفصل الثالث، زكريا قديم ٤/٤٤٥، جديد ٤/٤٨١،

فتـاویٰ قـاضی خان جدید زکریا ۲/ ۲۱۰، وعلی هامش الهندیة زکریا ۲/ ۳۳۰، فتاویٰ بزازیه جدید زکریا ۲/ ۲۱- ۲۲، وعلی هامش الهندیة زکریا ۵/ ۳۷) **فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
۹؍ شعبان المعظم ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱۴۴/۳۱)

مخنث اور خنثیٰ بکرے کی قربانی

سـوال [۱۰۰۰۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مخنث اور خنثیٰ بکرے کی قربانی جائز ہے یا نہیں؟ اگر ان کو بغیر قربانی کے ذبح کر کے کھایا جائے تو ان کا گوشت جائز ہے یا نہیں؟ دونوں مسئلوں کو مدلل واضح فرمائیں۔

المستفتی: مقصود احمد قاسمی مدرسہ فیضان القرآن بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: خنثیٰ کی قربانی ناجائز اور مخنث کی جائز ہے، کیونکہ مخنث وہ ہوتا ہے جو حقیقت میں مذکر ہوتا ہے مگر مادہ پر قادر نہیں ہوتا ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۳/ ۱۵۱)

لاتجوز التضحية بالشاة الخنثیٰ. (هـنديه، كتاب الأضحية، الباب الخامس في بيان محل إقامة الواجب، زكريا قديم ۵/ ۲۹۹، جديد ۵/ ۳۴۵)

ويجوز المجبوب العاجز عن الجماع. (هـنـديه زكريا قديم ۵/ ۲۹۷، جـديـد ۵/ ۳۴۳، بـزازيـه جـديـد زكريا ۳/ ۱۵۹، وعلى هامش الهندية زكريا ۶/ ۳۲۵، شامی زكريا ۹/ ۴۷۰، كراچی ۶/ ۳۲۵)

اور فقہاء نے خنثیٰ جانور کی قربانی کے عدم جواز کی علت یہ بیان کی ہے کہ اس کا گوشت پکنے میں گلتا نہیں، لہٰذا اگر گوشت گل جاتا ہے اور پکنے میں کوئی دشواری نہ ہو تو اس کی قربانی بلا تردد جائز ہے، جیسا کہ شامی اور ہندیہ کے حاشیہ میں اس کی وضاحت موجود ہے۔

لاتجوز التضحية بالشاة الخنثیٰ لأن لحمها لاينضج وتحته في الحاشية:

وبهذا التعليل اندفع ما أورده ابن وهبان من أنها لا تخلوا إما أن تكون ذكرا أو أنثىٰ وعلى كل تجوز. (هنديه، كتاب الأضحية، الباب الخامس فى بيان محل إقامة الواجب، زكريا قديم ٥/٢٩٩، جديد ٥/ ٣٤٥، شامي كراچى ٦/٣٢٥، زكريا ٩/٤٧٠)

قربانی کے علاوہ گوشت خوری سب کی جائز ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸؍رجب المرجب ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۸۱۵)

خنثیٰ جانور کی قربانی کیوں ممنوع؟

سوال [۱۰۰۰۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: خنثیٰ یعنی ہجڑے جانور کی قربانی کا کیا حکم ہے؟ جبکہ وہ ہر اعتبار سے تندرست ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: خنثیٰ جانور کی قربانی جائز نہیں، فقہاء نے اس کے عدم جواز کی علت گوشت نہ گلنا بیان کی ہے، لہٰذا علت معدوم ہو تو حکم بدل جائیگا، اگر گوشت آسانی سے گل جائے تو خنثیٰ جانور کی قربانی میں بھی کوئی حرج نہیں۔

ولا بالخنثىٰ لأن لحمها لاينضج شرح وهبانية، وتحته فى الشامية وبهذا التعليل اندفع ما أورده ابن وهبان من أنها لاتخلو إما أن تكون ذكرا أو أنثىٰ وعلى كل تجوز. (در مختار مع الشامي، كتاب الأضحية، كراچى ٦/٣٢٥، زكريا ٩/٤٧٠)

لاتجوز التضحية بالشاة الخنثىٰ لأن لحمها لاينضج . (هنديه، كتاب الأضحية، الباب الخامس فى بيان محل إقامة الواجب، زكريا قديم ٥/٢٩٩، جديد ٥/ ٣٤٥)

ولا بالخنثىٰ لأن لحمها لاينضج. (مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ٤/١٧٢)

من المسلّم لدى الفقهاء إن الحكم يدور على العلة وجودا و عدما فإن وجدت العلة ثبت الحكم وإن انعدمت العلة انتفى الحكم. (المصباح فى رسم المفتى،

المبحث الأول، تغير الحكم بتغير العلة، مكتبه اتحاد ديوبند ص: ٤٩٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴؍ ذی قعدہ ۱۴۳۴ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۲۹۵)

باؤلے جانور کی قربانی

سوال [۱۰۰۰۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: قربانی کے لیے ایک جانور خریدا وہ جانور باؤلا نکلا، کسی پر بھی حملہ کردیتا ہے، ایسے حملہ کرنے والے جانور کی قربانی جائز ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: باؤلے جانور کی قربانی جائز ہے، بشرطیکہ وہ چارہ وغیرہ چرلیتا ہو، لیکن اگر وہ اس حد تک باؤلا ہو کہ چر بھی نہ سکتا ہو تو اس کی قربانی جائز نہیں۔

ويضحى بالجماء والثولاء أي المجنونة إذا لم يمنعها من السوم والرعي وإن منعها لاتجوز التضحية بها. (شامي، كتاب الأضحية، كراچی ٦/٣٢٣، زكريا ٩/٤٦٨)

وتجوز الثولاء وهي المجنونة إلا إذا كان ذٰلك يمنعها عن الرعي والاعتلاف لاتجوز؛ لأنه يفضي إلى هلاكها فكان عيبا فاحشا. (بدائع الصنائع زكريا ٤/٢١٦)

ويجوز أن يضحى بالثولاء وهي المجنونة، هٰذا إذا كانت تعتلف لأنه لايخل بالمقصود، وأما إذا كانت لاتعتلف لاتجزيه. (هدايه اشرفی ٤/٤٤٨)

عن الحسن قال: لابأس أن يضحى بالثولاء. (إعلاء السنن، كراچی ١٧/٢٥٥، دار الكتب العلمية بيروت ١٧/٢٧٨، رقم: ٥٥٩٧)

وتجوز الثولاء وهي المجنونة إلا إذا كان ذٰلك يمنع الرعي والاعتلاف فلاتجوز. (هنديه زكريا جديد ٥/٣٤٤، قديم ٥/٢٩٨)

ولابأس بالخصی والثولاء وهی المجنونة إذا کانت سمینة. (تاتارخانیة زکریا ۱۷/۲٦، ٤۲٦، رقم: ۲۷۷۱۵، تبیین الحقائق امدادیه ملتان ٦/۵، زکریا دیوبند ٦/٤۷۹)

تجزئ الجرباء والثولاء یعنی المجنونة إذا کانت سمینة ولم یکن بها ما یمنعها الرعی. (فتاویٰ سراجیة ص: ۳۸۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸/ ذی قعدہ ۱۴۳۴ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۲۸۹)

بانجھ جانور کی قربانی

سوال [۱۰۰۰۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بانجھ جانور کی قربانی جائز ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بانجھ جانور کی قربانی بھی جائز اور درست ہے۔

یجوز المجبوب العاجز عن الجماع والتی بها السعال والعاجزة عن الولادة لکبر سنها. (هندیه، کتاب الأضحیة، الباب الخامس فی بیان محل إقامة الواجب، قدیم زکریا ۵/۲۹۷، جدید زکریا ۵/۳٤۳)

تجوز التضحیة بالمجبوب العاجز عن الجماع والتی بها سعال والعاجزة عن الولادة لکبر سنها. (شامی، کتاب الأضحیة، کراچی ٦/۳۲۵، زکریا ۹/ ٤۷۰)

ویجوز ...... العاجزة عن الولادة لکبر سنها. (بزازیه جدید زکریا ۳/۱۵۹، وعلی هامش الهندیة زکریا ٦/۲۹۳، خلاصة الفتاویٰ اشرفی دیوبند ٤/۳۲۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/ ذی قعدہ ۱۴۳۴ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۲۹۲)

باندھے جانور کی قربانی

سوال [۱۰۰۰۵]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: باندھے جانور کی قربانی جائز ہے یانہیں؟ یعنی وہ جانور جس کی ٹانگ درست نہیں ہے، بلکہ ٹیڑھا میڑھا ہے اور پیروں کو چوڑائی میں پھیلا کر چلتا ہے اسے باندھا کہا جاتا ہے۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: باندھے جانور کی قربانی درست ہے، اس لیے کہ اس کے پیر اگرچہ درست نہیں ہوتے اور یہ ٹیڑھا میڑھا چلتا ہے لیکن چونکہ چاروں پیروں سے چل لیتا ہے اور چل کر قربان گاہ تک بھی پہنچ سکتا ہے اور ایسا جانور جو چاروں پیر زمین پر رکھ کر کے چل لیتا ہو تو اس کی قربانی درست ہوتی ہے، لہٰذا اس باندھے جانور کی بھی قربانی درست ہوگی۔

عن علي عنه: أنه سئل عن البقرة؟ فقال: عن سبعة قال: مكسورة القرن؟ قال: لاتضرك، قال: العرجاء؟ قال: إذا بلغت المنسك. (السنن الكبرىٰ للبيهقي، دار الفكر بيروت ۲۰۰/۱٤، رقم: ۱۹٦٤۰، سنن الترمذي، الأضاحي، النسخة الهندية ۲۷٦/۱، دار السلام رقم: ۱٥۳۹)

العرجاء التي لا تمشي إلى المنسك أي التي لايمكنها المشي برجلها العرجاء إنما تمشي بثلاث قوائم حتى لو كانت تضع الرابعة على الأرض وتستعين بها جاز. (شامي، كتاب الأضحية، زكريا ۹/٤٦۸، كراچی ٦/۳۲۳)

والعرجاء إذا كانت تمشي فلابأس بها، وإذا كانت لا تقوم ولا تمشي لاتجوز. (تاتارخانية ۱۷/٤۲٦، رقم: ۲۷۷۱٦)

والعرجاء: البين عرجها؛ وهي التي لاتقدر أن تمشي برجلها إلى المنسك. (هنديه زكريا قديم ٥/۲۹۷، جديد ٥/۳٤۳)

كذاالعرجاء إذا مشت على رجلها إلى المنسك. (فتاویٰ سراجية ص: ۳۸٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳ر ذی قعدہ ۱۴۳۴ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۳۱۱)

دواءً شراب پلائے گئے جانور کی قربانی

سوال [۱۰۰۰۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے یہاں ایک بیل نے زہر کھالیا، لوگوں نے بتایا کہ اس کو شراب پلائی جائے تو ٹھیک ہو جائے گا، چنانچہ شراب پلائی گئی تو وہ صحیح ہو گیا تو کیا اس جانور کی قربانی درست ہے اور شراب پلا کر علاج کرانا کیسا ہے؟

المستفتی: عمران ارریاوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں بقدر ضرورت جانور کو دواءً شراب پلانے کی گنجائش ہے، البتہ اس جانور کی قربانی اس وقت درست ہے کہ جب اس کی غذا بدل جائے، اور شراب کے آثار اس کے گوشت سے بالکل ختم ہو جائیں، فقہاء نے اس کے لیے بیس دن کی مدت مقرر کی ہے، اس لیے ۲۰/۲۵ دن تک پاک وصاف چارہ کھلایا جائے، اس کے بعد اس کی قربانی بلا کراہت درست ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ڈابھیل ۱۷/۳۹۲)

فإن كانت إبلا تمسك أربعين يوما حتى يطيب لحمها والبقر عشرين وللغنم عشرة. (شامی، كتاب الاضحية، زكريا ديوبند ۹/ ۴۷۰، كراچی ۶/ ۳۲۵، هنديه زكريا قديم ۵/ ۲۹۸، جديد ۵/ ۳۴۴)

لو أن مريضا أشار إليه الطبيب بشرب الخمر روى عن جماعة من أئمة بلخ أنه ينظر: إن كان يعلم يقينا أنه يصح حل له التناول. (هنديه، كتاب الكراهية، الباب الثامن عشر، جديد زكريا ۵/ ۴۱۰، قديم ۵/ ۳۵۵، تاتارخانية زكريا ۱۸/ ۲۰۰، رقم: ۲۸۵۰۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸/ ربیع الثانی ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۷۲۴۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۴/۸ھ

بازاری ٹیکس کی رسید کٹائے بغیر خرید شدہ جانور کی قربانی کا حکم

سوال [۱۰۰۰۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں قربانی کا جانور لینے گیا تھا قربانی کا جانور طے کرلیا، معلوم ہوا کہ ٹھیکیدار موقعہ سے فائدہ اٹھا کر پچاس روپئے کے بجائے ایک سو پچاس روپئے رسید کا کرایہ وصول کررہا تھا، خریدار یعنی میں نے بازار سے ہٹ کر فروخت کنندہ کو قربانی کے جانور کی قیمت دے کر بنا رسید کٹائے جانور لے کر چلا آیا، تو قربانی پر کوئی اثر ہوا یا نہیں؟

المستفتی: محمد شہزاد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جانور فروخت کرنے والا اپنے جانور کا مکمل مالک ہے، چاہے بازار میں فروخت کرے چاہے بازار سے ہٹ کر دوسری جگہ فروخت کرے اسی طرح خریدار اپنے پیسہ کا پورا مالک ہے اور وہ اپنے پیسہ سے قربانی کا جانور چاہے بازار سے خریدے، چاہے بازار سے ہٹ کر کسی بھی جگہ سے خریدے، اس کو پورا اختیار ہے، اس لیے مذکورہ سوال میں بازار سے ہٹ کر مالک نے جو بیچا ہے اور خریدار نے جو خریدا ہے وہ بلاشبہ جائز اور درست ہے، اور خریدار کی قربانی میں کسی قسم کی کمی نہیں آئی۔

والمالک هو المتصرف فی الأعیان المملوکة کیف شاء. (تفسیر بیضاوی، کتب خانه رشیدیه دهلی پاره: ۱، ص: ۷)

کل یتصرف فی ملکه کیف شاء. (شرح المجلة رستم باز، اتحاد دیوبند ۱/ ٦٥٤، رقم المادة: ۱۱۹۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍ محرم الحرام ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳٦/ ۷۴۳۴)

دودھ پیتے بچہ والی گائے کی قربانی

سوال [۱۰۰۰۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: جس گائے کا دودھ پیتا بچہ ہو کیا اس کی قربانی درست ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دودھ دینے والے جانور کی قربانی فی نفسہ جائز ہے، لیکن اس کے دودھ پیتے بچے کے ضائع ہونے خطرہ ہو تو قربانی تو جائز ہے لیکن بہتر اور مناسب نہیں۔

عن مغيرة بن خذف العبسي قال: كنا مع عليؓ بالرحبة فجاء رجل من همدان يسوق بقرة معها ولدها، فقال: إني اشتريتهاأضحى بها و إنها ولدت قال: فلا تشرب من لبنها إلا فضلا عن ولدها، فإذا كان يوم النحر فانحرها هي وولدها عن سبعة. (سنن الكبرىٰ للبيهقي، دار الفكر بيروت ١٤/٢٢٩، رقم: ١٩٧٢٩)

عن أبي هريرةؓ قال: خرج رسول الله ﷺ: في ساعة (إلى قوله) فقال النبي ﷺ: لاتذبحن ذات در فذبح لهم عناقا. (ترمذي، أبواب الزهد، باب ما جاء في معيشة أصحاب النبي ﷺ، النسخة الهندية ٢/٦٢، دار السلام رقم: ٢٣٦٩، صحيح مسلم، كتاب الأشربة، باب جواز استتباعه غيره إلى دار من يثق برضاه بذلك، النسخة الهندية٢/١٧٧ بيت الأفكار رقم: ٢٠٣٨) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللّٰہ عنہ
۱۲؍محرم الحرام ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۵۸۴/۳۹)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۳/۱/۱۲ھ

گابھن جانور کی قربانی یا عقیقہ کرنا

سوال [۱۰۰۰۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) اگر بکری یا بقرہ کے پیٹ میں بچہ ہے اس کا علم تمام قرائن سے ظاہر ہے کہ

ان مذکورہ جانوروں کے پیٹ میں بچہ ہے تو آیا ان جانوروں کی قربانی وعقیقہ و ذبح کر کے کھانا درست ہے یا نہیں؟ اور آیا کہ محض شک ہو کہ ان کے پیٹ میں بچہ ہے یا نہیں؟ تو ان کا کیا حکم ہے؟ آیا قربانی وعقیقہ یا ذبح کر کے کھانا درست ہے یا نہیں؟

(۲) اور اگر قربانی کرنے کے بعد اچانک بچہ نکل آیا کچھ نہیں معلوم تھا کہ پیٹ میں بچہ ہے یا نہیں ہے تو کیا اس کی قربانی میں کچھ حرج لازم آئیگا یا نہیں؟ اور بچہ زندہ بھی رہ گیا اور بڑا بھی ہو گیا تو آیا اس کو صدقہ وغیرہ کر دیا جائے گا یا اس کو استعمال کرنا درست ہو جائے گا؟

المستفتی: ثناءاللہ پرتاپگڈھی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) اگر قربانی یا عقیقہ کے جانور کے پیٹ سے زندہ بچہ نکلے تو بچہ کو بھی ماں کی طرح ذبح کر دیا جائے اور ماں اور بچہ دونوں کا گوشت کھانا شرعاً جائز اور حلال ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۳۱۲/۴، جدید ڈابھیل ۳۵۴/۱۷)

عن علی قال: البقرة عن سبعة قلت: فإن ولدت؟ قال: إذبح ولدها معها. (سنن الترمذی، الأضاحی، باب فی الضحية بعضباء القرن والأذن، النسخة الهندية ٢٧٦/١، دار السلام رقم: ١٥٠٣)

فإن خرج من بطنها حيا فالعامة أنه يفعل به ما يفعل بالأم. (شامی، كتاب، الأضحية، كراچی ٣٢٢/٦، زكريا ٤٦٧/٩، هنديه زكريا قديم ٣٠١/٥، جديد ٣٤٨/٥، تاتارخانية زكريا ٤٤٣/١٧، رقم: ٢٧٧٦٥

اور اگر بچہ کو ذبح نہیں کیا گیا اور ایام قربانی گذر جائیں تو بچہ کو صدقہ کرنا لازم ہے۔

فإن لم يذبحه حتى مضت أيام النحر يتصدق به حيا. (شامی، كتاب الأضحية، كراچی ٣٢٢/٦، زكريا ٤٦٧/٩، هنديه زكريا قديم ٣٠١/٥، جديد ٣٤٨/٥، تاتارخانية زكريا ٤٤٣/١٧، رقم: ٢٧٧٦٦)

نیز گابھن جانور ذبح کرنا شرعاً مکروہ ہے لیکن قربانی اور عقیقہ درست ہو جاتے ہیں۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۲۶۲/۸، جدید زکریا مطول ۱۶۲/۱۲)

ویکره ذبح الشاة إذا تقارب ولادتها لأنه یضیع ما فی بطنها. (البحر الرائق، کتاب الذبائح، قبیل فصل فیما یحل و مالایحل، کوئٹه ۸/۱۷۱، زکریا ۸/۳۱۲- ۳۱۳، شامی کراچی ۶/۳۰٤، زکریا ۹/٤٤١، هندیه زکریا قدیم ٥/۲۷۸، جدید ٥/۳۳۱، خلاصة الفتاویٰ اشرفی دیوبند ٤/۳۰۷، فتاویٰ قاضیخان جدید زکریا ۳/۲٦۱، وعلی هامش الهندیة زکریا ۳/۳٦۷)

(۲) قربانی صحیح ہوگی اور اس پر کوئی جرم بھی شرعاً نہیں ہے، صرف مکروہ فعل ہوا، اور بچہ کا صدقہ کردینا واجب ہے۔

فإن لم یذبحه حتی مضت أیام النحر یتصدق به حیا. (شامی کتاب الأضحیة کراچی ٦/۳۲۲، زکریا دیوبند ۹/٤٦۷، هندیه زکریا قدیم ٥/۳۰۱، جدید ٥/۳٤۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹؍ربیع الاول ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/ ۲۵۷۹)

چوروں سے خریدے ہوئے جانور کی قربانی

سوال [۱۰۰۱۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بعض لوگ جو جانوروں کی تجارت کرتے ہیں وہ چوری کا مال بھی خرید کر لاتے ہیں اور اس کی شکل یہ ہوتی ہے کہ جو لوگ چوری کرتے ہیں وہ ڈیرہ ڈال کر جنگل میں رہتے ہیں اور جن جانوروں کی چوری کرتے ہیں، وہ جانور یا تو جنگل چرنے جاتے ہیں یا جنگل میں رہتے ہیں، یہ کرتے یہ ہیں کہ ان کو ہنکا کر اپنے ڈیروں پر لے جاتے ہیں یہ خریدار وہاں پہنچتے ہیں، اور معاملہ طے کرتے ہیں وہ رقم لے کر ان تاجروں کو گاڑی بھروا دیتے ہیں، تاجر لوگ یہاں آکر ان کو فروخت کرتے ہیں، قربانی کرنے والے حضرات بھی ان جانوروں کو خرید لیتے ہیں، دریافت یہ کرنا ہے کہ اس طرح لائے ہوئے جانوروں کی قربانی درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد عارف، محلّہ حاجی پورہ رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اس طرح چوری کر کے جانور فروخت کرنا حرام ہے اور اس کا پیسہ بھی اس کے لیے ناجائز ہے، اب رہی بات ایسے جانور خریدنے والے کی، تو اگر خریدار کو یہ معلوم نہیں ہے کہ جانور چوری کا ہے تو اس کے لیے جانور خریدنا اور اس کی قربانی کرنا جائز اور درست ہے، لیکن اگر اس کو معلوم ہے کہ یہ جانور چوری کا تو پھر ایسے جانور کا خریدنا جائز نہیں ہے، اور نہ ہی اس کی قربانی درست ہے، اور نہ اس کا گوشت کھانا جائز ہے، بلکہ ایسی صورت میں اس پر دوبارہ قربانی کرنا لازم اور ضروری ہوگا۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۸/ ۱۸، جدید زکریا مطول ۱۱/۳-۷۳، امدادالفتاویٰ ۳/ ۵۵۰، فتاویٰ رشیدیہ قدیم ۴۸۵، جدید زکریا ۴۷۷، احسن الفتاویٰ ۶/ ۵۲۷)

عن أبی هريرة عن النبی ﷺ: أنه قال: من اشتریٰ سرقة وهو يعلم أنها سرقة فقد شرک فی عارها و إثمها. (المستدرك للحاكم، مكتبه نزار مصطفیٰ الباز بيروت ۳/ ۸۵۲، رقم: ۲۲۵۳، المصنف لابن أبی شيبة، مؤسسة علوم القرآن بيروت ٤/ ۳۸۹، رقم: ۵۵۰۰)

ومن باع ملک غيره ثم اشتراه و سلم إلى المشتری لم يجز ويكون باطلا فاسدا ...... ولو كان المشتری من الغاصب باعه ثم أجاز المالک البيع الأول لاينفذ بيع المشتری. (فتاویٰ عالمگيريه، كتاب البيوع، الباب التاسع، الفصل الثالث، زكريا قديم ۳/ ۱۱۱، جديد ۳/ ۱۱۲)

وفی الدر المختار: الحرمة تتعدد مع العلم بها وفی الشامی: مثلاً يأخذ من أحد شيئا من المكس ثم يعطيه آخر ثم يأخذ من ذلک الآخر آخر فهو حرام. (الدر المختار مع الشامی، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد مطلب: الحرمة تتعدد، كراچی ۵/ ۹۸، زكريا ۷/ ۳۰۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم محرم الحرام ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۴۱۱)

چوری کا چارہ کھانے والے جانور کی قربانی

سوال [۱۰۰۱۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جس جانور کو چوری سے سرکاری پیڑ کے پتے یا کسی کے کھیت میں چوری سے کھلایا یا پلایا پھر اسی جانور کا عقیقہ یا قربانی کی جائے تو ایسے جانور کا گوشت کھانا کیسا ہے؟

المستفتی: جرار احمد قاسمی بھنڈیہ سیتاپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سرکاری پیڑ کے جو پتے کھلائے، اگر وہ پتے سرکار کے قیمتی ہیں تو پتہ کھلانے کی وجہ سے مالک گنہگار ہوگا، اور اگر ان پتوں کی سرکار کے یہاں کوئی قیمت نہیں ہے تو مالک گنہگار بھی نہیں ہوگا، دوسروں کے کھیت سے جانور کو چوری سے جو کھلایا پلایا گیا ہے تو جتنا کھلایا ہے، اتنے کا تاوان جانور کے مالک کے اوپر لازم ہوجائے گا، مگر وہ جانور یا اس کے گوشت کے حلال ہونے میں کوئی فرق نہیں آئیگا، جانور اور اس کا گوشت ہر حال میں حلال ہے، دوسروں کے مال کھلانے کی وجہ سے جانور کے مالک کے اوپر اس کا تاوان واجب ہوتا ہے، لہٰذا ایسے جانور کی قربانی یا عقیقہ شرعاً جائز اور درست ہے، اور اس کا گوشت بھی حلال ہے۔

وإن انفلتت الدابة وأتلفت زرعا فلا ضمان على مالكها ليلا كان أو نهارا عند أبي حنيفة. (معارف السنن أبواب الزكاة، باب ماجاء أن العجماء جرحها جبار، اشرفيه ديوبند ۵/۲۴۰)

ولو أن بقارا رعىٰ بقرا في أجمة مملوكة لإنسان فليس له ذٰلك وهو ضامن لما رعىٰ. (بدائع الصنائع، كتاب الأراضي، فصل في أرض الموات، زكريا ۵/۲۸۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵؍محرم الحرام ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۸۶۶۳)

امریکن اور جرسی گائے کی قربانی

سوال [۱۰۰۱۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: امریکن گائے جس کے متعلق یہ مشہور ہے کہ وہ خنزیر کے مادہ منویہ سے پیدا ہوتی ہے کیا اس کا دودھ وگوشت استعمال کر سکتے ہیں اور اس کی قربانی ہوسکتی ہے یا نہیں؟ اور دیسی گائے کو مشینوں کے ذریعہ جرسی گائے بناتے ہیں اس کا کیا حکم ہے؟ اس کی قربانی کر سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتی: ریاست علی بدایونی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: امریکن گائے کا دودھ وگوشت کا استعمال کرنا جائز ہے، اور اسی طرح جرسی گائے کا بھی دودھ وگوشت استعمال کرنا جائز ہے، اوراس کی قربانی بھی جائز ہے۔

والمتولد بين الأهلي والوحشي يتبع الأم. (الدر المختار، كتاب الأضحية، زكريا ٩/٤٦٦، كراچی ٦/٣٢٢)

وفي المتولد بين الوحشي والأهلي يعتبر الأم إن كانت وحشية لاتجزئ في الأضحية وإن كانت الأم أهلية تجزئ. (تاتارخانية زكريا ١٧/٤٣٣، رقم: ٢٧٧٣٩، هنديه زكريا قديم ٥/٢٩٧، جديد ٥/٣٤٣)

قال في البدائع: فلو نزا ثور وحشي على بقرة أهلية فولدت ولدا يضحى به دون العكس لأنه ينفصل عن الأم وهو حيوان متقوم تتعلق به الأحكام، ومن الأب ماء مهين ولذا يتبع الأم في الرق الحرية. (شامي، كتاب الأضحية، زكريا ٩/٤٦٦، كراچی ٦/٣٢٢، بدائع الصنائع زكريا ديوبند ٤/٢٠٣) **فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍رجب المرجب ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۸۵۳۳)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۷/۳ھ

دوسرے کے کھیت سے چرنے والے جانوروں کی قربانی

سـوال [۱۰۰۱۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: وہ جانور جو آزاد چھوڑ دیئے جاتے ہیں یا چرائے جاتے ہیں اور چرانے والے کھڑے دیکھا کرتے ہیں کہ جانور دوسرے کے کھیت میں یا غلہ کے ڈھیر میں کھا رہا ہے، اور انجانے بنے کھڑے رہتے ہیں، تو اگر ایسے جانور کی قربانی کی جائے تو اس جانور کا گوشت استعمال کرنا کیسا ہے؟

المستفتی: جرار احمد قاسمی بھنڈیہ ضلع سیتاپور یوپی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: دوسرے کے کھیت میں بالقصد چرایا ہے تو جتنا چرایا ہے اتنے کا تاوان جانور کے مالک کے اوپر واجب ہو جائیگا، مگر خود جانور یا اس کے گوشت کے حلال ہونے میں کوئی فرق نہیں آئیگا، اور اس کی قربانی بھی بلا تردد جائز ہے۔

رجل أرسل حماره فدخل زرع إنسان و أفسده إن أرسله و ساقه إلى الزرع بأن كان خلفه كان ضامنا. (عالمگيرى، كتاب الجنايات، الباب الثانى عشر فى جناية البهائم، زكريا قديم ٥٢/٦، جديد ٦٢/٦، تاتارخانية زكريا ٢٩٠/١٩، رقم: ٣١٤٩٩، فتاوىٰ قاضيخان جديد زكريا ٣٣٣/٣، وعلى هامش الهندية زكريا ٤٥٥/٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸؍محرم الحرام ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۶۷۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۱/۲۸ھ

عورت کا دودھ پینے والے بکرے کی قربانی

سوال [۱۰۰۱۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک عورت نے اپنے گھر کے بکری کے بچے یعنی خصی بکرے کو بیس دن خود اپنے پستان سے دودھ پلایا ہے اور امسال اسی بکرے کی بقرعید میں قربانی کرنا چاہتی ہے تو

کیا حکم ہے؟ جائز ہے یا نہیں؟ کیا کرنا چاہیے؟

المستفتی: ریاض الدین گودھنا ضلع سیتاپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: عورت کا دودھ پینے کی وجہ سے بکری کے بچہ کی حلیت میں کوئی فرق نہیں آتا ہے، بعد میں پتے اور گھاس وغیرہ کھا کر غذاء بدل جانے کی وجہ سے دودھ کا اثر ختم ہو چکا ہے، اس لیے اس کی قربانی میں کوئی تردد نہیں ہونا چاہیے۔

قال أصحابنا فی جدی ارتضع بلبن خنزیر حتی کبر إنه لایکره أکله لأن لحمه لایتغیر ولاینتن ...... لأنه بمنزلة الجلالة . (بدائع الصنائع، کتاب الذبائح، فصل فی بیان ما یکره من الحیوانات، کراچی ٥/ ٤٠، زکریا دیوبند ٤/ ١٥٤، هندیه زکریا قدیم ٥/ ٢٩٠، جدید ٥/ ٣٣٤، الجوهرة النیرة امدادیه ملتان ٢/ ٢٨١، دار الکتاب دیوبند ٢/ ٢٦٧، فتاویٰ قاضیخان جدید زکریا ٣/ ٢٥٤، وعلی هامش الهندیة زکریا ٣/ ٣٥٩، در مختار، کتاب الحظر والإباحة ٦/ ٣٤١، زکریا ٩/ ٤٩١، ٤٩٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷ ؍ذیقعدہ ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/ ۲۴۶۱)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۷/ ۱۱/ ۱۴۱۱ھ

قربانی کا بکرا تبدیل کرنا

سوال [۱۰۰۱۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بکری سے دو بچوں کا تولد ہوا، ایک کچھ ایام کے بعد خصی کر دیا گیا، دوسرے کو بوجہ کمزوری خصی نہ کیا جاسکا، بلکہ ثانی الذکر کے بارے میں صاحب نصاب نے یہ نیت کر لی کہ اس کو ایام قربانی کے آنے پر قربان کر دوں گا، اب وہ بکرا کافی فربہ ہو گیا ہے جس کی وجہ سے وہ کافی پریشان کرتا ہے، ارادہ اب ہو رہا ہے کہ اس کو فروخت کر کے دوسرا خرید لیا جائے کیا یہ تبدیلی درست ہے؟ اور اس نیت کی وجہ سے یہ قربانی کیا ضروری ہو گئی ہے؟ اگر غریب ایسا کرتا ہے تو کیا

پھر بھی یہی حکم ہوتا ہے یا غیر؟

المستفتی: محمد صراحت حسین قاسمی بھگوان بچھرایوں، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: دوسرا بکرا قیمت وفربہ کے اعتبار سے برابر یا فائق ہے تو بتدیلی جائز ہے، اگر زبان سے کہہ کر اپنے اوپر نذر کی طرح لازم نہیں کرلیا تھا تو اس میں غنی وغریب دونوں برابر ہیں، ورنہ اس کی قربانی لازم ہوگی۔

وكان في ملك إنسان شاة فنوىٰ أن يضحي بها أو اشترىٰ شاة ولم ينو الأضحية وقت الشراء ثم نوىٰ بعد ذٰلك أن يضحي بها لايجب عليه سواء كان غنيا أوفقيرا. (بدائع الصنائع، كتاب التضحية، كراچی ٦٢/٥،زكريا ١٩٣/٤، هنديه زكريا قديم ٢٩١/٥، جديد ٣٣٦/٥، فتاوىٰ قاضيخان جديد زكريا ٢٤٤/٣، وعلى هامش الهندية زكريا ٣٤٦/٣، شامي كراچی ٣٢١/٦،زكريا ٤٦٥/٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰؍رجب المرجب ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۳۳۳/۲۵)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۰؍۷؍۱۴۰۹ھ

سڑکوں پر پھرنے والے سانڈ کی قربانی

سوال [۱۰۰۱۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: سڑکوں پر پھرنے والا جو سانڈ ہے وہ ما اہل لغیر اللہ میں شامل ہے یا سائبہ کے حکم میں ہے، وہ مالک کی ملکیت میں باقی رہتا ہے یا مالک کی ملکیت سے نکل جاتا ہے، اس کی قربانی کرنا کیسا ہے؟

المستفتی: نبیر الدین دیناج پوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: سڑکوں پر پھرنے والا سانڈ ما اہل لغیر اللہ میں شامل نہیں ہے، بلکہ وہ سائبہ کے حکم میں ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنۡ بَحِيۡرَةٍ وَ لاسَائِبَةٍ الخ.

اللہ نے سائبہ وغیرہ کو کوئی حیثیت نہیں دی ہے، لہٰذا اس نذر کا کوئی اعتبار نہ ہوگا، اور وہ جانور مالک کی ملکیت پر علی حالہ باقی رہے گا، یہی حکم سڑکوں پر پھرنے والے سانڈ کا ہے، یہ مالک کی ملکیت سے نہیں نکلے گا، مالک سے اجازت لے کر اس کو ذبح کرنا حلال اور جائز ہے۔ (غیر مقلدین کے ۵۶/اعتراضات کے جوابات ۱۳۴، امداد المفتیین ۹۳۶، امداد الفتاویٰ ۴/۱۰۰، کفایت المفتی ۸/ ۲۲۹، جدید زکریا مطول ۱/ ۲۳۱، محمودیہ ڈابھیل ۱/ ۳۲۸)

لہٰذا مالک سے خرید کر اس کی قربانی بھی جائز ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۴/ ۹۹)

ومن هٰهنا علم أن البقرة المنذورة للأولياء كما هو الرسم في زماننا حلال طيب لأنه لم يذكر اسم غير الله عليها وقت الذبح وإن كانوا ينذرونها. (تفسيرات احمديه، سورة بقرة آيت: ۱۷۳ اشرفيه ديو بند ص: ٤٢)

إن بدل المتقرب نيته قبل ذبح البقرة وقصد التقرب بإراقة دمها إلى الله تعالىٰ وتاب عن ماصدر منه من قصد التقرب إلى غيره تعالىٰ ثم ذبحها إلى الله تعالىٰ حلت البقرة وحل أكلها. (كفايت المفتى جديد زكريا ۸/۲۳۳، جديد زكريا مطول ۱/ ۲٤۱)

وما ذبح على النصب المعنى والنية فيها تعظيم النصب لا أن الذبح غير جائز. (تفسير قرطبى، سورة المائدة تحت تفسير الآية: ۳، دار الكتب العلمية بيروت ٦/ ۳۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴/ ذی قعدہ ۱۴۳۴ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۳۱۲)

ناک میں ناتھ والے جانور کی قربانی

سوال [۱۰۰۱۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ قربانی کے جانور جن کی ناک میں ناتھ پڑا ہوا ہوتا ہے، قابو میں کرنے کے

لیے ناتھ ناک میں ڈال دیتے ہیں، لہٰذا اس کی قربانی جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: عبدالستار نچھرایوں ضلع مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایسے جانور کی قربانی بلا کراہت جائز ہے، یہ شرعاً عیب نہیں ہے۔

كل عيب يزيل المنفعة على الكمال أو الجمال على الكمال يمنع الأضحية ومالايكون بهذه الصفة لايمنع. (عالمگیری، كتاب الأضحية، الباب الخمس، زكريا قديم ٥/٢٩٩، جديد ٥/٣٤٥، تاتارخانية زكريا ديوبند ١٧/٤٣١، رقم: ٢٧٧٣٣، حاشية چلپی علی التبيين امداديه ملتان ٦/٦، زكريا ديو بند ٦/٤٨٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/ محرم الحرام ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/۱۶۱۰)

عنین جانور کی قربانی کا حکم

سوال [۱۰۰۱۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہماری ریاست جموں کشمیر میں جنگلی بیل جس کو یاک Yak کہتے ہیں اور کشمیری زبان میں اسے زمبسہ کہا جاتا ہے، یہ جنگل میں رہنے کو زیادہ پسند کرتا ہے، اگر چہ پہاڑی علاقے کے لوگوں کے اسے پالنے کی وجہ سے وہ جانور اب پالتو بن گیا ہے، پھر اس کی نسل جب مطلوب ہوتی ہے تو اس کو گائے سے جفتی کرائی جاتی ہے جس کے نتیجے میں بھینسر نام کی نسل آتی ہے لیکن اس بھینسر کی کوئی نسل نہیں ہوتی، (چلتی) اس لیے کہ وہ جفتی پر قادر ہی نہیں ہوتا، حالانکہ اس کے تمام اعضاء بظاہر صحیح سالم نظر آتے ہیں، اور یہ جانور بڑا فربہ ہوتا ہے، تو اب یہ سوال یہ ہے کہ "یاک" کی اس نسل بھینسر کی قربانی کرنا درست ہے یا نہیں؟ جبکہ وہ لا ولد ہے، اور یہاں کے کچھ لوگ اسے مخنث اور عنین قرار دیتے ہیں، تو کیا عنین

جانور کی قربانی کی جاسکتی ہے، یا نہیں؟ مدلل ومفصل جواب سے نواز کر مشکور فرمائیں۔
المستفتی: غلام احمد آخون ضلع ڈوڈہ جموں وکشمیر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: پالتو گائے سے پیدا شدہ جانور کی قربانی شرعاً جائز اور درست ہے، خواہ نر پالتو ہو یا وحشی ہو، کیونکہ جانوروں میں نسل کا اعتبار ماں سے ہوتا ہے، لہٰذا سوالنامہ میں مذکور بھینسر کی پیدائش جبکہ پالتو گائے سے ہوتی ہے تو اس کی قربانی بلا تردد جائز اور درست ہوگی اور اس کے جفتی پر قادر نہ ہونے اور لا ولد ہونے کی بنا پر قربانی کے جواز پر کوئی اثر نہیں ہوگا، البتہ اگر بھینسر کی ماں وحشی ہو تو اس کی قربانی درست نہ ہوگی۔
(مستفاد: احسن الفتاویٰ ۷/ ۵۲۱، امداد الفتاویٰ ۳/ ۵۵۹)

والمتولد بين الأهلي والوحشي يتبع الأم. (الدر المختار، كتاب الأضحية، زكريا ٩/٤٦٦، كراچى ٦/٣٢٢، تاتارخانية زكريا ١٧/٤٣٣، رقم: ٢٧٧٣٩، هنديه زكريا قديم ٥/٢٩٧، جديد ٥/٣٤٣)

ولايجوز في الأضاحي شيئ من الوحشي فإن كان متولداً من الوحشي والأنسي فالعبرة للأم فإن كانت أهلية تجوز وإلا فلا، حتى لو كانت البقرة وحشية والثور أهليا لم تجز. (عالمگيرى زكريا قديم ٥/٢٩٧، جديد ٥/٣٤٣، تاتارخانية زكريا ١٧/٣٣١، رقم: ٢٧٧٣٩)

تجوز التضحية بالمجبوب العاجز عن الجماع والتي بها سعال والعاجزة عن الولادة لكبر سنها. (شامى كراچى ٦/٣٢٥، زكريا ٩/٤٧٠، هنديه زكريا قديم ٥/٢٩٧، جديد ٥/٣٤٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/ شعبان المعظم ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۸۹۳۱)

بیمار جانور کی قربانی کا حکم

سوال [۱۰۰۱۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے قربانی کی نیت سے ایک بکرا خریدا، ابھی بقرعید کے دن دور ہیں، اور جانور کی گردن میں ایک گانٹھ بھی ظاہر ہوگئی ہے جس کی وجہ سے لوگوں نے دیکھ کر کہا کہ غدود نہیں بلکہ یہ گانٹھ جان لیوا بھی ہوسکتی ہے، اب زید نے اس بکرے میں صدقہ کی نیت کرلی ہے، لہٰذا مفتیان حضرات سے مشورہ ہے کہ شریعت کی روشنی میں اس بکرے کو بقرعید کے علاوہ صدقہ میں ذبح کرسکتے ہیں یا نہیں؟ زید نصاب کا مالک ہے فقیر نہیں ہے؟

المستفتی: محمد یامین کچا باغ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زید جب صاحب نصاب ہے تو قربانی کی نیت سے جس جانور کو پالا ہے اور اس میں بیماری کا خطرہ ہے تو اس جانور کو بدلنے کا اختیار ہے، چاہے اس کو بیچ کر کے اس کے پیسے کو اپنے کام میں لائے یا ذبح کر کے کھالے یا صدقہ کردے، ہر طرح کا اختیار ہے لیکن بقرعید کے زمانہ میں دوسرے جانور کی قربانی لازم ہوجائے گی۔

ولو اشتریٰ أضحية وهي صحيحة العين ثم أعورت عنده و هو موسر أو قطعت أذنها كلها أو أليتها أو ذنبها أو انكسرت رجلها فلم تستطع أن تمشي لاتجزئ عنه وعليه مكانها أخرىٰ بخلاف الفقير. (عالمگیری، کتاب الأضحية، الباب الخامس، زکریا قدیم ۵/۲۹۹، جدید ۵/۳۴۵)

ولو اشتراها سليمة ثم تعيبت بعيب مانع فعليه إقامة غيرها مقامها إن كان غنيا، وإن كان فقيرا أجزأه ذلك. (درمختار کراچی ۶/۳۲۵، زکریا ۹/۴۷۱، تاتارخانیة زکریا ۱۷/۴۳۲، رقم: ۲۷۷۳۵، مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ۴/۱۷۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍ جمادی الاول ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۲۷۶)

بیمار جانور کی قربانی

سوال [۱۰۰۲۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بیمار جانور کی قربانی جائز ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر جانور میں بیماری معمولی ہو تو اس کی قربانی جائز ہے اور اگر زیادہ بیمار ہو کہ اس کا مرض نمایاں ہو تو اس کی قربانی درست نہیں۔ (مستفاد: محمودیہ میرٹھ ۲۶/۲۹۳، ڈابھیل ۱۷/ ۳۸۸)

عن البراء بن عازب رفعه قال: لايضحى بالعرجاء بين ضلعها، ولا بالعوراء بين عورها، ولا بالمريضة بين مرضها (سنن الترمذی، الأضاحی، باب مالايجوز من الأضاحی، النسخة الهندية ١/ ٢٧٥، دار السلام رقم: ١٤٩٧)

وأما الذی يرجع إلى محل التضحية فنوعان: أحدهما سلامة المحل عن العيوب الفاحشة فلاتجوز المريضة البين مرضها. (بدائع الصنائع، كتاب التضحية، زكريا ٤/ ٢١٤)

ولاتجوز المريضة البين مرضها. (هنديه جديد زكريا ٥/ ٣٤٣، قديم ٥/ ٢٩٧)

ولا المريضة البين مرضها. (شامی كراچی ٦/ ٣٢٣، زكريا ٩/ ٤٦٨) **فقط** واللّٰہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
۲۴ / ذی قعدہ ۱۴۳۴ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۳۱۳)

ہتھیلی سے بڑے زخم والے جانور کی قربانی

سوال [۱۰۰۲۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص نے قربانی کا ایک جانور خریدا، بعد میں ٹریکٹر سے ٹکر کھا کر اس کی کھال

چھل گئی، جس کی وجہ سے گوشت نمایاں طور پر نظر آرہا ہے، اوراس میں سے خون بھی نکلا ہے، تو اس کی قربانی جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ اس کے بقیہ اعضاء صحیح سالم ہیں اور وہ زخم ہتھیلی سے بڑا ہے۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ٹریکٹر سے ٹکر کھانے کی وجہ سے جس جانور کی کھال چھل گئی اور گوشت نمایاں طور پر نظر آرہا ہے اوراس میں سے خون بھی نکلا ہے تو اس کی قربانی جائز نہیں، فقہاء کرام نے اس سلسلے میں یہ ضابطہ نقل کیا ہے کہ اگر قربانی کے جانور میں کوئی عیب فاحش پیدا ہو جائے تو قربانی نہیں ہوگی اور عیب یسیر میں قربانی جائز ہو جائے گی، لہٰذا اگر مذکورہ زخم کی وجہ سے اس کا گوشت متأثر ہو چکا ہو تو جائز نہیں، اور اگر اس کا گوشت متأثر نہیں ہوا ہے تو اس کی قربانی جائز ہے۔

والأصل فيه أن العيب الفاحش مانع واليسير غير مانع لأن الحيوان قلما ينجو عن يسير العيب واليسير مالا أثرله فى لحمها. (عنايه مع الفتح، كتاب الأضحية، زكريا ديو بند ٩/ ٥٢٧، كوئٹه ٨/ ٤٣٣، دار الفكر بيروت ٩/ ٥١٤)

وكل عيب يزيل المنفعة على الكمال أو الجمال على الكمال يمنع الأضحية ومالايكون بهذه الصفة لايمنع. (تاتارخانية زكريا ١٧/ ٤٣١، رقم: ٢٧٧٣٣، حاشيه چلپى، تبيين الحقائق، امداديه ملتان ٦/ ٦، زكريا ٦/ ٤٨٢)

وفى الخانية: ويشترط الكمال فلا يجوز الناقص سواء كان النقصان من حيث السن أو من حيث الذات. (تاتارخانية ١٧/ ٤٢٧، رقم: ٢٧٧١٨)

اعلم أن الكل لايخلو عن عيب والمستحب أن يكون سليما عن العيوب الظاهرة فما جوزها هنا جوز مع الكراهة كما فى المضمرات. (شامى زكريا ٩/ ٤٦٨، كراچى ٦/ ٣٢٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۴/ ذی قعدہ ۱۴۳۴ھ

(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۳۱۴)

جس بکرے کا نیچے کا ہونٹ چھوٹا ہو اس کی قربانی کا حکم

سوال [۱۰۰۲۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک بکرے کا نیچے کا ہونٹ اوپر کے ہونٹ سے کافی چھوٹا ہو تو اس کی قربانی کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: ممتاز احمد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایسا بکرا کہ جس کے نیچے کا ہونٹ اوپر کے ہونٹ کے مقابلہ میں چھوٹا ہو اور اس کے چرنے اور کھانے میں پریشانی نہ ہوتی ہو تو وہ شرعی طور پر عیب دار نہیں ہے، اس لیے اس کی قربانی جائز ہے۔

فإن كانت ترعى و تعتلف جاز وإلا فلا. (هنديه، كتاب الأضحية، الباب الخامس، زكريا قديم ٥/ ٢٩٨، جديد ٥/ ٣٤٤، تاتارخانية زكريا ديوبند ١٧/ ٤٢٨، رقم: ٢٧٧٢٢، بدائع الصنائع زكريا ديوبند ٤/ ٢١٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍ محرم الحرام ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۴۱۱/۴۰)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۵/۱/۱۴۳۵ھ

جو جانور ایک آنکھ سے نہیں دیکھتا اس کی قربانی

سوال [۱۰۰۲۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک جانور قربانی کے لیے خریدا، وہ ایک آنکھ سے دیکھتا نہیں ہے، اس کی قربانی جائز ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس جانور کی ایک آنکھ خراب ہوگئی، اس سے دیکھتا ہی نہیں، اور وہ صرف ایک آنکھ سے دیکھتا ہے، ایسے جانور کی قربانی جائز نہیں ہے۔

عن البراء بن عازب قال: سمعت رسول الله ﷺ -إلى- يقول: لايجوز من الضحايا العوراء البين عورها، والعرجاء البين عرجها (سنن النسائی، الضحايا، باب العجفاء، النسخة الهندية ۲/۱۷۹، دار السلام رقم: ٤٣٧٦، سنن الترمذی، الأضاحی، باب مالا يجوز من الأضاحی، النسخة الهندية ۱/۲۷۵، دار السلام رقم: ۱٤۹۷)

ولايجزئ العمياء ولا العوراء وهی ذاهبة إحدى العينين بكماله. (المحيط البرهانی، المجلس العلمی بيروت ۸/٤٦٦، رقم: ۱۰۸۱٥، کوئٹہ ٦/٤٧٨، تاتارخانية زكريا ۱۷/٤٢٦، رقم: ۲۷۷۱۸)

ولا بالعمياء والعوراء. (شامی، کتاب الأضحية، زكريا ۹/٤٦٨، کراچی ٦/۳۲۳)

لاتجزئ من الضحايا أربع: العوراء البين عورها. (بدائع الصنائع زکریا ٤/٢١٤)

ولايضحى بالعوراء، وفي الهامش: العوراء: لايبصر بعين واحد. (ہدایہ اشرفی دیوبند ٤/٤٤٧)

ولو ذهب عينها الواحدة ...... أنه لايجوز. (خانيه جديد زكريا ۳/۲٤۹، وعلى هامش الهندية زكريا ۳/۳٥۲، تبيين الحقائق امداديه ملتان ٦/٥، زكريا ديوبند ٦/٤٧٩)

ولا العوراء البين عورها. (فتاویٰ سراجیہ اتحاد ۱/ ۳۸٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳/ ذیقعدہ ۱۴۳۴ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۳۰۹)

جس جانور کی ثلث سے زیادہ بینائی چلی گئی اس کی قربانی

سوال [۱۰۰۲۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک جانور قربانی کے لیے خریدا گیا، اس کی ایک آنکھ میں روشنی کم ہے، تو روشنی کتنی کم ہونے سے قربانی پر اثر پڑے گا، اور جانور کی آنکھوں کی روشنی کا پتہ کیسے لگایا جائے گا؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ایسا جانور جس کی ایک آنکھ کی روشنی ایک تہائی یا

اس سے کم چلی گئی ہو اس کی قربانی درست ہے، لیکن جس کی بینائی تہائی سے زیادہ چلی گئی ہو اس کی قربانی جائز نہیں، کتنی بینائی گئی ہے اس کا پتہ اس طرح لگایا جائیگا کہ جانور کو دو ایک دن چارہ نہ دیا جائے، جب وہ شدید بھوکا ہو جائے تو اس کی وہ آنکھ بند کر دی جائے جس کی بینائی کم ہے اور صحیح روشنی والی آنکھ کھلی رکھی جائے، اور دور سے چارہ جانور کے قریب لایا جائے، جہاں سے جانور کو چارہ نظر آ جائے وہاں نشانی لگادی جائے، پھر اس کی وہ آنکھ کھول دی جائے اور پوری روشنی والی آنکھ بند کر دی جائے اور اسی طرف سے پھر دھیرے دھیرے چارہ جانور کے قریب لایا جائے اور جہاں سے جانور کو چارہ نظر آ جائے وہاں پر نشانی لگادی جائے، پھر ان دونوں نشانوں کے درمیانی فاصلے کو ناپا جائے، اگر یہ فاصلہ پہلے والے نشان کا نصف ہے تو آنکھ کی نصف بینائی کم ہے اور اگر یہ فاصلہ ثلث ہے تو ثلث بینائی کم ہے، مثلاً: صحیح آنکھ سے جانور نے تیس میٹر دور سے چارہ دیکھ لیا اور دوسری آنکھ سے جس کی بینائی کم ہے ۲۰/ میٹر سے دیکھا تو درمیان میں ۱۰/ میٹر کا فاصلہ ہے جو پہلی دوری یعنی ۳۰/ کا ثلث ہے، لہٰذا اس جانور کی آنکھ کی ثلث بینائی کم ہوگئی ہے۔

ولو ذهب بعض هذه الأعضاء دون بعض من الأذن والألية والذنب والعين، ذكر في ''الجامع الصغير'' إن كان الذاهب كثيرا يمنع جواز التضحية، وإن كان يسيرا لايمنع، واختلف أصحابنا بين القليل والكثير فعن أبي حنيفةؒ أربع روايات، والصحيح: أن الثلث ومادونه قليل و مازاد عليه كثير، وعليه الفتوىٰ. (هنديه، كتاب الأضحية، الباب الخامس، زكريا قديم ٢٩٧/٥، جديد ٣٤٤/٥)

ولا مقطوع أكثر الأذن أو العين أي التي ذهب أكثر نورعينها (در مختار) واختلف أصحابنا في الفاصل بين القليل والكثير فعن أبي حنيفة أربع روايات، والصحيح: أنه الثلث و مادونه قليل وما زاد عليه كثير، وعليه الفتوىٰ. (شامی زكريا ديوبند ٤٦٨/٩، كراچی ٣٢٣/٦)

وإذا ذهب بعض العين الواحدة ...... إن كان الذاهب قليلا لايمنع جواز الأضحية، وإن كان كثيرا يمنع ...... وتكلموا في الحد الفاصل بين

الـقـليـل والكثير ...... والصحيح أن الثلث ومادونه قليل، ومازاد عليه كثير وعليه الفتوىٰ. (تاتارخانية زكريا ١٧/٢٩ ٤، رقم: ٢٧٧٢٩)

إنما يعرف ذهاب النصف أو الثلث من العين بأن يشد المعيبة بعد أن لا يعتلف الشاة يوما أو يومين، ثم يقرب العلف إليها قليلا فإذا رآه من موضع علم ذٰلك المكان، ثم يشد العين الصحيح، ويقرب العلف إلى الشاة قليلا قليلا، فإذا رآه من مكان علم ذٰلك المكان ثم يقدر ما بين الأولىٰ والثانية من التفاوت، فإذا كان التفاوت بينهما الثلث فقد ذهبت الثلث وبقى الثلثان، وإن كان النصف فقد ذهب النصف وبقى النصف.

(تاتارخانية ١٧/ ٤٣٠، رقم: ٢٧٧٣٠، شامي زكريا ٩/٦٨ ٤، كراچی ٦/٣٢٤، هنديه جديد زكريا ديوبند ٥/٤ ٣٤، قديم ٥/٢٩٨، هدايه اشرفی ديوبند ٤/٤٣٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۸؍ ذی قعدہ ۱۴۳۴ھ

(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۲۸۹)

کان کٹے جانور کی قربانی

سوال [۱۰۰۲۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بکر نے قربانی کے لیے ایک بکرا خریدا تھا بعد میں پتہ چلا کہ اس کا ایک کان کٹا ہوا ہے تو ایسے بکرے کی قربانی جائز ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: بکر نے جو قربانی کے لیے بکرا خریدا ہے اگر اس کا کان تہائی یا تہائی سے کم کٹا ہوا ہے تو اس کی قربانی جائز ہے اور اگر تہائی سے زیادہ کٹا ہوا ہے تو اس کی قربانی جائز نہیں۔

وفى الجامع: أنه إذا كان ذهب الثلث أو أقل جاز وإن كان أكثر

لایجـوز، والـصـحیـح: أن الثلـث و مادونه قلیل وما زاد علیه کثیر و علیه الفتویٰ کذا فی فتاویٰ قاضیخان. (هـنديه، كتاب الأضحية، الباب الخامس، جديد زكرياه/٣٤٤، قديم، ٥/٢٩٨)

وقـال الـفقیه أبو اللیث رحمه الله تعالیٰ إن کانت الأضحیة مقطوعة الأذن الـواحدة أکثر من الثلث لایجوز فی قول أبی حنیفة رحمه الله تعالیٰ.
(خانيه جديد زكريا ٣/٢٤٨، وعلى هامش الهندية زكريا ٣/٣٥٢)

إن کـان الـمـقـطـو ع أکثـر من الثلث لایجزئه وإن کان الثلث أو أقل یجزئه. (المبسوط، بيروت١٢/١٥-١٦)

ومـقـطـو ع أکثـر الأذن وتحته: واختلف أصحابنا فی الفاصل بین القلیل والـکثیر فعن أبی حنیفة أربع روایات، رویٰ محمد فی الأصل والجامع الصغیر: أن الـمانع ذهاب أکثر من الثلث وعنه أنه الثلث وعنه أنه الربع ...... والأولیٰ هی ظاهـر الـروایة، وصححها فی الخانیة حیث قال: والصحیح أنه الثلث وما دونه قلیل ومازاد علیه کثیر وعلیه الفتویٰ. (شامی زكريا ٩/٤٦٨، كراچی ٦/٣٢٣-٣٢٤)

والـصـحیح أن الثلث ومادونه قلیل ومازاد علیه کثیر وعلیه الفتویٰ.
(خانية، جديد زكريا ٣/٢٤٩، وعلى هامش الهندية زكريا ٣/٣٥٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳/ ذی قعدہ ۱۴۳۴ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۲۹۵)

جس جانور کے دانت نہیں اس کی قربانی

سوال [۱۰۰۲٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: جس جانور کے دانت ہی نہیں ہیں اس کی قربانی درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: مفتی نبیر الدین دیناجپوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس جانور کے دانت نہیں ہیں؛ اگر وہ بغیر دانت کے گھاس چرتا ہے تو درست ہے، اگر چر نہیں سکتا تو قربانی درست نہیں ہے۔

أما الهتماء وهي التي لا أسنان لها، فإن كانت ترعى وتعتلف جازت وإلا فلا. (هنديه، كتاب الأضحية، الباب الخامس، زكريا قديم ٢٩٨/٥، جديد ٣٤٤/٥، التاتارخانية ٤٢٨/١٧، رقم: ٢٧٧٢٢، بدائع الصنائع زكريا ديوبند ٢١٥/٤، تبيين الحقائق امداديه ملتان ٦/٦، زكريا ديوبند ٤٨١/٦، شامي زكريا ٤٦٩/٩، كراچی ٣٢٤/٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۳/ ذی قعدہ ۱۴۳۴ھ

(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۲۹۹)

دم کٹے جانور کی قربانی

سوال [۱۰۰۲۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: خالد نے قربانی کے لیے ایک بکرا خریدا تھا اب بعد میں دیکھا کہ اس کی دم کٹی ہوئی ہے تو اس کی قربانی جائز ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: خالد کے بکرے کی دم ثلث یا ثلث سے کم (تہائی) سے کم کٹی ہوئی ہے تو اس کی قربانی جائز ہے اور اگر تہائی سے زائد کٹی ہوئی ہے تو اس کی قربانی جائز نہیں۔

ولو ذهب بعض هذه الأعضاء دون بعض من الأذن والألية والذنب والعين، ذكر في ''الجامع الصغير'' إن كان الذاهب كثيرا يمنع جواز التضحية، وإن كان يسيرا لايمنع، واختلف أصحابنا بين القليل والكثير فعن أبي حنيفة أربع روايات، والصحيح: أن الثلث ومادونه قليل و مازاد عليه كثير، وعليه الفتوىٰ. (هنديه، كتاب الأضحية، الباب الخامس، زكريا قديم ٢٩٧/٥، جديد ٣٤٤/٥)

ولا مقطوع أكثر الأذن أو العين أى التى ذهب أكثر نور عينها (در مختار) واختلف أصحابنا فى الفاصل بين القليل والكثير فعن أبى حنيفة أربع روايات، والصحيح: أنه الثلث و مادونه قليل وما زاد عليه كثير، وعليه الفتوىٰ. (شامي زكريا ديوبند ٤٦٩/٩، كراچى ٣٢٣/٦)

والصحيح أن الثلث ومادونه قليل ومازاد عليه كثير وعليه الفتوىٰ.

(خانية جديد زكريا ٢٤٩/٣، وعلى هامش الهندية زكريا ٣٥٤/٣)

ولاتجزئ مقطوعة الأذن والذنب ولا التى ذهب أكثر أذنها و ذنبها و إن بقى أكثر الأذن والذنب جاز. (مختصر القدورى، امداديه ديوبند ص: ٢٢٩)

إن كان المقطوع أكثر من الثلث لايجزئه وإن كان الثلث أو أقل يجزئه.

(المبسوط للسرخسى، دار الكتب العلمية بيروت ١٢/١٥-٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۰/ ذی قعدہ ۱۴۳۴ھ

(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۳۰۸)

مذبح تک جاسکنے والے مریض بکرے کی قربانی

سوال [۱۰۰۲۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: قربانی کا بکرا دس بارہ دن سے بیمار ہے، پہلے کے مقابلہ میں آدھا بھی نہیں رہا ہے، دوا کھا رہا ہے، لیکن صحیح نہیں ہوتا لیکن دو چار دن سے چارہ بھی کھانے لگا ہے اور مذبح تک جانے کی اس میں طاقت ہے تو اس کی قربانی درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: عبدالسمیع نجیب آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر مرض کی وجہ سے آدھا بھی نہیں رہا ہے، وہ مرض بین کے دائرے میں داخل ہو چکا ہے، لہٰذا جب تک کہ اس درجہ صحیح نہ ہو جائے کہ دیکھنے

والے اس کی صحت یابی خوب اچھی طرح سمجھ لیں، اس وقت تک قربانی جائز نہیں ہوگی۔

عن البراء بن عازب قال: سمعت رسول الله ﷺ يقول: لايجوز من الضحايا العوراء البين عورها، والعرجاء البين عرجها، والمريضة البين مرضها، والعجفاء التي لاتنقي. (سنن النسائي، الضحايا، باب العجفاء، النسخة الهندية ۲/۱۷۹، دار السلام رقم: ۴۳۷۶، الترمذي، الأضاحي، باب مالا يجوز من الأضاحي، النسخة الهندية ۱/۲۷۵ دار السلام رقم: ۱۴۹۷)

لايجوز في الضحايا أربعة: العوراء البين عورها والعرجاء البين عرجها ...... والمريضة البين مرضها اى التي يبين أثر المرض عليها. (بنايه، كتاب الأضحية، قديم ۴/۱۸۰، جديد اشرفيه ديوبند ۱۲/۳۳-۳۴، تبيين الحقائق امداديه ملتان ۵/۶، زكريا ديوبند ۶/۴۷۹، هنديه زكريا قديم ۵/۲۹۷، جديد ۵/۳۴۳، بدائع الصنائع زكريا ديوبند ۴/۲۱۴) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶/ ذی الحجہ ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۷۷۶)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۴/۱۲/۲۶ھ

تین پیروں سے چلنے والے جانور کی قربانی

سوال [۱۰۰۲۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مرض سرن (جانور کھڑا ہوا ٹھیک معلوم ہوتا ہے لیکن چلانے پر کچھ دور تک لنگ کرتا ہے اور پھر چلنے سے اس میں اتنی گرمی آجاتی ہے کہ لنگ ختم ہوجاتا ہے، اور ٹھیک ہو کر چلتا ہے، اگر پھر وہ چلنے سے رک جائے تو دوبارہ چلنے پر قدرے لنگ محسوس ہوگا اور پھر ٹھیک چلنے لگے گا) والے جانور کی قربانی درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: مطلوب احمد بچھرایوں مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر اس کا وہ پیر زمین پر نہیں رکھا جاتا ہے، صرف تین

پروں سے چلتا ہے تو اس کی قربانی جائز نہیں اور اگر اس پیر کو زمین پر رکھتا ہوا چلتا ہے تو اس کی قربانی جائز ہے، گو چلتے وقت لنگڑاتا ہوا چلتا ہو۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۱/۳۵۲، جدید ڈابھیل ۱۷/۳۷۶)

عن علي رضی الله عنه: أنه سئل عن البقرة؟ فقال: عن سبعة، قال: مكسورة القرن؟ قال: لاتضرک، قال: العرجاء؟ قال: إذا بلغت المنسک. (السنن الكبرىٰ للبيهقی، دار الفكر بيروت ١٤/ ٢٠٠، رقم: ١٩٦٤٠، سنن الترمذی، الأضاحی، النسخة الهندية ١/ ٢٧٦، دار السلام رقم: ١٥٣٩)

العرجاء: التی لا تمشی إلى المنسک أی التی لايمكنها المشی برجلها العرجاء، إنما تمشی بثلاث قوائم حتی لو كانت تضع الرابعة على الأرض وتستعين بها جاز. (شامی، كتاب الأضحية، كراچی ٦/ ٣٢٣، زكريا ٩/ ٤٦٨، تاتارخانية زكريا ١٧/ ٤٢٦، رقم: ٢٧٧١٦، هنديه زكريا قديم ٥/ ٩٢٧، جديد ٣٤٣١) **فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹/ ربیع الاول ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۴۱۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۶/۳/۱۹ھ

بدکنے والے جانور کی ٹانگ کاٹ دی کیا اس کی قربانی درست ہے؟

سوال [۱۰۰۳۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک جانور کو قربان گاہ میں گرانے کے لیے باندھا گیا، وہ بدک گیا، کسی طرح قابو میں نہیں آیا اور بھاگتے ہوئے قصائی نے "بسم اللہ" پڑھ کر اس کی ٹانگ کاٹ دی، اسی میں وہ دور جا کر گر گیا، ابھی لوگ وہاں تک پہنچ نہیں پائے تھے کہ اس کی روح نکل گئی، ذبح اختیاری نہیں ہوسکا، اس کی قربانی درست ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جب جانور قربان گاہ سے بدک کر بھاگ گیا، بھاگتے وقت قصاب نے قربانی کی نیت سے بے قابو جانور کی ٹانگ پر بسم اللہ پڑھ کر چھری

ماری جس سے اس کی ٹانگ کٹ گئی تو اس ذبح اضطراری میں اس کی قربانی بھی درست ہے۔
(مستفاد: کفایت المفتی ۸/۲۵۳، جدید زکریا مطول ۱۱/ ۲۲۶)

عن رافع قال: كنا مع النبي ﷺ في سفر فند بعير من الإبل قال: فرماه رجل بسهم فحبسه قال: ثم قال: إن لها أوابد كأوابد الوحش فما غلبكم منها،فاصنعوا به هكذا. (صحيح البخاري، الذبائح، باب إذا ند بعير لقوم، ٢/٨٣٢، رقم: ٥٣٢٩، ف: ٥٥٤٤، صحيح مسلم، الأضاحي، باب جواز الذبح بكل ما نهر الدم، النسخة الهندية ٢/١٥٦ بيت الأفكار رقم: ١٩٦٨، سنن الترمذي، الصيد، باب بلا ترجمة، النسخة الهندية ١/٢٧٥ دار السلام رقم ١٥٢٤)

شاة ندت و توحشت فرماها صاحبها و نوى الأضحية فأصابها أجزأه عن الأضحية. (التاتارخانية زكريا ١٧/٤٥٨، رقم: ٢٧٨١٩)

إذا ندت أو وقع منها شيئ في بئر فلم يقدر على نحره فإنه يطعنه في أي موضع قدر عليه فيحل أكله. (الجوهرة النيرة، كتاب الصيد والذبائح، امداديه ملتان ٢/٢٧٨، دار الكتاب ديوبند ٢/٢٦٤)

جاز جرح نعم مثل الغنم والإبل والبقر توحش بأن ند عن أهله و دخل في البادية وصار وحشيا لا الذكاة الاختيارية تعذرت فيذكى بالجرح في بدنه حيث اتفق. (مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ٤/ ١٦٠، المحيط البرهاني، كوئٹہ ٦/٤٥٢، المجلس العلمي بيروت ٨/٤٨١، رقم: ١٠٨٥٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰/ ذی قعدہ ۱۴۳۴ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۳۰۰)

اسکوٹر سے ٹکر کھا کر جانور کی ایک ٹانگ ٹوٹ گئی تو کیا کریں؟

سوال [۱۰۰۳۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: زید نے قربانی کے لیے ایک بکرا خریدا، اتفاق سے کسی کے اسکوٹر سے ٹکر کھا کر اس کی ایک ٹانگ ٹوٹ گئی اب اس کی قربانی کا کیا حکم ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: زید کے بکرے کی ٹانگ اگر حادثہ میں اس قدر ٹوٹ گئی کہ بکرا صرف تین ٹانگوں سے چلتا ہے اور چوتھا پیر زمین پر رکھ ہی نہیں سکتا تو ایسے بکرے کی قربانی درست نہیں ہے اور اگر چوتھے پیر کو زمین پر رکھ کر لنگڑا کر چل سکتا ہو تو اس کی قربانی درست ہے۔

إذا كانت تمشي بثلاث قوائم وتجافي الرابع عن الأرض لايجوز وإذا كانت تضع الرابع على الأرض تستعين بها، إلا أنه تتمايل مع ذٰلک وتضعه وضعا خفيفا يجوز وأما إذا كانت ترفع أو تحمل المنكسر لايجوز. (تاتارخانية زكريا ۱۷/۴۲٦، رقم: ۲۷۷۱۷)

العرجاء التي تمشي بثلاث قوائم ولا تضع الرابعة على الأرض لا وإن كانت تضعها وضعا ضعيفا إلا أنها تتمايل مع ذٰلک يجوز. (بزازيه، كتاب الأضحية، الفصل الخامس في عيوبها، جديد زكريا ۳/۱۵۹، وعلى هامش الهندية زكريا ٦/۲۹۳)

والعرجاء التي لايمكنها المشي برجلها العرجاء إنما تمشي بثلاث قوائم حتى لو تضع الرابعة على الأرض وتستعين بها جازت. (شامی، زكريا ۹/٤٦٧، كراچی ٦/۳۲۳)

ولايجوز العرجاء التي لا تقدر على القيام والمشي إلى المذبح وإن قدرت جاز. (خانية جديد زكريا ۳/۲٤۹، وعلى هامش الهندية زكريا ۳/۳۵۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲ر ذی قعدہ ۱۴۳۴ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۳۲۷)

جانور قربانی کے لیے گراتے وقت ٹانگ ٹوٹ کر عیب دار ہو گیا

سوال [۱۰۰۳۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہم نے سنا ہے کہ عیب دار جانور کی قربانی جائز نہیں ہے تو سوال یہ ہے کہ ایک

جانورکوقربانی کے لیے باندھ کرگرایا جارہا تھا اسی میں اس نے خوب اچھل کود کی، جس سے اس کی ٹانگ ٹوٹ گئی، جس سے وہ پیرزمین پر رکھ نہیں سکتا، اور یہ عیب گرانے کے دوران پیدا ہوا ہے تو اس کی قربانی جائز ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: قربانی کے لیے گراتے وقت اگر جانور میں کوئی عیب پیدا ہوا ہو تو یہ عیب صحت قربانی کے لیے مانع نہیں ہے، لہٰذا جس جانور کی ٹانگ گراتے وقت ٹوٹی ہے اس کی قربانی بلا شبہ جائز ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ڈابھیل ۱۷/ ۳۸۷، میرٹھ ۲۶/ ۲۹۲)

عن أبی سعید الخدری قال: اشتریت شاة لأضحی بها، فخرجت فأخذ الذئب إلیتها، فسألت النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال: ضح بها. (السنن الکبریٰ للبیهقی، دار الفکر بیروت ۱۴/ ۲۳۰، رقم: ۱۹۷۳۰)

وإن أصابها شیئ من العیوب فی اضطرابها حین أضجعها للذبح، وذبحها علی مکانها جاز استحسانا وإذا انفلتت ثم أخذت وذبحت روی عن أبی یوسف فی غیر روایة الأصول إن أخذت من فور ذٰلک جاز وإلا فلا، وعن محمد أنه تجوز فی الحالین وعلیه الفتویٰ. (التاتارخانیة ۱۷/ ۴۳۲، رقم: ۲۷۷۳۷، المحیط البرهانی، مکتبه رشیدیه کوئٹه ۶/ ۴۷۹، المجلس العلمی بیروت ۸/ ۴۶۷، رقم: ۱۰۸۱۹)

ولو قدم أضحیة لیذبحها فاضطربت فی المکان الذی یذبحها فیه فانکسرت رجلها ثم ذبحها علی مکانها أجزأه. (بدائع الصنائع زکریا ۴/ ۲۱۶)

ولایضر تعیبها من اضطرابها عند الذبح. (شامی کراچی ۶/ ۳۲۵، زکریا ۹/ ۴۷۱)

ولایضر تعیبها من اضطرابها عند الذبح، وفی الهدایة ولو اضجعها فاضطربت فانکسر رجلها فذبحها أجزأ استحسانا عندنا خلافا لزفر والشافعی لأن حالة الذبح ومقدماته ملحق بالذبح فکأنه حصل به اعتبارا أو حکما. (مجمع الأنهر مکتبه فقیه الأمت دیوبند ۴/ ۱۷۲، هدایه، الأمین کتابستان ۴/ ۴۴۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۳/ ذی الحجہ ۱۴۳۴ھ

(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۳۳۴)

جس جانور کو کتے نے کاٹ لیا ہو اس کی قربانی

سوال [۱۰۰۳۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: قربانی کے ایک جانور کو کتے نے کاٹ لیا ہے اس کی قربانی ہوسکتی ہے یا نہیں؟ کتا زہریلا نہیں ہے، کئی آدمیوں کو کاٹ چکا ہے۔

المستفتی: حفیظ اللہ مدرسہ اصلاح المسلمین مہراج گنج

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کتے کے کاٹنے کی وجہ سے اس کا زخم نمایاں نہ ہو تو اس کی قربانی بلا کراہت جائز ہے، قرآن کریم میں شکاری کتے کے کاٹے ہوئے جانور کو کھانے کی اجازت دی گئی ہے۔

﴿وَمَا عَلَّمْتُمْ مِنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِيْنَ تُعَلِّمُوْنَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ فَكُلُوْا مِمَّا اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ. [المائدة: ٤]﴾ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱ر شوال المکرّم ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۵۸۹۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/۱۰/۲۱ھ

جس جانور کے کولہے گراتے وقت اتر گئے اس کی قربانی

سوال [۱۰۰۳۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: گرانے کے دوران ایک جانور کے کولہے اتر گئے وہ جانور عیب دار شمار ہوگا یا نہیں؟ اور اس کی قربانی کا کیا حکم ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قربانی کے لیے گراتے وقت اگر جانور میں کوئی عیب

پیدا ہو جائے تو اس سے قربانی پر کوئی فرق نہیں پڑتا، لہٰذا گراتے ہوئے جس جانور کے کولہے اتر گئے، اس کی قربانی جائز ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ڈابھیل ۱۷/۳۸۷، محمودیہ میرٹھ ۲۶/۲۹۲)

عن أبی سعید الخدری قال: اشتریت شاة لأضحی بها، فخرجت فأخذ الذئب إلیتها، فسألت النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال: ضح بها. (السنن الکبریٰ للبیهقی، دار الفکر بیروت ١٤/ ٢٣٠، رقم: ١٩٧٣٠)

وإن أصابها شیئ من العیوب فی اضطرابها حین أضجعها للذبح، وذبحها علی مکانها جاز استحسانا وإذا انفلتت ثم أخذت وذبحت روی عن أبی یوسف فی غیر روایة الأصول إن أخذت من فور ذٰلک جاز وإلا فلا، وعن محمد أنه تجوز فی الحالین وعلیه الفتویٰ. (التاتارخانیة ١٧/٤٣٢ رقم: ٢٧٧٣٧، المحیط البرهانی، مکتبه رشیدیه کوئٹه ٦/٤٧٩، المجلس العلمی بیروت ٨/٤٦٧، رقم: ١٠٨١٩)

ولو قدم أضحیة لیذبحها فاضطربت فی المکان الذی یذبحها فیه فانکسرت رجلها ثم ذبحها علی مکانها أجزأه. (بدائع الصنائع زکریا ٤/٢١٧)

ولایضر تعیبها من اضطرابها عند الذبح. (شامی کراچی ٦/٣٢٥، زکریا ٩/٤٧١)

ولایضر تعیبها من اضطرابها عند الذبح، وفی الهدایة ولو اضجعها فاضطربت فانکسر رجلها فذبحها أجزأ استحسانا عندنا خلافا لزفر والشافعی لأن حالة الذبح و مقدماته ملحق بالذبح فکأنه حصل به اعتبارا أو حکما. (مجمع الأنهر، مکتبه فقیه الأمت دیوبند ٤/١٧٢، هدایه، الأمین کتابستان ٤/٤٤٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲ / ذی الحجہ ۱۴۳۴ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۳۴۵)

ایک خصیہ والے بکرے کی قربانی کا حکم

سوال [۱۰۰۳۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: ایک بکرے کا پیدائشی ایک خصیہ ہے اور ایک نہیں ہے تو اس کی قربانی کا کیا حکم ہے؟

المستفتي: ممتاز احمد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایسا بکرا جس کا پیدائشی ایک خصیہ نہ ہو تو اس کی قربانی درست ہے، نیز یہ بات ہے کہ اس کا جو ایک خصیہ موجود ہے اس کو بھی نکال دیا جائے تو قربانی کا گوشت اور اچھا ہو جائے گا۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ میرٹھ ۲۶/۳۰۱)

عن جابر بن عبد الله قال: ذبح النبي ﷺ يوم الذبح كبشين أقرنين أملحين موجئين. (أبو داؤد، الضحايا، باب ما يستحب من الضحايا، النسخة الهندية ٢/٣٨٦ دار السلام رقم: ٢٧٩٥)

ويضحى بالجماء والخصي. (شامي، كتاب الأضحية، زكريا ٩/٤٦٧ كراچی ٦/٣٢٦، البحر الرائق كوئٹه ٨/١٧٦، زكريا ٨/٣٢٣، تاتارخانية ١٧/٤٢٦، رقم: ٢٧٧١٥)

والخصي أفضل من الفحل لأنه أطيب لحما. (هنديه زكريا قديم ٥/٣٩٩، جديد ٥/٣٤٥، تاتارخانية زكريا ١٧/٤٣٤، رقم: ٢٧٧٤٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳ محرم الحرام ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۴۱۱/۴۰)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵/۱/۲۵ھ

جس جانور کا خصیہ پیدائشی طور پر نہ ہو اس کی قربانی

سوال [۱۰۰۳۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: جس بکرے کا خصیہ پیدائشی طور پر نہ ہو تو اس کی قربانی جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ اس کا پورا بدن صحیح سالم اور تندرست ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس بکرے کا خصیہ پیدائشی طور پر نہ ہو تو اس کی

قربانی جائز ہے اور وہ خصی کے حکم میں ہے۔

عن جابر بن عبد الله قال: ذبح النبی ﷺ یوم الذبح کبشین أقرنین أملحین موجئین. (أبو داؤد، الضحایا، باب ما یستحب من الضحایا، النسخة الهندیة ۳۸٦/۲ دار السلام رقم: ۲۷۹۵)

ویضحی بالجماء والخصی. (شامی، کتاب الأضحیة، زکریا ٤٦٧/۹ کراچی ۳۲٦/٦، البحر الرائق کوئٹه ۱۷٦/۸، زکریا ۳۲۳/۸، تاتارخانیة ٤۲٦/۱۷، رقم: ۲۷۷۱۵)

والخصی أفضل من الفحل لأنه أطیب لحما. (هندیه، کتاب الأضحیة، الباب الخامس، زکریا قدیم ۳۹۹/٥، جدید ۳٤٥/٥، تاتارخانیة زکریا ٤۳٤/۱۷، رقم: ۲۷۷٤۳)

وعندهم أیضا سواء کان فوات الجزء خلقة أو کان طاریا بقطع فجائز. (الموسوعة الفقهیة ۱۲٥/۱۹)

تجوز الجماء والخصی. (تبیین الحقائق زکریا ٤۷۹/٦، امدادیه ملتان ٥/٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲/ ذی الحجہ ۱۴۳۴ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۳۳۰)

جس بکرے کا عضو تناسل ایک دوانچ پیچھے ہو اس کی قربانی کا حکم

سوال [۱۰۰۳۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) بکرے کے عضو تناسل کی سپاری سے ایک دوانچ قبل سوراخ ہو پیدائشی طور پر اور پیشاب کرتے وقت اس سوراخ سے بھی پیشاب کے قطرے گرتے ہیں اس صورت میں اس بکرے کی قربانی کا کیا حکم ہے؟

(۲) عضو تناسل اپنی عام جگہ سے ایک دوانچ پیچھے ہو تو ایسے بکرے کی قربانی کی جا سکتی ہے؟

المستفتی: ممتاز احمد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: (۱-۲) جس بکرے کے عضوِتناسل کی سپاری سے ایک دوانچ قبل پیدائشی طور پر سوراخ ہو یا عضوِتناسل اپنی عام جگہ سے ایک دوانچ پیچھے ہو تو بھی اس کی قربانی درست ہے، کیونکہ اس کی وجہ سے نہ تو جانور کی منفعت پر اثر پڑتا ہے اور نہ ہی خوبصورتی متأثر ہوتی ہے۔

كل عيب يزيل المنفعة على الكمال أو الجمال على الكمال يمنع الأضحية ومالايكون بهذه الصفة لايمنع. (هنديه، كتاب الأضحية، الباب الخامس، زكريا قديم ٥/٢٩٩، جديد ٥/٣٤٥، حاشية چلبي على تبيين الحقائق امداديه ملتان ٦/٦، زكريا ديوبند ٦/٤٨٢، تاتارخانية زكريا ديوبند ١٧/٤٣١، رقم: ٢٧٧٣٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
۲۳؍محرم الحرام ۱۴۳۵ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۴۱۱)	۲۵/۱/۱۴۳۵ھ

جس جانور کے پیدائشی طور پر سینگ نہ ہو اس کی قربانی

سوال [۱۰۰۳۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: جس جانور کے سینگ قدرتی طور پر نہیں ہے اس کی قربانی جائز ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جس جانور کے پیدائشی طور پر سینگ نہ ہوں اس کی قربانی درست ہے۔

عن علي قال: البقرة عن سبعة قلت: فإن ولدت؟ قال: إذبح ولدها معها، قلت: فالعرجاء، قال: إذا بلغت المنسك، قلت: فمكسورة القرن، قال: لابأس، أمرنا رسول الله صلى الله عليه وسلم أن نستشرف العينين والأذنين. (سنن الترمذي، الأضاحي، باب في الضحية بعضباء القرن والأذن، النسخة الهندية ١/٢٧٦، دار السلام رقم: ١٥٠٣)

ویضحی بالجماء هی التی لا قرن لها خلقة. (شامی کتاب الأضحية کراچی ۳۲۳/٦، زکریا ٤٦٧/٩، هندیه زکریا قدیم ۲۹۷/٥، جدید ۳٤۳/٥، مجمع الأنهر دار الکتب العلمية بیروت ۱۷۱/٤، تاتارخانية زکریا ٤۲٦/۱۷، رقم: ۲۷۷۱٥، بدائع الصنائع زکریا دیوبند ۲۱٦/٤، فتاویٰ سراجية اتحاد دیوبند ص: ۳۸٥، تبیین الحقائق امدادیه ملتان ٥/٦، زکریا دیوبند ٤۷۹/٦، المحیط البرهانی کوئٹه ٤۷۸/٦، المجلس العلمی بیروت ٤٦٦/۸، رقم: ۱۰۸۱٤، فتح القدیر زکریا دیوبند ٥۲۹/۹، کوئٹه ٤۳٤/۸، دار الفکر بیروت ٥۱٥/۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰؍ ذی الحجہ ۱۴۳۴ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۱۱۳۱۰/۴۰)

سینگ ٹوٹے جانور کی قربانی

سوال [۱۰۰۳۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ماجد نے ایک بکرا خریدا ہے لیکن بعد میں کسی چیز سے ٹکرا کر اس کا سینگ ٹوٹ گیا تو اس بکرے کی قربانی جائز ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ماجد کے بکرے کے سینگ کا کچھ حصہ اوپر سے ٹوٹ گیا یا اس کا خول اتر گیا تو اس کی قربانی درست ہے، لیکن اگر اس کا سینگ جڑ سے ٹوٹا، بعد میں اس کا اثر دماغ تک پہنچ گیا تو پھر اس کی قربانی درست نہ ہوگی۔ (مستفاد: آپ کے مسائل اوران کا حل ۴۳۹/۵)

عن علی قال: البقرة عن سبعة قلت: فإن ولدت؟ قال: إذبح ولدها معها، قلت: فالعرجاء، قال: إذا بلغت المنسک، قلت: فمکسورة القرن، قال: لابأس، أمرنا رسول اللهﷺ أن نستشرف العینین والأذنین. (سنن الترمذی، الأضاحی، باب فی الضحية بعضباء القرن والأذن، النسخة الهندية ۲۷٦/۱، دار السلام رقم: ۱٥۰۳)

ویجوز أن یضحی بالجماء التی لا قرن لها خلقة وتسمی الجلجا أیضا، وکذٰلک القصما وهو التی انکسر غلاف قرنها. (الجوهرة النیرة امدادیه ملتان ۲/۲۸۵، دار الکتاب دیو بند۲/ ۲۷۰)

ویضحی بالجماء التی لا قرن لها خلقة وکذا العظماء التی ذهب بعض قرنها بالکسر أو غیره فإن بلغ الکسر إلی المخ لم یجز. (شامی، کتاب الأضحیة، زکریا ۹/۴۶۷، کراچی ۶/۳۲۳، مجمع الأنهر، دار الکتب العلمیة بیروت ۴/۱۷۱، بدائع الصنائع زکریا ۴/۲۱۶، هندیه زکریا قدیم ۵/۲۹۷، جدید ۵/۳۴۳، تبیین الحقائق، امدادیه ملتان ۶/۵، زکریا دیوبند ۶/۴۷۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳/ ذی قعدہ ۱۴۳۴ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۳۱۳)

خول اترے ہوئے جانور کی قربانی کا حکم

سوال [۱۰۰۴۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کے بکرے کے سینگ کا خول اتر گیا ہے اس صورت میں ایسے جانور کی قربانی درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: عبد المنان بروالان مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جس بکرے کے سینگ کا خول اتر گیا ہو اس کی قربانی جائز ہے، بشرطیکہ خول کے اندر کا حصہ صحیح و سالم موجود ہو۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ قدیم ۶/۱۶۱، جدید زکریا ۱۰/۵۱)

ویجوز أن یضحی بالجماء وهو التی لا قرن لها خلقة وتسمی الجلحا أیضا وکذٰلک القصما وهو التی انکسر غلاف قرنها. (الجوهرة

النیرة، کتاب الأضحیة، امدادیه ملتان ۲/ ۲۸۵، دار الکتاب دیوبند ۲/ ۲۷۰، الموسوعة الفقهیة الکویتیة ۱۵/ ۲۹۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍ ربیع الاول ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۹۷۶)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۵/ ۳/ ۱۴۲۴ھ

جس جانور کے سینگ کیمیکل کی بناپر اندر ہی رہ گئے ہوں اس کی قربانی

سوال [۱۰۰۴۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بہت سی جگہ جرسی گائے سے بچہ پیدا ہونے کے بیس پچیس دن کے بعد بچہ کے سینگ میں کیمیکل ڈال دیتے ہیں، جس کی وجہ سے سینگ اندر ہی رہ جاتے ہیں اوپر کو نہیں آتے یہ صرف جانور کو خوبصورت دکھنے کی وجہ سے کرتے ہیں، کیا ایسے جانور کی قربانی جائز ہے؟ جبکہ انسانی فعل کا اس میں دخل ہے، نیز ایسا کرنا گناہ ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد جسیم الدین بروالان مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جن جانوروں کے سینگ سرے سے نکلے ہی نہ ہوں، خواہ پیدائشی طور پر ہو یا کیمیکل وغیرہ کے ذریعہ نکلنے سے روک دیئے گئے ہوں تو اس کی قربانی بلاشبہ جائز ہے اور ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، جبکہ جانور کے اندر اس کی وجہ سے تندرستی اور حسن زیادہ آنے کی امید ہو۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۷/ ۲۶۱، جدید ڈابھیل ۱۷/ ۳۸۳)

ویضحی بالجماء هی التی لا قرن لها خلقة. (شامی، کتاب الأضحیة، کراچی ۶/ ۳۲۳، زکریا ۹/ ۴۶۷)

والجماء هی التی لا قرن لها خلقة وکذا مکسورة القرن تجزئ.

(بدائع الصنائع زکریا ۴/ ۲۱۶، عالمگیری زکریا قدیم ۵/ ۲۹۷، جدید ۵/ ۳۴۳، مجمع الأنهر، دار الکتب العلمیة بیروت ۴/ ۱۷۱، تبیین الحقائق امدادیه ملتان ۶/ ۵، زکریا

۴۷۹/۶، تاتارخانیة زکریا ۱۷/ ۴۲۶، رقم: ۲۷۷۱۵) **فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
۱۰؍ جمادی الثانیہ ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۸۴۹/۳۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۶/۱۰ھ

سینگ نیچے لٹکے ہوئے اور ہلنے والے جانور کی قربانی

سوال [۱۰۰۴۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: جس بیل کے سینگ نیچے لٹکے ہوئے ہوں اور ہلتے بھی ہوں (جس کو ہمارے یہاں ہونڈ کا کہتے ہیں) ایسے بیل کی قربانی درست ہے کہ نہیں؟

المستفتی: عبد السلام پورنوی، مہاراشٹر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سینگ کا ہلنا اور نیچے لٹک جانا ایسا عیب فاحش نہیں ہے کہ جس کی وجہ سے قربانی میں خرابی آسکے، لہٰذا مذکورہ بیل کی قربانی شرعاً درست ہوگی۔

كل عيب يزيل المنفعة على الكمال أو الجمال على الكمال يمنع الأضحية ومالايكون بهذه الصفة لايمنع. (هنديه، كتاب الأضحية، الباب الخامس، زكريا قديم ۵/ ۲۹۹، جديد ۵/ ۳۴۵، حاشية چلبي على تبيين الحقائق امداديه ملتان ۶/ ۶، زكريا ديوبند ۶/ ۴۸۲، تاتارخانية زكريا ديوبند ۱۷/ ۴۳۱ رقم: ۲۷۷۳۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍ ذی الحجہ ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴۹۰/۲۷)

قدرتی طور پر ایک تھن والی بکری کی قربانی

سوال [۱۰۰۴۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: ایک بکری کے قدرتی طور پر صرف ایک ہی تھن ہے، اس سے خوب دودھ نکلتا ہے، اس کی قربانی جائز ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس بکری کے پیدائشی طور پر ایک ہی تھن ہو یا کسی آفت سے ایک تھن ضائع ہوگیا، اس کی قربانی جائز نہیں۔

عن ابن عباس قال: قال رسول الله ﷺ: لاتجوز في النذر العوراء والعجفاء، والجرباء، والمصطلمة أطباؤها كلها. (المستدرك للحاكم، مكتبه نزار مصطفىٰ الباز بيروت ٢٦٨٩/٧، رقم: ٧٥٣٧)

ونقل الهيثمي هذا الحديث، وفسر المصطلمة اطباؤها أي المقطوعة ضروعها. (مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ١٩/٤)

وفي الشاة والمعز إذا لم تكن لهما إحدى حلمتيها خلقة أو ذهبت بآفة وبقيت واحدة لم تجز. (هنديه، كتاب الأضحية، الباب الخامس، زكريا قديم ٢٩٩/٥، جديد ٣٤٥/٥، شامي زكريا ٤٧٠/٩، كراچی ٣٢٥/٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵/ ذیقعدہ ۱۴۳۴ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۳۱۹)

گائے یا بھینس کے چار تھنوں میں سے دو نہ ہوں تو اس کی قربانی

سوال [۱۰۰۴۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: گائے یا بھینس کے چار تھنوں میں سے دو تھن ہیں، اور دو نہیں ہیں، تو اس کی قربانی درست ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: گائے یا بھینس کے چار تھنوں میں سے دو ہوں

اور دونہ ہوں خواہ پیدائشی طور پر ہی غائب ہوں، یا کسی آفت کی وجہ سے غائب ہو گئے ہوں یا خشک ہو گئے ہوں، تو اس کی قربانی جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: محمودیہ میرٹھ ۲۶/ ۳۰۱، محمودیہ ڈابھیل ۳۸۱/۱۷، کتاب المسائل ۲/ ۳۱۹)

عن ابن عباس قال: قال رسول الله ﷺ: لاتجوز فی النذر العوراء والعجفاء، والجرباء، والمصطلمة اطباؤها كلها. (المستدرك للحاكم، مكتبه نزار مصطفىٰ الباز بيروت ۷/ ۲۶۸۹، رقم: ۷۵۳۷)

ونقل الهيثمى هذا الحديث، وفسر المصطلمة اطباؤها أى المقطوعة ضروعها. (مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ٤/ ١٩)

وفى الإبل والبقر إن ذهبت واحدة تجوز، وإن ذهبت اثنتان لاتجوز كذا فى الخلاصة. (هنديه، كتاب الأضحية، الباب الخامس، زكريا قديم ٥/ ٢٩٩، جديد ٥/ ٣٤٥)

والشطور لايجزئ: وهى من الإبل والبقر إذا انقطع اللبن من ضرعيها. (تاتارخانية ١٧/ ٤٣٠، رقم: ٢٧٧٣١، شامى كراچى ٦/ ٣٢٥، زكريا ٩/ ٤٧٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍ ذی قعدہ ۱۴۳۴ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۳۱۷)

دوتھن والی گائے کی قربانی

سوال [۱۰۰۴۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کسی گائے یا بھینس کے پیدائشی دوتھن ہوں تو اس کی قربانی درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد مقصود ٹانڈہ رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر کسی گائے، بھینس کے پیدائشی طور پر دوتھن ہوں اس کی قربانی درست نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۷/ ۲۴۹، جدید ڈابھیل ۱۷/ ۳۸۰)

وفی الشاة والمعز إذا لم تكن لهما إحدى حلمتيها خلقة أو ذهبت بآفة وبقيت واحدة لم تجز، وفی الإبل والبقر إن ذهبت واحدة تجوز وإن ذهبت اثنتان لاتجوز، كذا فی الخلاصة. (هنديه، كتاب الأضحية، الباب الخامس، زكريا قديم ۵/۲۹۸، جديد ۵/۳۴۵، شامی زكريا ۹/۴۷۰، كراچی ۶/۳۲۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍محرم الحرام ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/۷۴۱۰)

دوتھن والی بھینس کی قربانی

سوال [۱۰۰۴۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے یہاں ایک بھینس قربانی کے لیے خریدی گئی جس کے پیدائشی صرف دولر (تھن) ہیں اور قصاب یہ کہتا ہے اس کی ماں کو بھی دولر تھے، کیا اس کی قربانی درست ہے، جبکہ ہمارے یہاں کے مفتی صاحب نے اس بھینس کی قربانی کے جواز کا فتویٰ دیا اور اس بھینس کی قربانی کی گئی اور انہوں نے شامی کے کسی جزئیہ سے جواز کی صورت نکالی ہے، جبکہ فتاویٰ محمودیہ اور دیگر اردو فتاویٰ میں عدم جواز کا قول منقول ہے، اگر دولر والی بھینس کی قربانی درست ہے تو مدلل وضاحت فرمائیں؟

المستفتی: ابوالہاشم ادروی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس بھینس کے چار تھنوں میں سے دوتھن پیدائشی ہوں، یا بعد میں دو کسی آفت کی وجہ سے بالکل جڑ سے ختم ہو گئے ہوں، اور صرف دو باقی ہوں، تو اس بھینس کی قربانی جائز نہیں ہے، ہاں البتہ اگر صرف ایک تھن ضائع ہوا ہو اور تین باقی ہوں، تو اس کی قربانی جائز ہے، اور مفتی صاحب نے شامی کے حوالہ سے جو مسئلہ بتایا ہے، بہتر ہے کہ وہ شامی کی عبارت پر دوبارہ غور کرلیں۔

وفی الشاة والمعز إذا لم تكن لهما إحدى حلمتيها خلقة أو ذهبت بآفة وبقيت واحدة لم تجز، وفی الإبل والبقر إن ذهبت واحدة تجوز أو اثنتان لاتجوز. (هنديه، كتاب الأضحية، الباب الخامس، زكريا قديم ٥/٢٩٩، جديد ٥/٣٤٥، شامی زكريا ٩/٤٧٠، كراچی ٦/٣٢٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰ محرم الحرام ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/۷۰۲۱)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۱/۱۰ھ

تین تھن والے جانور کی قربانی

سوال [۱۰۰۴۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک گائے کے تین تھن ہیں تو اس کی قربانی درست ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: گائے کے چار تھنوں میں سے ایک غائب ہو اور بقیہ تین صحیح سالم ہوں تو ایسی گائے کی قربانی درست ہے۔ (مستفاد: محمودیہ ڈابھیل ۱۷/۳۸۱، میرٹھ ۲۶/۳۰۱، کفایت المفتی جدید ۸/۱۸۹، جدید مطول ۱۲/۹۰)

وفی الإبل والبقر إن ذهبت واحدة تجوز، وإن ذهبت اثنتان لاتجوز كذا فی الخلاصة. (هنديه، كتاب الأضحية، الباب الخامس، زكريا قديم ٥/٢٩٩، جديد ٥/٣٤٥)

والشطور لايجزئ: وهی من الإبل والبقر إذا انقطع اللبن من ضرعيها. (تاتارخانية ١٧/٤٣٠، رقم: ٢٧٧٣١، شامی كراچی ٦/٣٢٥، زكريا ٩/٤٧٠)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳ر ذی قعدہ ۱۴۳۴ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۳۱۸)

گائے یا بھینس کے دو تھنوں سے دودھ نہیں نکلتا تو اس کی قربانی

سوال [۱۰۰۴۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: گائے یا بھینس کے چار تھنوں میں سے دو سے دودھ نکلتا ہے اور دو سے نہیں نکلتا تو اس کی قربانی جائز ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: گائے یا بھینس کے چار تھنوں میں سے دو سے دودھ نکلتا ہے اور دو خشک ہوں جن سے دودھ نہ نکلتا ہو تو ایسی گائے اور بھینس کی قربانی جائز نہیں ہے۔

والشطور لایجزئ: ......ومن الإبل والبقر إذ انقطع اللبن من ضرعها. (تاتارخانية ۱۷/ ۴۳۰، رقم: ۲۷۷۳۱)

ولا الجداء: وهي التي يبس ضرعها. (تبيين الحقائق، كتاب الأضحية، امداديه ملتان ۶/ ۶، زكريا ديوبند ۶/ ۴۸۲)

والجذاء مقطوعة رؤوس ضرعها أو يابستها. (شامي كراچى ۶/ ۳۲۴، زكريا ۹/ ۴۶۹)

وفي الإبل والبقر إن ذهبت واحدة تجوز، وإن ذهبت اثنتان لاتجوز كذا في الخلاصة. (هنديه، كتاب الأضحية، الباب الخامس، زكريا قديم ۵/ ۲۹۹، جديد ۵/ ۳۴۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳/ ذیقعدہ ۱۴۳۴ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۳۱۹)

ایک تھن سوکھے ہوئے بکری کی قربانی

سوال [۱۰۰۴۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: ایک بکری کا ایک تھن درست ہے، دوسرا سوکھا ہوا ہے، تھن تو ہے لیکن اس سے دودھ نہیں نکلتا، اس کی قربانی کا کیا حکم ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس بکری کا ایک تھن خشک ہوگیا ہے اور اس سے دودھ نہیں نکلتا، تو اس کی قربانی درست نہیں ہے۔

ولا الجداء: وهي التي يبس ضرعها. (هنديه، كتاب الأضحية، الباب الخامس، زكريا قديم ٥/٢٩٨، جديد ٥/٣٤٤، تبيين الحقائق، كتاب الأضحية، امداديه ملتان ٦/٦، زكريا ديوبند ٦/٤٨٢)

والشطور لايجزئ: وهي من الشاة ما قطع اللبن عن إحدى ضرعها. (تاتارخانية ١٧/٤٣٠، رقم: ٢٧٧٣١، شامی زكريا ٩/٤٧٠، كراچی ٦/٣٢٥) **فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
۱۸/ ذی قعدہ ۱۴۳۴ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۱۱۳۰۴/۴۰)

۸ باب فی مصرف جلد الأضحیة

چرم قربانی

سوال [۱۰۰۵۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (الف) چرم قربانی کی رقم سے مدرس کی تنخواہ دینا حرام ہے، ایک صاحب فرماتے ہیں، جبکہ آپ کی کتاب میں ہے کہ خود صاحب نصاب یعنی قربانی کرنے والا خود بھی کھال استعمال کرسکتا ہے، اور صاحب نصاب نے بعینہٖ کھال مدرس کو دیدی تو پھر کھال کا مالک صاحب مدرسہ کو دیدے پھر فروخت کرکے مدرس تنخواہ میں لگاتا ہے یا دوسرے مدرسہ کے بیت المال سے مہتمم دیدیں، حضرت سے معلوم کرنا یہ ہے کہ مدرس کو تو دوہرا اجر ملنا چاہیے، جبکہ یہاں حرام قرار دیا جارہا ہے، اگر حرام ہے تو تفصیل سے تحریر کریں، اور منع ہے تو کس درجہ کی ممانعت ہے؟

(ب) چرم قربانی کی رقم تملیک کرکے دیگر دینی کاموں میں لگاسکتے ہیں یا نہیں؟ جیسے مدرس کی تنخواہ میں یا قبرستان کی یا مسجد کی تعمیر میں دے سکتے ہیں؟

المستفتی: محمد فرمود کٹگھر مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: چرم قربانی سے خود قربانی کرنے والے کے لیے استعمال کرکے فائدہ اٹھانا جائز ہے، اور یہ بھی جائز ہے کہ بعینہٖ قربانی کے جانور کی کھال کسی کو ہبہ کردے، چاہے مالدار ہو یا غریب، لیکن جب مالک اس کو فروخت کردے گا یا مالک کی طرف سے صراحتاً یا دلالۃً وکیل بن کرکے فروخت کرے گا تو پھر اس کی قیمت کا خود استعمال کرنا جائز نہیں ہے، بلکہ مستحق زکوٰۃ فقراء کو صدقہ کردینا لازم ہے، اور سوالنامہ میں یہ جو لکھا گیا ہے کہ قربانی کرنے والا خود بھی کھال کو استعمال کرسکتا ہے اور صاحب نصاب نے مدرس کو بعینہٖ کھال ہبہ کردی ہے تو مدرس اس کا مالک ہوجائے گا، اس کے بعد اگر فروخت کرے گا تو

وہ قیمت کا بھی مالک ہوجائے گا، ایسی صورت میں تنخواہوں میں دینے کا سوال پیدا نہیں ہوتا، شاید سائل کو یہ شبہ ہو رہا ہے کہ قربانی کی کھال وصول کرنے کے لیے منجانب مدارس جو مدرسین قربانی کرنے والوں کے پاس پہنچتے ہیں اور قربانی کرنے والے بعینہٖ ان کو کھال دیدیتے ہیں، وہ دینا مدرس کو مالک بنانا ہے، حالانکہ ایسا نہیں ہے، بلکہ مدرس منجانب مدرسہ وکیل ہوتا ہے، اور کھال دینے والے کی طرف سے فروخت کرنے کا وکیل ہوتا ہے، اس لیے مدرس نہ اس کا مالک ہوتا ہے اور نہ ہی بلا تملیک شرعی کے اس پیسے کو تنخواہوں میں لگانا جائز ہے۔

عن جابر بن عبد الله أن أبا قتادة أتى أهله ...... قال: ولا تبيعوا لحوم الهدى والأضاحى فكلوا وتصدقوا واستمتعوا بجلودها...... (مسند أحمد بن حنبل ٤/١٥، رقم: ١٦٣١١)

وله أن ينتفع بجلد أضحيته فى بيته بأن يجعله سقاء أو فروا. (بدائع الصنائع، كتاب التضحية، ما يستحب فى الأضحية، زكريا ٤/٢٢٥، كراچى ٥/٨١)

فإن بيع اللحم أو الجلد به أى بمستهلك أو بدراهم تصدق بثمنه. (شامى كتاب الأضحية زكريا ٩/٤٧٥، كراچى ٦/٣٢٨)

(ب) قربانی کی کھال فروخت ہوجانے کے بعد رقم کو حیلۂ تملیک کرکے دینی مدارس کی ضروریات میں اور مدرسین کی تنخواہوں میں لگانا شرعاً جائز ہے، لیکن یاد رہے کہ حیلۂ تملیک ہر جگہ جائز نہیں، مسجد کی تعمیر اور قبرستان کی چہار دیواری وغیرہ امداد خاص سے ہونی چاہیے۔

ويشترط أن يكون الصرف تمليكا لا إباحة لايصرف إلى بناء نحو مسجد كبناء القناطر والسقايات وإصلاح الطرقات وكرىٰ الأنهار والحج والجهاد وكل مالاتمليك فيه. (شامى، كتاب الزكاة، باب المصرف، زكريا ٣/٢٩١، كراچى ٢/٣٤٤)

والاحتيال للهروب عن الحرام والتباعد عن الوقوع فى الآثام لا بأس به بل هو مندوب إليه وأما الاحتيال لإبطال حق المسلم فإثم و عدوان وقال النسفى فى الكافى عن محمد بن الحسن: ليس من أخلاق المومنين الفرار من أحكام الله بالحيل الموصلة إلى إبطال الحق. (عمدة القارى، كتاب الحيل،

باب ترك الحيل، زكريا ١٦/٩/٢٣٩، دار إحيار التراث العربى ٢٤/١٠٨، تحت رقم الحديث ٦٩٥٣، الفتاویٰ التاتارخانية زكريا ١٠/٣١١/١، رقم: ١٤٨٤٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۷؍محرم الحرام ۱۴۲۷ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۸۹۶۴/۳۸)

چرم قربانی کا مصرف

سوال [۱۰۰۵۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: چرم قربانی کا مصرف کیا ہے؟ کیا جو مصارف زکوٰۃ ہیں وہی اس کے ہیں، کوئی شخص اپنی نواسی کو (جو مستحق) ہے، چرم قربانی کی قیمت دے سکتا ہے؟

المستفتی: زبیر احمد مظاہری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: چرم قربانی کا حکم قربانی کے گوشت کی طرح ہے جیسے نفس گوشت ہر شخص کو کھانا اور ہر شخص کو دینا جائز ہے، اسی طرح چرم قربانی بھی خود قربانی کرنے والے کا استعمال کرنا یا کسی کو بھی بعینہٖ کھال دے دینا جائز ہے، لہٰذا آپ اپنی نواسی کو قربانی کی کھال بعینہٖ دینا چاہیں تو دے سکتے ہیں، لیکن اگر آپ چرم قربانی کو فروخت کر کے اس کی قیمت حاصل کر لیتے ہیں، تو پھر اس کی قیمت کا مستحق فقراء پر صدقہ کرنا واجب ہے، مگر صدقات واجبہ اپنے اصول وفروع کو دینا جائز نہیں، اصول کا مطلب یہ ہے کہ اپنے باپ، دادا، پردادا، دادی، پردادی، وغیرہ اسی طرح ماں نانا، نانی وغیرہ، اور فروع کا مطلب یہ ہے کہ اپنی اولاد اور اپنے بیٹے یا بیٹی کی اولاد کو دینا جائز نہیں ہے، لہٰذا آپ اپنی نواسی کو چرم قربانی فروخت کرنے کے بعد اس کی قیمت نہیں دے سکتے۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ قدیم ۶/ ۱۶۷، ۲/ ۸۶،۶/ ۱۶۴، جدید زکریا ۱۰/ ۳۳ -۳۷، عزیز الفتاویٰ ص: ۱۰۷)

عن جابر بن عبد الله أن أبا قتادة أتى أهله فوجد قصعة ثريد من قديد

الأضحی ......قال: ولا تبيعوا لحوم الهدى والأضاحى فكلوا وتصدقوا واستمتعوا بجلودها وإن أطعمتم من لحومها فكلوا إن شئتم. (مسند أحمد بن حنبل ٤/١٥، رقم: ١٦٣١١)

ولو باع الجلد أو اللحم بالدراهم أو بما لاينتفع به إلا بعد استهلاكه تصدق بثمنه وفى البناية: فإذا تمولته بالبيع وجب التصدق. (البناية، كتاب الأضحية، اشرفيه ١٢/٥٥، شامی زكريا ٩/٤٧٥، كراچی ٦/٣٢٨)

وفى الكنز: وأصله و إن علا و فرعه و إن سفل، وفى البحر أى لايجوز الدفع إلى أبيه وجده و إن علا ولا إلى ولده وولد ولده وإن سفل -إلى قوله- وفيه إشارة إلى أن هذا الحكم لايخص الزكاة بل كل صدقة واجبة لايجوز دفعها لهم كأحد الزوجين كالكفارات وصدقة الفطر والنذور. (البحر الرائق، كتاب الزكاة، باب المصرف، كوئٹه ٢/٢٤٣، زكريا ٢/٤٢٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱ ؍رجب المرجب ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۲/۹۳۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۸/۷/۲۱ھ

چرم قربانی کہاں دیں؟

سوال [۱۰۰۵۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ آج سے تقریباً چھ سات پہلے ہماری بستی میں ایک مدرسہ دیو بندی اور بریلوی خیالات والوں نے مل جل کر چلانا شروع کیا اس کے واسطے بقرعید کے موقع پر چرم قربانی سے روپیہ جمع کیا کچھ دنوں چلنے کے بعد یہ مدرسہ بند ہو گیا اور قربانی کی رقم قریب چار سو روپیہ میرے پاس آج تک جمع ہیں، اب وہ مدرسہ پھر چالو ہو گیا ہے اور اب بریلوی فرقہ کے لوگوں کا ہے، جن صاحبان سے یہ چرم قربانی اکٹھی کی تھی ان کا کوئی صحیح پتہ نہیں ہے؟

المستفتی: عبد السبحان لنڈھورہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: چرم قربانی کی رقم کا مستحق فقیر نادار ہی ہے، مدارس کے ذمہ داران فقیر ونادار طلبہ پر خرچ کرنے کے لیے وکیل ہوا کرتے ہیں، اور شرعاً فقراء میں اشخاص متعین نہیں ہوا کرتے ہیں، اس لیے جب مذکورہ قسم کے لیے اشخاص متعین نہیں ہیں، اور غالباً آپ بھی من جملہ ذمہ داران میں سے ایک ذمہ دار ہیں، اس لیے آپ مذکورہ مدرسہ میں نہ دے کر صحیح مسلک کے مدارس یا فقراء پر خرچ کرسکتے ہیں۔

مصرف الزكاة والعشر ...... هو فقير وهو من له أدنى شيئ (تحته في الشامية) وهو مصرف أيضا لصدقة الفطر والكفارة والنذر وغير ذٰلك من الصدقات الواجبة. (شامی، کتاب الزکاۃ، باب المصرف، زکریا ۳/۲۸۳، کراچی ۲/۳۳۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶/ربیع الاول ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۱۵۲/۲۶)

چرم قربانی کا مصرف اور تملیک کا طریقہ

سوال [۱۰۰۵۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) چرم قربانی کا مصرف غرباء ومساکین ہی ہیں یا اس کی رقم کو بعد تملیک مدرسہ کی تعمیر میں لگایا جاسکتا ہے؟

(۲) شریعت مطہرہ میں تملیک کا طریقہ کیا ہے بیان فرمایئے؟

المستفتی: عیاض احمد میرٹھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) چرم قربانی کا مصرف غرباء اور مساکین ہی ہیں اور حیلۂ تملیک کی نیت سے چرم قربانی کو فروخت کرنا بھی جائز نہیں ہے۔

اللحم بمنزلة الجلد فی الصحیح حتی لایبیعه بما لا ینتفع به إلا بعد الاستهلاک فإن بدل اللحم أو الجلد به أی بما ینتفع بالإستهلاک جاز ویتصدق به لانتقال القربة إلی البدل. (مجمع الأنهر، کتاب الأضحیة، دار الکتب العلمیة بیروت ٤/١٧٤، مصری قدیم ٢/٥٢١، البنایة اشرفیه ١٢/٥٥، شامی زکریا ٩/٤٧٥، کراچی ٦/٣٢٨)

نیز حیلۂ تملیک کوئی شریعت کا اصل مسئلہ نہیں ہے، بلکہ ضروریات دین کی حفاظت میں دشواری پیش آجائے تو بقدر ضرورت گنجائش ہے، اور محض تعمیر وغیرہ کی غرض سے حیلہ کرنا ہرجگہ جائز نہیں ہے۔

إن کل حیلة یحتال بها الرجل لإبطال حق الغیر أو لإدخال شبهة فیه أو لتمویه باطل فهی مکروهة. (فتاویٰ عالمگیری، کتاب الحیل، الفصل الأول، زکریا جدید ٦/٣٩٣، قدیم ٦/٣٩٠، الفتاوی التاتارخانیة زکریا ١٠/٣١١، رقم: ١٤٨٤٥)

(۲) تملیک کا طریقہ یہ ہے کہ کسی فقیر کو باقاعدہ مالک بنا کر قبضہ دیدیا جائے اس کے بعد اس سے چندہ مانگنے کی طرح مانگ لیا جائے اب اس کی مرضی ہے چاہے دیدے اور چاہے نہ دے۔

والحیلة أن یتصدق علی الفقیر ثم یأمره بفعل هذه الإشیاء فتکون لرب المال ثواب الزکاة وللفقیر ثواب هذه التقرب. (الدر المنتفی، کتاب الزکاة، باب فی بیان أحکام المصارف، دار الکتب العلمیة بیروت ١/٣٢٩، الدر مع الرد، زکریا ٣/٢٩٣، کراچی ٢/٣٤٥، هندیه زکریا قدیم ٦/٣٩٢، جدید ٦/٣٩٥، الموسوعة الفقهیة الکویتیة ٣٦/٢٤٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸؍ ذی الحجہ ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۳۷۸۳)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۸/۱۲/۱۴۱۴ھ

چرم قربانی کی رقم کہاں کہاں دی جاسکتی ہے؟

سوال [۱۰۰۵۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: چرم قربانی کی رقم کو کہاں کہاں صرف کیا جاسکتا ہے؟ تعمیر مسجد، عیدگاہ اور قبرستان میں لگانا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد جمال سہاگ پور شیڈول

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: چرم قربانی کی رقم کو صدقہ کرنا واجب ہے، لہٰذا تعمیر مسجد، عیدگاہ اور قبرستان میں چرم قربانی کا پیسہ لگانا جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ زکریا ۳/۵۳۶، احسن الفتاویٰ ۷/۵۳۱، مسائل قربانی وعقیقہ ص:۴۰، جواہر الفقہ قدیم ۱/۴۵۷، جدید زکریا ۶/۲۷۴)

فإن بيع اللحم أو الجلد به أى بمستهلك أو بدرهم تصدق بثمنه.

(در مختار على الشامى، كتاب الاضحية، زكريا ۹/۴۷۵، كراچى ۶/۳۲۸، مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ۴/۱۷۴، مصرى قديم ۲/۵۲۱، تبيين الحقائق امداديه ملتان ۶/۹، زكريا ۶/۴۸۶، هدايه اشرفى ۴/۴۵۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷/ ربیع الاول ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/۶۵۴۶)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۳/۱۷ھ

کھال کا معاملہ قصاب کے حوالہ کرنا

سوال [۱۰۰۵۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں نے ایک بھینس مع اجرت ذبح قصائی سے خریدی اور کہا کہ کھال کا معاملہ تم جانو، جس کو چاہو دو، اس طرح کھال کا معاملہ کرنے سے قربانی پر تو کچھ اثر نہ ہوگا؟

المستفتی: محمد احسان راجستھان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کھال کا معاملہ قصائی کے سپرد کردینے سے قربانی پر کوئی اثر نہیں پڑا، بشرطیکہ کھال کو اجرت کے طور پر نہ دیا ہو۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ

۷/ ۴۸۷، فتاویٰ دارالعلوم جدید ا/ ۸ ۶۷۸)

عن علی رضی الله عنه قال: امرنی رسول الله ﷺ أن أقوم علی بدنه و أن أتصدق بلحمها، وجلودها، وأجلتها، وأن لا أعطی الجزار منها، قال: نحن نعطیه من عندنا. (صحیح مسلم، باب الصدقة بلحوم الهدایا ...... النسخة الهندية ١/ ٤٢٣، بیت الأفکار رقم: ١٣١٧)

ویهب منها ما شاء للغنی و الفقیر. (هندیه، کتاب الأضحیة، الباب الخامس فی بیان محل إقامة الواجب، زکریا قدیم ٥/ ٣٠٠، جدید ٥/ ٣٤٦) **فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
۱۴/ صفر المظفر ۱۴۲۰ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۰۳۱)	۱۴۲۰/۲/۱۴ھ

شریک قصاب کا شرکاء سے اجرت لینا کیسا ہے؟

سوال [۱۰۰۵۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ سات آدمیوں نے مل کر ایک بڑا جانور خریدا اور ان سات آدمیوں میں سے ایک قصاب بھی ہے، اب سوال یہ ہے کہ اگر ذبح کرنے کے لیے الگ سے کوئی قصاب بلایا جاتا ہے تو گوشت بنانے کے سات سو روپئے لے گا اور شرکاء میں سے جو قصاب ہے وہ یہ کہتا ہے کہ میں خود قصاب ہوں دوسروں کو کیا پیسہ دیا جائے میں اچھی طرح گوشت بنا دیتا ہوں، مجھے ہی فی کس کے اعتبار سے سو روپئے دیدینا تو ایسا کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: مجیب الرحمٰن موانہ میرٹھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: سات شرکاء میں سے جو شخص قصاب ہے اس کو مناسب اجرت دے کر اسی کے ذریعہ سے گوشت بنوانا اصول اجارہ کے مطابق ناجائز ہے، اس لیے کہ خود قصاب کے حصہ کا تعلق پورے جانور کی ایک ایک بوٹی بوٹی کے ساتھ ہوتا ہے،

اورعدم جواز کی جزئیات حسب ذیل ہیں ملاحظہ فرمایئے:

إذا استاجر رجلا علی العمل فی شیئ هو فیه شریکه نحو ما إذا کان بین إثنین طعام فاستاجر أحدهما صاحبه علی أنه یحمل نصیبه إلی مکان معلوم والطعام غیر مقسوم فحمل الطعام کله...... لاتجوز هذه الإجارة عند أصحابنا وقولنا أنه أجر ما لا یقدر علی ایفائه لتعذر تسلیم الشائع بنفسه فلم یکن المقدور علیه مقدور الاستیفاء وإنما لایجب الأجر أصلا لأنه لایتصور استیفاء المعقود علیه إذ لا یتصور حمل نصف الطعام تبایعاً ووجوب أجر المثل یقف علی استیفاء المعقود علیه ولم یوجد فلا یجب. (بدائع الصنائع، کتاب الإجارة، باب الاستیجار علی الطاعة، زکریا ٤/٤٣، کراچی ٤/١٩٠)

وفی الکبریٰ: **ذکر القدوری کل شیئ لا یستحق به الأجرة إلا بإیقاع العمل فی العین المشترکة فإذا استاجر أحد الشریکین الآخر لم یجز مثل أن یستاجر لنقل الطعام بنفسه أو بغلامه أو دابته.** (الفتاویٰ التاتارخانیة ١٥/١٥٦، رقم: ٢٢٥٥٥)

ہاں البتہ اس کی متبادل شکل یہ ہے کہ جانورکوسب مل کر ذبح کردیں اور ذبح کرنے بعد اس کی کھال اتار کر بڑے بڑے ٹکڑے کر کے سات حصوں میں تقسیم کردیں یا کم از کم قصاب کا حصہ متعین کر کے الگ کردیں، اس کے بعد یہ قصاب دوسرے شرکاء کے گوشت بنانے کی اجرت لے سکتا ہے، اس لیے کہ اب دوسرے شرکاء کے حصوں میں اس کی شرکت باقی نہیں رہی جیسا کہ حسب ذیل جزئیہ سے معلوم ہوتا ہے:

کل ما یستحق الأجرة فیه من غیر إیقاع العمل فی المال المشترکة فالإجارة جائزة مثل أن یستاجر دارا یجوز فیها الطعام أو سفینة أو جوالقا وعن أبی یوسف إن الإجارة فی الدور والسفینة لاتجوز، قال القاضی فخر الدین: الفتویٰ علی ما ذکره فی العیون والقدوری. (الفتاویٰ التاتارخانیة زکریا ١٥/١٥٦، رقم: ٢٢٥٥٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵/ ذی قعدہ ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/ ۱۱۷۵۶)

قربانی کا جانور ذبح ہونے سے قبل کھال کی رسید کاٹ لینا

سوال [۱۰۰۵۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ قربانی کے موقع پر جانور ذبح ہونے سے قبل ہی کھال کی رسید کاٹ لی جاتی ہے جبکہ جانور کھو جانے، ہلاک ہو جانے وغیرہ کا اندیشہ ہے تو کیا از روئے شرع یہ عمل جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد نور العین مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کھال کو جانور کے بدن سے جدا ہونے سے قبل فروخت کرنا تو جائز نہیں البتہ فروختگی کا وعدہ اور معاہدہ جائز ہے، اور مدارس اسلامیہ میں قبل از وقت کھال کی رسید کٹا لینا یا کاٹ دینا بھی ایک قسم کا وعدہ او رمعاہدہ ہے، اس لیے کہ مدارس کو کھال فروخت نہیں کی جاتی بلکہ مفت میں دی جاتی ہے، لہٰذا اس کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔

(مستفاد: محمودیہ قدیم ۱۴/ ۳۴۶، جدید ڈابھیل ۱۶/ ۱۱۳، مسائل قربانی ص: ۴۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸؍ محرم الحرام ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۷۰۵۹)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۱/۲۹ھ

قربانی کی کھال گم ہو جائے تو کیا حکم ہے؟

سوال [۱۰۰۵۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص پر قربانی واجب نہیں تھی، اس نے قربانی کر کے کھال بغرض ضرورت حفاظت سے رکھ دی، اب کچھ دن پہلے وہ کھال غائب ہو گئی تو کیا اس کھال کی قیمت صدقہ کرنا واجب ہوگی؟ یا کیا حکم ہے؟

المستفتی: محمد خالد ٹانڈہ رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب کھال غائب ہوگئی تو اب اس کھال کی قیمت کا صدقہ کرنا واجب نہیں خواہ صاحب معاملہ غریب ہو یا مالدار، اس لیے کہ کھال کا حکم گوشت کی طرح سے ہے، کہ جس طرح گوشت کے ضائع ہونے پر گوشت کا صدقہ واجب نہیں اسی طرح کھال کے گم ہونے پر اس کی قیمت کا صدقہ واجب نہیں۔

لابأس بأن ينتفع بإهاب الأضحية. (قاضيخان، كتاب الأضحية، فصل في الانتفاع بالأضحية، زكريا جديد ٢٤٩/٣، وعلى هامش الهندية ٣٥٤/٣)

واللحم بمنزلة الجلد في الصحيح. (هنديه، كتاب الأضحية، الباب السادس، زكريا قديم ٣٠١/٥، جديد ٣٤٧/٥، حاشية الطحطاوي على الدر كوئٹه ٣٢٥/٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶ ربیع الثانی ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/۱۵۰۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۶/۴/۱۴۲۲ھ

قربانی کی کھال گم ہونے کی صورت میں کیا کریں؟

سوال [۱۰۰۵۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص ایسا ہے کہ جس پر قربانی واجب نہیں ہے مگر اس نے پھر بھی قربانی کردی، قربانی کرنے کے بعد کھال بحفاظت رکھی ہوئی تھی، اتفاقاً وہ کھال غائب ہوگئی، اب اس کھال کے بارے میں کیا حکم ہے؟ کیا اس شخص کو کھال کی قیمت صدقہ کرنی پڑے گی یا نہیں؟ اور اگر مالدار صاحب نصاب شخص کے ساتھ یہ معاملہ پیش آجائے تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

المستفتی: محمد شمیم قاسمی مہاراشٹری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کھال غائب ہوگئی تو اب کھال کی قیمت کا

صدقہ کرنا واجب نہیں ہے، خواہ معاملہ غریب شخص کے ساتھ پیش آئے یا صاحب نصاب کے ساتھ، اس لیے کہ کھال واجب التصدق نہیں ہے، بلکہ اس کا حکم ایسا ہے جیسا کہ قربانی کے گوشت کا جس طرح گوشت غائب ہو جائے، یا کوئی لے جائے تو قربانی کرنے والے پر کوئی تاوان لازم نہیں آتا، اسی طرح کھال گم ہو جانے پر تاوان لازم نہیں آئے گا۔

قال فی الهندية: واللحم بمنزلة الجلد فی الصحيح. (هنديه، كتاب الأضحية، الباب السادس، زكريا قديم ٥/ ٣٠١، جديد ٥/٣٤٧، حاشية الطحطاوی علی الدر، كتاب الأضحية كوئٹه ٤/١٦٦، مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ٤/ ١٧٤، مصری قديم ٢/ ٥٢١، هدايه اشرفی ٤/ ٤٥٠)

لابأس بأن ينتفع بإهاب الأضحية. (قاضيخان، كتاب الأضحية، فصل فی الانتفاع بالأضحية، زكريا جديد ٣/ ٢٤٩، وعلی هامش الهندية ٣/ ٣٥٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۶۴۹)

قربانی کی کھال کو بعینہٖ اپنے استعمال میں لانا یا مالدار کو دینا

سوال [۱۰۰۶۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: قربانی کی کھال خود استعمال کرسکتا ہے یا نہیں؟ اسی طرح کسی غنی کو تحفہ میں دے سکتا ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قربانی کی کھال بعینہٖ اپنے استعمال میں لانا جائز ہے، اسی طرح بعینہٖ کسی غنی کو تحفہ میں دینا بھی جائز ہے۔ (مستفاد: محمودیہ ڈابھیل ۱۷/ ۴۶۹، میرٹھ ۲۶/ ۱۷/ ۳، فتاویٰ دار العلوم ۱۵/ ۵۷۸، کفایت المفتی جدید زکریا ۸/ ۲۲۲، زکریا مطول ۱۲/ ۱۴۶)

ويتصدق بجلدها أو يعمل منه نحو غربال وجراب و قربة وسفرة و

دلو. (شامي، كتاب الأضحية، زكريا ٩/٤٧٥، كراچى ٦/٣٢٨)

ويجوز الانتفاع بجلد الأضحية وهدى المتعة والتطوع بأن يتخذها فروا أو بساطا أو جرابا أو غربالا أو نطعا. (تاتارخانية زكريا ١٧/٤٣٩، رقم: ٢٧٧٥٦)

ويتصدق بجلدها أو يعمله آلة كجراب أو خف أو فرو ...... واللحم بمنزلة الجلد فى الصحيح ...... ولهذا يطعم من شاء من غنى. (مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ٤/١٧٤، مصرى قديم ٢/٥٢١)

ويأكل من لحم الأضحية ويؤكل غنيا ويدخر ولأنه لما جاز له أن يأكل منه وهو غنى فأولىٰ أن يجوز له إطعام غيره و إن كان غنيا. (تبيين الحقائق زكريا ٦/٤٨٥، امداديه ملتان ٦/٩)

واللحم بمنزلة الجلد فى الصحيح. (تبيين الحقائق زكريا ٦/٤٨٦، امداديه ملتان ٦/٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍ ذی قعدہ ۱۴۳۴ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۲۹۵)

چرم قربانی یا اس کی رقم کے استعمال کا حکم

سوال [۱۰۰۶۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ چرم قربانی یا اس کے پیسے اپنے مصرف میں صاحب قربانی استعمال کرسکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد دستگیر عالم قاسمی، محلّہ کسرول مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اپنی قربانی کی کھال کی رقم صاحب قربانی کے لیے اپنے مصرف میں استعمال کرنا جائز نہیں ہے، بلکہ غریب ونادار کو صدقہ کردینا واجب ہے، البتہ خود کھال اپنے مصرف میں لانا جائز ہے۔

وعن عائشة رضي الله عنها أم المؤمنين: أن يجعل من جلد الأضحية، سقاء ينبذ فيه، وعن مسروق أنه كان يجعل من جلد أضحية مصلى يصلي فيه، وصح عن الحسن البصري، انتفعوا بسوك الأضاحي، ولا تبيعوها. (المحلى لابن حزم، دار الكتب العلمية بيروت ٦/٥٢، رقم المسئلة: ٩٨٦)

ولو باعها بالدراهم يتصدق بها جاز. (هنديه، كتاب الأضاحي، الباب السادس، زكريا قديم ٥/٣٠١، جديد ٥/٣٤٧) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/ ذی الحجہ ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۲۹۳۰)

قربانی کی کھال سے چھلنی، مشک یا ڈول بنانا

سوال [۱۰۰۶۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بہشتی زیور حصہ سوئم میں ہم نے صفحہ ۲۱۷ پر یہ مسئلہ پڑھا ہے کہ قربانی کی کھال سے چھلنی یا مشک یا ڈھول (ڈول) یا جانماز وغیرہ بنائی جاسکتی ہے، یہ درست ہے، ہماری سمجھ میں نہیں آیا کہ ڈھول سے مراد کیا ہے، لہٰذا اس کی قرآن وسنت کی روشنی میں وضاحت فرمائیں۔

المستفتی: صغیر احمد سرکڑا مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: بہشتی زیور ۳/ ۴۱، اختری میں ڈہول نہیں لکھا ہے بلکہ ڈول لکھا ہے اس سے مراد وہ مشکیزہ ہے جو بالٹی کا کام دیتا ہے، اور بہشتی زیور میں دیگر جن اشیاء کے بنانے کی اجازت دی ہے وہ سب صحیح اور درست ہے۔

ويتصدق بجلدها أو يعمل منه نحو غربال وجراب و قربة وسفرة و دلو. (شامی، كتاب الأضحية، زكريا ٩/٤٧٨، كراچی ٦/٣٢٨، الفتاویٰ التاتارخانية زكريا ١٧/٤٣٩، رقم: ٢٧٧٥٦، هدايه اشرفی ٤/ ٤٥٠، مختصر القدوری ص: ٢٣٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰/ ذی الحجہ ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۲۹۳۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۰/ ۱۲/ ۱۴۱۲ھ

گوشت لے جانے والوں کا ہڈی کو فروخت کرنے کا حکم

سوال [۱۰۰٦۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص نے قربانی کی اور اس کے پاس گوشت بہت جمع ہو گیا، اس لیے اس نے لوگوں کو عام اجازت دے رکھی ہے کہ جو چاہے لے جائے، چنانچہ کچھ لوگ گوشت لے کر ہڈی نکال لیتے ہیں اور اس ہڈی کو بیچتے ہیں، کیا اس طرح ہڈی بیچنا جائز ہے؟

المستفتی: ابوالخیر ۲۴ / پرگنہ، مدرسہ شاہی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: فروخت کرنے میں قربانی کے جانور کا گوشت ہڈی، کھال سب ایک حکم میں ہے، ان کے بارے میں اولاً تو حکم یہ ہے کہ ان کو فروخت نہ کیا جائے لیکن اگر اعذار کی بناء پر فروخت کر دیا جائے تو اس کا پیسہ فقراء پر تقسیم کر دینا لازم ہے، لہٰذا قربانی کے جانور کی کھال کا فروخت کرنا جس درجہ میں ہے، ہڈی کا فروخت کرنا بھی اسی درجہ کے حکم میں ہے، لہٰذا اگر ہڈی ضائع و برباد ہو رہی ہو تو ایسی شکل میں ہڈی کو فروخت کر کے پیسوں کو غریبوں کے درمیان تقسیم کرنا ایسا ہی جائز ہے جیسا کہ کھال کے فروخت میں ہے، نیز یہ بھی واضح رہے کہ یہ حکم صرف مالک کے لیے ہے لیکن اگر مالک نے تحفہ میں یا ہبہ میں دیدیا ہے تو اس دوسرے کے لیے فروخت کر کے پیسوں کو اپنے تصرف میں لانا بھی جائز ہے، لہٰذا مذکورہ صورت میں ہڈی فروخت کر کے پیسہ حاصل کرنا بھی جائز ہے۔

وإذا دفع اللحم إلى فقير بنية الزكاة لايحسب عنها في ظاهر الرواية، لكن إذا دفع لغني ثم دفع إليه بنيتها يحسب. (شامی، کتاب الأضحية، زکریا ۹/ ٤٧٥، کراچی ٦/ ٣٢٨) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۴۰۷۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۵/٦/۱۸ھ

ڈاکٹر کا فی کھال پاسنگ کے نام سے ۲۵/روپئے لینا

سوال [۱۰۰۶۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بہت سے احباب ہمارے مدرسہ میں ایام قربانی میں قربانی کرنے کے لیے جانور روانہ کرتے ہیں، جن کی قربانی مدرسہ کے ذمہ دار قصاب کے ذریعہ ادا کرتے ہیں، اور کھال مدرسہ کو دی جاتی ہے، لیکن قربانی کی کھال کے فروخت کرتے وقت جو رقم کھال کی بنتی تھی اس میں سے ڈاکٹر کے پاسنگ کے نام سے فی کھال پچیس روپئے کے حساب سے رقم مدرسہ کو کم دی جاتی ہے، کیا یہ عمل درست ہے؟ جبکہ قربانی ذبح اور کٹائی کی رقم علاحدہ سے ادا کر دی جاتی ہے، وضاحت فرمائیں یہ کیسا ہے؟

المستفتی: شیر محمد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قربانی کے جانور ذبح کرنے کا خرچہ مالک قربانی کے اوپر لازم ہے اس لیے اس کا خرچہ علاحدہ سے دینا پہلے ہی سے لازم ہو چکا ہے، اور اس کے بعد کھال کی فروختگی میں داکٹر کے پاسنگ کے نام سے جو الگ سے دینا پڑتا ہے اس کا دینا بھی اپنی جگہ درست ہے، لہٰذا اس کے نام سے فی کھال ۲۵/روپیہ یا جو کچھ بھی بنتا ہے فروختگی کے وقت میں اتنا کٹوا دینا بھی درست ہے، اس کے بعد جو پیسہ بچے گا وہی مدرسہ کو ملے گا اس سے قربانی پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔

عن علی رضی الله عنه قال: أمرنی رسول الله ﷺ أن أقوم علی بدنه و أن أتصدق بلحمها، وجلودها، وأجلتها، وأن لا أعطی الجزار منها، قال: نحن نعطيه من عندنا. (صحيح مسلم، باب الصدقة بلحوم الهدايا ...... النسخة الهندية ۱/۴۲۳، بيت الأفكار رقم: ۱۳۱۷)

ولا يعطی أجر الجزار منها. (شامی، كتاب الأضحية، زكريا ۹/۴۷۵، كراچی ۶/۳۲۸)

العامل على الزكاة يجوز إعطاؤه حقه من الزكاة نفسها بالشروط المتقدمة فى الساعي. (الموسوعة الفقهية ۲۳/ ۳۰۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍ربیع الاول ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۲۸۴)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۳/۷ھ

میونسپلٹی والوں نے چرم قربانی جبراً لے لی تو کیا حکم ہے؟

سوال [۱۰۰٦۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: قربانی کے جانور حکومت نے چند مخصوص جگہوں پر ذبح کرنے کی اجازت دی تھی، یعنی مذبح وغیرہ میں، ان قربانی کے جانوروں کے چمڑوں کو بعض کو تو وہاں کے منتظم (جو غیر مسلم ہیں) نے زبردستی لے لیا اور بعض لوگ چونکہ شہر سے دور ہونے کی بنا پر لے آئے ہیں، سمجھ بوجھ کر اور پھر اس کو لے آکر کہاں دیں گے، اس وجہ سے وہیں چھوڑ آئے، اب ان زبردستی لینے والے (میونسپلٹی والے کی وجہ سے) اور چھوڑ آنے والوں کو اس چمڑے کی قیمت الگ سے ادا کرنی ضروری ہے یا نہیں؟

المستفتی: عبدالرحیم رنگون

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قربانی کے جانور کی کھال یا گوشت اگر کوئی غیر مسلم جبراً لے لے یا مذبح خانہ میں چھوڑ کر آجائے تو اس کی قیمت صدقہ کرنا لازم نہیں ہے، کیونکہ قربانی کا گوشت یا کھال غیر مسلم کو تبرعاً دیا جاسکتا ہے۔ (احسن الفتاویٰ ۷/ ۴۹٦، فتاویٰ محمودیہ ۴/ ۳۰۹، فتاویٰ رحیمیہ ٦/ ۱٦۵، کفایت المفتی ۸/ ۲۴۷)

ويهب منها ما شاء للغني والفقير والمسلم والذمي كذا في الغياثية. (فتاویٰ عالمگیری، كتاب الأضحية، الباب الخامس فى بيان محل إقامة الواجب، زكريا قديم ٥/ ٣٠٠، جديد ٥/ ٣٤٦، حاشية الطحطاوي على الدر كوئٹه ٤/ ١٦٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍شعبان المعظم ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۵۸۷۵)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/۸/۲ھ

چرم قربانی کا پیسہ قبرستان کی چہار دیواری میں لگانا

سوال [۱۰۰۶۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک قبرستان ہے جس میں مالدار وغریب جملہ قسم کے لوگ مدفون ہوتے ہیں، کافی طول وعرض میں قبرستان ہے، درمیان میں لوگوں نے راستہ بنا رکھا ہے، ان تمام حالات کے پیش نظر کیا چرم قربانی کی رقم قبرستان کی چہار دیواری میں لگائی جاسکتی ہے یا نہیں؟

نیز کچھ حضرات نے یہ کہا ہے کہ تملیک کرا کے قربانی کی کھالوں کی رقم لگائی جاسکتی ہے، جبکہ یہاں ایسے حضرات موجود ہیں جن کی رسیدات ۵۰۰۰ ہزار، ۸۰۰۰ ہزار روپیہ تک کٹی ہوئی ہیں، یعنی اکثر لوگ اہل ثروت وصاحب نصاب ہیں۔

المستفتی: شفقت حسین سنبھل

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: چرم قربانی کا پیسہ قبرستان کی چہار دیواری پر لگانا جائز نہیں ہے، اور نہ ہی چرم قربانی کے پیسہ کی اس کام کے لیے حیلۂ تملیک جائز ہے، اس لیے کہ یہ غریبوں کا حق ہے، غریبوں ہی کو دینا واجب ہے۔

ولو باع الجلد أو اللحم بالدراهم أو بمالاينتفع به إلا بعد استهلاكه تصدق بثمنه لأن القربة انتقلت إلى بدله. (هدايه، كتاب الأضحية، اشرفيه ٤/ ٤٥٠، هنديه زكريا قديم ٥/ ٣٠١، جديد ٥/ ٣٤٧)

إن كل حيلة يحتال بها الرجل لإبطال حق الغير أو لإدخال شبهة فيه أو لتمويه باطل فهي مكروهة. (فتاویٰ عالمگیری، كتاب الحيل، الفصل الأول، زكريا جديد ٦/ ٣٩٣، قديم ٦/ ٣٩٠، الفتاوى التاتارخانية زكريا ١٠/ ٣١١ رقم: ١٤٨٤٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰/ ذیقعدہ ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۴۲۴۱)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۵/۱۱/۳۰ھ

قصاب کو اجرت میں کھال دینا

سوال [۱۰۰۶۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: قصاب کو ذبح کے عوض میں چمڑا دیدیا تو کیا ایسی صورت میں قربانی پر فرق آئیگا؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قصاب کو ذبح کے عوض میں قربانی کی کھال دینا جائز نہیں، ہاں اگر دیدی تو اس سے قربانی میں کوئی فرق نہیں آئیگا، البتہ کھال کی قیمت کا صدقہ کرنا واجب ہوگا۔ (مستفاد: کفایت المفتی زکریا جدید ۸/ ۲۱۹، جدید مطول ۱۲/ ۱۳۴)

عن علی رضی الله عنه قال: أمرني رسول الله ﷺ أن أقوم على بدنه و أن أتصدق بلحمها، وجلودها، وأجلتها، وأن لا أعطى الجزار منها، قال: نحن نعطيه من عندنا. (صحيح مسلم، باب الصدقة بلحوم الهدايا ...... النسخة الهندية ١/ ٤٢٣، بيت الأفكار رقم: ١٣١٧)

لايعطى أجر الجزار من الأضحية. (هدايه، كتاب الأضحية، اشرفى ٤/ ٤٥٠)

وفي الظهيرية: ولا يعطى جلد الأضحية ولا لحمها أجرة الذباح والسلاخ. (التاتارخانية زكريا ١٧/ ٤٤٢، رقم: ٢٧٧٦٣)

ولو باع الجلد أو اللحم بالدراهم أو بمالاينتفع به إلا بعد استهلاكه تصدق بثمنه لأن القربة انتقلت إلى بدله. (هدايه، كتاب الأضحية، اشرفيه ٤/ ٤٥٠، هنديه زكريا قديم ٥/ ٣٠١، جديد ٥/ ٣٤٧)

ولايعطى جلد الأضحية ولا لحمها أجرة الذباح والسلاخ من باع جلد أضحية فلا أضحية له لأن معناه أن من باع جلد أضحية، بما لا ينتفع به إلا ما استهلاكه ولم يتصدق به فلا أضحية له. (اعلاء السنن، باب بيع جلد الأضحية، كراچى ١٧/ ٢٥٨، دار الكتب العلمية بيروت ١٧/ ٢٨٠، تحت رقم الحديث ٥٥٩٩) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
۲۴/ ذی قعدہ ۱۴۳۴ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۳۰۷)

قربانی کی کھال فروخت ہوجانے کے بعد قیمت کا تصدق لازم

سوال [۱۰۰۶۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ قربانی کی کھال فروخت کرنے کے بعد اسکا پیسہ واجب التصدق ہے، یا نہیں؟ یا جہاں چاہے صرف کرسکتا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کھال فروخت کرنے کے بعد اس کی قیمت کا صدقہ واجب ہے، اپنے استعمال میں اس کی قیمت کولانا جائز نہیں۔

فإن بيع اللحم أو الجلد به ...... أو بدراهم تصدق بثمنه. (شامی، کتاب الأضحية، کراچی ٦/٣٢٨، شامی زکریا ٩/٤٧٥)

ولا بأس ببيعة بالدراهم ليتصدق بها وليس له أن يبيعها بالدراهم لينفقه على نفسه أو عياله ولو فعل ذٰلک تصدق بثمنها. (تاتارخانية زكريا ١٧/ ٤٤٠، رقم: ٢٧٧٥٧)

ولايبيعه بالدراهم لينفق الدراهم على نفسه و عياله والمعنى فيه أنه لا يتصرف على قصد التمول. (تبيين الحقائق زكريا ٦/٤٨٦، امداديه ملتان ٦/٨، البحر الرائق زكريا ٩/٣٢٦، كوئٹه ٨/١٧٨)

ولايبيع جلدها ...... فإن عليه تصدق بثمنه. (غنية الناسك جديد ص: ٢٦٧) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/ ذی قعدہ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۲۹۳)

مدارس والوں کا قربانی کا جانور گاؤں بھیجنا

سوال [۱۰۰۶۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بہت سارے مدارس میں باہر سے لوگ قربانی کے لیے اپنے جانور بھیج دیتے ہیں، مدرسہ والے اپنے مدرسہ میں ذبح کرنے کے بجائے اس کو گاؤں میں بھیج دیتے ہیں، اور ساتھ میں یہ ہدایت کرتے ہیں کہ جانور کی کھال کو ہمیں دینا ہوگا، اور ساتھ میں مزید ایک کھال اور دینی ہوگی، اب گاؤں میں جو لوگ اس جانور کو لیتے ہیں وہ اپنے پیسہ سے اس جانور کی کھال کے ساتھ مزید ایک کھال خرید کر دیتے ہیں، اور اس جانور کے تمام گوشت کو اپنے استعمال میں لاتے ہیں، کسی دوسرے کو اس سے نہیں دیتے، کیا مدرسہ والوں کا یہ معاملہ شرعاً درست ہے؟ اس طرح کرنے سے قربانی والے کی قربانی ادا ہوگی یا نہیں؟ نیز جو لوگ اس جانور کے گوشت کو کھا رہے ہیں ان کے لیے کھانا جائز ہوگا یا نہیں؟

المستفتی: عبدالرحیم

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر مدرسہ میں گوشت کی فراوانی ہے اور مزید قربانی سے گوشت ضائع ہونے کا خطرہ ہے اور آس پاس کے گاؤں میں گوشت کی ضرورت ہے تو ایسی صورت میں باہر سے آئے ہوئے قربانی کے جانوروں کو دیہات لے جا کر اس لیے ذبح کرنا کہ گاؤں والے گوشت کو کام میں لائیں گے اور گوشت ضائع نہ ہوگا، تو اس مقصد کے لیے گاؤں بھیجنے میں کوئی حرج نہیں۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۱/۳۴۴، جدید ڈابھیل ۱۷/۵۰۰)

اگر اس شرط کے ساتھ بھیجتے ہیں کہ کھال مدرسہ والوں کو مل جائے تو ایسی صورت میں منجانب مدرسہ کسی کو وکیل بنانا چاہیے، تاکہ وہ جانور ذبح کر کے گوشت بانٹ دے، اور کھال مدرسہ کے لیے لے آئے یا کھال بیچ کر قیمت لے آئے تو یہ شکل بھی جائز ہے۔ (مستفاد: مسائل قربانی ص:۲۱)

اور یہ شرط لگانا کہ اس جانور کی کھال تو دینی ہی دینی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ دوسرے جانور کی کھال بھی دینا ہے، تو یہ جائز نہیں ہے، اور نہ گاؤں والوں کے لیے ایسی شرط

پر کھال یا اس کی قیمت کا دینا جائز ہے۔

لأنه كبيع لأن كلا منهما معاوضة ...... والبيع مكروه فكذا في معناه .

(شامی، کتاب الأضحية، زکریا ۹/ ۴۷۵، کراچی ۶/ ۳۲۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۷۱۴)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۶/۲۲ھ

چرم قربانی کی رقم سے مسلمانوں کی حفاظت کے لیے ہتھیار خریدنا

سوال [۱۰۰۷۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: قربانی کی کھال کی رقم میں سے کچھ رقم گاؤں کے ذمہ داروں کے پاس جمع کرتے ہیں اور وہ ذمہ دار اس رقم سے کچھ غرباء کو دیتے ہیں اور باقی رقم سے مسلمانوں کی حفاظت کے لیے ہتھیار خریدتے ہیں، یا اس جیسے کام میں لگاتے ہیں، تو اس طرح کرنا جائز ہے؟

المستفتی: عبدالعلیم بردوانی مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: قربانی کی کھال کا پیسہ پورا کا پورا غرباء اور فقراء کو تقسیم کر دینا واجب ہے، باقی کسی دوسرے مصرف میں خرچ کرنا جائز نہیں ہے، نیز ہتھیار خریدنا یا رفاہ عام میں خرچ کرنا بھی جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۴/ ۳۳۱، جدید ڈابھیل ۱۷/ ۴۶۱)

ولو باع الجلد أو اللحم بالدراهم أو بما لا ينتفع به إلا بعد استهلاكه تصدق بثمنه. (هداية، كتاب الأضحية، اشرفيه ٤/ ٤٥٠، هنديه زكريا قديم ٥/ ٣٠١، جديد ٥/ ٣٤٧، مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ٤/ ١٧٤، مصري قديم ٥/ ٥٢١، شامي زكريا ٩/ ٤٧٥، كراچي ٦/ ٣٢٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲/ ذی الحجہ ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۵۰۴۷)

چرم قربانی کا پیسہ فنڈ میں جمع کر کے وقتاً فوقتاً ضرورتمندوں کو دینا

سوال [۱۰۰۷۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے یہاں ایک فنڈ قائم ہے جس میں یہ ہوتا ہے کہ قربانی یا فطرہ کی رقم جمع کر لیتے ہیں، پھر حسب ضرورت غریب اور ضرورتمندوں کو ایک مدت تک دیتے ہیں، پھر واپس لے لیتے ہیں، تملیک کے طور پر نہیں دیتے، کیا یہ فنڈ قائم کرنا شرعاً درست ہے؟ اس سے صدقات ادا ہوں گے یا نہیں؟

المستفتی: محمد عبدالرحمٰن بنگالی مدرسہ شاہی مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: قربانی اور فطرہ وغیرہ کی رقم غرباء ومساکین کو دینا چاہیے، وہی اس کے مستحق ہیں، اس طرح کے فنڈ میں جمع کرنا خطرہ سے خالی نہیں اور نہ ہی فنڈ کے اس طرح کے عمل سے صدقات واجبہ ادا ہوتے ہیں، بلکہ صدقات واجبہ کے وجوب سے عہدہ برآ ہونے کے لیے تملیک فقراء ضروری ہے۔ (مستفاد: ایضاح المسائل ص:۱۱۳، فتاویٰ دار العلوم ۶/۲۹۴-۲۸۷، محمودیہ قدیم ۱۷/۸۵، جدید ڈابھیل ۱۷/۴۶۲)

ولا یخرج عن العهدة بالعزل بل بالأداء للفقراء. (شامی، کتاب الزکاة، زکریا ۳/۱۸۹، کراچی ۲/۲۷۰، حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، دار الکتاب دیوبند ۷۱۵)

ویشترط أن یکون الصرف تملیکا لا إباحة. (شامی، کتاب الزکاة، باب المصرف، زکریا ۳/۲۹۱، کراچی ۲/۳۴٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹/ربیع الاول ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/۶۵۵۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۳/۱۹ھ

چرم قربانی کی رقم سے میت کی چارپائی خریدنا

سوال [۱۰۰۷۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ قربانی کے چمڑوں (چرسا) کوفروخت کرکے اس کے پیسوں سے میت کے لیے کھاٹ کھٹولہ تیار کیا گیا، مگر بعض عالموں نے روک دیا، کہ اس کھاٹ کا استعمال درست نہیں ہے، لہٰذا اس کے بارے میں شرعاً فیصلہ فرمادیں دلیل کے ساتھ کہ اس پر عمل کیا جائے؟

المستفتی: محمد عبداللہ میجر گنج سیتامڑھی بہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قربانی کے چمڑوں کا پیسہ کسی فقیر محتاج زندہ مسلمانوں کو صدقہ کردینا ضروری ہے، لہٰذا میت کے لیے کھاٹ وغیرہ بنانا جائز نہیں۔ (مستفاد: ایضاح المناسک ص:۱۶۷)

ولو باع الجلد أو اللحم بالدراهم أو بمالاينتفع به إلا بعد استهلاكه تصدق بثمنه لأن القربة انتقلت إلى بدله. (هدايه، كتاب الأضحية، اشرفيه ٤/٤٥٠، شامي زكريا ٩/٤٧٥، كراچى ٦/٣٢٨، هنديه زكريا قديم ٥/٣٠١، جديد ٥/٣٤٧، مجمع الأنهر دار الكتب العلمية بيروت ٤/١٧٤، مصرى قديم ٢/٥٢١، هنديه زكريا قديم ٥/٣٠١، جديد ٥/٣٤٧) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍ذی الحجہ ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۶۳۹۳/۳۴)

چرم قربانی کی رقم سے غرباء کو رضائی بنوا کر دینا

سوال [۱۰۰۷۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مدرسہ فیض العلوم ملحقہ مسجد شیخان سیوہارہ میں زکوٰۃ و چرم قربانی وغیرہ کا کوئی پیسہ نہیں لگتا لیکن پھر بھی کافی عرصہ سے مدرسہ میں چرم قربانی جمع ہوتی آئی ہیں، جنہیں فروخت کرکے سردی کے موسم میں غرباء میں رضائی تقسیم کردی جاتی ہیں، یا اس سے پہلے بھی کسی ضرورت مند کی ضرورت کو پورا کردیا جاتا ہے، کہ آیا وہ اس پیسہ کا حقدار ہے یا نہیں؟

ایسی حالت میں ہماری رہنمائی فرمائیں عنایت ہوگی۔

المستفتی: قیام الدین سیو ہارہ بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر چرم قربانی فروخت ہونے کے بعد اس کی قیمت غریب مستحق زکوٰۃ ضرورتمندوں میں تقسیم ہوجاتی ہیں تو آپ کا یہ عمل صحیح اور درست ہے۔

فإن بیع اللحم أو الجلد به أو بدراهم تصدق بثمنه. (تنویر الأبصار مع الشامی، کتاب الأضحیة، زکریا ۹/۴۷۵، کراچی ۶/۳۲۸، هدایه، کتاب الأضحیة، اشرفیه ۴/۴۵۰، هندیه زکریا قدیم ۵/۳۰۱، جدید ۵/۳۴۷، مجمع الأنهر، دار الکتب العلمیة بیروت ۴/۱۷۴، مصری قدیم ۲/۵۲۱، هندیه زکریا قدیم ۵/۳۰۱، جدید ۵/۳۴۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸/ ذی الحجہ ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۵۰۵۸)

چرم قربانی کی رقم مسجد کی ضروریات میں صرف کرنا

سوال [۱۰۰۷۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: علاقہ چیتا کیمپ بمبئی ۸۸ میں ایک مسجد جی سیکٹر میں ''مسجد نور'' کے نام سے ساؤتھ انڈین سنی جماعت کے زیر سرپرستی ہے جس میں ایک مستند عالم امام وخطابت کے فرائض انجام دے رہے ہیں، مقتدی حضرات اور عوام ان کے کردار اور امامت وخطابت کے انداز سے مطمئن اور خوش ہیں، موصوف نے عید الاضحیٰ کے موقع پر مسائل شرعیہ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ چرم قربانی کا مصرف مسجد نہیں اس کو امام کی تنخواہ اور مسجد کے دیگر امور میں خرچ کرنا جائز نہیں، چنانچہ امسال مسجد میں چرم قربانی کم تعداد میں آئیں اسی بنا پر مسجد کی انتظامیہ کے ذمہ دار لوگوں نے مولانا کو بلا کر زجر وتوبیخ کی اور عہدۂ امام سے مستعفی ہونے کا حکم کیا، مولانا صاحب نے پوچھا کہ یہ کس جرم کی سزا ہے، تو ایک صاحب نے کہا کہ آپ نے عید

الاضحیٰ سے پہلے خطاب جمعہ میں چرم قربانی کا مسئلہ بیان کرکے مسجد کا نقصان کیا ہے، مولانا نے فرمایا یہ تو شریعت کا مسئلہ ہے جو میں نے بیان کیا ہے وہ صاحب کہنے لگے اس زمانہ میں شریعت تو کتابوں میں بند ہے، آپ کو یہ مسئلہ بیان کرنے کے لیے کس نے کہا تھا، اگر مسئلہ پر عمل کریں گے تو بھوکے مریں گے۔

آپ سے گذارش ہے کہ مسئلہ کی نوعیت اور اس شخص مذکورہ کی شرعی حیثیت کی وضاحت فرمادیں؟ تاکہ عوام کے سامنے صحیح صورت حال آجائے؟

المستفتی: سید معصوم علی چیتا کیمپ بمبئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مذکورہ امام صاحب نے جو چرم قربانی کی رقم مسجد کی ضروریات میں صرف کرنے سے متعلق شرعی مسئلہ بیان کیا ہے وہ بالکل صحیح اور درست ہے، کہ مسجد کی ضروریات اور امام ومؤذن کی تنخواہوں میں چرم قربانی کی رقم خرچ کرنا جائز نہیں ہے، اور اس رقم کو فقراء کے درمیان تقسیم کردینا لازم ہے۔

واللحم بمنزلة الجلد فی الصحیح حتی لا یبیعه بما لا ینتفع به إلا بعد الاستهلاک ولو باعها بالدراهم لیتصدق بها جاز لأنه قربة کالتصدق. (هندیه، کتاب الأضحیة، الباب السادس فی بیان ما یستحب فی الأضحیة والانتفاع بها، زکریا قدیم ۳۰۱/۵، جدید ۳۴۷/۵، مجمع الأنهر، دار الکتب العلمیة بیروت ۱۷۴/٤، مصری قدیم ۵۲۱/۲)

اور جس شخص نے امام مذکور سے یہ کہا کہ ’’العیاذ باللہ‘‘ شریعت تو کتابوں میں بند ہے آپ کو یہ مسئلہ بیان کرنے کے لیے کس نے کہا، اس کا جواب یہ ہے کہ ایسے مسائل بیان کرنے کے لیے اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے کہا ہے۔

﴿**قال الله تعالیٰ: كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ.** [آل عمران: ۱۱۰]﴾

عن طارق بن شهاب ...... سمعت رسول الله ﷺ یقول: من رأی منکم منکرا فلیغیره بیده، فإن لم یستطع فبلسانه، فإن لم یستطع فبقلبه

وذٰلک أضعف الإیمان. (صحیح مسلم، الإیمان، باب بیان کون النهی عن المنکر من الإیمان، النسخة الهندیة ١/ ٥١، بیت الأفکار رقم: ٤٩)

اس شخص کا قول کہ مسئلہ پر عمل کریں گے تو بھوکے مریں گے یہ سخت خطرناک جملہ ہے اس کو اپنے ایمان کی خبر لینی چاہئے، اس پر ضروری ہے کہ سچے دل سے توبہ کرکے ندامت کا اظہار کرے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
١٦/ صفر المظفر ١٤١٥ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٣١/ ٣٨٦٦)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
١٤١٥/٢/١٦ھ

چرم قربانی کی رقم سے مسجد ومدرسہ کا گیٹ بنانا

سوال [١٠٠٧٥]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کچھ رقم چرم قربانی سے وصول ہوئی تھی جو کہ جمع ہے اور ایک گیٹ ہے مسجد اور مدرسہ کا مشترک، تو کیا گیٹ پر چوکھٹ وغیرہ اس پیسہ سے لگوا سکتے ہیں؟

المستفتی: محمد صلاح الدین مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: چرم قربانی کی رقم سے مدرسہ ومسجد کا گیٹ بنانا جائز نہیں ہے، بلکہ غریب ونادار کو صدقہ کرنا واجب ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم ٦/ ٢٩٦، جواہر الفقہ قدیم ١/ ٤٥٤، جدید زکریا ٦/ ٣٣٦)

ولو باع الجلد أو اللحم بالدراهم أو بما لا ینتفع به إلا بعد استهلاکه تصدق بثمنه. (هدایه کتاب الأضحیة اشرفیه ٤/ ٤٥٠، شامی زکریا ٩/ ٤٧٥، کراچی ٦/ ٣٢٨، هندیه زکریا قدیم ٥/ ٣٠١، جدید ٥/ ٣٤٧، مجمع الأنهر دار الکتب العلمیة بیروت ٤/ ١٧٤، مصری قدیم ٢/ ٥٢١) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
١٨/ صفر المظفر ١٤٠٩ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٢٤/ ١١٢٠)

چرم قربانی کی رقم مسجد میں لگانا

سوال [۱۰۰۷۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: قربانی کی کھال کا روپیہ مسجد کی تعمیر میں لگ سکتا ہے یا نہیں؟ شریعت مطہر کی روشنی میں جواب عطا فرمائیں۔

المستفتی: محمد اقبال سیفی رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قربانی کی کھال فروخت کرنے کے بعد اس کی قیمت مسجد کی تعمیر میں لگانا جائز نہیں، بلکہ غریب فقراء میں تقسیم کر دینا لازم ہے۔

ویتصدق بجلدها أو یعمل منه نحو غربال و قربة ...... فإن بیع اللحم أو الجلد به أی بمستهلک أو بدراهم تصدق بثمنه وتحته فی الشامیة: لقوله علیه السلام لعلیؓ: تصدق بجلالها و خطامها ولا تعط أجر الجزار منها شیئا. (در مختار مع الشامی، کتاب الأضحیة، زکریا ۹/ ۴۷۵، کراچی ۳۲۸/۶، هدایه اشرفی ۴/ ۴۵۰، مجمع الأنهر، دار الکتب العلمیة بیروت ۴/ ۱۷۴، مصری قدیم ۲/ ۵۲۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲؍ ذی الحجہ ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۰۸۸۶)

کھال کا پیسہ مدرسہ یا مسجد کی تعمیر میں لگانا

سوال [۱۰۰۷۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے یہاں عرصہ دراز سے یہ دستور چلا آ رہا ہے کہ بقر عید کے موقعہ پر چرم قربانی جو آتی ہے، اسے مدرسے کی تعمیر اور مسجد کی تعمیر میں لگاتے ہیں، جبکہ مدرسہ میں صرف محلّہ کے بچے پڑھتے ہیں، بیرونی بچہ ایک بھی نہیں ہے کیا ایسے مدرسہ میں چرم قربانی دینا جائز ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الـجـواب وبـالله التوفيق: چرم قربانی کا پیسہ مدرسہ یا مسجد کی تعمیر میں لگانا جائز نہیں ہے، لہٰذا ایسے مدرسہ میں نہیں دینا چاہیے، جہاں مطبخ نہ ہو، کیونکہ چرم قربانی کے پیسہ کے مستحق صرف فقراء ہوتے ہیں۔

ويتـصـدق بـجـلـدها أو يعمل منه نحو غربال و قربة ...... فإن بيع اللحم أو الـجـلـد به أى بمستهلك أو بدراهم تصدق بثمنه وتحته فى الشامية: لقوله عليه السلام لعليؓ: تصدق بجلالها و خطامها ولا تعط أجر الجزار منها شيئا. (در مختار مع الشامی كتاب الأضحية، زكريا ۹/ ۴۷۵، كراچی ۳۲۸/۶، هدايه اشرفی ۴/ ۴۵۰، مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ۴/ ۱۷۴، مصری قديم ۲/ ۵۲۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶ رمحرم الحرام ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۵۸۴)

مسجد کی ضروریات میں خرچ کرنے کیلئے متولی کو چرم قربانی ہدیہ کرنا

سوال [۱۰۰۷۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: قربانی کی کھال متولی یا ممبروں میں سے کسی ممبر کو گاؤں کے لوگ ہدیہ کردیں، اور متولی یا تمام ممبر مل کر اس ہدیہ شدہ کھال کو فروخت کر کے مدرس امام ومؤذن وغیرہ کو تنخواہ میں دے سکتے ہیں یا نہیں؟ جبکہ گاؤں کے لوگوں کو معلوم ہے کہ یہ کھال جو ہدیہ دے رہے ہیں وہ فروخت ہونے کے بعد اس کی قیمت سے تنخواہ دی جائیگی، نیز اگر کسی بھی حیلہ سے قربانی کی کھال سے تنخواہ ادا ہوسکتی ہو تو ضرور مطلع فرمائیں؟

المستفتی: ایم زیڈ شاہد خاں

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الـجـواب وبالله التوفيق: قربانی کی کھال اگر متولی یا کسی دوسرے شخص کو

اپنے ذاتی استعمال کے لیے ہدیہ کردی جائے تو یہ جائز ہے، لیکن امام ومؤذن کی تنخواہوں میں دینے کے لیے یا مسجد کی کسی ضرورت میں خرچ کرنے کے لیے متولی یا ممبروں میں سے کسی کو دینا جائز نہیں۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ ۶/ ۱۶۷،عزیز الفتاویٰ ۶۷۸)

ویأکل من لحم الأضحیة ویؤکل غنیا ...... ویتصدق بجلدها. (در مختار مع الشامی، کتاب الأضحیة، زکریا ۹/ ۴۷۵، کراچی ۶/ ۳۲۸، هندیه زکریا قدیم ۵/ ۳۰۱، جدید ۵/ ۳۴۷، هدایه اشرفی ۴/ ۴۵۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍ جمادی الثانیہ ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۷۲۴۳)

چرم قربانی کی رقم امام صاحب کو دینا

سوال [۱۰۰۷۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بعض جگہوں پر لوگ بقرعید کے ایام میں اماموں کو چرم قربانی کی رقم دیتے ہیں، کیا اس کا دینا اور اماموں کا لینا صحیح ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد رستم علی گریڈھی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: چرم قربانی فروخت کردینے کے بعد اس کی قیمت کو غریبوں پر صدقہ کرنا واجب ہے امام صاحب کو امامت کی اجرت میں نہیں دے سکتے ہیں، البتہ امام صاحب غریب ہوں اور ان کی امامت کی تنخواہ مستقل ہو اور قربانی کی قیمت امامت کی اجرت میں نہ دیتے ہوں تو ایسی صورت میں امام صاحب مستحق ہونے کی وجہ سے لے سکتے ہیں۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۴/ ۳۳۴، جدید ڈابھیل ۱۷/ ۴۶۶)

ویتصدق بجلدها إلی قوله ولو باعها بالدراهم لیتصدق بها جاز لأنه قربة کالتصدق. (هندیه، کتاب الأضحیة، الباب الخامس فی بیان ما یستحب فی

الأضحية والانتفاع بها، زكريا قديم ٥/ ٣٠١، جديد ٥/ ٣٤٧، هدايه اشرفى ٤/ ٤٥٠، شامى زكريا ٩/ ٤٧٥، كراچى ٦/ ٣٢٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۴۹۵)

چرم قربانی کی قیمت سے مدرسہ تعمیر کرنا

سوال [۱۰۰۸۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے پاس کچھ رقوم چرم قربانی اور کچھ رقوم فطرے کی جمع ہیں اس رقوم کو ہم تعمیر مدرسہ میں خرچ کرنا چاہتے ہیں، خرچ کر سکتے ہیں یا نہیں؟ یا کس طرح اس کو خرچ کریں؟ اس بارے میں صحیح جواب سے مطلع فرمائیں۔

المستفتی: حاجی روشن علی چکر کی ملک مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: چرم قربانی کو فروخت کرنے کے بعد اس کی قیمت تعمیر وغیرہ میں لگانا جائز نہیں، بلکہ غریب نادار طلبہ وفقراء پر خرچ کرنا واجب ہے، اسی طرح صدقۂ فطر کی رقم بھی غریب طلبہ اور فقراء پر خرچ کرنا واجب ہوگا، اس کو تعمیر میں لگانا جائز نہیں ہوگا۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ قدیم ۶/ ۱۸۰، محمودیہ قدیم ۴/ ۳۱۲، جدید ڈابھیل ۱۷/ ۴۶۰، امداد الفتاویٰ ۳/ ۵۵۰)

فإن بيع اللحم أو الجلد به أى بمستهلك أو بدراهم تصدق بثمنه .

(در مختار مع الشامی، كتاب الأضحية، زكريا ٩/ ٤٧٥، كراچى ٦/ ٣٢٨، البحر الرائق كوئٹه ٨/ ١٧٨، زكريا ٨/ ٣٢٦، تبيين الحقائق زكريا ٦/ ٤٨٦، كوئٹه ٦/ ٩، فتاوىٰ بزازيه زكريا جديد ٣/ ١٥٩، وعلى هامش الهندية ٦/ ٢٩٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱/ محرم الحرام ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/ ۱۶۰۳)

چرم قربانی کی قیمت مدرسہ کی تعمیر میں استعمال کرنا

سوال [۱۰۰۸۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: چرم قربانی مدرسہ اشرف العلوم نیماج میں عیدالاضحیٰ کے موقعہ پر جمع کی گئی اس کی رقم اپنے پاس رکھی ہے، مدرسہ میں تعمیری کام چل رہا ہے، اور مدرسہ مقروض بھی ہے، اور اس محلہ میں غریب لوگ رہتے ہیں، ایسی صورت میں اس رقم کو تملیک کرا کے مدرسہ کے تعمیری کام میں صرف کیا جائے تو کوئی حرج تو نہیں؟ اور تملیک کا صحیح طریقہ کیا ہے؟

المستفتی: شبیر احمد قاسمی نیماج راجستھان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: قربانی کی کھال بیچ دینے کے بعد اس کی قیمت کا صدقہ کرنا واجب ہے اور اس کے مستحق غرباء ومساکین ہیں، جب وہاں اس کے مستحق غرباء و مساکین موجود ہیں تو وہی اس کے حقدار ہیں، تملیک کر کے مدرسہ کی تعمیر میں صرف کرنا جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ قدیم ۹/ ۳۱۵، عزیز الفتاویٰ ص:۷۱۱)

ولو باع الجلد تصدق بثمنه. (هدايه، كتاب الأضحية، اشرفى ٤/ ٤٥٠)

ومصرف الزكاة (وفى الشامية) والكفارة والنذر وغير ذٰلک من الصدقات الواجبة وهو فقير . (شامى، كتاب الزكاة، باب المصرف، زكريا ٣/ ٢٨٣، كراچى ٢/ ٣٣٩)

ويشترط أن يكون الصرف تمليكا لا إباحة لايصرف إلى بناء . (شامى، كتاب الزكاة، باب المصرف، زكريا ٣/ ٢٩١، كراچى ٢/ ٣٤٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵ رصفر المظفر ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۷۰۷۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۲/۲۵ھ

چرم قربانی کی رقم سے مدرسہ کے برتن اور تپائی خریدنا

سوال [۱۰۰۸۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: ہمارے گاؤں میں شادیوں میں استعمال ہونے والے برتن چرم قربانی اور زکوٰۃ کی رقم سے خریدے ہوئے ہیں، ہمارے اسی گاؤں میں ایک اسلامیہ مدرسہ مشکوٰۃ العلوم کے نام سے چل رہا ہے، گاؤں والوں کے بچے اسی مدرسے میں پڑھتے ہیں، مسجد کے امام صاحب بچوں کو پڑھاتے ہیں، ان کی تنخواہ مسجد سے دی جاتی ہے، گاؤں والوں کے یہاں جو شادی ہوتی ہے وہ ان برتنوں کو کرایہ پر لیتے ہیں، ان کا کرایہ اسی مدرسہ مشکوٰۃ العلوم میں لگایا جاتا ہے، ہمارے اس مدرسہ میں کوئی باہر کا بچہ نہیں پڑھتا ہے، صرف ہمارے گاؤں والوں ہی کے بچے پڑھتے ہیں، جو کہ صاحب نصاب ہیں، چرم قربانی کی رقم سے مدرسہ میں پڑھنے والے بچوں کی تپائیاں، بیٹھنے کے لیے فرش خریدے گئے ہیں اور ان کے خریدنے میں برتنوں کا کرایہ بھی شامل کیا ہے، ان برتنوں کو ہمارے گاؤں والوں کو استعمال کرنے کا حق ہے یا نہیں؟ ان برتنوں کو اگر مسجد خرید لے تو اس رقم کا کہاں استعمال کریں، مسجد برتنوں کو ادھار خرید کر برتنوں کا کرایہ جمع کر کے ان برتنوں کی قیمت دے تو ایسا کرنا بہتر ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد اسلم انصاری حکیم پورہ شکر گنج دھامپور بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: چرم قربانی کو فروخت کرنے کے بعد اس کا پیسہ کسی غریب فقیر کو صدقہ کردینا لازم ہوتا ہے اور اس پیسہ کے ذریعہ مدرسہ کے برتن اور تپائی وغیرہ خریدنا جائز نہیں ہے۔

ولو باع الجلد أو اللحم بالدراهم أو بمالاينتفع به إلا بعد استهلاكه تصدق بثمنه لأن القربة انتقلت إلى بدله وقوله عليه السلام من باع جلد أضحية فلا أضحية له. (هدايه، كتاب الأضحية، اشرفيه ٤/ ٤٥٠)

ولايشترى به مالاينتقع به إلا بعد الاستهلاک نحو اللحم والطعام ولا يبيعه بالدراهم. (عالمگيرى، الباب السادس فى بيان ما يستحب فى الأضحية والانتفاع بها، زكريا قديم ٥/ ٣٠١، جديد ٥/ ٣٤٧)

ويتصدق بجلدها ...... لا بمستهلک کخل و لحم ونحوه كدراهم

فإن بیع اللحم أو الجلد به أی بمستھلک أو بدراھم تصدق بثمنہ. (شامی، کتاب الأضحیة، زکریا دیوبند ۹/ ۴۷۵، کراچی ۶/ ۳۲۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم صفر المظفر ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۰۹۵۳)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۴/۲/۱ھ

چرم قربانی کی رقم مدرس کو تنخواہ میں دینا

سوال [۱۰۰۸۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر کوئی مولوی صاحب کسی گاؤں میں پڑھا رہے ہیں، گاؤں والوں نے بقرعید میں کھال کی قیمت تنخواہ میں دی اس مدرسہ میں کسی غریب یتیم لڑکے کے کھانے پینے کا انتظام نہیں ہے تو کھال کا روپیہ مولوی صاحب اپنی تنخواہ میں لے سکتے ہیں؟

المستفتی: محمد ابراہیم منگل پوری نئی دہلی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: چرم قربانی کی رقم تنخواہ میں لینا یا دینا جائز نہیں ہے، اگر تنخواہ میں لے لی ہے تو اسی کی نیت سے اتنا پیسہ غریبوں کو تقسیم کردے اور اپنی تنخواہ گاؤں سے اور مکتب کے ذمہ داران سے وصول کرے۔

ولو باع الجلد أو اللحم بالدراھم أو بما لا ینتفع بہ إلا بعد استھلاکہ تصدق بثمنہ لأن القربة انتقلت إلی بدلہ. (ھدایہ، کتاب الأضحیة، اشرفیہ ۴/ ۴۵۰، ھندیہ زکریا قدیم ۵/ ۳۰۱، جدید ۵/ ۳۴۷، مجمع الأنھر دار الکتب العلمیة بیروت ۴/ ۱۷۴، مصری قدیم ۲/ ۵۲۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷/ صفر المظفر ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۶۹۰)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۷/۲/۲۷ھ

طالب علم کو چرم قربانی کی رقم دینا

سوال [۱۰۰۸۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک طالب علم کسی مدرسہ سے پڑھ کر کے آگیا پھر وہ بقرعید کے موقع پر اس مدرسہ کا چمڑا وغیرہ وصول کرتا ہے جس کے انعام میں مہتمم اس کو کچھ روپئے دیتے ہیں تو کیا مہتمم صاحب کا اس چمڑے کے پیسہ سے دینا اور اس طالب علم کے لیے لینا جائز ہے؟

المستفتی: محمد غفران

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر طالب علم مستحق زکوٰۃ ہے تو طالب علم کا چرم قربانی کے پیسہ لینا اور مہتمم صاحب کا دینا جائز ہے، اس لیے کہ قربانی کی کھالوں کی رقم کو صدقہ کرنا واجب ہے، اور اس کے مصارف وہی ہیں جو زکوٰۃ کے مصارف ہیں۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۳/۵۳۶، احسن الفتاویٰ ۷/۵۳۱، آپ کے مسائل اوران کاحل قدیم ۴/۲۱۴، جدید زکریا ۵/۴۶۶)

فإن بيع اللحم أو الجلد به أى بمستهلك أو بدراهم تصدق بثمنه .

(در مختار مع الشامی، کتاب الأضحية، زکريا ۹/ ۴۷۵، کراچی ۶/ ۳۲۸ هدايه، اشرفی ۴/ ۴۵۰، هنديه زکريا قديم ۵/ ۳۰۱، جديد ۵/ ۳۴۷) **فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
۲۴/ربیع الثانی ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۹۳۰)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۲/۲۴ھ

چرم قربانی کی رقم اپنے طالب علم بیٹے کو دینے کا حکم

سوال [۱۰۰۸۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: عمر قربانی کر رہے ہیں اور بکر اس کا بیٹا طالب علم ہے اور دونوں میں سے کوئی مالک نصاب نہیں ہے تو کیا بیٹے کے لیے کھال کا پیسہ اپنے مصرف میں لانا درست ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مالک نصاب نہ ہونے کی وجہ سے اس پر قربانی واجب نہیں ہے، لیکن جب قربانی کردی تو اس کھال کی قیمت اپنے بیٹے کو دینا درست نہیں ہے، بلکہ اس کو صدقہ کرنا واجب ہے، البتہ اگر کھال کا پیسہ نہیں دیتا بلکہ خود کھال کو دباغت دے کر اپنے یا اپنے بیٹے کے استعمال میں لاتا ہے تو درست ہے۔

أن أبا سعید الخدری أتی أهله ...... ولا تبیعوا لحوم الهدی والأضاحی، فکلوا وتصدقوا، واستمتعوا بجلودها، ولا تبیعوها، وإن أطعمتم من لحومها فکلوا إن شئتم. (مسند أحمد بن حنبل ٤/ ١٥، رقم: ١٦٣١٢)

ویتصدق بجلدها أو یعمل منه نحو غربال و جراب. (تنویر الأبصار مع الرد، کتاب الأضحیة، زکریا ٩/ ٤٧٥، کراچی ٦/ ٣٢٨، هدایه اشرفی ٤/ ٤٥٠، هندیه زکریا قدیم ٥/ ٣٠١، جدید ٥/ ٣٤٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹/ ذی الحجہ ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۵۷۷)

کیا مدرسہ کو دی گئی کھال کی رقم طالب علم استعمال کرسکتا ہے؟

سوال [۱۰۰۸۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید ایک غریب گھرانے کا طالب علم ہے زید نے بقرعید میں قربانی کی کھال لے لی اس ارادے سے کہ میں اس کو لے لوں گا، اس وجہ سے کہ میں غریب ہوں اور یہ بھی ارادہ کیا کہ اگر میں اس کا مستحق نہ ہوں گا تو مدرسہ میں دیدوں گا لیکن دینے والے نے اس خیال سے دی کہ میری کھال مدرسہ میں جائیگی کیونکہ زید مدرسہ ہی میں پڑھتا ہے تو وہ اس کے علاوہ اور کہاں دے سکتا ہے، دے گا، تو مدرسہ ہی میں دے گا تو زید اس صورت میں کھال کا مالک ہوگیا یا مدرسہ میں دے گا؟

المستفتی: وکیل احمد سیتاپوری مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کھال کے مالک نے جب آپ کو اس خیال سے کھال دی کہ وہ جا کر مدرسہ میں دیدے گا تو اب آپ کے لیے اس کھال یا اس کی قیمت کا استعمال جائز نہیں ہے، مدرسہ میں دینا ضروری ہے۔

الوكيل إنما يستفيد التصرف من الموكل وقد أمره بالدفع إلى فلان فلا يملك الدفع إلى غيره. (شامی، کتاب الزکاۃ، زکریا ۳/ ۱۸۹، کراچی ۲/ ۲۶۹)

ويتصدق بجلدها ...... ولو باعها بالدراهم ليتصدق جاز لأنه قربة كالتصدق. (ھندیہ، الباب السادس فی بیان ما یستحب فی الأضحیة والانتفاع بها، زکریا قدیم ۵/ ۳۰۱، جدید ۵/ ۳۴۷، ھدایہ اشرفی ۴/ ۴۵۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰؍ صفر المظفر ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۱۹۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۸/۲/۳۰ھ

چرم قربانی کی رقم مکتب میں صرف کرنا

سوال [۱۰۰۸۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک مکتب میں کچھ مقامی بچے زیر تعلیم ہیں، جن میں صاحب حیثیت لوگوں کے بچے بھی ہیں، اور غرباء کے بچے بھی، ارباب مدرسہ چرم قربانی وصول کر کے ان غرباء کے بچوں کے ذریعہ تملیک کرنے کے بعد اس رقم سے ان بچوں کا کچھ تعاون کر کے بقیہ رقم تنخواہ مدرسین وتعمیر وغیرہ کے کام میں لانا چاہتے ہیں، ایسا کرنا شرعاً درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد عباس قاسمی موانہ کلاں میرٹھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: وہ مکتب جہاں غریب مستحق زکوٰۃ طلبہ کی کفالت نہ کی جاتی ہو ایسے مکتب میں صدقہ فطر و چرم قربانی اور زکوٰۃ کی رقم دینا جائز نہیں ہے۔

لایصرف إلی بناء مسجد (تحت قوله) کبناء القناطر والسقایات واصلاح الطرقات وکری الأنهار والحج والجهاد وکل ما لا تملیک فیه.

(در مختار مع الشامی، کتاب الزکاة، باب المصرف، زکریا ۳/ ۲۹۱، کراچی ۲/ ۳۴۴)

اور ایسے مکتبوں میں حیلۂ تملیک کی بھی گنجائش نہیں ہے بلکہ ایسے مکتبوں کو علاقہ کے لوگ اپنی امداد کے پیسہ سے چلایا کریں۔ (ایضاح النوادر ۲/ ۱۶۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۸۸۴)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲/ ۶/ ۱۴۱۷ھ

چرم قربانی کی رقم مکتب کی تعمیر میں لگانا

سوال [۱۰۰۸۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے گاؤں میں مکتب چھوٹا ہے اور بچوں کی تعداد بڑھتی رہتی ہے، اور ہمارے پاس چرم قربانی کی رقم موجود ہے کیا بغیر تملیک کے تعمیری کام میں لگا سکتے ہیں یا پھر تملیک کی بہتر صورت کیا ہے؟ ارشاد فرمائیں۔

المستفتی: ظہور الحسن مہاراشٹری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: چرم قربانی کو فروخت کرنے کے بعد اس کی رقم نادار وفقیروں کو صدقہ کر دینا لازم ہے، تعمیرات میں لگانا جائز نہیں اور مکتب کی تعمیر کی ذمہ داری اس کے متعلق آبادی اور محلّہ والوں پر ہے، اس لیے اس کام کے لیے چرم قربانی کے پیسے جو فقیروں کا حق ہے، تملیک کر کے فقیروں کو اس سے محروم کرنے کی اجازت نہیں۔

ویشترط أن یکون الصرف تملیکا لا إباحة لایصرف إلی بناء نحو مسجد إلی آخره، وفی الشامیة: کبناء القناطر والسقایات و اصلاح الطرقات وکری الأنهار والحج والجهاد. (شامی، کتاب الزکاة، باب المصرف، زکریا ۳/ ۲۹۱،

کراچی ۲/۳٤٤، مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ۳۲۹/۱، مصرى قديم ۲۲۲/۱)

إن كل حيلة يحتال بها الرجل لإبطال حق الغير أو لإدخال شبهة فيه أو لتمويه باطل فهو مكروهة . (هندیه، كتاب الحيل، الفصل الأول، زكريا قديم ۳۹۰/٦، جديد ۳۹۳/٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
۲۷/صفر المظفر ۱۴۲۳ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۷۵۲۹/۳۶)	۱۴۲۳/۲/۲۸ھ

چرمِ قربانی غنی کو بطور ہدیہ دینے کے بعد فروخت کروا کر روپیہ مکاتب میں لگانا

سوال [۱۰۰۸۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کسی مالدار شخص کو چرمِ قربانی ہدیۃً دینا کیسا ہے؟ اگر جائز ہے جیسا کہ مسائل عیدین وقربانی ص: ۱۹۰ میں بحوالہ جواہر الفقہ ۱/ ۴۸۷ پر ہے، تو پورے محلّہ اور گاؤں کی چرمِ قربانی اجتماعی طور پر کسی غنی کو بطور ہدیہ دیں پھر وہ شخص فروختگی کے بعد بغیر کسی جبر واکراہ کے ان کی رقم مکاتب ومدارس میں صرف کرنا چاہے تو درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد ساجد، ممتاز احمد قاسمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: غنی کو چرمِ قربانی بعینہ دیدینا جائز ہے، مگر اس نیت سے غنی کو دیدینا جائز نہیں ہے، کہ غنی اس کو فروخت کر کے مدرسہ یا مکتب کو دیدیگا کیونکہ اس صورت میں وہ غنی مالک نہ ہوگا، بلکہ فروخت کر کے روپیہ مدارس یا مکاتب کو دینے کے لیے وکیل ہو جائے گا، اور وکیل کا وہی حکم ہوتا ہے جو مالک کا ہے، لہٰذا جس طرح مالک کا فروخت کرنے کے بعد پیسوں کو غرباء وفقراء اور غریب طلبہ پر خرچ کرنا لازم ہو جاتا ہے اسی طرح اس غنی پر بھی لازم ہو جائے گا، ہاں البتہ غنی کو ہی مالک ہونے کے لیے دیدینا جائز ہے جس کو فروخت کر کے اپنے مصرف میں خرچ کرنے میں کوئی اشکال نہ ہو اس کی علامت اور امتحان یہ ہے کہ وہ غنی چرم

قربانی کو فروخت کر کے اپنی حوائج میں خرچ کرے تو اہل عطاء کو ناگوار اور گراں نہ ہو، اور اس کی شکایت و مذمت نہ ہو اور دل میں کدورت اور انقباض نہ ہو اور اگر شکوہ شکایت ہے تو وہ غنی ان چرم قربانی کا مالک ہی نہیں ہوا۔ (تفصیل: امدادالفتاویٰ ۳/۵۳۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵؍صفر المظفر ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/۷۹۰۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۴/۲/۵ھ

گائے رون کا حکم

سوال [۱۰۰۹۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے گائے کی قربانی کی، گائے کے پیٹ میں سے گائے رون نکلی، کیا زید اس گائے رون کو بیچ کر گائے رون سے حاصل شدہ رقم خود استعمال کر سکتا ہے؟

کیا زید کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ قربانی کے جانور میں نکلی ہوئی گائے رون کو خالد سے کسی ایسی چیز کے عوض میں تبدیل کرے کہ وہ چیز باقی رہے اور زید اس چیز سے فائدہ اٹھاتا رہے، حضرت والا سے درخواست ہے کہ جواب مدلل عنایت فرمائیں۔

المستفتی: روشن شاہ اکولوی، مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر روپیہ پیسہ کے عوض فروخت کیا جائے تو رقم کا تصدق کر دے اور اگر ایسے سامان سے تبدیل کروایا جائے جو قابل استعمال ہے، تو وصول شدہ سامان کا ذاتی استعمال میں رکھنا جائز ہے۔

ولابأس بأن يشترى به ما ينتفع بعينه مع بقائه استحسانا. (هنديه، الباب السادس فى بيان ما يستحب فى الأضحية والانتفاع بها، زكريا قديم ٥/٣٠١، جديد ٥/٣٤٧) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶؍ذی الحجہ ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/۲۴۹۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۱/۱۲/۲۶ھ

سماج والوں کا دوثلث قربانی کا گوشت جمع کرکے غریبوں میں تقسیم کرنے کا حکم

سوال [۱۰۰۹۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: آسام کے بعض دیہی علاقوں میں لوگ سماجی زندگی گذارتے ہیں، اور ایک دوسرے سے مؤدت ومحبت کے ساتھ پیش آتے ہیں، چنانچہ قربانی کے موقع پر ان میں کوئی اپنا جانور قربان کرے تو اس کو تین حصوں میں تقسیم کرتے ہیں، دو حصے سماج میں جمع کرتے ہیں اور ایک حصہ اپنے گھر لے آتے ہیں، اور سماج کا قانون یہی ہے، لہٰذا کوئی شخص اپنا مذبوحہ جانور کے حصے سماج میں جمع نہ کرے تو اسے سماج سے نکال دیا جاتا ہے، اور جب تمام مذبوحہ جانور کے متعین حصے اکٹھے جمع ہو جاتے ہیں تو اس گوشت کو اولاً تولتے ہیں، پھر فی کس یا گھر کے اعتبار سے سماج میں جتنے لوگ رہتے ہیں، ان کے درمیان تقسیم کر دیتے ہیں، اور اس کی تقسیم میں قربانی کرنے والے اور نہ کرنے والے دونوں قسم کے لوگوں کو یکساں طور پر فی کس کے حساب سے گوشت ملتا ہے۔

اب دریافت مسئلہ یہ ہے کہ اس طرح گوشت کے جمع کرنے کو لازم سمجھنا اور جمع نہ کرنے کی صورت میں سماج سے نکال دینا از روئے شرع کیسا ہے؟ نیز جمع شدہ گوشت میں سے قربانی کرنے والے کا فی کس کے حساب سے اپنا متعینہ حصہ حاصل کرنا کیسا ہے، جبکہ وہ تمام گوشت اعزاء واقرباء اور فقراء کے لیے ہر قربانی کرنے والے نے اپنے مذبوحہ جانور سے الگ کرکے سماج میں جمع کیا ہے؟

المستفتی: مولانا ربیع الاسلام آسامی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر علاقہ کے لوگوں نے سماج میں اتحاد کو باقی رکھنے کے لیے اور غریبوں کی مدد کے لیے آپس کی رضامندی سے یہ ضابطہ بنا لیا ہے کہ قربانی کے گوشت کا مخصوص حصہ سماج کے نام سے ایک جگہ جمع کیا جائے، پھر اسے تول کر پورے محلے کے تمام لوگوں کو برابر تقسیم کر دیا جائے، جس سے غریب لوگ جنہوں نے قربانی نہیں کی، ان کو بھی پورا حصہ مل جائے، اور گوشت جمع کرنے والوں کو بھی پورا حصہ مل جائے تو یہ غریبوں

کے تعاون کی ایک بہترین شکل ہے، اس میں سب لوگوں کو متحد رہنا چاہیے، اور جو آدمی اپنی قربانی کا گوشت جمع نہیں کرتا ہے، شرعی طور پر اس کے اوپر کوئی گناہ اور الزام نہیں، لیکن اس کے لیے بہتر یہی ہے کہ رضا کارانہ طور پر وہ بھی بخوشی گوشت جمع کرے، تاکہ سماج کے لوگوں میں اس کو الگ نہ سمجھا جائے، اور سماجی اتحاد میں کوئی فرق نہ آنے پائے۔

عن ابن عمر قال رسول الله ﷺ: إن الله لايجمع أمتي على ضلالة ويد الله على الجماعة.......... (سنن ترمذی، باب ماجاء فی لزوم الجماعة، النسخة الهندية ۲/ ۳۹، دار السلام رقم: ۲۱۶۷)

ويستحب أن يأكل من أضحيته ويطعم منها غيره والأفضل أن يتصدق بالثلث ويتخذ الثلث ضيافة لأقاربه و أصدقائه ويدخر الثلث ويطعم الغني والفقير جميعا. (هنديه، الباب الخامس زكريا جديد ۵/ ۳۴۶، قديم ۵/ ۳۰۰، الموسوعة الفقهية الكويتية ۵/ ۱۰۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم ربیع الثانی ۱۴۳۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/ ۱۱۹۷۰)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱/۴/ ۱۴۳۶ھ

کیا چرم قربانی کے روپیہ سے جنازہ کی چوکی بنوائی جاسکتی ہے؟

سوال [۱۰۰۹۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ چرم قربانی کے روپئے سے جنازہ کی چوکی بنائی جاسکتی ہے یا نہیں؟ قرآن و حدیث کی روشنی میں واضح دلائل کے ساتھ تحریر فرمائیں، نوازش ہوگی۔

المستفتی: محمد طارق شمسی، محلّہ رفعت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عین چرم قربانی کا استعمال کرنا فقیر وغنی سب کے لیے جائز ہے، لیکن اگر چرم قربانی فروخت کردی جائے تو اس کی قیمت کسی غریب کو صدقہ کردینا

لازم ہے،اس کی قیمت سے جنازہ کی چوکی بنانا جائز نہیں ہے۔(مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۴/۳۱۲)

فإن باع لذٰلک تصدق بالثمن أیضا. (بزازیه، کتاب الأضحیة زکریا جدید ۳/۱۵۹، وعلی هامش الهندیة ٦/٢٩٤)

فإن بیع اللحم أو الجلد به أی بمستهلک أو بدراهم تصدق بثمنه.

(در مختار مع الشامی، کتاب الأضحیة، زکریا ۹/ ٤٧٥، کراچی ٦/٣٢٨هدایه، اشرفی ٤/ ٤٥٠، هندیه زکریا قدیم ٥/٣٠١، جدید ٥/٣٤٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳/ ذی الحجہ ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/۲۴۹۰)

گائے رون کا شرعی حکم

سوال [۱۰۰۹۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: گائے بیل کے پیٹ میں سے ذبح کرنے کے بعد شاذ ونادر گائے رون نکلتی ہے (جو قیمتی شئ ہوتی ہے) اگر یہ گائے رون قربانی کے جانور کے پیٹ میں پائی جائے تو کیا اس کو قربانی کرنے والا خود اپنے استعمال میں لاسکتا ہے یا نہیں؟

کیا صاحب قربانی کے لیے اس گائے رون کے استعمال کے جواز کی شرعی اعتبار سے کوئی صورت نکل سکتی ہے؟

المستفتی: عبد السلام پونوی مہاراشٹر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جی ہاں قربانی کرنے والا قربانی کے جانور کے ہر جزء سے فائدہ اٹھا سکتا ہے،اوراسی طرح اگر پیٹ سے گائے رون جیسی قیمتی چیز نکل جائے تو اس سے فائدہ اٹھانا بھی جائز ہے، نیز اگر جانور خریدا ہوا ہے تب گائے رون صاحب قربانی کی ملکیت میں ہوگی کیونکہ جو چیز غذا کے اثرات سے پیدا ہوجائے وہ خریدار کی ملکیت میں آجاتی ہے۔

ولـو كـان فيـه عـنبـر يـكـون لـلـمشتري (قوله) وكل شيئ يوجد في حوصلة الطير مما يأكله فهو للمشتري. (هنديه، كتاب البيوع، قبيل الباب السادس في خيار الشرط، زكريا قديم ٣/٣٨، جديد ٣/٤٠، تاتارخانية زكريا ديوبند ٨/٣٠١، رقم: ١٢٠٠٠)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳/ ذی الحجہ ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/ ۲۴۹۰)

اضحیہ منذورہ کا گوشت کھانا جائز اور ذبیحہ منذورہ کا جائز نہیں

سوال [۱۰۰۹۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک صاحب نے اپنی گابھن بھینس کے بارے میں کہا کہ اگر اس نے کٹرا دیا تو اس کو ایام قربانی میں اللہ کے واسطے ذبح کریں گے اور اگر کٹری دی تو وہ ہماری ہوگی، اتفاق سے اس نے کٹرا دیا اب وہ کٹرا تقریباً تین سال کا ہے، اب معلوم یہ کرنا ہے کہ کٹرے مذکور کی قربانی کرنے کے بعد اس کا گوشت گھر میں استعمال کر سکتے ہیں یا اس کے گوشت کا صدقہ کرنا لازم ہے؟ نیز بوقت نذر ناذر کے اوپر قربانی واجب نہیں تھی، اب وہ جانور قربانی کے لائق ہوگیا ہے۔

المستفتی: علی احمد رائے پور ضلع مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: صورت مذکورہ میں ناذر اور غنی کے لیے مذکورہ جانور کی قربانی کا گوشت کھانا جائز نہیں ہوگا، بلکہ پورے کا صدقہ کرنا واجب ہوگا۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۳/۵۶۳)

احقر نے تقریباً ۲۶/ سال قبل حضرت تھانویؒ کے جواب کے مطابق اضحیہ منذورہ کے گوشت کو خود ناذر اور غنی کے کھانے کو ناجائز لکھا تھا، اور پورے کو واجب التصدق لکھا تھا اور حضرت تھانویؒ نے ہندیہ کی عبارت:

نـذر أن يـضحى ولم يسم شيئا عليه شاة ولا يأكل منها وإن أكل عليه قيمتها.

(هنديه، كتاب الأضحية، الباب الثاني في وجوب الأضحية زكريا قديم ٥/٢٩٥، جديد ٥/٣٤٠)

وإن وجبت بالنذر فليس لصاحبها أن يأكل منها شيئا ولا يطعم غيره من الأغنياء سواء كان الناذر غنيا أو فقيرا. (هنديه، قديم ٥/٣٠٠، جديد ٥/٣٤٦)

بھی نقل فرمائی ہے، اور احقر نے نیچے بدائع کی عبارت کا اقتباس نقل کردیا تھا، مگر اب سارے جزئیات پر غور کرنے کے بعد یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ نذر ذبح اور نذر اضحیہ دونوں بالکل الگ الگ ہیں، کیونکہ فعل ذبح عبادت نہیں اور فعل اضحیہ عبادت ہے، اور نذر ذبح کا گوشت ناذر اور غنی کے لیے کھانا جائز نہیں، اور نذر اضحیہ کا گوشت کھانا خود ناذر اور غنی کے لیے جائز ہے، لہٰذا ۷؍ ذی الحجہ ۱۴۰۹ھ کا لکھا ہوا مسئلہ امداد الفتاویٰ کے مطابق تو ہے مگر اس میں تسامح ہے اور صحیح یہی ہے کہ اضحیہ منذورہ کا گوشت ناذر اور غنی کے لیے کھانا جائز ہے، اسی کی طرف صاحب بدائع نے اشارہ فرمایا ہے: بدائع کی عبارت یہ ہے:

إن الدماء أنواع ثلاثة: نوع يجوز لصاحبه أن يأكل منه بالإجماع، ونوع لايجوز له أن يأكل منه بالإجماع، ونوع اختلف فيه، فالأول دم الأضحية نفلا كان أو واجبا، منذورا كان أو واجبا مبتدأً والثاني دم الإحصار و جزاء الصيد و دم الكفارة الواجبة (إلى قوله) وغير ذٰلک من الجنايات و دم النذر بالذبح. (بدائع الصنائع قديم ٥/٨٠، زكريا ٤/٢٢٣، بذل المجهود، كتاب الأضحية، باب حبس لحوم الأضاحي، قديم ٤/٧٦، جديد دار البشائر الإسلاميه بيروت ٩/٥٦٦-٥٦٧) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍ ذی الحجہ ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/ ۱۵۵۰)

فقیر اپنی قربانی کا گوشت خود بھی اور مالدار کو بھی کھلا سکتا ہے

سوال [۱۰۰۹۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ سات آدمیوں نے مل کر ایک بڑا جانور قربانی کے لیے خریدا، ان میں سے تین آدمی فقیر ہیں، اور فقیروں کے حصے نذر کے ہو جاتے ہیں تو سوال یہ ہے کہ ان فقیروں کے لیے اپنے اپنے حصہ کا گوشت کھانا جائز ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: فقیر اپنی قربانی کے جانور کا گوشت خود بھی کھا سکتا ہے اور دوسروں کو بھی کھلا سکتا ہے کیونکہ یہ حقیقت میں نذر نہیں ہے بلکہ نذر کی طرح ہے۔
(مستفاد: فتاویٰ دار العلوم ۱۵/ ۵۶۸، امداد الفتاویٰ ۳/ ۵۶۳، احسن الفتاویٰ ۷/ ۵۲)

سئل قاضی بدیع الدین عن الفقیر إذا اشتریٰ شاۃ للأضحیة حتی تصیر واجبة علیه فإذا ضحی هل یحل له أکله؟ قال: نعم. (تاتارخانیة زکریا ۱۷/ ۴۱۳، رقم: ۲۷۶۷۳)

ویأکل من لحم الأضحیة ویؤکل غنیا وتحته فی الشامیة: هذا فی الأضحیة الواجبة والسنة سواء إذا لم تکن واجبة بالنذر …… وأراد بالأضحیة السنة أضحیة الفقیر. (شامی، کتاب الأضحیة، زکریا ۹/ ۴۷۳، کراچی ۶/ ۳۲۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵/ ذی قعدہ ۱۴۳۴ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۲۸۵)

مرحوم کی طرف سے کی گئی قربانی کے گوشت کا مصرف

سوال [۱۰۰۹۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر کسی مرحوم کی قربانی کرنی ہو تو اس قربانی سے مرحوم کا وارث جو قربانی کر رہا ہے وہ کھا سکتا ہے یا نہیں؟ یا غریب فقیر کو اس کا دینا ضروری ہے؟

المستفتی: محمد اسلام پریس والے شیر کوٹ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر مرحوم کی طرف سے قربانی کی وصیت تھی تو فقراء کو دیدینا چاہیے خود نہ کھائے اور اگر مرحوم نے وصیت نہیں کی ہے، ورثاء اپنے طور پر مرحوم کی طرف سے قربانی کرتے ہیں تو اپنی قربانی کے گوشت کی طرح اس کا گوشت بھی استعمال کرنا بلاتردد جائز ہے۔

من ضحیٰ عن الميت يصنع كما يصنع فی أضحية نفسه من التصدق والأكل والأجر للميت، قال الصدر: والمختار أنه إن بأمر الميت لايأكل منها وإلا يأكل. (شامی، كتاب الأضحية، زكريا ٤٧٢/٩، كراچی ٣٢٦/٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱؍محرم الحرام ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/۲۹۹۲)

قربانی کے وکیل کو گوشت پر ہر طرح سے اختیار

سوال [۱۰۰۹۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مغربی مما لک سے ایک شخص نے بڑے جانور کی قربانی کا پیسہ ہندوستان بھیج دیا، اور شرکاء کا نام بھی لکھ دیا، اور گوشت ہندوستان کے لوگ ہی کھائیں گے کسی کو بھی کھانے کی اجازت نہیں ہے تو ایسی صورت میں ہندوستان میں قربانی کرنے والا جانور کا گوشت تول کر تقسیم کرے گا یا اس کو ہر طرح کی اجازت ہے، جتنا چاہے دے جتنا چاہے رکھ لے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ہندوستان میں قربانی کرنے والے کو جب گوشت کے بارے میں پورا اختیار ہے تو جس طرح چاہے تقسیم کرے چاہے تول کر تقسیم کرلے چاہے اندازے سے تقسیم کرے اسی طرح جتنا چاہے لوگوں کے درمیان تقسیم کرے اور جتنا چاہے رکھ لے ہر طرح جائز ہے۔

وفي الخانية: رجل دفع مالا إلى رجل و أمره أن يتصدق بذلك المال فتصدق الوكيل على ابن كبير له جاز في قولهم بدليل أنه لو دفع ماله إلى رجل وقال ضع مالي حيث شئت كان له أن يضعه في نفسه. (تاتارخانية زكريا ۳۱۰/۱۲، رقم: ۱۷۵۸۷)

رجل دفع إلى رجل عشرة دراهم وقال: تصدق بهذه العشرة على عشرة مساكين فتصدق بها على مسكين واحد دفعة واحدة جاز. (تاتارخانية زكريا ۳۱۱/۱۲، رقم: ۱۷۵۸۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷/ذی قعدہ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۲۸۸)

ایام نحر میں فقیر کے خریدے ہوئے جانور کا گوشت خود اور غنی کا کھانا

سوال [۱۰۰۹۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ فقیر نے ایام نحر میں جو جانور کی قربانی کی نیت سے خریدا ہے وہ اضحیہ منذورہ ہو گیا اس کا بدلنا بھی اس کے لیے جائز نہیں ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ جب وہ اضحیہ منذورہ ہو گیا ہے تو فقیر اور غنی دونوں کے لیے اس کا گوشت کھانا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد شعیب میرٹھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: نذر کی دو قسمیں ہیں:

(۱) نذر ذبح جس میں تقرب الی اللہ مقصد نہیں ہوتا ہے، بلکہ اراقۃ دم اور تصدق مقصد ہوتا ہے، یعنی ذبح کر کے صدقہ کرنا مقصد ہوتا ہے تو ایسے جانور کا گوشت ناذر اور غنی دونوں کے لیے جائز نہیں ہے بلکہ دوسرے فقراء وغرباء میں تقسیم کرنا واجب ہوتا ہے۔

(۲) نذر اضحیہ اس میں تقرب الی اللہ مقصد ہوتا ہے اور ساتھ میں گوشت کھانا بھی مقصد

ہوتا ہے، اور جو جانور تقرب الی اللہ کے لیے خرید کر ذبح کیا جائے اس کا گوشت کھانا حلال اور جائز ہوتا ہے، اس لیے ناذر اور غنی دونوں کے لیے اضحیہ منذورہ کا گوشت کھانا راجح اور مفتی بہ قول کے مطابق حلال اور جائز ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم جدید ۱۵/ ۵۶۸، احسن الفتاویٰ ۷/ ۵۲۵تا ۵۲۸)

ظاهر كلامه أن الواجبة على الفقير بالشراء له الأكل منها. (شامی، كتاب الأضحية، زكريا ۹/ ۴۷۳، كراچی ۶/ ۳۲۷)

وفی فتاویٰ آهو: سئل قاضی بديع الدين عن الفقير إذا اشتریٰ شاة للأضحية حتى تصير واجبة عليه فإذا ضحى هل تحل له أكله؟ قال: نعم. (تاتارخانية زكريا ۱۷/ ۴۱۳، رقم: ۲۷۶۷۳)

إن الدماء أنواع ثلاثة: نوع يجوز لصاحبه أن يأكل منه بالإجماع، ونوع لايجوز له أن يأكل منه بالإجماع، ونوع اختلف فيه، فالأول دم الأضحية نفلا كان أو واجبا، منذورا كان أو واجبا مبتدأً والثانی دم الإحصار و جزاء الصيد و دم الكفارة الواجبة (إلى قوله) وغير ذٰلک من الجنايات ودم النذر بالذبح، والثالث: دم المتعة والقران فعندنا يؤكل وعند الشافعی لا يوكل. (بدائع الصنائع قديم ۵/ ۸۰، زكريا ۴/ ۲۲۳، بذل المجهود، كتاب الأضحية، باب حبس لحوم الأضاحی، قديم ۴/ ۷۶، جديد دار البشائر الإسلامية بيروت ۹/ ۵۶۶ -۵۶۷)

وإن نذر أضحية فی ذمته ثم ذبحها فله أن يأكل منها، وقال القاضی من أصحابنا من منع الأكل منها وهو ظاهر كلام أحمد و بناه على الهدی المنذور. (المغنی للابن قدامة ۹/ ۳۶۲) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
۲۴/ ذی قعدہ ۱۴۳۵ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۱/ ۱۱۷۴۳)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵/۱۲/۴ھ

قربانی کا گوشت کس حساب سے تقسیم کریں؟

سوال [۱۰۰۹۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: ایک شخص نے ایک بکرے کی قربانی کی سینہ کو اپنے پاس رکھنے کے بعد بقیہ گوشت کے تین حصے کیے تو شریعت مطہرہ کی رو سے جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد یوسف چومکھا پل مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: قربانی کا سارا گوشت قربانی کرنے والے گھر میں استعمال کر سکتے ہیں، تین حصے کرنے واجب یا فرض نہیں ہیں بلکہ صرف مستحب ہیں، لہٰذا اگر کوئی شخص سینہ رکھ کر تین حصے کرتا ہے، تو کوئی گناہ نہیں ہے، البتہ بہتر تو یہ ہے کہ سارے گوشت کا تین حصہ کرے۔

والأفضل أن يتصدق بالثلث ويتخذ الثلث ضيافة لأقربائه و أصدقائه و يدخر الثلث، ويستحب أن يأكل منها لو حبس الكل لنفسه جاز. (شامی، كتاب الأضحية، زكريا ۹/٤٧٤، كراچی ٦/٣٢٨، هنديه زكريا قديم ٥/٣٠٠، جديد ٥/٣٤٦، بدائع الصنائع كراچی ٥/٨١، زكريا ٤/٢٢٤، الموسوعة الفقهية الكويتية ٥/١٠٢، ٣٥/٢١٠، المبسوط، دار الكتب العلمية بيروت ٤/٧٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۵؍رجب المرجب ۱۴۱۸ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۳۸۲)

قربانی کے گوشت کی تقسیم کا طریقہ

سوال [۱۰۱۰۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ قربانی کے گوشت کو کس طرح تقسیم کیا جائے، مہربانی فرما کر وضاحت فرمائیں۔

اکثر لوگ سارے گوشت کو کھچڑا یا بریانی وغیرہ بنوا کر دعوت کے اعتبار سے لوگوں کو کھلا دیتے ہیں کیا یہ صحیح طریقہ ہے، آپ تفصیل سے قربانی کے گوشت کو کس طرح استعمال کیا جائے، بتادیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر شرکاء کے درمیان حصہ تقسیم کرنا ہے تو وزن کر کے

تقسیم کیا جائے، اور اگر اپنا حصہ تقسیم کرنا ہے تو تین حصہ کر کے ایک تہائی فقراء کو صدقہ کر دینا، اور ایک تہائی اعزاء اور دوستوں کی مہمان داری میں خرچ کرنا، اور ایک تہائی اپنے لیے رکھنا مستحب طریقہ ہے، اور اگر پورا اپنے لیے رکھ لیتا ہے یا بریانی وغیرہ بنا کر لوگوں کو کھلا دیتا ہے تو بھی جائز ہے۔

ویقسم اللحم وزنا لا جزافا. (الدر المختار، کتاب الأضحية، زکریا ۹/ ٤٦٠، کراچی ٦/ ٣١٧، مجمع الأنهر، دار الکتب العلمية بیروت ٤/ ١٦٨، مصری قدیم ٢/ ٥١٧)

والأفضل أن يتصدق بالثلث ويتخذ الثلث ضيافة لأقربائه و أصدقائه و يدخر الثلث ويستحب أن يأكل منها لو حبس الكل لنفسه جاز. (شامی، کتاب الأضحية، زکریا ۹/ ٤٧٤، کراچی ٦/ ٣٢٨، هندیه زکریا قدیم ٥/ ٣٠٠، جدید ٥/ ٣٤٦، بدائع الصنائع کراچی ٥/ ٨١، زکریا ٤/ ٢٢٤، الموسوعة الفقهية الکويتية ٥/ ١٠٢، ٣٥/ ٢١٠، المبسوط، دار الکتب العلمية بیروت ٤/ ٧٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷/ ذی قعدہ ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/ ۲۰۲۶)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۰/۱۱/۲۷ھ

ایک حصہ دار کو اس کے حصہ سے زیادہ گوشت دینا

سوال [۱۰۱۰۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے شہر میں بہت سے ادارے اور تنظیمیں بڑے جانور کی اجتماعی قربانی کا اہتمام کرتی ہیں، اس سلسلے میں چند باتیں دریافت طلب ہیں: اجتماعی قربانی میں حصہ لینے والے اکثر حضرات اپنے حصہ کا گوشت نہیں لیتے بلکہ ذمہ دار حضرات ہی کو غرباء میں گوشت تقسیم کر دینے کا بخوشی کلی اختیار دیتے ہیں، لیکن کچھ لوگ اپنا حصہ بھی لیتے ہیں، تو کیا ایسی صورت میں کسی حصہ دار کو اس کے حصہ سے زیادہ دینے میں (جبکہ دوسرے بہت سے شرکاء اپنا حصہ لیتے ہی نہیں) کوئی حرج تو نہیں؟ کیونکہ اتنی بڑی قربانی میں ہر ایک کا حصہ برابر کا نکالنا ایک مشکل ترین کام ہے؟

المستفتی: محمد آصف

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قربانی کرنے والا اپنی قربانی کے گوشت میں سے جس کو چاہے ہبہ بھی کرسکتا ہےاور صدقہ بھی، لہٰذا جب دیگر شرکاء نے یا زیادہ تعداد میں قربانی کرنے والوں نے گوشت کسی کو بھی تقسیم کرنے کی اجازت دے دی ہےتو وہ شرکاء جنہوں نے اپنے حصے کا گوشت لے لیا ہے وہ مزید گوشت لینا چاہیں تو دیگر شرکاء کے اجازت دیئے ہوئے حصوں میں سے حسب ضرورت لے سکتے ہیں،ان کو دینا بھی جائز ہے۔

ویطعم الغنی والفقیر ویهب منها ما شاء لغنی ولفقیر و لمسلم وذمی ولو تصدق بالکل جاز ولو حبس الکل لنفسه جاز. (حاشية الطحطاوى على الدر المختار، كتاب الاضحية، کوئٹه ٤/١٦٦، هنديه زكريا قديم ٥/٣٠٠، جديد ٥/٣٤٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۷ر جمادی الثانیہ ۱۴۲۹ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۶۳۸)

گوشت کووزن کرکے تقسیم کرنا

سوال [۱۰۱۰۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: جانور کے گوشت کا وزن ۱۰۵ کلو ہےتو سات حصوں میں سے ہر ایک کا حق ۱۵ر کلو آیا تو گوشت کے مطالبہ کرنے والے دو حصہ داروں کو ۱۵/۱۵ر کلو دیدیا گیا،اس کے بعد باقی ۷۵رکلو رہا جس میں ۵ر حصے ہیں، وہ بھی انہیں دونوں کو لینا ہےتو ان دونوں کے لیتے وقت تخمینہ سے تقسیم کرنا جائز ہے یا تول کر تقسیم کرنا لازم ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سات لوگوں نے مل کر قربانی کی اوران میں دو گوشت لینا چاہتے ہیں بقیہ نہیں لینا چاہتے ہیں،صورت حال یہ ہے کہ گوشت کا مکمل وزن ۱۰۵ کلو ہےتو پہلے ان

دونوں کا حصہ ۱۵/۱۵ رکلو دینے کے بعد ان کو اختیار ہوگا کہ مابقیہ ۷۵ کلو جیسے چاہیں لے لیں کیونکہ قربانی کرنے والے باقی لوگوں کی طرف سے مکمل وکھلی اجازت ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۷/۵۰۱)

وذكر في مسائل الحوجيني: إذا جعلوا اللحم والشحم سبعة أسهم وقسموا بينهم جزافا جازت القسمة. (المحيط البرهاني، كتاب الأضحية، الفصل الثامن ما يتعلق بالشركة في الضحايا كوئٹه ٦/٤٨٧، المجلس العلمي ٨/٤٨٠ رقم: ١٠٨٥٥، لسان الحكام ١/٣٨٧، مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ٤/١٦٨، مصري قديم ٢/٥١٧، تاتارخانية زكريا ١٧/٤٥٥، رقم: ٢٧٨١٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۷/ ذی قعدہ ۱۴۳۴ھ

(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۲۸۸)

قربانی کے گوشت کو تول کر تقسیم کرنا

سوال [۱۰۱۰۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: سات آدمیوں نے مل کر ایک بڑا جانور قربانی کے لیے خریدا، کسی کی واجب قربانی ہے کسی کی نفلی، اب اس میں گوشت برابر کر کے تقسیم کرنا لازم ہے یا نہیں؟ جبکہ ہر ایک کی طرف سے کھلی اجازت ہے جس کی جتنی مرضی ہو لے جائے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قربانی کا گوشت برابر تول کر تقسیم کرنا ضروری ہے کیونکہ برابر تقسیم نہ کیا گیا تو احتمال ربا کی وجہ سے اس تقسیم پر راضی شرکاء گنہگار ہوں گے، اس لیے اٹکل سے تقسیم کرنا جائز نہیں ہے، اگر چہ شرکاء ایک دوسرے کے لیے زیادتی کو حلال قرار دیں، البتہ اگر وہ ایک دوسرے کی اجازت سے اٹکل سے تقسیم کریں اور ہر ایک کے حصہ میں سری پائے وغیرہ بھی آجائیں تو یہ جائز ہے۔ (مستفاد: محمودیہ ڈابھیل ۱۷/۴۲۴، میرٹھ ۲۶/۳۳۲)

وقسم لحمها وزنا، لأنه موزون لا جزافا لاحتمال الربا. (الدر المنتقى،

كتاب الأضحية، دار الكتب العلمية بيروت ١٦٨/٤، مصرى قديم ٥١٧/٢)

لـو أنهـم اقتسـمـوا لـحـمهـا جـزافا وحلل كل واحد منهم لأصحابه الـفـضـل لايـجـوز، لأن الربا لايحتمل الحل بالتحليل ...... اقتسموا اللحم جـزافـا وفـى نـصـيـب كل واحد منهم شيئ مما لا يوزن كالرجل والرأس لا بأس به إذا حلل بعضهم بعضا. (قـاضيخان، كتاب الأضحية، زكريا جديد ٢٤٧/٣، وعلى هامش الهندية ٣٥١/٣)

يـقسـم اللحم وزنا لا جزافا ...... ولو حلل بعضهم بعضا ...... فلأن فيه مـعـنـى التـمليك واللحم من أموال الربا فلا يجوز تمليكه مجازفة ...... إلا إذا ضـم مـعـه من الأكارع أو الجلد. (شـامـى، كتـاب الأضـحية، زكريا ٤٦٠/٩، كـراچـى ٣١٧/٦، البـحـر الـرائـق زكـريـا ٣١٩/٨، كـراچـى ١٧٤/٨، تـاتارخانية زكريا ٤٥٥/١٧، رقم: ٢٧٨١٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍ ذی قعدہ ۱۴۳۴ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۲۸۹)

قربانی کا گوشت تول کر تقسیم کرنے کا حکم

سوال [۱۰۱۰۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بڑے جانور میں گوشت برابر تول کر تقسیم کیا جاتا ہے لیکن اگر کسی مدرسہ والے تول کر تقسیم نہ کرے یا شرکاء میں سے ہر ایک کو پانچ چھ کیلو دے کر چھٹی کر دیں، تو کیا قربانی صحیح ہوگی یا نہیں؟

المستفتی: زبیر مظاہری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: بڑے جانور میں اگر سارے حصے دار یہ چاہتے ہیں کہ اپنا اپنا حصہ الگ الگ طور پر وصول کر کے قبضہ کریں گے تو ایسی صورت میں تول کر

سب کا حصہ متعین کر لینا چاہیے اور اگر کوئی اپنا حصہ کم کر کے سر، پایہ وغیرہ لینا چاہیں تو اس کی بھی اجازت ہے، لیکن اگر سب شرکاء اپنا اپنا حصہ مکمل طور پر وصول کرنے کا ارادہ نہیں رکھتے ہیں کچھ لیں، کچھ دیدیں، یا سب دیدیں، یا شرکاء میں سے کسی کو اپنے حصہ کے بارے میں اختیار دیدیں یا سب شرکاء کسی اور کو اختیار دیدیں تو ایسے حالات میں بڑے جانور کا گوشت تول کر تقسیم کرنا لازم نہیں جیسا کہ مدارس میں جو قربانیاں ہوتی ہیں تو ان میں شرکاء کی طرف سے عام طور پر اپنا اپنا حصہ مکمل طور پر وصول کرنے کا ارادہ نہیں ہوتا اس لیے جن مدارس میں گوشت تول کر تقسیم نہیں کرتے ان پر کوئی اعتراض کی بات نہیں، وہ اسی کی گنجائش کے تحت کرتے ہیں، ہاں البتہ اگر کوئی شریک اپنا حصہ متعین کر کے وصول کرنا چاہتا ہے تو اس کا ساتواں حصہ تول کر اسے دیدینا چاہئے جیسا کہ بعض فقہاء نے کہا کہ اگر شرکاء میں سے کوئی فقیر ہو تو اس کا حصہ تول کر علاحدہ کر دینا چاہیے تا کہ اس کو اپنا حصہ صدقہ کرنے میں سہولت ہو۔

ویقسم اللحم وزنا (در مختار) وفی الشامی: أنظر هل هذه القسمة متعينة أو لا؟ حتى لو اشترىٰ لنفسه ولزوجته وأولاده الكبار بدنة ولم يقسموها تجزيهم أو لا؟ والظاهر أنها لاتشترط لأن المقصود منها الإراقة وقد حصلت، وفى فتاوىٰ الخلاصة والفيض تعليق القسمة على إرادتهم وهو يؤيد ما سبق غير أنه إذا كان فيهم فقير والباقى أغنياء يتعين عليه أخذ نصيبه ليتصدق به، وحاصله: أن المراد بيان شرط القسمة إن فعلت لا أنها شرط لكن فى استثنائه الفقير نظر إذ لا يتعين عليه التصدق كما يأتى. (شامی، كتاب الأضحية، زكريا ٩/٤٦٠، كراچی ٦/٣١٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
۲۱ ررجب المرجب ۱۴۲۸ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۳۷۰/۳۸)	۲۱/۷/۱۴۲۸ھ

قربانی کا گوشت تول کر اور اندازے سے تقسیم کرنا

سوال [۱۰۱۰۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ قربانی کے جانور کے گوشت کو تول کر برابر تقسیم کرکے الگ کرنا لازم ہے، یا نہیں؟ جبکہ ہر ایک کی طرف سے پورا اختیار ہے کہ جو جتنا چاہے لیجائے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قربانی کے جانور کے گوشت کو تول کر تقسیم کرنا ضروری ہے، اندازے سے تقسیم کرنا جائز نہیں، البتہ اندازے سے اس طرح تقسیم کرسکتے ہیں کہ ہر ایک کے حصہ میں سری، پائے وغیرہ بھی آجائیں تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

(مستفاد: محمودیہ ڈابھیل ۱۷/۴۲۴، محمودیہ میرٹھ ۲۶/۳۳۱)

لو اشتریٰ عشرة عشر أغنام فضحی کل واحد واحدة جاز ویقسم اللحم بینهم بالوزن، وإن اقتسموا مجازفة یجوز، إذا کان أخذ کل واحد شیئا من الأکارع أو الرأس أو الجلد. (هندیه، کتاب الأضحیة، الباب الثامن فیما یتعلق بالشرکة فی الضحایا، زکریا جدید ۵/۳۵۲- ۳۵۳، قدیم ۵/۳۰۶)

سبعة ضحوا بقرة واقتسموا لحمها وزنا جاز ...... فإن اقتسموا اللحم جزافا لایجوز ...... ولو أنهم اقتسموا لحمها جزافا و حلل کل واحد منهم لأصحابه الفضل لایجوز ...... ولو اقتسموا اللحم الجزور المشترک فی الأضحیة جزافا وفی نصیب کل واحد منهم شیئ مما لایوزن کالرجل والرأس و نحو ذٰلک لا بأس به إذا حلل بعضهم بعضا. (قاضیخان، کتاب الأضحیة، زکریا جدید ۳/۲۴۷، وعلی هامش الهندیة ۳/ ۳۵۱)

إذا جاز علی الشرکة فیقسم اللحم وزنا بین الشرکاء لأنه موزون لا جزافا لأن فی القسمة معنی التملیک فلا یجوز التحلیل فی معنی الهبة، وهبة المشاع فیما یقسم لاتجوز إلا إذا خلط وضم به أی باللحم من أکارعه أو جلده أی یکون فی کل جانب شیئ من اللحم ومن الأکارع أو یکون فی جانب شیئ من اللحم وبعض الجلد أو یکون فی جانب لحم و أکارع و فی آخر لحم و جلد فحینئذ یجوز صرفا للجنس إلی خلاف

الجنس. (مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ٤/١٦٩، مصری قديم ٢/٥١٧)

ويقسم وزنا لا جزافا، لأن القسمة فيها حتى معنى المبادلة ولو حلل بعضهم بعضا ...... إلا إذا ضم معه من الأكارع أو الجلد صرفا للجنس لخلاف جنسه بأن يكون مع أحدهما بعض اللحم مع الأكارع ومع البعض الآخر مع الجلد. (شامی، كتاب الأضحية، زكريا ٩/٤٦٠، كراچی ٦/٣١٧-٣١٨) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍ ذی قعدہ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۲۹۱)

قربانی کی کھال اور گوشت کا حکم فروختگی میں یکساں

سوال [۱۰۱۰۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: قربانی کا گوشت زیادہ ہوگیا ہے، لینے والے بھی نہیں ہیں، ایسی صورت میں گوشت کو بوچڑ خانے میں پھینک دینا چاہیے، یا اس گوشت کو سلیٹر ہاؤس وغیرہ کے ہاتھ فروخت کر کے اس کی رقم مصرف خیر میں خرچ کردی جائے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قربانی کا گوشت اگر زیادہ ہو جائے اور لینے والا بھی کوئی نہ ہو تو اس کو بوچڑ خانوں میں پھینکنے کے بجائے سلیٹر ہاؤس وغیرہ کے ہاتھ اس کو فروخت کر کے اس سے حاصل شدہ رقم کو مصرف خیر میں خرچ کرنا جائز اور مباح ہی نہیں بلکہ بہتر ہے، کیونکہ فروختگی اور پیسہ میں قربانی کی کھال کا جو حکم ہے وہی گوشت کا بھی ہے۔

فإن باع الجلد أو اللحم به أی بمستهلک أو بدراهم تصدق بثمنه. (اعلاء السنن، باب بيع جلد الأضحية، كراچی ١٧/٢٦٢، دار الكتب العلمية بيروت ١٧/٢٨٥)

لو باع اللحم يتصدق بثمنه. (الولوالجية، دار الإيمان سهارنپور ٣/٧٧)

ولا بأس ببيعه بالدراهم ليتصدق بها. (المحيط البرهانی كوئٹه ٦/٤٨١،

المجلس العلمی ۸/ ۴۷۰ رقم: ۱۰۸۲۹)

ولـو باع الجلد أو اللحم بالدراهم أو بمالاينتفع به إلا بعد استهلاكه تصدق بثمنه. (هدايه، كتاب الأضحية، اشرفيه ۴/ ۴۵۰)

فإن بيع اللحم أو الجلد به أی بمستهلک أو بدراهم تصدق بثمنه. (در مختار، كتاب الأضحية، زكريا ۹/ ۴۷۵، كراچی ۶/ ۳۲۸) **فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
۳/ ذی الحجہ ۱۴۳۴ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۳۲۹)

قربانی کے گوشت کو شادی میں کھلانا

سوال [۱۰۱۰۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک آدمی بھینس کی قربانی کر رہا ہے، ان کی ایک بھتیجی یا اور کوئی دوسری لڑکی ہے، جس کے والدین نہیں ہیں، مگر ماں ہے، اس لڑکی کی شادی ہونی ہے اس قربانی کے جانور کے گوشت کو شادی کے مصرف میں لا سکتے ہیں یا نہیں؟ لہٰذا حضور والا سے مؤدبانہ درخواست ہے کہ احقر کو اس مسئلہ کو اچھی طرح بیان کر کے بتلائیں، یعنی قربانی کے دن لڑکی کو رخصت کرنا ہے تو کیا قربانی کا گوشت براتیوں کو کھلانا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد عبد الستار عیدگاہ روڈ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر بوقت ذبح قربانی ہی کی نیت رہی ہے گوشت خوری اصل مقصد نہیں ہے تو قربانی کے گوشت سے براتیوں کی ضیافت جائز ہے۔

ويأكل من لحم الأضحية و يطعم الأغنياء والفقراء ويدخر لقوله عليه الصلاة والسلام كنت نهيتكم عن آكل لحوم الأضاحی فكلوا منها وادخروا ومتى جاز اكله وهو غنى جاز أن يوكل غنيا. (هدايه، كتاب الأضحية،

اشرفی ٤/٤٤٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷/ ذی قعدہ ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/ ۱۴۸۲)

قصاب کا جانوروں کی ہڈیاں اور پوٹری لے جانے کا حکم

سوال [۱۰۱۰۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے یہاں جہاں مدارس میں مجموعی طور پر عید الاضحیٰ میں قربانی کا نظم کیا جاتا ہے تو ساتھ ہی ساتھ جانوروں کی کھالوں کو فروخت کر کے مصلہ رقم طلبہ پر خرچ کردی جاتی ہے اور جانوروں کی ہڈیاں اور اس کی پوٹری قریشی حضرات اٹھا لے جاتے ہیں، جبکہ ہڈیاں تقریباً ۶۰۰/ روپیہ کوئنٹل کے حساب سے بکتی ہیں، اور ایک جانور کی پوٹری تقریباً ۱۲۵/ روپیہ میں بکتی ہے تو کیا اس کی قیمت کو جانور بنانے والے اپنے اوپر خرچ کر سکتے ہیں، اور ہم جاننے کے باوجود ان کے اس فعل سے انہیں منع نہیں کرتے ہیں، تو کیا اس حال میں ہماری قربانی جائز ہوئی یا ناجائز رہی؟

المستفتی: محمد عرفان پینتے پور، سیتا پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قصاب کو ان کے کام کی پوری اجرت دی جائے، اس کے بعد قربانی کے جانور کے وہ اجزاء جو زائد از ضرورت ہوں، انہیں وہ قصاب حضرات اگر ذمہ داران کی اجازت سے لے جائیں تو اس میں شرعاً کوئی حرج نہیں ہے، لیکن اس کی وجہ سے اجرت میں کمی کرنا اور ان چیزوں کو اس کا بدل قرار دینا جائز نہیں ہے، البتہ قربانی بہر دو صورت ادا ہو جائے گی۔

﴿**لَنْ يَنَالَ اللّٰهَ لُحُومُهَا وَلَا دِمَاؤُهَا وَلٰكِنْ يَنَالُهُ التَّقْوَى مِنْكُم**. [الحج: ٣٧]﴾

ولا يعطى أجر الجزار منها. (شامی، كتاب الأضحية، زكريا ٤٧٥/٩، كراچی ٣٢٨/٦)

ولا يعطى أجر الجزار والذابح منها . (هنديه زكريا قديم ٣٠١/٥، جديد ٣٤٧)

ويهب منها ما شاء للغنى والفقير والمسلم والذمى. (هنديه زكريا قديم

۵/ ۳۰۰، جدید ۵/ ۳۴۶، حاشیة الطحطاوی علی الدر کوئٹه ۴/ ۱۶۶) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹/ ربیع الاول ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۳۲۷)

قربانی کی ہڈیاں اور سینگ فروخت کرنا اور قیمت کا تصدق

سوال [۱۰۱۰۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ قربانی کے جانور کی ہڈیاں اور سینگ فروخت کرنا کیسا ہے؟ اگر فروخت کر دیا تو اب اس کی قیمت واجب التصدق ہے یا نہیں؟ دلائل کی روشنی میں واضح فرمائیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قربانی کے جانور کی ہڈیاں اور سینگ ضائع ہونے سے بچانے کے لیے فروخت کرنا جائز ہے اور اس کی قیمت کا صدقہ کرنا لازم ہے۔ (مستفاد: مسائل قربانی وعقیقہ ص: ۴۵)

باع لحمها أو جلدها بمستهلك أو بدراهم أو أعطى الجزار أجره منها أو أتلفها أو ضيعها يجب التصدق بالثمن في البيع وبالقيمة في غيره. (غنية الناسك ص: ۲۶۸)

فإن بيع اللحم أو الجلد به ...... أو بدراهم تصدق بثمنه. (شامی، کتاب الأضحية، کراچی ۶/ ۳۲۸، زکریا ۹/ ۴۷۵)

ويتصدق بثمنه لأن القربة ذهبت عنه فيتصدق به. (بدائع الصنائع زکریا ۴/ ۲۲۵)

ولو باع الجلد أو اللحم بالدراهم أو مما لاينتفع به إلا بعد استهلاكه تصدق بثمنه لأن القربة انتقلت إلى بدله. (هدایه، کتاب الأضحية، اشرفی ۴/ ۴۵۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳/ ذی الحجہ ۱۴۳۴ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۳۴۴)

جانور کی چربی سے صابن بنا کر خود استعمال کرنا

سوال [۱۰۱۱۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: قربانی کے جانور کی چربی سے صابن بنا کر استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتی: صابر علی ٹانڈہ رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قربانی کی چربی سے صابن بنا کر اپنے استعمال میں لانا شرعاً درست ہے، لیکن اس کا فروخت کرنا جائز نہیں، اگر فروخت کیا تو اس قیمت کا صدقہ کرنا لازم ہوگا۔ (مستفاد: مسائل قربانی ۱۴۱، امداد الفتاویٰ ۳/۵۷۲)

ويتصدق بجلدها أو يعمل منه نحو غربال و جراب وقربة و سفرة و دلو أو يبدله بما ينتفع به باقيا لا بمستهلك كخل ولحم ونحوه كدراهم فإن بيع اللحم أو الجلد به بمستهلك أو بدراهم تصدق بثمنه. (در مختار مع الشامی، كتاب الأضحية، زكريا ۹/ ٤٧٥، كراچی ٦/ ٣٢٨، هدايه اشرفی ٤/ ٤٥٠، هنديه زكريا قديم ٥/ ٣٠١، جديد ٥/ ٣٤٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷ ربیع الاول ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/۷۱۱۳)

قربانی کی ہڈی نمک سے بدلنا

سوال [۱۰۱۱۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: قربانی کے گوشت کی جو ہڈیاں ہوتی ہیں ان سے بعض لوگ نمک بدل لیتے ہیں، تو دریافت یہ کرنا ہے کہ اپنی قربانی کے گوشت کی ہڈیوں سے نمک بدل کر اپنے استعمال میں لا سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتی: شمیم اختر مدرسہ شاہی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قربانی کی ہڈیوں سے نمک بدلنا جائز نہیں، اگر کسی نے ایسا کرلیا ہے تو اس کا صدقہ کرنا ضروری ہے۔

ویتصدق بجلدها ...... ولایشتری به مالاینتفع به إلا بعد الاستهلاک نحو اللحم والطعام. (هنديه، الباب السادس فى بيان ما يستحب فى الأضحية والانتفاع بها، زكريا قديم ٥/ ٣٠١، جديد ٥/ ٣٤٧، هدايه اشرفى ٤/ ٤٥٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍ربیع الاول ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۷۱۱۳)

قربانی کے جانور کی ہڈی کتے کو ڈالنا

سوال [۱۰۱۱۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بقرعید میں جو قربانی ہوتی ہے تو قربانی کے گوشت کی ہڈی اگر کتے وغیرہ کو دیدی جائے تو یہ قربانی کے گوشت کے احترام کے خلاف ہوگا یا نہیں؟ جبکہ بعض لوگ اس کو قبیح خیال کرتے ہیں؟

المستفتی: جلیل احمد ہردوئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قربانی کی ہڈیوں کو فروخت کرنا بہتر ہے، کتے بلی وغیرہ کو بھی دے سکتے ہیں، اس میں کوئی قباحت نہیں، اور نہ ہی قربانی کے گوشت کی بے حرمتی ہوتی ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۴/ ۳۴۷، جدید ڈابھیل ۱۷/ ۴۸۲) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
۲۹؍رجب المرجب ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۵۶۰)

قربانی کا گوشت غیر مسلم کو دینا

سوال [۱۰۱۱۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر قربانی کا گوشت کسی غیر مسلم کو دیدیا جائے تو جائز ہے یا نہیں؟ حالانکہ علماء کرام اس مسئلہ میں اختلاف کرتے ہیں کہ قربانی کا گوشت غیر مسلم کو دینا مطلقاً جائز نہیں ہے، جبکہ حضرت اقدس مولانا اشرف علی تھانویؒ نے اپنی کتاب ''بہشتی زیور'' میں لکھا ہے کہ قربانی کا گوشت کافر کو دے سکتے ہیں؟

المستفتی: محمد جنید لکھیم پوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قربانی کا گوشت غیر مسلم کو دینا جائز ہے، اور حضرت تھانویؒ نے جواز کا جو قول بہشتی زیور میں لکھا ہے وہ درست ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۷/ ۴۹۷)

ويهب منها ما شاء للغني والفقير والمسلم والذمي كذا في الغياثية.

(عالمگیری، الباب الخامس في بيان محل إقامة الواجب، زكريا قديم ۵/ ۳۰۰، جديد ۵/ ۳٤٦، حاشية الطحطاوي على الدر كوئٹه ٤/ ١٦٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹؍محرم الحرام ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۸۷۳)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۴/۱/۹ھ

قربانی کا گوشت مسلم یا غیر مسلم کے ہاتھ فروخت کرنا

سوال [۱۰۱۱۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہماری بستی میں غرباء کی تعداد کم ہے، اس لیے قربانی کے جانور کا جو گوشت غرباء کے حصے میں آتا ہے ان کے لیے بہت زیادہ ہوتا ہے، لہٰذا کیا وہ اپنے حصے میں آئے ہوئے

گوشت کو اپنے اخراجات کی خاطر بیچ سکتے ہیں یا نہیں؟ کیا غیر مسلم کو بھی بیچ سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتی: عبد العظیم صدیقی رائے گڑھ مہاراشٹر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قربانی کا گوشت فروخت کرنا کسی حال میں بھی جائز نہیں ہے، نیز غیر مسلموں کے ہاتھ فروخت کرنا بھی ناجائز ہے، بلکہ اس کو بھی مفت میں کھلایا جاسکتا ہے۔

و ليس له أن يبيع الجلد لينفق الثمن على نفسه أو عياله و لا يبيع لحم الأضحية ليتصدق بل يأكله أو يطعم. (قاضیخان، کتاب الأضحية، زكريا جديد ۳/۲۴۹، و على هامش الهندية ۳/۳۵۴، شامي كوئٹه ۵/۲۳۱، کراچی ۶/۳۲۸، زكريا ۹/۴۷۵، هنديه زكريا قديم ۵/۳۰۱، جديد ۵/۳۴۷، البحر الرائق كوئٹه ۸/۱۷۸، زكريا ۸/۲۶۶)

ويهب منها ما شاء للغنى والفقير والمسلم والذمى كذا فى الغياثية.

(عالمگیری، الباب الخامس فی بيان محل إقامة الواجب، زكريا قديم ۵/۳۰۰، جديد ۵/۳۴۶، حاشية الطحطاوی علی الدر كوئٹه ۴/۱۶۶) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵/ جمادی الثانیہ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/۷۶۲)

قربانی کے جانوروں کے خون کی رقم مدرسہ یا مسافر خانہ میں لگانا

سوال [۱۰۱۱۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مذبح سے جانوروں کا خون فروخت کیا جاتا ہے اور اس کی رقم کو مدرسہ میں یا مسافر خانہ کی عمارت میں لگانا جائز ہے، اس کا کاروبار کر سکتے ہیں؟ اگر نہیں لگا سکتے تو پھر اس رقم کا کیا کریں؟ کسی مستحق طالب علم سے تملیک کرا کر لگا سکتے ہیں، یا مطبخ کے صرفہ میں استعمال کر سکتے ہیں؟ مطبخ میں اور تعمیر میں بھی سخت ضرورت ہے؟

المستفتی: رحمت اللہ قاسمی سنبھل مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: خون کوفروخت کرنا اوراس کا پیسہ مسلمان کا اپنے تصرف میں صرف کرنا مسجد یا مدرسہ کی تعمیر یا کسی بھی مد میں لگانا ناجائز اور حرام ہے، چاہے مدرسہ کتنا ہی ضرورت مند ہو، خون کا پیسہ دینی مدرسہ میں کسی طرح جائز نہیں ہے۔

البیع بالمیتة و الدم باطل. (هدایه، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد، اشرفی ۳/ ۴۹)

اور نہ اس کی تملیک جائز ہے، اور جو رقم موجود ہے اس کو مالکان کو واپس کردینا لازم ہے، ورنہ فقراء نادار کو بلانیت ثواب دیدینا واجب ہے۔

وأما إذا كان عند رجل مال خبيث فإما إن ملكه بعقد فاسد أو حصل له بغير عقد ولايمكنه أن يرده إلى مالكه ويريد أن يدفع مظلمته عن نفسه فليس له حيلة إلا أن يدفعه إلى الفقراء. (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، سهارنپور قديم ۱/ ۳۷، دار البشائر الاسلاميه ۱/ ۳۵۹، تحت رقم الحديث ۵۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲؍ ربیع الثانی ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۴۲۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۲/ ۴/ ۱۴۱۶ھ

۳۷ کتاب العقیقه

عقیقہ کا مقصد اور ثبوت

سوال [۱۰۱۱۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: عقیقہ کرنے کا منشاء کیا ہے؟ کن بزرگ سے رائج ہوا؟

المستفتی: عابد حسین محمود پوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عقیقہ کے بغیر بچہ امراض، میل کچیل کا شکار رہتا ہے، اس سے حفاظت مقصود ہے۔

حدثنا سلمان بن عامر الضبی قال سمعت رسول الله ﷺ يقول: مع الغلام عقيقة فأهريقوا عنه دما وأميطوا عنه الأذىٰ. (صحيح البخاري، باب إماطة الأذىٰ عن الصبي في العقيقة، النسخة الهندية ٢/٨٢٢، رقم: ٥٢٥٩، ف: ٥٤٧١)

عقیقہ کسی بزرگ کی رائج شدہ رسم نہیں ہے، بلکہ آنحضور ﷺ سے ثابت ہے، آپ علیہ السلام نے حضرت امام حسن وحسین رضی اللہ عنہما کی طرف سے عقیقہ فرمایا ہے۔

عن ابن عباس أن رسول الله ﷺ: عق عن الحسن والحسين رضي الله عنهما كبشا كبشا. (أبو داؤد شريف، باب في العقيقة، النسخة الهندية ٢/٣٦/ دار السلام رقم: ٢٨٤١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸/ ذی قعدہ ۱۴۰۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷۲/۲۳)

عقیقہ کا شرعی حکم

سوال [۱۰۱۱۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: عقیقہ ولادت کے کتنے دن بعد سنت ہے، یا پوری عمر میں کبھی بھی کرے تو سنت ہوگا یا مستحب؟ اور عقیقہ کی ہڈیاں اور کھال فروخت کر کے اپنے استعمال میں لائے یا عقیقہ کا کھانا کھلانے میں خرچ کیا جائے؟

المستفتی: محمد اصغر پرانا بازار مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بچہ کی پیدائش کے ساتویں دن عقیقہ کرنا سنت ہے، لیکن اگر کسی عذر کی وجہ سے ساتویں دن نہ کر سکتے تو چودہویں دن اور چودہویں دن نہ کر سکے تو اکیسویں دن بھی عقیقہ کرنے سے سنت ادا ہو جائے گی، لیکن اکیسویں دن کے بعد وقت کی فضیلت ختم ہو جائے گی البتہ نفس عقیقہ ذمہ میں باقی رہے گا جو کسی بھی وقت ادا کرنے سے ذمہ سے بری ہو جائے گا۔ (مستفاد: ایضاح المسائل جدید اضافہ شدہ ۱۵۱، فتاویٰ رحیمیہ قدیم ۹۲/۲، جدید ۶۰/۱۰)

عن سمرة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: الغلام مرتهن بعقيقة يذبح عنه يوم السابع، ويسمىٰ، ويحلق رأسه ...... والعمل على هذا عند أهل العلم يستحبون أن يذبح عن الغلام العقيقة يوم السابع فإن لم يتهيأ يوم السابع فيوم الرابع عشر فإن لم يتهيأ عق عنه يوم حاد و عشرين. (سنن الترمذی، باب من العقيقة، النسخة الهندية ۲۷۸/۱، دار السلام رقم: ۱۵۲۲، فتح الباری، باب إماطة الأذىٰ عن الصبی فی العقيقة، دار الفكر ۵۹۴/۹، اشرفيه ۷۴۲/۹، تحت رقم الحديث: ۵۴۷۱، عمدة القاری، دار إحياء التراث العربی ۸۸/۲۱، زكريا ۴۶۹/۱۴)

اور عقیقہ کی ہڈی اور کھال فروخت کر کے ان کی قیمت اپنے استعمال میں یا عقیقہ کے کھانے میں صرف کرنا جائز نہیں ہے بلکہ اس کی قیمت کا صدقہ کرنا واجب ہے، جس طرح قربانی کی کھال کا حکم ہے۔ (مستفاد: امداد المفتیین ص: ۹۶۸، عزیز الفتاویٰ ص: ۷۱۰)

ہاں بغیر فروخت کیے اپنے استعمال میں کھال وغیرہ لا سکتا ہے۔

ويتصدق بجلدها أو يعمل منه نحو غربال و جراب ولا يبيعه بالدراهم لينفق الدراهم على نفسه و عياله. (هنديه، الباب السادس فی بيان ما يستحب فی الأضحية

والانتفاع بها، زکریا قدیم ٥/٣٠١، جدید ٥/٣٤٧، البحر الرائق کوئٹہ ١٧٨/٨، زکریا ٣٢٦/٨، هدایه اشرفی ٤/٤٥٠، شامی زکریا ٩/٤٧٥، کراچی ٦/٣٢٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵؍ جمادی الثانیہ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۷۱۵)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۶/۵ھ

عقیقہ مسنون ہے یا واجب؟

سوال [۱۰۱۱۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میرا بچہ عریب حسین جس کی عمر آج چھ سال ہے، اس کے عقیقہ کی نیت کی تھی تو کیا مجھ پر عقیقہ کرنا واجب ہے، حالانکہ اب میرے پاس حیثیت نہیں ہے؟

المستفتی: نوید حسین کالا پیادہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عقیقہ کرنا واجب نہیں بلکہ مسنون ہے، اس وقت اگر گنجائش نہیں ہے تو جب اللہ تعالیٰ گنجائش دیں تو اس وقت کیا جا سکتا ہے۔

وإنما أخذ أصحابنا الحنفية فی ذٰلک بقول الجمهور وقالوا باستحباب العقيقة. (اعلاء السنن، باب العقيقة، کراچی ١٧/١١٣، دار الکتب العلمية بيروت ١٧/١٢٦، تحت رقم الحديث ٥٥١٣، حاشية ترمذی ١/٢٧٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۶۷۹)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۳/۶/۷ھ

کیا عقیقہ صرف لڑکے کے لیے مسنون ہے؟

سوال [۱۰۱۱۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں:حلق رأس المولود يوم سابعة هل هو خاص بالذكر كما هو عند الحنابلة أم أن ذٰلك يشمل الأنثىٰ أيضا فتكون السنة عامة فى حق كل مولود ذكرا كان أم أنثىٰ؟

المستفتی: محمد عمر اللکنوی، جدۃ مسجد الفخریۃ، سعودیہ عربیہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: أن حلق رأس المولود يوم سابعة غير مخصوص بالذكر بل الذكر والأنثىٰ فيه سواء كما هو مذهب الحنفية والشافعية والمالكية، لما ورد فيه إن فاطمة بنت رسول الله ﷺ حلقت شعر حسن و حسين و زينب و أم كلثوم فتصدقت بزنة ذٰلك الشعر فضة كما فى سنن البيهقى عن جعفر بن محمد بن على عن أبيه أنه قال: وزنت فاطمة بنت رسول الله ﷺ: شعر حسن و حسين و زينب و أم كلثوم فتصدقت بزنة ذٰلك فضة. (السنن الكبرىٰ للبيهقى، باب العقيقة سنة، دار الفكر ١٤/٢٥٣-٢٦٢، رقم: ١٩٨٠٩-١٩٨٣٧، مؤطا إمام مالك، باب ما جاء فى العقيقة ١/١٨٦، رقم: ١٨٣٩)

ويستحب أن يتصدق بوزن شعره ذهبا فإن لم يفعل ففضة سواء فيه الذكر والانثىٰ. (إعلاء السنن، باب أفضلية ذبح الشاة فى العقيقة، كراچى ١٧/ ١١٩، دار الكتب العلمية بيروت ١٧/١٣٢، تحت رقم الحديث ٥٥١٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۶۵۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۵/۵/۱۴۲۳ھ

بچہ پیدا ہونے کے وقت کے مسنون اعمال

سوال [۱۰۱۲۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بچہ پیدا ہونے کے وقت سنت طریقہ کیا ہے؟ اور بچہ کا نام کب رکھنا ہے؟ وغیرہ۔

المستفتی: محمد شہزاد اترا کھنڈ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بچہ پیدا ہونے کے وقت سنت طریقہ یہ ہے کہ اس کو اچھی طرح نہلا دھلا کر اس کے دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں تکبیر کہہ دی جائے اور کسی دیندار بزرگ سے تھوڑا چھوہارہ چبوا کر اس کے تالو میں لگا دیا جائے یہی سنت ہے، باقی اس کے علاوہ سب فضول اور رسمیں ہیں۔ (بہشتی زیور ۶/۱۱۲)

عن أسماء بنت أبی بکر أنها حملت بعبد الله بن الزبير قالت: فخرجت و أنا متم فأتيت المدينة فنزلت بقباء فولدته بقباء ثم أتيت به النبی ﷺ فوضعته فی حجره ثم دعا بتمرة فمضغها ثم تفل فی فيه فكان أول شيئ دخل جوفه ريق رسول الله ﷺ ثم حنكه بتمرة ثم دعا له وبرك عليه، (الحديث). (صحيح البخاری، باب هجرة النبی ﷺ و أصحابه إلی المدينة، النسخة الهندية ۱/ ۵۵۵، رقم: ۳۷۷۱، ف: ۳۹۰۹، مشکوٰة شريف ۳۶۲)

روی عن عمر بن عبد العزيز كان يؤذن فی اليمنیٰ ويقيم فی اليسریٰ إذا ولد الصبی. (شرح السنة، باب الأذان فی أذن المولود، دار الكتب العلمية بيروت ۱۱/۲۷۳، رقم: ۲۸۲۲، شعب الإيمان، دار الكتب العلمية بيروت ۶/۳۸۹، حاشية مشكاة ۲/۳۶۳)

اور بچہ پیدا ہونے کے ساتویں دن نام رکھنا بہتر ہے۔

عن سمرة قال: قال رسول الله ﷺ: الغلام مرتهن بعقيقة يذبح عنه يوم السابع، ويسمیٰ، ويحلق رأسه ...... والعمل علی هذا عند أهل العلم يستحبون أن يذبح عن الغلام العقيقة يوم السابع فإن لم يتهيأ يوم السابع فيوم الرابع عشر فإن لم يتهيأ عق عنه يوم حاد و عشرين. (سنن الترمذی باب من العقيقة النسخة الهندية ۱/۲۷۸، دار السلام ۱۵۲۲، فتح الباری، باب إماطة الأذیٰ عن الصبی فی العقيقة، دار الفكر ۹/۵۹٤، اشرفيه ۹/۷٤۲، تحت رقم الحديث: ۵٤۷۱، عمدة القاری، دار إحياء التراث العربی ۲۱/۸۸، زكريا ۱٤/٤۶۹)

يستحب لمن ولد له ولد أن يسميه يوم أسبوعه. (رد المحتار، قبيل كتاب الحظر والإباحة، كراچی ۶/۳۳۶، زکریا ۹/۴۸۵، کوئٹه ۵/۳۲۸)

نیز ساتویں دن عقیقہ کردے اور اس کے بالوں کو تول کر اس کی مقدار کے برابر چاندی صدقہ کردے۔

عن علي بن أبي طالب قال: عق رسول الله ﷺ عن الحسن بشاة وقال: يا فاطمة! احلقي رأسه، وتصدقي بزنة شعره فضة فوزنته فكان وزنه درهما أو بعض درهم. (سنن الترمذي، باب العقيقة بشاة، النسخة الهندية ۱/۲۷۸، دار السلام رقم: ۱۵۱۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
۳ ربیع الثانی ۱۴۲۰ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۶۰۹۴/۳۴)	۱۴۲۰/۴/۳ھ

عقیقہ کے وقت بال کے برابر چاندی صدقہ نہ کرسکا تو؟

سوال [۱۰۱۲۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) ایک صاحب نے چندسال پہلے اپنے بچہ کا عقیقہ کیا تھا لیکن وہ اس وقت کسی وجہ سے چاندی صدقہ نہیں کرسکے، اب سوال یہ ہے کہ مذکورہ صاحب کو از سر نو دوبارہ عقیقہ کرنا ہوگا، یا صرف چاندی صدقہ کردی جائے بہر دوصورت کتنی چاندی صدقہ کی جائیگی اس لیے کہ بالوں کا وزن معلوم نہیں ہے؟

(۲) اور اب عقیقہ یا صدقہ کرنے کی شرعی حیثیت کیا ہوگی؟ آیا واجب یا سنت یا مستحب؟

المستفتی: مسعود الظفر رام نگر نینی تال، یوکے

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: (۱) دوبارہ عقیقہ کرنے کی ضرورت نہیں، عقیقہ صحیح ہو چکا تھا اور چاندی یا اس کی قیمت کا صدقہ اگر اس وقت نہیں کرسکا ہے تو مادرزاد بالوں

کے وزن کا تخمینہ لگا کر اب بھی صدقہ کر سکتے ہیں۔

(۲) عقیقہ اور صدقہ کرنا دونوں مسنون ہیں، حدیث میں حضور ﷺ نے اس کی ترغیب دی ہے، اور اس کی وجہ سے بچہ ہر امراض سے محفوظ ہوجا تا ہے۔

عن سمرة قال: قال رسول الله ﷺ: الغلام مرتهن بعقيقة يذبح عنه يوم السابع، ويسمىٰ، ويحلق رأسه. (سنن الترمذی، باب من العقيقة، النسخة الهندية ١/٢٧٨، دار السلام رقم: ١٥٢٢، مسند البزار، مكتبه العلوم و الحكم ١٠/٤٤٠، رقم: ٤٥٩٥، المعجم الكبير للطبراني دار احياء التراث العربي ٦/٤٧٤ رقم: ٦٢٠١) **فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
۲۷/ذی الحجہ ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۵۶۰)

دوسال میں کیے گئے عقیقہ میں بالوں کی مقدار چاندی کے تصدق کا حکم

سوال [۱۰۱۲۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر کسی شخص کے یہاں بچہ پیدا ہوتو اس کا اپنے بچہ کا عقیقہ کرانے کا ارادہ ہومگر کسی وجہ سے ساتویں دن عقیقہ نہ کر سکے، اور اس بچہ کے سر کے بال کئی مرتبہ کٹوا چکا ہوتو پھر جب چھ مہینہ یا سال بھر بعد یا دوسال بعد عقیقہ کا ارادہ کرے تو وہی سر کے بال کٹوا کر کے ان کی مقدار کے برابر چاندی خیرات کردے تو عقیقہ درست ہوجائے گا یا نہیں؟

المستفتی: محمد ابراہیم رتن پورا سو پول بہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: عقیقہ کا سنت طریقہ یہ ہے کہ بچہ کی پیدائش کے ساتویں دن کیا جائے، اگر کسی وجہ سے ساتویں دن نہ کر سکا تو چودہویں روز یا اکیسویں روز کرلے۔

عن سمرة أن رسول الله ﷺ قال: كل غلام رهين بعقيقة تذبح عنه يوم السابع ويحلق رأسه ويسمّى. (مسند أحمد بن حنبل ٥/٨، رقم: ٢٠٣٤٣، ٢٠٣٩٥،

۲۰۴۰۱، ۲۰۴۵۱، ۲۰۴۵٦، ۲۰۴۵۷، ۲۰۵۲۰، مسند البزار، مكتبه العلوم والحكم ۱۰/۴۰۸، رقم: ۴۵۴۹، سنن النسائی، باب متى يعق، النسخة الهندية ۲/۱٦۷، دار السلام رقم: ۴۲۲۰)

اگران مذکورہ ایام میں عقیقہ نہ کرسکا بلکہ تاخیر سے کیا اور بچہ کے بال بڑے ہونے کے بعد کٹوادیئے تو ایسی صورت میں عقیقہ درست ہوگیا لیکن سنت کے مطابق نہ ہوا اور جن بالوں کی مقدار کے برابر چاندی خیرات کرنی ہے وہ بچہ کے مادرزاد بال ہیں، نہ کہ بعد کے بال۔

(مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ قدیم ۲/۹۳، جدید زکریا ۱۰/٦۰، محمودیہ قدیم ۱۷/۲٦٦، جدید ڈابھیل ۱۷/۵۱۱، مسائل قربانی وعقیقہ ص:۴۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳ر ربیع الاول ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ٦۵۲۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۳/۳ھ

عقیقہ کا مسنون طریقہ

سوال [۱۰۱۲۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عقیقہ کرنے کے لیے شریعت میں عمر کی کوئی تعیین ہے یا نہیں؟ یا کسی وقت بھی کرسکتے ہیں؟ مسنون طریقہ تحریر فرمائیں۔

المستفتی: محمد یونس محلہ نواب خیل سنبھل مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: عقیقہ کا مسنون طریقہ یہی ہے کہ پیدائش کے ساتویں یوم کو عقیقہ کیا جائے اور اگر یہ نہ ہو تو چودھویں یوم کو کردیا جائے اگر یہ نہ ہو سکے تو ۲۱ویں یوم کو کیا جائے اس کے بعد سنت طریقہ باقی رہنے کا ذکر کسی صحیح روایت میں نظر سے نہیں گذرا۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ قدیم ۲/۹۰، جدید زکریا ۱۰/٦۰)

البتہ اگر کسی عذر کی وجہ سے وقت پر عقیقہ نہیں ہوا ہے تو بڑے ہونے کے بعد بھی عقیقہ جائز ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ قدیم ٦/۱۷۸، جدید ۱۰/٦۳)

عن سمرة قال: قال رسول الله ﷺ: الغلام مرتهن بعقيقة يذبح عنه يوم السابع، ويسمى، ويحلق رأسه ...... والعمل على هذا عند أهل العلم يستحبون أن يذبح عن الغلام العقيقة يوم السابع فإن لم يتهيأ يوم السابع فيوم الرابع عشر فإن لم يتهيأ عق عنه يوم حاد و عشرين. (سنن الترمذی، باب من العقيقة، النسخة الهندية ١/٢٧٨، دار السلام رقم: ١٥٢٢، فتح البارى، باب إماطة الأذىٰ عن الصبى فى العقيقة، دار الفكر ٩/٥٩٤، اشرفيه ٩/٧٤٢، تحت رقم الحديث: ٥٤٧١، عمدة القارى، دار إحياء التراث العربى ٢١/٨٨، زكريا ١٤/٤٦٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳ / جمادی الاولیٰ ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲۰۰/۲۸)

عقیقہ کا وقت اور طریقہ

سوال [۱۰۱۲۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عقیقہ کیا ہے؟ کیا اس کے لیے شریعت میں کوئی مخصوص میعاد طے ہے؟ اگر لڑکا پیدا ہو تو عقیقہ کس طرح ہوگا؟ خاص طور پر قربانی کے موقع پر ایک بکرا یا زیادہ ذبح کرنا ہے اور اسی طرح اگر گائے بھینس میں عقیقہ کریں تو کتنے حصے قربانی کے ہوں گے؟

امید ہے کہ مزاج بعافیت ہوں گے، قاری محی الدین صاحب تو غالباً حج بیت اللہ کے سفر پر گئے ہیں، قبلہ عبد الرشید صاحب ومحمد عمر صاحب کی خدمت میں سلام کہہ دیں۔

المستفتی: افضال احمد سنبھل مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: (۱) عقیقہ کے لیے وقت یہ ہے کہ ولادت کے ساتویں روز عقیقہ کیا جائے، اگر یہ نہ ہوسکے تو چودھویں روز اگر اس دن بھی نہ ہوسکے تو اکیسویں روز کردیا جائے، وقت کی سنت یہاں تک باقی رہتی ہے، اس کے بعد وقت کا ثواب نہ ہوگا،

بلکہ صرف عقیقہ کا حکم باقی رہے گا، جب چاہے کردیا جائے۔ (مستفاد: مسائل قربانی وعقیقہ ص:۴۹)

عن سمرة قال: قال رسول الله ﷺ: الغلام مرتهن بعقيقة يذبح عنه يوم السابع، ويسمى، ويحلق رأسه ...... والعمل على هذا عند أهل العلم يستحبون أن يذبح عن الغلام العقيقة يوم السابع فإن لم يتهيأ السابع فيوم الرابع عشر فإن لم يتهيأ عق عنه يوم حاد و عشرين. (سنن الترمذی باب من العقيقة النسخة الهندية ۱/۲۷۸، دار السلام رقم: ۱۵۲۲، فتح الباری، باب إماطة الأذیٰ عن الصبی فی العقيقة دار الفكر ۹/۵۹٤، اشرفیه ۹/۷٤۲، تحت رقم الحديث: ٥٤٧١، عمدة القاری، دار إحياء التراث العربی ۲۱/۸۸، زكريا ١٤/٤٦٩)

(۲) ایام قربانی ہوں یا غیر ایام قربانی ہر زمانہ میں اگر گنجائش ہو تو لڑکے کی طرف سے دو بکرے یا حصہ مستحب ہے، لہٰذا اگر ایام قربانی میں گائے بھینس میں عقیقہ کا حصہ لینا ہے تو لڑکے کے لیے دو حصہ عقیقہ میں لے کر باقی پانچ حصے قربانی کے لیے لے سکتے ہیں۔ (مستفاد: مسائل قربانی ص:۱۵)

وكذا لو أراد بعضهم العقيقة عن ولد ولد له من قبل. (شامی، کتاب الأضحية، زكريا ۹/٤٧٢، کراچی ٦/٣٢٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷/ ذی الحجہ ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۵۵۵)

عقیقہ کب کیا جائے؟ نیز عقیقہ کے بکروں کا الگ الگ جگہ پر ذبح کرنا

سوال [۱۰۱۲۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) فی زمانہ عموماً بچوں کی ولادت ہسپتال میں ہوتی ہے اور زچہ بچہ سات یوم سے پہلے گھر واپس نہیں کئے جاتے ہیں اور نہ ہی اسپتال میں حلق رأس کی اجازت ملتی ہے، ایسی صورت میں اگر ساتویں دن عقیقہ کی قربانی کرادی جائے اور جب بچے کو حلق کی اجازت

ہو، مسنون ایام کا لحاظ کر کے بال منڈوا کر چاندی وغیرہ صدقہ کر دی جائے تو کیا عقیقہ کی شرف وفضیلت حاصل ہو جائے گی؟

(۲) نومولود اگر لڑکا ہو تو کیا دو جدا جدا جگہوں پر مثلاً دادھیال میں ایک بکرا یا بکری، دوسرا بکرا نانہال میں بنیت عقیقہ کرا دیئے جاتے ہیں تو عقیقہ کی فضیلت سے محرومی تو نہ ہوگی؟

المستفتی: محمد علاؤ الدین ہردوئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) ساتویں دن بچے کا سر منڈانا اور عقیقہ کرنا مسنون ہے، لیکن اگر ہسپتال سے اجازت نہ ملنے یا کسی اور مجبوری کی وجہ سے ساتویں دن نہ ہو سکے تو چودھویں دن کو کر دیں، اور اگر کسی وجہ سے چودھویں دن کو نہ ہو سکے تو اکیسویں دن ضرور کر دیں تاکہ سنت طریقہ سے عمل ہو جائے۔

عن سمرة قال: قال رسول الله ﷺ: الغلام مرتهن بعقيقة يذبح عنه يوم السابع، ويسمى، ويحلق رأسه ...... والعمل على هذا عند أهل العلم يستحبون أن يذبح عن الغلام العقيقة يوم السابع فإن لم يتهيأ يوم السابع فيوم الرابع عشر فإن لم يتهيأ عق عنه يوم حاد و عشرين. (سنن الترمذی باب من العقيقة النسخة الهندية ۱/۲۷۸، دار السلام رقم: ۱۵۲۲، فتح الباری، باب إماطة الأذیٰ عن الصبی فی العقيقة، دار الفكر ۹/۵۹٤، اشرفیه ۹/۷٤۲، تحت رقم الحديث: ۵٤۷۱، عمدة القاری، دار إحياء التراث العربی ۲۱/۸۸، زكريا ۱٤/٤٦۹)

(۲) عقیقہ کے تمام اعمال اسی جگہ ادا کرنا بہتر اور افضل ہیں جہاں بچہ موجود ہو لیکن اگر دو جدا جدا جگہوں پر ایک ایک بکرا بکری ذبح کر دی جائے تو اس سے بھی عقیقہ کی فضیلت حاصل ہو جائے گی۔ (کفایت المفتی قدیم ۸/۲۶۳، جدید زکریا مطول ۱۲/۱۵۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
۲۸؍ربیع الاول ۱۴۱۷ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۴۷۵۲)	۱۴۱۷/۳/۲۸ھ

بلوغ کے بعد عقیقہ اور سر منڈانے کا حکم

سوال [۱۰۱۲۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک لڑکے کا بچپن میں عقیقہ نہیں ہوا، اور وہ لڑکا جوان ہوگیا، اب اس لڑکے کا عقیقہ شادی کے بعد تک کیا جارہا ہے، اور وہ بال منڈانے سے انکار بھی کررہا ہے، کیا بغیر بال منڈائے عقیقہ صحیح ہوسکتا ہے؟

المستفتی: عبدالغنی بیکن پور مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عقیقہ میں سنت طریقہ یہ ہے کہ ساتویں روز عقیقہ کردیا جائے، اور بال منڈوادیئے جائیں، اور بچے کا نام رکھا جائے۔

عن سمرة قال: قال رسول الله ﷺ: الغلام مرتهن بعقيقة يذبح عنه يوم السابع، ويسمىٰ، ويحلق رأسه. (سنن الترمذي، باب من العقيقة، النسخة الهندية ۱/۲۷۸، دار السلام رقم: ۱۵۲۲، مسند البزار، مكتبه العلوم و الحكم ۱۰/۴۴۰، رقم: ۴۵۹۵، المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي ۶/۲۷۴ رقم: ۶۲۰۱)

اب اگر جوان ہونے تک عقیقہ نہیں کیا ہے اور اب کرنا چاہتے ہیں تو بال بھی ساتھ ساتھ منڈوانا مسنون رہے گا۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰ رشوال المکرّم ۱۴۰۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۲۸۷)

بچہ کا عقیقہ کب کریں؟

سوال [۱۰۱۲۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بچہ کا عقیقہ کرنا مستحب ہے لیکن حالت طفولیت میں بچہ کا عقیقہ ہوسکتا ہے یا بعد

البلوغ جب چاہیں والدین اپنے بچہ کا عقیقہ کر سکتے ہیں؟

المستفتی: مہتمم مدرسہ خزینۃ العلوم ضلع مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عقیقہ پیدائش کے ساتویں روز مستحب ہے اگر نہ ہو سکے تو چودہویں روز، اگر نہ ہو سکے تو اکیسویں روز کردینا چاہیے، اس سے تاخیر کرنا مستحب طریقہ کے خلاف ہے، تاہم اگر بالغ ہونے کے بعد کردے تب بھی والدین کے اوپر سے ذمہ داری ساقط ہو جائیگی، لیکن بلا عذر خلاف استحباب ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ قدیم ۲/۹۳، جدید زکریا ۱۰/۶۰، رسالہ عقیقہ ۱۰)

بعد بلوغ طاق سالوں کا خیال رکھے تو اچھا ہے۔

عن سمرة قال: قال رسول الله ﷺ: الغلام مرتهن بعقيقة يذبح عنه يوم السابع، ويسمى، ويحلق رأسه ...... والعمل على هذا عند أهل العلم يستحبون أن يذبح عن الغلام العقيقة يوم السابع فإن لم يتهيأ يوم السابع فيوم الرابع عشر فإن لم يتهيأ عق عنه يوم حاد و عشرين. (سنن الترمذی باب من العقيقة النسخة الهندية ۱/۲۷۸، دار السلام رقم: ۱۵۲۲، فتح الباری، باب إماطة الأذىٰ عن الصبی فی العقيقة، دار الفكر ۹/۵۹٤، اشرفيه ۹/۷٤۲، تحت رقم الحديث: ۵٤۷۱، عمدة القاری، دار إحياء التراث العربی ۲۱/۸۸، زكريا ۱٤/٤٦۹) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍ محرم الحرام ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۱۰۴۷)

کیا پانچویں دن عقیقہ کرنے سے سنت ادا ہو جائے گی؟

سوال [۱۰۱۲۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عقیقہ ساتویں دن کرنا سنت ہے، مثلاً اگر بچہ جمعرات کو پیدا ہوا تو عقیقہ بدھ کو

کرنا چاہیے، لیکن اگر ہم کسی مجبوری کی بنا پر بجائے بدھ کے اتوار کو کریں تو کیا شرعاً اس کی اجازت ہے، سنت کا ثواب ملے گا؟

المستفتی: حامد علی سنبھلی گیٹ مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اتوار کو کرنے سے عقیقہ تو ہو جائے گا مگر وقت کی سنت یہی ہے کہ بدھ ہی کے دن کیا جائے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر بدھ یعنی ساتویں دن کو نہ کر سکے تو چودھویں کو، اس دن نہ کر سکے تو اکیسویں کو کرنا چاہئے، اور جمعرات کو پیدا ہونے کی صورت میں ۷/۱۴/۲۱/ دن بدھ ہی کا پڑیگا، اس لیے سنت بدھ ہی کو ہوگی، اتوار کو نہیں۔

عن سمرة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: الغلام مرتهن بعقيقة يذبح عنه يوم السابع، ويسمى، ويحلق رأسه ...... والعمل على هذا عند أهل العلم يستحبون أن يذبح عن الغلام العقيقة يوم السابع فإن لم يتهيأ يوم السابع فيوم الرابع عشر فإن لم يتهيأ عق عنه يوم حاد و عشرين. (سنن الترمذی باب من العقيقة النسخة الهندية ۱/۲۷۸، دار السلام رقم: ۱۵۲۲، فتح الباری، باب إماطة الأذیٰ عن الصبی فی العقيقة، دار الفكر ۹/۵۹٤، اشرفيه ۹/۷٤۲، تحت رقم الحديث: ۵٤۷۱، عمدة القاری، دار إحياء التراث العربی ۲۱/۸۸، زكريا ۱٤/٤٦۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

الجواب صحیح	کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ	۱۵/ صفر المظفر ۱۴۱۹ھ
۱۴۱۹/۲/۱۵ھ	(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۶۳۷)

تاریخ پیدائش یاد نہ ہو تو عقیقہ کب کریں؟

سوال [۱۰۱۲۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عقیقہ کے بارے میں ساتویں دن کا لحاظ رکھنے کا حکم ہے لیکن اگر تاریخ پیدائش نہ یاد ہو تو کیا کرے؟

المستفتی: عنایت اللہ گودھنا سدھولی، سیتا پوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عقیقہ ساتویں روز ہی مسنون ہے، اور اگر یہ نہ ہو سکے تو تو چودھویں روز، یہ نہ ہو تو اکیسویں روز کا حساب لگا کر اس طرح کر سکتے ہیں تو بہتر ہے اور اگر حساب لگانا دشوار ہے تو کیف ما اتفق کر دینا بھی جائز ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ قدیم ۲/۹۲، جدید زکریا ۱۰/۶۰)

عن سمرة قال: قال رسول الله ﷺ: الغلام مرتهن بعقيقة يذبح عنه يوم السابع، ويسمى، ويحلق رأسه ...... والعمل على هذا عند أهل العلم يستحبون أن يذبح عن الغلام العقيقة يوم السابع فإن لم يتهيأ يوم السابع فيوم الرابع عشر فإن لم يتهيأ عق عنه يوم حاد و عشرين. (سنن الترمذي باب من العقيقة النسخة الهندية ۱/۲۷۸، دار السلام رقم: ۱۵۲۲، فتح الباری، باب إماطة الأذىٰ عن الصبي في العقيقة، دار الفكر ۹/۵۹٤، اشرفيه ۹/۷٤۲، تحت رقم الحديث: ۵٤۷۱، عمدة القاري، دار إحياء التراث العربي ۲۱/۸۸، زكريا ۱٤/٤٦۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵؍محرم الحرام ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/۳۰۰۰)

عقیقہ کون کرے؟

سوال [۱۰۱۳۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: عقیقہ کرنا کیسا ہے؟ اور کس کو کرنا چاہیے؟

المستفتی: انور جمال محلّہ بھٹی مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بچہ یا بچی کی پیدائش پر شکرانہ کے طور پر عقیقہ کرنا مستحب اور مسنون ہے، اور عقیقہ میں اگر ماں باپ سرمایہ دار ہوں تو لڑکے کی طرف سے دو بکرے یا دو بکریاں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکرا یا ایک بکری ذبح کرنے کا حکم ہے، اور اگر

ماں باپ سرمایہ دار نہ ہوں تو لڑکے کی طرف سے اور لڑکی کی طرف سے صرف ایک بکرا یا ایک بکری بھی عقیقہ میں درست ہے۔

والعقيقة في الاصطلاح: ما يذكى عن المولود شكرا لله تعالىٰ بنيته وشرائط مخصوصة. (مرقات، امداد ملتان ۷٤/۸، الموسوعة الفقهية الكويتية ۲۷٦/۳۰)

وقالوا: باستحباب العقيقة. (اعلاء النسنن، باب العقيقة كراچى ۱۱۳/۱۷، دار الكتب العلمية بيروت ۱۲٦/۱۷)

عن أم كرز قالت: سمعت النبي ﷺ يقول: عن الغلام شاتان مكافئتان و عن الجارية شاة. (ترمذى، باب ماجاء فى العقيقة، النسخة الهندية ۲۷۸/۱، دار السلام رقم: ۱۵۱۳، سنن الدارمى، دار المغنى ۱۲۵۱/۲، رقم: ۲۰۱۱)

وأما الغلام فيحتمل أن يكون أقل الندب في حقه عقيقة واحدة، وكماله ثنتان والحديث يحتمل أنه لبيان الجواز في الاكتفاء بالأقل.
(مرقات، باب العقيقة، امداديه ملتان ۱۵۸/۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵/ ذی الحجہ ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۵۵۳/۳۹)

اپنا عقیقہ خود کرنا

سوال [۱۰۱۳۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: گذارش یہ ہے کہ میں اپنا عقیقہ کرنا چاہتی ہوں، اور مجھے اپنی پیدائش کا دن معلوم نہیں ہے، کیونکہ میرے والدین حیات نہیں ہیں، آپ مجھے براہ کرم یہ مشورہ دیجئے کہ میں اپنا عقیقہ کس دن کر سکتی ہوں، اس سلسلے میں حدیث کیا ہے؟ آپ کی اس ذرہ نوازی کی بیحد مشکور ہوں گی آپ کی بہت بہت مہربانی ہوگی۔

المستفتیہ: روشن جہاں بنت محمد ناصر مرحوم محلّہ بھٹی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر آپ اپنا عقیقہ خود کرنا چاہتی ہیں تو جب چاہیں جس دن چاہیں کرسکتی ہیں، البتہ پیدائش کے ساتویں سال کا اعتبار ولحاظ رکھ سکتی ہیں تو بہتر ہے، مثلاً ۲۱/ ۲۸/ ۳۵/ ۴۲/ ۴۹/ ۵۶، ان سالوں میں اگر اتفاق ہوجائے تو بہتر ورنہ کوئی ضروری نہیں ہے۔ (مستفاد: رسالہ عقیقہ ص:۱۰)

عن سمرة قال: قال رسول الله ﷺ: الغلام مرتهن بعقيقة يذبح عنه يوم السابع، ويسمى، ويحلق رأسه ...... والعمل على هذا عند أهل العلم يستحبون أن يذبح عن الغلام العقيقة يوم السابع فإن لم يتهيأ يوم السابع فيوم الرابع عشر فإن لم يتهيأ عق عنه يوم حاد و عشرين. (سنن الترمذی باب من العقيقة النسخة الهندية ۱/ ۲۷۸، دار السلام رقم: ۱۵۲۲، فتح الباری، باب إماطة الأذیٰ عن الصبی فی العقيقة، دار الفكر ۹/ ۵۹۴، اشرفيه ۹/ ۷٤۲، تحت رقم الحديث: ۵٤۷۱، عمدة القاری، دار إحياء التراث العربی ۲۱/ ۸۸، زكريا ۱٤/ ٤٦۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴/ ذی الحجہ ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/ ۲۰۵۰)

کیا شوہر بیوی کا عقیقہ کرسکتا ہے؟

سوال [۱۰۱۳۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک لڑکی کی شادی کی بات چیت ہوگئی اور اس لڑکی کا عقیقہ اس کے ماں باپ کسی مجبوری کے تحت یا بے خیالی میں نہیں کر سکے، پھر لڑکی نے اپنے شوہر سے کہا۔

تو اب سوال یہ ہے کہ کیا بغیر عقیقہ کیے ہوئے اس لڑکی کے نام پر قربانی درست ہے یا نہیں؟ اور کیا بیوی کا عقیقہ اس کا شوہر کرواسکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: عبدالقیوم ٹھٹھیرہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عقیقہ کی ذمہ داری بہر حال ماں باپ پر ہوتی ہے اور جس کا عقیقہ نہیں ہوا ہے اس کی طرف سے قربانی جائز ہو جاتی ہے، اگر شوہر اپنی خوشی سے چاہے تو بیوی کا عقیقہ کروا سکتا ہے، لیکن بہر حال یہ والدین کے ذمہ کی چیز تھی، اس لیے کہ اولاد اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک نعمت ہے اس کے شکریہ میں عقیقہ کا حکم ہے۔

لأن ذٰلک جهة التقرب بالشکر علی نعمة الولد. (شامی، کتاب الأضحیة، زکریا ۹/۴۷۲، کراچی ۶/۳۲۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲/ ذی الحجہ ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۲۴۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۵/۱۲/۲ھ

عقیقہ کے جانور کی شرطیں

سوال [۱۰۱۳۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کیا عقیقہ کے بکرے کی وہی شرائط ہیں جو قربانی کے بکرے کی ہیں یعنی بکرا ایک سال کا ہونا لازم ہے، اسی طرح گائے یا بھینس ۲/ سال کی ہونی لازم ہے، یا پھر بکرا ایک سال سے کم اور گائے وغیرہ ۲/ سال سے کم بھی درست ہے؟

المستفتی: محمد سلمان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عقیقہ کے جانور میں بھی وہی شرائط ہیں جو قربانی کے جانور میں ہیں۔

وفیه دلیل لقول الجمهور: لایجزئ فی العقیقة إلا ما یجزئ فی الأضحیة فلا یجزئ فیه ما دون الجزعة من الضأن و دون الثنیة من المعز ولایجزئ فیه إلا السلیم من العیوب لأنه ﷺ سماه نسکا فلا یجزئ فیه إلا ما یجزئ فی النسک.

(اعلاء السنن، باب أفضلية ذبح الشاة فی العقيقة، دار الكتب العلمية بيروت ۱۷/ ۱۳۰)

وقالوا: لايجزئ فی العقيقة من الشاة إلا مايجزئ فی الأضحية. (سنن الترمذی، باب من العقيقة، النسخة الهندية ۱/ ۲۷۸، رقم: ۱۵۲۲) **فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
۲۵؍ رجب المرجب ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۷۱۴/۳۸)

عقیقہ میں کون کون سے جانور ذبح کیے جاسکتے ہیں؟

سوال [۱۰۱۳۴]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عقیقہ میں کون کون سے جانور ذبح کیے جاسکتے ہیں؟

المستفتی: محمد یونس، سرائے ترین سنبھل مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بکرے اوراس سے بڑے جانور عقیقہ میں کرسکتے ہیں اور ایک بکرا ایک بچہ سے زائد کی طرف سے جائز نہیں بلکہ ایک بچہ کی طرف سے کم ازکم ایک بکرا یا بڑے جانور میں سے ساتواں حصہ ہونا لازم ہے۔ (مستفاد: ایضاح المسائل ص: ۱۳۵، فتاویٰ رحیمیہ قدیم ۶/ ۱۷۸، جدید زکریا مطول ۱۰/ ۶۳، امداد الفتاویٰ ۳/ ۶۲۰)

عن أم كرز قالت: سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم يقول: عن الغلام شاتان مكافئتان و عن الجارية شاة. (ترمذی، باب ماجاء فی العقيقة، النسخة الهندية ۱/ ۲۷۸، دار السلام رقم: ۱۵۱۳، سنن الدارمی، دار المغنی ۲/ ۱۲۵۱، رقم: ۲۰۱۱)

وقالوا: لايجزئ فی العقيقة من الشاة إلا مايجزئ فی الأضحية. (سنن الترمذی، باب من العقيقة النسخة الهندية ۱/ ۲۷۸ دار السلام رقم: ۱۵۲۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲۰۰/۲۸)

شراء کے وقت کی نیت معتبر ہے نہ کہ ذبح کے وقت کی

سوال [۱۰۱۳۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید وعمر دو سگے بھائی ہیں، زید نے اپنے بچہ بکر کے عقیقہ کے لیے سال بھر سے ایک خصی پال رکھا تھا اور عمر نے اپنے بچے صفی کے لیے ایک خصی خریدا، دونوں بچوں کا عقیقہ ایک ہی دن ہونا طے پایا، کیونکہ زید وعمر دونوں بھائی ایک ہی میں ہیں، امام مسجد نے دونوں خصیوں کو ذبح کیا، ان کو یہ معلوم نہیں تھا کہ دونوں خصی دو بچوں کے لیے الگ الگ ذبح کرنا ہے اور نہ انہوں نے وارث سے معلوم ہی کیا اس لیے دونوں خصی کو صفی کے حق میں ہی ذبح کر دیا، ایسی صورت میں شریعت محمدی کی تعلیم کی روشنی میں دونوں بچوں کا عقیقہ ہو گیا یا محض صفی کا عقیقہ ہوا، جس کے حق میں دونوں خصی ذبح ہو گئے؟

المستفتی: محمد ادریس جونیر ہائی اسکول بدھو چا گھاٹ ضلع دیوریا

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب زید نے اپنے بچہ کے لیے پال رکھا تھا اور عمر نے اپنے بچہ کے لیے علیحدہ عقیقہ کی نیت سے خریدا تو دونوں بچوں کی طرف سے عقیقہ صحیح ہو گیا کیونکہ بوقت ذبح نیت یا الفاظ کا اعتبار نہیں بلکہ بوقت شراء کا اعتبار ہے۔

وأما الضحايا فلابد فيها من النية لكنه عند الشراء لا عند الذبح .
(الأشباه والنظائر قديم ٤٠، وهكذا في الهندية زكريا جديد ٥/٣٤٠، قديم ٥/٢٩٤، مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ٤/١٧٥، مصرى قديم ٢/٥٢١)

عقیقہ وقربانی کا حکم یکساں ہے۔

لايجزئ في العقيقة إلا ما يجزئ في الأضحية. (إعلاء السنن، دار الكتب العلمية بيروت ١٧/١٣٠، كراچى ١٧/١١٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍صفر المظفر ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۵۰۵)

کیا عقیقہ کا جانور خریدنے سے متعین ہوجاتا ہے؟

سوال [۱۰۱۳۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے اپنے دو بچوں کے عقیقہ کی نیت سے ایک جانور خریدا ۱۵۰۰سو روپیہ کا، حسن اتفاق، بھینس گابھن نکلی، زید نے اس کو عقیقہ میں کاٹنے سے روک لیا کچھ دنوں بعد وہ بھینس مریض ہوگئی یہاں تک کہ وہ مرنے کے قریب ہوگئی، لیکن زید نے اس کا علاج کرایا، وہ بھینس صحیح ہوگئی، کچھ فربہ ہونے کے بعد زید نے اس کو ۲۴۰۰سو روپیہ کی فروخت کردی، تو معلوم یہ کرنا ہے کہ اب زید کتنی رقم کی بھینس خریدیگا، اس قیمت کی جس کی اس نے خریدی تھی، یا اس قیمت کی جس کی اس نے فروخت کی ہے؟

المستفتی: محمد طالب ٹانڈہ رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: عقیقہ زیادہ سے زیادہ مسنون یا مستحب ہے، لازم وواجب نہیں، نیز عقیقہ کی نیت سے خریدا ہوا جانور متعین نہیں ہوجاتا، لہٰذا زید نے اگر مذکورہ عذر کی بناء پر بھینس کو فروخت کردیا تو بعد میں پندرہ سو سے زائد یا کم میں جانور خرید کر عقیقہ کرسکتے ہیں، قیمت خرید یا قیمت فروخت کے مطابق جانور خریدنا لازم نہیں۔ (مستفاد: محمودیہ قدیم ۱۱/۳۵۰، جدید ڈابھیل ۱۷/۵۲۹)

العقیقة ...... مباحة لا سنة ولا واجبة ...... هذا يشير إلى الإباحة فيمنع كونها سنة. (عالمگیری، کتاب الکراهية، الباب الثانی والعشرون، زکریا قدیم ۵/۳۶۲، جدید ۵/۴۱۸، شامی زکریا ۹/۴۷۲، کراچی ۶/۳۲۶، اعلاء السنن، دار الکتب العلمية بیروت ۱۷/۱۲۶، کراچی ۱۷/۱۱۳، رقم: ۵۵۱۳، حاشية ترمذی ۱/۲۲۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍محرم الحرام ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/۷۰۱۰)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۱/۸ھ

کسی عذر کی بناء پر عقیقہ کے جانور کو بیچنا

سوال [۱۰۱۳۷]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: احقر نے اپنے لڑکے کے لیے عقیقہ کا بکرا خریدا اور عقیقہ کی تاریخ متعین بھی ہوگئی عقیقہ سے پہلے یعنی تین یوم قبل میری رشتہ داری میں ایک صاحب کا انتقال ہوگیا، دوسرے دن دوسرے رشتہ دار کا انتقال ہوگیا، ایک ساتھ دو اموات ہوگئیں تو میں نے عقیقہ ملتوی کردیا، اور جو عقیقہ کا بکرا ہے اس کو بیچ دیا، اب معلوم یہ کرنا ہے کہ اس رقم کو اپنے کام میں لا سکتے ہیں یا نہیں؟ یا وہ روپیہ الگ رکھنا پڑے گا؟

المستفتی: محمد انصار تحصیل اسکول مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عقیقہ کے لیے خریدے ہوئے جانور کو بیچنا اور ان پیسوں کا استعمال جائز ہے، لیکن عقیقہ ساتویں دن یا اکیسویں دن کرنا افضل ہے، ان میں نہ کرسکے تو ان کے بعد جتنی جلدی کیا جائے تو بہتر ہے، لہٰذا جب بکرا موجود ہے تو فوراً عقیقہ کردینا بہتر ہے۔ (مستفاد: محمودیہ قدیم ۱۱/ ۳۴۶، جدید ڈابھیل ۱۷/ ۵۰۸)

ویستحب لمن ولد له ولد أن یسمیه یوم أسبوعه ...... ثم یعق عند الحلق عقیقة إباحة. (شامی، کتاب الأضحیة، زکریا ۹/ ۴۸۵، کراچی ۶/ ۳۳۶، کوئٹه ۵/ ۲۲۸، اعلاء السنن، کراچی ۱۷/ ۱۱۳، دار الکتب العلمیة بیروت ۱۷/ ۱۲۶)

العقیقة عن الغلام و عن الجاریة وهی ذبح شاة فی سابع الولادة وضیافة الناس وحلق شعره مباحة لا سنة ولا واجبة. (عالمگیری، کتاب الکراهیة الباب الثانی والعشرون، زکریا قدیم ۵/ ۳۶۲، جدید ۵/ ۴۱۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷/ربیع الثانی ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۷۵۹)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۷/۴/۱۴۱۷ھ

ایک بھینس میں سات عقیقہ کرنا

سوال [۱۰۱۳۸]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں تین بچوں کا باقاعدہ عقیقہ کررہاہوں جس میں ایک لڑکا اور دولڑکی ہیں، مشورہ دیں کہ میں ایک بھینس لاکر عقیقہ کرسکتا ہوں، اگر کرسکتا ہوں تو کتنے بچوں تک ایک بھینس میں جائز ہے،اور جانور کیسا ہونا چاہیے؟

المستفتی: طاہرحسین محلّہ مقبرہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عقیقہ کے جانور میں وہی شرائط ہیں جوقربانی میں ہیں، ایک بھینس میں سات حصے ہوں گے، ہرلڑکے کی طرف سے دو دو حصے اور ہرلڑکی کی طرف سے ایک ایک حصہ دیا جاسکتا ہے،اگر زیادہ حصہ دیدیں تو مضائقہ نہیں،اگر استطاعت نہ ہوتو لڑکے کے لیے ایک ایک حصہ بھی درست ہے۔

وفيه دليل لقول الجمهور: لايجزئ في العقيقة إلا ما يجزئ في الأضحية فلا يجزئ فيه ما دون الجزعة من الضأن و دون الثنية من المعز ولايجزى فيه إلا السليم من العيوب لأنه سماه نسكا فلا يجزئ فيه إلا ما يجزئ في النسك. (اعلاء السنن، باب أفضلية ذبح الشاة في العقيقة، دار الكتب العلمية بيروت ۱۷/ ۱۳۰، کراچی ۱۷/ ۱۱۶، تحت رقم الحديث ۵۵۱۴، سنن الترمذی باب من العقيقة النسخة الهندية ۱/ ۲۷۸، دار السلام رقم: ۱۵۲۲) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷/ ذی الحجہ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۸۷)

قربانی کے علاوہ دنوں میں عقیقہ کا حکم

سوال [۱۰۱۳۹]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ غیر قربانی کے دنوں میں بھی گائے بھینس میں عقیقہ کے حصہ لگائے جاسکتے ہیں، مثلاً دولڑکے تین لڑکیوں کا عقیقہ کرنا ہے تو ایک بھینس میں حصہ لگا کر یہ سنت ادا کی جاسکتی ہے؟

المستفتی: محمد زاہد پیرزادہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: غیر قربانی کے دنوں میں بھی ایک گائے یا بھینس میں سات حصہ عقیقہ کے واسطے کیے جاسکتے ہیں، ۲؍لڑکوں کے لیے چار سہام اور تین لڑکیوں کے لیے تین سہام۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ ۶/ ۱۷۹، جدید زکریا ۱۰/ ۶۳، امداد الفتاویٰ ۳/ ۶۲۰، رسالہ عقیقہ ص: ۳۰، فتاویٰ محمودیہ قدیم ۴/ ۳۲۶، جدید ڈابھیل ۱۷/ ۵۲۲)

الجمهور على أجزاء الإبل و البقر أيضا و فيه حديث عند الطبراني و أبي الشيخ عن أنسؓ رفعه يعق عنه من الإبل و البقر (الى قوله) انها تتأدى بالسبع كما في الأضحية. (فتح الباري، باب إماطة الأذىٰ عن الصبي في العقيقة، اشرفيه ديوبند ۹/ ۷٤۰، دار الفكر ۹/ ۵۱۲، تحت رقم الحديث ۵٤۷۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶؍شوال المکرم ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/ ۱۴۳۹)

غیر مستطیع شخص کا کٹرہ میں یا شادی میں کئی بچیوں کا عقیقہ

سوال [۱۰۱۴۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) ہماری مالی حیثیت اتنی نہیں ہے جو ہم اپنے گھر کے سب بچوں کے عقیقے کر سکیں، موجودہ بچے ۵؍ ہیں؟

۲؍ بچوں کا انتقال ہوگیا، کل میزان سات بچے ہیں، اور میں خود اپنا عقیقہ کروں گا، قربانی کے ایک کٹرہ میں ۷؍ حصے ہوتے ہیں وہ عید الاضحیٰ پر ہی ادا کر سکتے ہیں؟ یا اس کے علاوہ کسی مہینے میں بھی کر سکتے ہیں، موجودہ اولاد میں دو لڑکے تین لڑکیاں ہیں؟

(۲) لڑکی کی شادی کی رخصتی میں عقیقہ کردیں تو جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمدابراہیم سیدھی سرائے مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) ایک کٹرہ پانچوں کی طرف سے جائز ہے، دونوں لڑکوں کی طرف سے ۲-۲ حصے اور تینوں لڑکیوں کی طرف سے ایک ایک حصہ، کل میزان سات حصے۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ قدیم ۶/ ۱۷۹، جدید زکریا ۱۰/ ۶۳، امداد الفتاویٰ ۳/ ۶۲۰، رسالہ عقیقہ ۳۰، فتاویٰ محمودیہ قدیم ۴/ ۳۲۶، جدید ڈابھیل ۱۷/ ۵۲۴)

الجمهور على أجزاء الإبل والبقر أيضا وفيه حديث عند الطبراني و أبي الشيخ عن أنس رضي رفعه يعق عنه من الإبل والبقر (الى قوله) انها تتأدى بالسبع كما في الأضحية. (فتح الباري، باب إماطة الأذى عن الصبي في العقيقة، اشرفيه ديوبند ۹/ ۷٤٠، دار الفكر ۹/ ۵۱۲، تحت رقم الحديث ۵٤۷۲)

(۲) اگر آپ کو یقین ہے کہ آپ کا عقیقہ نہیں ہوا ہے تو مذکورہ جانور میں سے ایک یا دو حصے آپ اپنے نام بھی کر سکتے ہیں، اور بقیہ بچوں کے لیے ہو جائے گا۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ قدیم ۶/ ۱۷۸، جدید زکریا ۱۰/ ۶۳)

(۳) یہ سمجھنا کہ قربانی کے علاوہ دنوں میں بڑا جانور عقیقہ کے لیے نہیں چل سکتا صحیح نہیں ہے، غلط ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ قدیم ۶/ ۱۷۹، جدید زکریا ۱۰/ ۶۳)

(۴) اگر آپ مجبور ہیں تو شادی کی رخصتی میں بھی عقیقہ کر سکتے ہیں۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ جدید زکریا ۱۰/ ۶۱)

مرحوم بچوں کے لیے عقیقہ ثابت نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ قدیم ۶/ ۱۷۳، جدید ۱۰/ ۶۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴/ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۲/ ۲۶۶)

ولیمہ کے لیے لائے گئے جانور میں عقیقہ کی نیت کرنا

سوال [۱۰۱۴۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کے لڑکے کی شادی ہے، ولیمہ کے لیے زید نے ایک بھینس ذبح کی، زید کے دو چھوٹے بچے ہیں، زید ایک بھینس میں اپنے دو چھوٹے لڑکوں کا عقیقہ کرنا چاہتا ہے کیا ایک بھینس میں دو لڑکوں کا عقیقہ ہو سکتا ہے؟

المستفتی: عبد الرشید سیڈ ہا بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: ایک بھینس میں دو بچوں کا عقیقہ کرنا درست ہے ایک کی طرف سے چار اور ایک کی طرف سے تین حصے کی نیت کرلی جائے اور عقیقہ کا گوشت ولیمہ میں بھی کھلانا جائز اور درست ہے۔

لو كانت البدنة أو البقرة بين إثنين فضحيا بها اختلف المشائخ فيه والمختار أنه يجوز. (هنديه، الباب الثامن فيما يتعلق بالشركة فى الضحايا، زكريا قديم ٣٠٥/٥، جديد ٣٥٢/٥)

العقيقة بمنزلة النسک والضحايا. (تحفة المودود بأحكام المولود ص: ٦٤ بحواله فتاوىٰ محموديه ڈابهيل ٥١٣/١٧)

ويطعم من شاء من غنى وفقير. (مجمع الأنهر، كتاب الأضحية، دار الكتب العلمية بيروت ١٧٣/٤، مصرى قديم ٥٢٠/٢، هنديه زكريا قديم ٣٠٠/٥، جديد ٣٤٦/٥، حاشية الطحطاوى على الدر كوئٹه ١٦٦/٤) **فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
۲۳ ربیع الثانی ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۳۶۵)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۴/۲۳ھ

ولیمہ کے ساتھ عقیقہ کرنا

سوال [۱۰۱۴۲]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ولیمہ کے ساتھ عقیقہ کرنا کیسا ہے؟ نیز نئے گھر کے افتتاح کے ساتھ بچوں کا عقیقہ کرنا درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: شمیم احمد کرناٹک

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عقیقہ کے گوشت سے ولیمہ کھلانا جائز اور درست ہے اسی طرح سے عقیقہ کے گوشت سے نئے گھر کی دعوت کھلانا بھی جائز ہے۔

ولم یذکر الولیمة وینبغی أن تجوز لأنها تقام شکرا لله تعالیٰ علی نعمة النکاح ووردت بها السنة. (در مختار مع الشامی، کتاب الأضحیة، زکریا ۹/ ۴۷۲، کراچی ۶/ ۳۲۶) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍ جمادی الثانیہ ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۳۲۵)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۸/۶/۲ھ

ایام قربانی کے علاوہ ایک بڑے جانور میں چند بچوں کا عقیقہ

سوال [۱۰۱۴۳]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایام قربانی کے علاوہ حصے والے جانوروں میں عقیقہ کر سکتے ہیں یا نہیں؟ مثلاً ایام قربانی کے علاوہ گائے بھینس وغیرہ میں عقیقہ کر سکتے ہیں، تو اس کی صورت کیا ہوگی؟ مثلاً میرے چند بچے ہیں اور عقیقہ کرنا چاہتا ہوں، تو سب کے لیے ایک ہی گائے کر دوں شریعت کے رو سے مع حوالہ تحریر کر دیں۔

المستفتی: شہادت حسین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجـواب وبـاللّٰـه التوفيق: ایام قربانی کےعلاوہ بھی بڑے جانور گائے بھینس وغیرہ میں حصہ لینا جائز ہے، لیکن اگر بڑا جانور ایک ہی بچے کی طرف سے ہو تو پورا جانور عقیقہ میں ذبح کرنا لازم ہے اور اگر متعدد بچوں کی طرف سے کریں تو ان کے حصوں کا حساب لگا لیا جائے، کہ سات حصے سے زائد نہ ہوں، پورا جانور عقیقہ میں ذبح کردیا جائے۔

(مستفاد: مسائل قربانی ۵۵، محمودیہ قدیم ۱۷/۲۶۵، ڈابھیل ۱۷/۵۲۲، امداد الفتاویٰ ۳/۶۲۱)

والجـمهور على أجزاء الإبل والبقر أيضا وذكر الرافعي بحثا أنها تتأدى بالسبع كما في الأضحية. (فتح الباری، باب إماطة الأذیٰ عن الصبی فی العقیقة، اشرفیه دیوبند ۹/۷٤٠، دار الفکر ۹/۵۱۲، تحت رقم الحدیث ۵٤۷۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰؍شعبان ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/۶۸۸۱)

بڑے جانور میں ایک ساتھ دولڑکیوں کا عقیقہ کرنا

سوال [۱۰۱۴۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص کی دو لڑکیاں ہیں، ایک کی عمر تین سال ہے اور دوسری کی عمر ایک سال ہے، اور وہ دونوں لڑکیوں کا عقیقہ ایک ساتھ کرنا چاہتا ہے اور عقیقہ میں دونوں لڑکیوں کی طرف سے ایک کٹرہ ذبح کرنا چاہتا ہے، اور ایک کٹرہ میں سات حصے ہوتے ہیں اور عقیقہ دو لڑکیوں کا ہو رہا ہے، کیا یہ عقیقہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور یہ عقیقے عید الاضحیٰ کے علاوہ کرنا چاہتا ہے، اسی طرح ان لڑکیوں کے باپ کا عقیقہ نہیں ہوا ہے تو کیا ان لڑکیوں کا عقیقہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: عبد اللطیف لالباغ مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: جس طرح ایام قربانی میں بڑے جانور میں عقیقہ کا

حصہ لینا جائز ہے،اسی طرح ایام قربانی کے علاوہ دوسرے ایام میں بڑے جانور سے عقیقہ کرنا جائز ہے، چاہے پورا جانور ایک بچہ کی طرف سے ذبح کیا جائے یا متعدد بچوں کی طرف سے۔

لیکن اس میں شرط یہ ہے کہ پورا جانور عقیقہ کے لیے ہی ذبح کیا جائے اور کوئی حصہ فروخت نہ کیا جائے، اس کی شکل یہ ہے کہ ایک لڑکی کی طرف سے چار حصے اور دوسری لڑکی کی طرف سے تین حصے مان لیے جائیں، اور لڑکیوں کا عقیقہ کرنے کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ پہلے ان کے والد کا عقیقہ کیا جائے، چاہے ان کے والد کا عقیقہ ہوا ہو یا نہ ہوا ہو، لڑکیوں کا عقیقہ کرنا بلاتردد جائز اور درست ہے۔ (مستفاد: مسائل قربانی وعقیقہ ص:۵۴-۵۵)

الجمهور علي أجزاء الإبل والبقر أيضا وفيه حديث عند الطبراني و أبي الشيخ عن أنسؓ رفعه يعق عنه من الإبل والبقر (الى قوله) انها تتأدى بالسبع كما فى الأضحية. (فتح البارى، باب إماطة الأذىٰ عن الصبى فى العقيقة، اشرفيه ديوبند ۹/ ۷٤۰، دار الفكر ۹/ ۵۱۲، تحت رقم الحديث ۵٤۷۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

الجواب صحیح	کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ	یکم ربیع الاول ۱۴۲۸ھ
۱۴۲۸/۳/۱ھ	(الف فتویٰ نمبر: ۹۱۹۳/۳۸)

عقیقہ میں لڑکے کی طرف سے دو اور لڑکی کی طرف سے ایک حصہ

سوال [۱۰۱۴۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: تین لڑکیوں اور دو لڑکوں کا عقیقہ کرنا ہے، تو کتنے حصے ہر ایک کے لیے بھینس وغیرہ میں کریں؟

المستفتی: عبد الجلیل لال مسجد مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: ہر ایک لڑکی کی طرف سے ایک ایک حصہ اور ہر ایک لڑکے کی طرف سے دو دو حصے عقیقہ میں کر دیئے جائیں، تو جائز اور درست ہو جائے گا۔

(مستفاد: ایضاح المسائل ص:۱۳۵، امداد الفتاویٰ ۳/ ۶۲۰)

الجمهور علي أجزاء الإبل والبقر أيضا وفيه حديث عند الطبراني و أبي الشيخ عن أنسؓ رفعه يعق عنه من الإبل والبقر (الى قوله) انها تتأدى بالسبع كما في الأضحية. (فتح الباری، باب إماطة الأذیٰ عن الصبی فی العقيقة، اشرفیه دیوبند ۹/۷٤۰، دار الفکر ۹/۵۱۲، تحت رقم الحدیث ۵٤۷۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸/شوال المکرّم ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۳٦۵۱)

عقیقہ کے گوشت کا حکم

سوال [۱۰۱۴٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر کسی شخص نے اپنے بچے کا عقیقہ کیا تو وہ شخص اس گوشت کو کھا سکتا ہے یا نہیں اگر کھا سکتا ہے تو کون کون کھا سکتا ہے اور کون کون نہیں کھا سکتا؟

المستفتی: قسمت علی بردوانی ضلع بردوان بنگال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: عقیقہ کا گوشت بھی قربانی کے گوشت کی طرح ہے، لہٰذا عقیقہ کا گوشت خود کھانا اور اعزاء واقارب کو کھلانا اور فقیروں میں تقسیم کرنا جائز اور درست ہے، اور سارا گوشت اپنے لیے بھی رکھنا درست ہے۔

يصنع بالعقيقة مايصنع بالأضحية (الى قوله) وفي قوله يأكل أهل العقيقة ويهدونها دليل على بطلان ما اشتهر على الألسن، أن أصول المولود لايأكلون منها فإن أهل العقيقة هم الأبوان أولا ثم سائر أهل البيت.

(إعلاء السنن، قبيل باب ما يقول الذابح عند الذبح، کراچی ۱۷/۱۲۷، دار الکتب العلمیة بیروت ۱۷/۱٤۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/جمادی الاولیٰ ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۲۹۴)

کیا عقیقہ کا گوشت دادا، دادی اور ماں، باپ نہیں کھا سکتے؟

سوال [۱۰۱۴۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بعض لوگوں کا خیال ہے کہ عقیقہ کا گوشت دادا، دادی اور ماں باپ نہیں کھا سکتے اوران کے لیے الگ سے عقیقہ کے دن کھانا پکواتے ہیں تو کیا یہ شرعاً درست ہے، نیز عقیقہ کا گوشت کون کون لوگ کھا سکتے ہیں؟

المستفتی: محمد فرقان خوشحال گنج لکھنؤ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بعض لوگوں کا یہ خیال غلط ہے کہ عقیقہ کا گوشت دادا، دادی اور ماں باپ نہیں کھا سکتے ،عقیقہ کا گوشت سب لوگ کھا سکتے ہیں، لہٰذا ان کے لیے عقیقہ کے دن الگ سے کھانا پکوانے کی ضرورت بھی نہیں ہے، البتہ مستحب طریقہ یہ ہے کہ گوشت کے تین حصے کیے جائیں جیسا کہ قربانی کے گوشت میں کیا جاتا ہے، کہ ایک حصہ گھر والوں کے لیے اور ایک حصہ رشتہ داروں اور دوست احباب کو ایک حصہ غرباء کو دیا جائے۔
(مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۸/۲۶۳، جدید زکریا مطول ۱۲/ ۱۵۷، رحیمیہ قدیم ۹/۳۱۹، جدید ۱۰/ ۶۵)

والأفضل أن يتصدق بالثلث و يتخذ الثلث ضيافة لأقربائه و أصدقائه ويدخر الثلث. (شامی، کتاب الأضحية، زكريا ۹/ ٤٧٤، کراچی ٦/ ٣٢٨، بدائع الصنائع زكريا ٤/ ٢٢٤، کراچی ٥/ ٨١، هنديه زكريا قديم ٥/ ٣٠٠، جديد ٥/ ٣٤٦، الموسوعة الفقهية الكويتية ٥/ ١٠٢، ٣٥/ ٢٠١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍ربیع الثانی ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۶۵۹۱/۳۵)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۴/۲۰ھ

عقیقہ میں گوشت پکا کر کھلانے کا حکم

سوال [۱۰۱۴۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: عقیقہ میں گوشت پکا کر کھلانا کسی حدیث سے ثابت ہو تو حدیث کو درج فرمادیں؟

المستفتی: محمد اسلم انصاری حکیم پورہ شکر گنج دھامپور بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عقیقہ کا ثبوت صحیح حدیث میں موجود ہے، حضرات فقہاء کرام صحیح حدیث سے استدلال کر کے عقیقہ کی سنیت کو ثابت کرتے ہیں، لیکن پکا کے کھلانے کی شرط حضرات فقہاء نہیں لگاتے ہیں بلکہ یہی کہتے ہیں کہ جو شرائط واحکام قربانی میں معتبر ہیں، وہ عقیقہ میں بھی، ''ہر چہ در اضحیہ معتبر است از شرائط واحکام در عقیقہ نیز معتبر است''۔ (اشعۃ اللمعات ۳/۴۸۰)

البتہ بعض آثار میں اتنا ملتا ہے کہ نمک کے پانی میں ابال کر پڑوسیوں میں تقسیم کریں۔

قال ابن جريج، تطبخ بماء و ملح أعضاء أو قال: آرابا ويهدى في الجيران والصديق ولايتصدق منها بشيئ. (مصنف عبد الرزاق، المجلس العلمي ٤/ ٣٣١ رقم: ٧٩٦٧)

عن سمرة قال: قال رسول الله ﷺ: الغلام مرتهن بعقيقة يذبح عنه يوم السابع، ويسمىٰ، ويحلق رأسه. (سنن الترمذي، باب من العقيقة، النسخة الهندية ٢٧٨/١، دار السلام رقم: ١٥٢٢، مسند البزار، مكتبه العلوم و الحكم ٤٤٠/١٠، رقم: ٤٥٩٥، المعجم الكبير، للطبراني دار احياء التراث العربي ٢٤٧/٦ رقم: ٦٢٠١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶ رشعبان المعظم ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۹۰۴/۲۶)

عقیقہ کا کھانا کون لوگ کھا سکتے ہیں؟

سوال [۱۰۱۴۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: عقیقہ کے کھانے میں کیا اپنے دوسرے رشتہ داروں کو بھی شامل کیا جاسکتا ہے، اور

کن کن لوگوں کو دعوت میں مدعو کیا جائے؟

المستفتی: محمد ساجد محلّہ سرائے مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عقیقہ کا کھانا خود کھانا رشتہ داروں کو کھلانا اور مالداروں اور غریبوں کو کھلانا جائز ہے اور درست ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ قدیم ۶/۱۷۲، جدید ۱۰/ ۶۱)

یصنع بالعقیقة مایصنع بالأضحية (الی قوله) وفی قوله یأکل أهل العقیقة ویهدونها دلیل علی بطلان ما اشتهر علی الألسن، أن أصول المولود لایأکلون منها فإن أهل العقیقة هم الأبوان أولا ثم سائر أهل البیت.

(إعلاء السنن، قبیل باب ما یقول الذابح عند الذبح، کراچی ۱۷/ ۱۲۷، دار الکتب العلمیة بیروت ۱۷/ ۱٤۰) فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍شوال المکرّم ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۲۸۴۵)

عقیقہ سے متعلق چند سوالات کے جوابات

سوال [۱۰۱۵۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) میری بیٹی کی عمر ۱۹؍سال ہے میں نے اس کی پیدائش کے بعد نامساعد حالات اور مسئلہ سے ناواقفیت کی بنا پر اس کا عقیقہ نہیں کیا تھا، میں اپنی بیٹی کا عقیقہ کرنا چاہتا ہوں، بعض احباب کا کہنا ہے کہ عقیقہ کا وقت پیدائش کے ۲۱؍دن بعد تک ہے اس کے بالمقابل بعض احباب کہتے ہیں کہ عمر بھر میں چاہے سات عدد کی رعایت کے ساتھ عقیقہ کر سکتے ہیں، اب دریافت یہ کرنا ہے کہ عقیقہ کی صحیح شرعی مدت کیا ہے؟ نیز بذات خود عقیقہ کی شرعی حیثیت کی تعیین کریں؟

(۲) عقیقہ کا گوشت کن لوگوں کو کھلانا چاہیے؟ اور اس کا مستحب طریقہ کیا ہے؟ کیا قربانی کی طرح اس کے گوشت کے بھی تین حصے کرنا افضل ہے؟ ہمارے یہاں عقیقے کے

گوشت سے احباب واعزاء کی ضیافت کرتے ہیں اس کا کیا حکم ہے؟

(۳) عقیقہ کے بعد نومولود بچہ کے سر کے بال کے وزن کے برابر چاندی صدقہ کرنا کیا حکم رکھتا ہے؟ ولیمہ کے جانور میں ایک حصہ عقیقہ کا رکھنا کیسا ہے؟

المستفتی: محمد اکرم خاں

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) عقیقہ کرنا فی نفسہ مستحب ہے، اور عقیقہ میں ساتویں دن کی رعایت کرنا افضل ہے، اگر کسی عذر کی بنا پر ساتویں دن نہ ہو سکے تو چودھویں دن کردیا جائے، اور اگر چودھویں دن نہ ہو سکے تو اکیسویں دن کردیا جائے، اس کے بعد وقت کی سنیت ختم ہو جاتی ہے مگر عقیقہ کی سنیت باقی رہتی ہے، اب جب بھی موقع ہو یہ سنت ادا کی جائے، اب ۱۹؍سال کی عمر میں موقع ہوا ہے یا احساس ہوا ہے تو کسی بھی دن عقیقہ کرسکتے ہیں۔

عن سمرة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: الغلام مرتهن بعقيقة يذبح عنه يوم السابع، ويسمى، ويحلق رأسه ...... والعمل على هذا عند أهل العلم يستحبون أن يذبح عن الغلام العقيقة يوم السابع فإن لم يتهيأ يوم السابع فيوم الرابع عشر فإن لم يتهيأ عق عنه يوم حاد و عشرين. (سنن الترمذی باب من العقيقة النسخة الهندية ۱/۲۷۸، دار السلام رقم: ۱۵۲۲، فتح الباری، باب إماطة الأذیٰ عن الصبی فی العقيقة، دار الفكر ۵۹۴/۹، اشرفیه ۷۴۲/۹، تحت رقم الحديث: ۵۴۷۱، عمدة القاری، دار إحياء التراث العربی ۸۸/۲۱، زكريا ۴۶۹/۱۴)

عن قتادة عن عبد الله بن بريدة عن أبيه عن النبی صلى الله عليه وسلم قال: العقيقة تذبح بسبع، ولأربع عشرة، ولإحدى عشرين. (السنن الكبریٰ للبيهقی، باب ما جاء فی وقت العقيقة و حلق الرأس والتسمية، دار الفكر ۲۶۱/۱۴ رقم: ۱۹۸۳۴)

الذبح يكون يوم السابع بعد الولادة إن تيسر، وإلا ففی اليوم الرابع عشر وإلا ففی اليوم الواحد والعشرين من يوم ولادته، فإن لم يتيسر ففی أی يوم من الأيام. (فقه السنة، دار الكتاب العربی ۲۱۳/۴)

ثـم أن الترمذی أجاز بها إلی یوم أحد و عشرین، قلت: بل یجوز إلی أن یـموت لما رأیت فی بعض الروایات أن النبی ﷺ: عق عن نفسه بنفسه . (فیض الباری کراچی ٤/٣٣٧)

(۲) عقیقہ کے گوشت کا حکم قربانی کے گوشت کی طرح ہے، اوراس میں بھی بہتر اور مستحب یہ ہے کہ اس کے گوشت کے تین حصے کر لیے جائیں ایک حصہ اپنے اور اپنے گھر والوں کے لیے، ایک حصہ اعزاء واقرباء کے لیے اورایک حصہ فقراء میں تقسیم کرنے کے لیے اوراعزاء کی ضیافت کرکے انہیں عقیقہ کا گوشت کھلایا جاسکتا ہے اور اگر پورا پورا اپنے استعمال میں لے لے تواس میں بھی کوئی گناہ نہیں ہے۔

یـصـنـع بالعقیقة مایصنع بالأضحیة عن عطاء قال یأکلها أهل العقیقة ویهدونها . (إعلاء السنن، قبیل باب ما یقول الذابح عند الذبح، کراچی ١٧/١٢٧، دار الکتب العلمیة بیروت ١٧/١٤٠)

وأنـه یستـحـب الأکـل مـنها والإطعام والتصدق کما فی الأضحیة .

(اعلاء السنن کراچی ١٧/١١٧، دار الکتب العلمیة بیروت ١٧/١٣١)

والأفـضل أن یتصدق بالثلث ویتخذ الثلث ضیافة لأقربائه وأصدقائه ضیـافة ویدخر الثلث، ویستحب أن یأکل منها ولو حبس الکل لنفسه جاز .

(شـامی، کتاب الأضحیة، زکریا ٩/ ٤٧٤، کراچی ٦/٣٢٨، بدائع الصنائع کراچی ٥/٨١، زکریا ٤/٢٢٤، هندیه زکریا قدیم ٥/٣٠٠، جدید ٥/٢٤٦)

(۳) عقیقہ کے وقت نومولود کے سر کے بال مونڈ کر بالوں کے وزن کے برابر چاندی یااس کی قیمت صدقہ کرنا مستحب ہے۔

عـن عـلـی بـن أبی طالب قال: عق رسول الله ﷺ عن الحسن بشاة وقـال: یـا فاطمة! احلقی رأسه، وتصدقی بزنة شعره فضة فوزنته فکان وزنه درهـمـا أو بعض درهم، وفی روایة: ثم ولد حسین بعد ذٰلک فصنعت مثل ذٰلک . (سنن الترمذی، باب ما جاء فی العقیقة، النسخة الهندیة ١/٢٧٨، دار السلام رقم:

١٥١٩، مسند أحمد بن حنبل ٦/٣٩٢ رقم: ٢٧٧٣٨)

ایسا کرنا درست ہے کہ بچہ کے عقیقہ کی نیت سے جانور ذبح کیا جائے اور اس کا گوشت ولیمہ میں کھلایا جائے، اور جانور کو بجائے ولیمہ کی نیت کے عقیقہ کی نیت سے ذبح کیا جائے، تو زیادہ بہتر ہے، اس لیے کہ عقیقہ کے جانور کا حکم قربانی کے جانور کی طرح ہے۔

ولـو ذبح بدنة أو بقرة عن سبعة أولاد أو اشترك فيها جماعة جاز سواء أرادوا كـلهم العقيقة أو أراد بعضهم العقيقة و بعضهم اللحم كما في الأضحية.

(شرح المهذب، بحواله إعلاء السنن ٢٩/٨ ،دار الكتب العلمية بيروت ١٣٢/١٧)

قلـت: مـذهبـنـا في الأضـحية بطلانها بإرادة بعضهم اللحم فليكن كـذلك في العقيقة. (إعلاء السنن كراچی ١١٩/١٧، دار الكتب العلمية بيروت ١٣٢/١٧) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
۱۹؍ربیع الثانی ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۰۲۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۴/۲۰ھ

نومولود کے کان میں اذان دینا مشروع ہے

سوال [۱۰۱۵۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ لڑکی کی پیدائش کے بعد کانوں میں اذان دینا شریعت سے ثابت ہے یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب دے کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔

المستفتی: عبد العلیم مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: حدیث شریف میں نومولود بچوں کے کانوں میں اذان واقامت میں صراحت آئی ہے، اور فقہاء نے بھی نومولود بچوں کے کان میں اذان سے متعلق صراحت کی ہے اور عربی میں مولود کا لفظ لڑکا لڑکی دونوں کے لیے مستعمل

ہوتا ہے۔(مستفاد: احسن الفتاویٰ ۲/۲۷۶)

عن حسین بن علی رضی الله عنهما قال قال رسول الله ﷺ: من ولد له مولود فأذن فی أذنه الیمنی و أقام فی أذنه الیسریٰ لم یضره أم الصبیان. (عمل الیوم واللیلة لإبن السنی، باب ما یعمل بالولد إذ ولد، مؤسسة علوم القرآن ۵۷۸/۱، رقم: ۶۲۳، مسند أبی یعلی الموصلی، دار الکتب العلمیة بیروت ۳۲/۶، رقم: ۶۷۴۷، وهکذا فی المعجم الأوسط، دار الفکر ۴۱۴/۶، رقم: ۲۹۵۰، مصنف عبد الرزاق، المجلس العلمی ۳۳۶/۴، رقم: ۷۹۸۵، شرح السنة للبغوی بیروت ۲۷۳/۱۱، رقم: ۲۸۲۲، شعب الإیمان، دار الکتب العلمیة بیروت ۳۸۹/۶، حاشیة مشکاة ۳۶۳/۲)

اس سے واضح ہوتا ہے کہ بچہ بچی اس کی وجہ سے بہت سے امراض سے محفوظ رہتے ہیں۔فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/ذی قعدہ ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/۲۴۵۴)

نومولود کے کان میں اذان واقامت کا طریقہ

سوال [۱۰۱۵۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: نومولود بچے کے کان میں اذان واقامت کا کیا طریقہ ہے؟ کیا جس طرح نماز کے لیے اذان واقامت کہی جاتی ہے اسی طرح کہیں گے؟ یا اس میں کچھ فرق ہے؟ نیز کس کان میں اذان کہیں گے اور کس کان میں اقامت؟ جواب سے نوازکر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔

المستفتی: محمد انصاف بلند شہری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفیق: نومولود بچے کے کان میں اذان کہنے کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ اس کے دائیں کان میں اذان کے کلمات کہے جائیں، اور اس کے بائیں کان

میں اقامت کے کلمات کہے جائیں،اس میں فرق صرف اتنا ہے کہ اقامت کے کلمات میں دو مرتبہ قد قامت الصلاۃ کا اضافہ ہے،اوراس میں اذان کہتے وقت اذان دینے والے کا اپنے کان میں انگلی ڈالنا ضروری نہیں، بچے کواذان دینے والے سے قبلہ کی جانب کر کے اذان دی جائے اوراقامت کے کلمات اذان کے کلمات کے مقابلے میں کچھ جلدی جلدی کہے جائیں اورحی علی الصلاۃ کے وقت میں اذان دینے والاتھوڑا سا دائیں طرف اپنی گردن موڑ دے،اورحی علی الفلاح کے وقت بائیں طرف۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ جدید ڈابھیل۵/۴۵۷، کتاب المسائل ۱/۲۴۷)

عن أبی رافع قال: رأیت رسول الله ﷺ أذن الحسن بن علی رضی الله عنهما حین ولدته فاطمة بالصلاة. (ترمذی، باب الأذان فی أذن المولود، النسخة الهندیة ۱/۲۷۸ دار السلام رقم: ۱۵۱٤، سنن أبی داؤد، باب فی المولود یؤذن فی أذنه، النسخة الهندیة ۲/٦۹٦ دار السلام رقم: ۵۱۰۵، مسند البزار، مکتبه العلوم و الحکم ۹/۳۲۵ رقم: ۳۸۷۹، مسند أبی داؤد الطیالسی، دار الکتب العلمیة بیروت ۱/۵۱۸ رقم: ۱۰۱۳، مصنف عبد الرزاق، المجلس العلمی ٤/۳۳٦، رقم: ۷۹۸٦)

قال السنوی: فیرفع المولود عند الولادة علی یدیه مستقبل القبلة ویؤذن فی أذنه الیمنی ویقیم فی الیسریٰ، ویلتفت فیهما بالصلاة لجهة الیمین وبالفلاح لجهة الیسار. (تقریرات رافعی علی الشامی کراچی ۱/٤۵، زکریا ۲/٤۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍رجب المرجب ۱۴۳۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۲/۹۷۷)

نومولود بچہ کے کان میں اذان دینے کا طریقہ

سوال [۱۰۱۵۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بچے کی اذان کے وقت بچے کو کس ہاتھ میں لیں، دائیں یا بائیں اور یہ ہاتھ میں

لینا کیسا ہے؟ اور اذان کسی بھی سمت کھڑے ہوکر کہہ سکتے ہیں یا صرف مغرب کی طرف بعض مرتبہ لوگ ایسا کرتے ہیں کہ دروازہ پر ہی سے اذان کہہ دیتے ہیں؟

المستفتی: معراج الدین سپولوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بچے کے کان میں اذان دینے کے لیے صرف ہاتھوں میں لینے کا ذکر ملتا ہے، دائیں بائیں کا ذکر نہیں، ہاں البتہ دونوں ہاتھوں کا ذکر ملتا ہے اور قبلہ رخ کا بھی ذکر ملتا ہے، مگر کھڑے ہوکر یا بیٹھ کر وغیرہ کی بات نہیں ملتی، لہٰذا افضل اور اولیٰ یہی ہے کہ بچے کو دونوں ہاتھ میں اٹھا کر روبقبلہ ہوکر پہلے دائیں کان میں اذان کے الفاظ کہے جائیں پھر بائیں کان میں اقامت کے الفاظ کہے جائیں، پھر شیطان سے حفاظت کی دعا کی جائے۔

فیرفع المولود عند الولادة على يديه مستقبل القبلة ويؤذن في أذنه اليمنىٰ ويقيم في اليسرىٰ ويلتفت فيها بالصلاة لجهة اليمين وبالفلاح لجهة اليسار وفائدة الأذان في أذنه أنه يدفع أم الصبيان عنه. (تقريرات رافعی، زکریا ۲/۴۵، کراچی ۱/۴۵، مرقات، امدادیہ ملتان ۸/۱۶۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹ر صفر المظفر ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۸۲۴۳)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۲/۱۵ھ

بچہ کے کان میں اذان واقامت کیسے کہیں؟

سوال [۱۰۱۵۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بچہ کی پیدائش کے بعد اس کے کان میں اذان واقامت پڑھنے کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ کیا اس کے لیے کوئی مدت متعین ہے یا نہیں؟ بسا اوقات ہوتا ہے کہ ہسپتال میں بچہ کی پیدائش ہوتی ہے جہاں اذان واقامت پڑھنے والا کوئی نہیں ہوتا ہے تو ایسی صورت میں دو دن یا ہفتہ کے بعد آدمی ملنے پر اذان واقامت دی جاسکتی ہے یا نہیں؟

المستفتی: فضل حق متعلم مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ولادت کے بعد بچہ کے کان میں اذان وتکبیر کہنا سنت ہے، یہی شرعی حکم ہے، مجبوری میں تاخیر کی گنجائش ہے، لیکن کوشش یہ کرنی چاہیے کہ جہاں تک ہوسکے، جلدازجلد بچہ کے کانوں میں اذان کی آواز پہنچ جائے۔

عن عاصم بن عبيد الله بن رافع عن أبيه قال: رأيت رسول الله ﷺ أذن في أذن الحسن بن علي حين ولدته فاطمة بالصلاة. (ترمذی، باب الأذان فی أذن المولود، النسخة الهندية ١/٢٧٨ دار السلام رقم: ١٥١٤، سنن أبی داؤد، باب فی المولود يؤذن فی أذنه، النسخة الهندية ٢/٦٩٦ دار السلام رقم: ٥١٠٥، مسند البزار، مكتبه العلوم والحكم ٩/٣٢٥، رقم: ٣٨٧٩، مسند أبی داؤد الطيالسی، دار الكتب العلمية بيروت ١/٥١٨، رقم: ١٠١٣، مصنف عبد الرزاق، المجلس العلمی ٤/٣٣٦، رقم: ٧٩٨٦)

قال الملا على قاری تحته حين ولدته فاطمة يحتمل السابع و قبله.

(مرقاة المفاتيح امداديه ملتان ٨/١٥٩)

قال السندی: فيرفع المولود عند الولادة على يديه مستقبل القبلة ويؤذن فی أذنه أنه يدفع أم الصبيان عنه. (تقريرات رافعی على الشامی كراچی ١/٤٥، زكريا ٢/٤٥)

يسن الأذان فی أذن المولود حين يولد. (الموسوعة الفقهية ٢/٣٧٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
۱۸؍ربیع الثانی ۱۴۳۱ھ	احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۰۲۳/۳۹)	۱۸/۴/۱۴۳۱ھ

کیا بچہ کے کان میں اذان غسل سے قبل دے سکتے ہیں؟

سوال [۱۰۱۵۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: نومولود بچہ کے کان میں اذان بعد غسل کے دی جائے گی یا اس کے جسم سے گندگی و آلائش دور کرنے کے بعد بھی دی جاسکتی ہے، کیونکہ بعض نومولود بچے انتہائی کمزور واقع ہوتے ہیں؟

المستفتی: محمد رضوان مدرسہ امداد العلوم حیدرآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوالنامہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض کمزور بچوں کو نہلایا نہیں جاتا ہے صرف گندگی اور آلائش دور کردی جاتی ہے، ہماری معلومات کے مطابق یہ بات درست نہیں ہے اس لیے کہ پانی سے صفائی کے بغیر صرف کپڑے سے آلائش دور کردی جائے تو بچہ کے بدن میں زہریلا مادہ پھیلنے کا خطرہ ہوتا ہے، چاہے بچہ کمزور ہو یا تندرست ہو، بلکہ پیدا ہوتے ہی سب سے پہلے یہ کام کیا جاتا ہے کہ نیم گرم پانی سے بچہ کو نہلا کر صاف کیا جاتا ہے، اور اس کے بعد ہی اذان دینی چاہیے، یہی مسنون طریقہ ہے۔ (مستفاد: باقیات فتاویٰ رشیدیہ ص: ۲۳۸)

عن عاصم بن عبيد الله بن رافع عن أبيه قال: رأيت رسول الله ﷺ أذن فى أذن الحسن بن على حين ولدته فاطمة بالصلاة. (ترمذی، باب الأذان فی أذن المولود، النسخة الهندية ١/ ٢٧٨ دار السلام رقم: ١٥١٤، سنن أبی داؤد، باب فی المولود يؤذن فی أذنه، النسخة الهندية ٢/ ٦٩٦ دار السلام رقم: ٥١٠٥، مسند البزار، مكتبه العلوم والحكم ٩/ ٣٢٥، رقم: ٣٨٧٩، مسند أبی داؤد الطيالسی، دار الكتب العلمية بيروت ١/ ٥١٨، رقم: ١٠١٣، مصنف عبد الرزاق، المجلس العلمی ٤/ ٣٣٦، رقم: ٧٩٨٦)

قال السندی: فيرفع المولود عند الولادة على يديه مستقبل القبلة ويؤذن فى أذنه اليمنى ويقيم فى اليسرىٰ، ويلتفت فيهما بالصلاة لجهة اليمين وبالفلاح لجهة اليسار. (تقريرات رافعی على الشامی كراچی ١/ ٤٥، زكريا ٢/ ٤٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱؍ربیع الاول ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۱۰۱۴)

بچوں کے کان میں اذان وتکبیر تاخیر سے دینا

سوال [۱۰۱۵۶]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کے گھر میں لڑکا پیدا ہوا ہے، نہ اذان ہوئی اور نہ تکبیر ہوئی، اور نہ کسی کو خیال رہا آج تقریباً ایک ماہ ہورہا ہے اور گاؤں کی بات ہے اور ساتھ ہی ساتھ لڑکی پیدا ہوئی ہے، نہ اذان ہوئی ہے نہ تکبیر، قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب سے نوازیں؟

المستفتی: شمس الحق محلہ اصالت پورہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر اب تک بچہ اور بچی کے کان میں اذان وتکبیر نہیں کہی ہے تو اب فوراً اذان وتکبیر کہی جائے۔ (احسن الفتاویٰ ۲/۲۷۶)

عن عاصم بن عبيد الله بن رافع عن أبيه قال: رأيت رسول الله ﷺ أذن في أذن الحسن بن علي حين ولدته فاطمة بالصلاة. (ترمذی، باب الأذان فی أذن المولود، النسخة الهندية ۱/۲۷۸ دار السلام رقم: ۱۵۱٤، سنن أبی داؤد، باب فی المولود يؤذن فی أذنه، النسخة الهندية ۲/٦۹٦ دار السلام رقم: ۵۱۰۵، مسند البزار، مكتبه العلوم والحكم ۹/۳۲۵، رقم: ۳۸۷۹، مسند أبی داؤد الطيالسی، دار الكتب العلمية بيروت ۱/۵۱۸، رقم: ۱۰۱۳، مصنف عبد الرزاق، المجلس العلمی ٤/۳۳٦، رقم: ۷۹۸٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
۱۵ رمضان المبارک ۱۴۱۲ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۲۸۲۸)	۱۴۱۲/۹/۱۵ھ

پیدائش کے کئی سالوں کے بعد اذان دینے سے کیا سنت ادا ہو جائیگی؟

سوال [۱۰۱۵۷]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: جس بچہ کے کان میں اذان نہیں دی گئی کافی عرصہ کے بعد اس کا انتقال ہو جاتا

ہے تو اس صورت میں کیا نماز جنازہ کے بعد اذان قبر پر پڑھ لیں تو کوئی حرج تو نہیں ہے، اور قبر پر اذان پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد یاسین محمود پور مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بچہ کے کان میں پیدائش کے بعد ہی اذان دینا مسنون ہے، کافی عرصہ کے بعد اذان دینے سے سنت ادا نہیں ہوگی، نیز قبر پر اذان دینا بھی شرعاً بے اصل ہے، اس کا ترک لازم ہے، نیز اس سے اذان تولد کی قضا بھی ادا نہیں ہوسکتی۔
(مستفاد: فتاویٰ دار العلوم ۵/۳۸۲، احسن الفتاویٰ ۱/ ۳۳۷)

وهـذا يـدل على سنية الأذان في أذن المولود (إلى قوله) إذا ولد الصبي. (مرقاة مصری باب العقيقة ٤/ ٣٦٠، امداديه ملتان ٨/ ١٥٩، حاشية ترمذى ١/ ١٨٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍صفر المظفر ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/۳/۱۶۷)

آٹھ سال کے بعد بچہ کے کان میں اذان دینا

سوال [۱۰۱۵۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: لڑکا پیدا ہوتا ہے تو آنگن میں ایک صاحب کھڑے ہوکر صرف اذان کہہ دیتے ہیں اور لڑکی پیدا ہوتی ہے تو اذان بھی نہیں دیتے ہیں، تکبیر تو دور کی بات، اور لڑکا اگر سات آٹھ سال کا ہوجائے اور جانکار آدمی کو معلوم ہوجائے کہ اس کے کان میں اذان وتکبیر نہیں ہوئی ہے تو اس وقت اس کے کان میں اذان وتکبیر کہہ سکتے ہیں یا نہیں؟ مفصل جواب سے نوازیں۔

المستفتی: محمد صلاح الدین طویلہ سہرسا بہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس سلسلے میں کوئی صریح جزئیہ احقر کی نظر سے نہیں گذرا،

البتہ مدت قلیل کی تاخیر میں بھی مسنون ہونے کی طرف اشارہ ملتا ہے۔(مستفاد:احسن الفتاویٰ ۲/۲۷۶)

عن عاصم بن عبيد الله بن رافع عن أبيه قال: رأيت رسول الله ﷺ أذن في أذن الحسن بن علي حين ولدته فاطمة بالصلاة. (ترمذی، باب الأذان في أذن المولود، النسخة الهندية ١/٢٧٨ دار السلام رقم: ١٥١٤، سنن أبي داؤد، باب في المولود يؤذن في أذنه، النسخة الهندية ٢/٦٩٦ دار السلام رقم: ٥١٠٥، مسند البزار، مكتبه العلوم والحكم ٩/٣٢٥، رقم: ٣٨٧٩، مسند أبي داؤد الطيالسي، دار الكتب العلمية بيروت ١/٥١٨، رقم: ١٠١٣، مصنف عبد الرزاق، المجلس العلمي ٤/٣٣٦، رقم: ٧٩٨٦)

وفي المرقات: يحتمل السابع وقبله وقوله وهذا يدل على سنية الأذان في أذن المولود. (مرقات امداديه ملتان ٨/١٥٩)

اور چونکہ اذان فی نفسہٖ دفع بلاء وہموم کے لیے مفید ہے اس لیے آٹھ سال کے بعد بھی اذان وتکبیر کہنے میں مضائقہ نہ ہوگا۔

وذكر الأذان في أذن المهموم. (أوجز المسالك ١/١٨٣، جديد دار القلم دمشق ٢/٣٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵ / جمادی الثانیہ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/۴۰۷)

عورت کا نومولود بچے کے کان میں اذان دینا

سوال [۱۰۱۵۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: عورتوں کا نومولود بچہ کے کان میں اذان دینے کا کیا حکم ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: افضل تو یہی ہے کہ بچے کے کان میں مرد ہی اذان دے، لیکن اگر مرد کی عدم موجوگی میں عورت نے اذان پڑھ دی تو اذان درست ہوگئی،

اس لیے کہ نماز کے لیے اذان دینے کی کراہت کی جو علت ہے یعنی رفع صوت یا فتنہ، وہ یہاں نہیں پائی جارہی ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمود یہ ڈابھیل ۵/ ۴۵۵، میرٹھ ۹/ ۱۶۰)

وأذان المرأة، لأنها إن خفضت صوتها أخلت بالأعلام وإن رفعته ارتكبت معصية لأنه عورة تحته فی حاشية الطحطای ”أنه عورة“ ضعيف والمعتمد أنه فتنة. (حاشية الطحطاوی علی المراقی، دار الكتاب ديوبند ١٩٩، شامی زكريا ٢/ ٧٨، کراچی ١/ ٤٠٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۵ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۵۴۳)

عورت کی ختنہ کا حکم

سوال [۱۰۱۶۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کچھ ہندی اخبارات میں عورتوں کی ختنہ (سنت) کے بارے میں چھپا ہے جسے حقوق انسانی کے خلاف بتایا گیا ہے، میں جاننا چاہتا ہوں کہ کیا نائجیریا، اتھوپیا، مصر، سوڈان و کینیا وغیرہ میں جاری یہ عمل شرعاً جائز ہے۔

کیا کلام اللہ میں اور احادیث میں اس کا ذکر ہے؟ کیا یہ سنت ہے؟ اس کا سنت ابراہیمی سے کوئی تعلق ہے؟ اس عادت غرب پر ایسی روشنی ڈالیں کہ کسی طرح کی تشنگی نہ رہ جائے۔

المستفتی: ایم اے کنول، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عورتوں کی ختنہ کے بارے میں ”سنن ابی داؤد اور مسند امام احمد بن حنبل“ میں حدیث شریف وارد ہوئی ہے، اسی کو شامی میں نقل کیا ہے، اور اس میں علت یہ بیان کی گئی ہے کہ عورتوں کی ختنہ سے جانبین مین رغبت اور لذت پیدا ہوتی ہے، مگر امام ابو داؤد نے اس حدیث کی سند پر کلام کر کے ضعیف کہا ہے، اور ”البدایہ والنہایہ“ میں لکھا ہے کہ

دنیامیں سب سے پہلے عورتوں میں حضرت ہاجرہ کی ختنہ ہوئی، اور انہیں کا کان بنا گیا ہے۔

إن سارة تغضبت على هاجر فحلفت لتقطعن ثلاثة أعضاء منها فأمرها الخليل أن تثقب أذنيها و أن تخفضها فتبر قسمها، قال السهيلي: فكانت أول من اختتن من النساء و أول من ثقبت أذنها منهن الخ. (البدايه والنهايه، دار الفكر ١/١٥٤)

اورطبرانی واوسط کے حوالے سے **مجمع الزوائد** میں اس مضمون کی حدیث کوحسن کہا ہے۔ (مجمع الزوائد، باب الختان، دار الكتب العلمية بيروت ٥/١٧٢، المعجم الأوسط، دار الفكر ١/٦١٣، رقم: ٢٢٥٣، المعجم الصغير للطبراني، دار الكتب العلمية بيروت ١/٩١، رقم: ١٢٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰؍صفر المظفر ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۵۱۹۸)

مختون پیدا شدہ بچے کے ختنہ کا حکم

سوال [۱۰۱۶۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر کوئی بچہ ختنہ شدہ پیدا ہو تو اس کا کیا حکم ہے، آیا پھر ختنہ کرانا ضروری ہے یا اسی پر اکتفا کیا جائے، از روئے شرع جواب تحریر فرمائیں۔

المستفتی: نظیر احمد، انجیر والی مسجد محلّہ بھٹی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر کوئی بچہ ختنہ شدہ پیدا ہو جائے یا دیکھنے میں ختنہ شدہ معلوم ہو تو شرعاً دوبارہ اس کے ختنہ کی ضرورت نہیں اور اس کو شرعاً مختون کے حکم میں شمار کیا جاتا ہے۔

صبي حشفته ظاهرة بحيث لو رآه إنسان ظنه مختونا ولاتقطع جلدة ذكره إلا بتشديد ألمه ترک على حاله کشیخ أسلم. (الدر المختار، كتاب

الخنثیٰ، زکریا ۴۸۰/۱۰، کراچی ۷۵۱/۶، هندیه، زکریا قدیم ۴۴۵/۶، جدید ۴۳۹/۶، تبیین الحقائق، امدادیه ملتان ۲۲۶/۶، زکریا ۲۶۴/۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷/جمادی الاولیٰ ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/ ۷۰۷۲)

ختنہ نہ کرانے والا کیا مستحق عذاب ہے؟

سوال [۱۰۱۶۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ختنہ کرانا سنت ہے، اگر کوئی مسلمان ختنہ نہ کرائے تو وہ سنت کے ثواب سے محروم ہوگا یا اسے سزا ملے گی؟

المستفتی: محمد احمد خاں فیض گنج، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ختنہ کرانا سنت ہے، اور شعائر اسلام میں سے ہے، اگر کوئی شخص ختنہ نہ کرائے اور اسے کوئی عذر نہ ہو تو ترک ختنہ کی وجہ سے گنہگار رہوگا اور سزا دینا اللہ کے بس میں ہے۔

عن أبی ملیح بن أسامة، عن أبیه، أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: الختان سنة للرجال، مکرمة للنساء. (مسند أحمد بن حنبل ۷۵/۵، رقم: ۲۰۹۹۴، المصنف لابن أبی شیبة، مؤسسة علوم القرآن ۴۷۴/۱۳، رقم: ۲۶۹۹۸، المعجم الکبیر للطبرانی، دار إحیاء التراث العربی ۲۷۳/۷، ۲۷۴، رقم: ۷۱۱۲، ۷۱۱۳، ۲۳۳/۱۱، ۳۵۹، رقم: ۱۱۵۹، ۱۲۰۰۹، ۱۸۲/۱۲، رقم: ۱۲۸۲۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴/محرم الحرام ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۶۴۱۹)

کیا عقیقہ میں متعین جانور ذبح کرنا لازم ہے؟

سوال [۱۰۱۶۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر کسی نے منت مانی کہ اگر میرے گھر میں لڑکے کی پیدائش ہوئی تو میں ایک بھینس عقیقہ میں قربانی کروں گا، پس اگر لڑکے کی پیدائش ہوگئی تو کیا متعینہ جانور ہی قربان کرنا ضروری ہوگا؟ یا اس جانور کے علاوہ کوئی اور بھی جانور قربان کرسکتا ہے؟ نیز اس منت شدہ عقیقہ کے جانور کے گوشت کا کیا حکم ہے؟ مع حوالہ جواب تحریر فرمائیں۔

المستفتی: محمد غلام مرتضیٰ، متعلم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عقیقہ من جانب اللہ ایک مسنون عمل ہے، اور عقیقہ میں اگر صاحب ثروت آدمی ہے، تو لڑکے کے لیے دو بکرے اور لڑکی کے لیے ایک بکرا کرنا مسنون ہے، اور اگر صاحب وسعت نہیں ہے تو لڑکے کے لیے بھی ایک بکرا کافی ہے، نیز عقیقہ بڑے جانور میں حصہ لے کر بھی ادا ہوسکتا ہے اور بڑا مکمل جانور بھی عقیقہ میں ذبح کرنا جائز ہے، یہ ایک مسنون فریضہ کی ادائیگی ہے، لہٰذا جب اس نے لڑکے کی پیدائش پر بھینس ذبح کرکے عقیقہ کرنے کی نذر مانی ہے تو بھینس ذبح کرکے یا اسی معیار کی گائے، بیل ذبح کرکے عقیقہ کرسکتا ہے، جو عقیقہ مسنونہ اس کو کرنا تھا دو بکرے کے ذریعہ تو اس نے نذر مان لی دو بکرے کی جگہ بڑے جانور بھینس کی، تو اس کے لیے عقیقہ میں بھینس ہی کرنا زیادہ بہتر ہے۔

عن أم كرز قالت: سمعت النبي صلى الله عليه وسلم يقول: عن الغلام شاتان مكافئتان و عن الجارية شاة. (سنن ابن ماجه ۲/ ۲۲۸، سنن الترمذی ۱/ ۲۷۸)

نذر أن يتصدق بعشرة دراهم (إلى قوله) كتصدقه بثمنه. (الدر المختار، كتاب الأيمان، مطلب: فی أحكام النذر، کراچی ۳/ ۷۴۱، زکریا ۵/ ۵۲۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱/ شعبان المعظم ۱۴۳۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/ ۱۲۱۸۵)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۱/ ۸/ ۱۴۳۶ھ

۳۸ کتاب الحقوق

۱ باب ما یتعلق بنفس الحق

حق کی واپسی کا شرعی حکم

سوال [۱۰۱۶۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عبدالحمید بھائی نے آج سے دس سال قبل ایک مکان خریدا، ایک غیر مسلم سے، اورخریدا ہوا مکان آج تک اسی حالت میں ہے جس وقت یہ مکان بنا تھا اس وقت اس مکان کے سامنے کی جگہ خالی تھی پھر اس خالی جگہ پر دوسرے آدمی نے مکان بنایا پھر اس دوسرے مکان کو ایک غیر مسلم بھائی نے خریدا اب اس دوسرے بھائی کو کسی نے بتلایا کہ جو تو نے مکان خریدا ہے اس مکان کی کچھ زمین عبدالحمید بھائی والے مکان میں چلی گئی ہے، اس بھائی نے آکر عبدالحمید بھائی سے بات کی تو انہوں نے زمین پیمائش کرنے والوں کو بلوا کر دونوں مکانوں کی زمینی پیمائش کرائی تو واقعی کچھ زمین عبدالحمید بھائی کے مکان میں زیادہ آگئی ہے، اب دریافت طلب امر یہ ہے: (۱) کہ عبدالحمید بھائی کے پاس جو زمین زیادہ آگئی ہے تو اس زمین کا واپس کرنا ضروری ہے یا نہیں؟

(۲) یہ دوسرے بھائی اس زمین کا مطالبہ کرتے ہیں تو یہ مطالبہ صحیح ہے یا نہیں؟

(۳) دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ اس دوسرے بھائی کے مکان کے پاس کی جگہ ۳۳/ مکانوں کی مشترکہ ہے اور ان ۳۳/ مکانوں کی ایک کمیٹی ہے اس کمیٹی سے اجازت لے کر اس مکان کو وہ اپنے استعمال میں لا سکتے ہیں یا نہیں؟ شرعی مسئلہ بتا کر عنداللہ ماجور ہوں۔

المستفتی: عبدالحمید ایسٹ افریقہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) مذکورہ صورت میں جب عبدالحمید کے مکان میں دوسرے کا حق نکل آیا تو اس کا واپس کرنا ضروری ہے، اب واپس کرنے کی شکل یہ

ہے کہ اگرعمارت کی قیمت زیادہ ہے زمین سے ،تو زمین کی قیمت ادا کردے،اوراگرزمین کی قیمت عمارت سے زیادہ ہےتو مالک زمین کوعمارت منہدم کراکے زمین حاصل کرنے کا حق ہے،لیکن بہتر یہ ہے کہ مالک زمین کوزمین کی قیمت لینے پرراضی کرلیا جائے۔

ومنها لو غصب أرضا فبنى فيها أو غرس فإن كانت قيمة الأرض أكثر قلعها فلما وردت وإلا ضمن له قيمتها. (الأشباه والنظائر كراچی ١/١٢٢، شامی، كتاب البيوع، باب الاستحقاق، زكريا ٧/٤٤٨-٤٤٩، كراچی ٥/٢٠٥، الموسوعة الفقهية الكويتية ٨/٢٠٩، تنقيح الفتاوىٰ الحامدية، دار الكتب العلمية بيروت ٢/١٦٠)

(۲) جی ہاں !دوسراشخص اپنے حق کا مطالبہ کرسکتا ہے۔

عن أبي هريرةؓ قال أتى النبيﷺ رجل يتقاضاه فأغلظ له فهمَّ به أصحابه فقال دعوه فإن لصاحب الحق مقالا. (بخاری شريف، كتاب الاستقراض، باب لصاحب الحق مقال ،النسخة الهندية ١/٣٢٣، رقم: ٢٣٣٩، ف: ٢٤٠١، مشكوٰة شريف ١/٢٥١)

(۳) ۳۳/مکانوں کی شرکت کیسی ہے؟ اوران مکانات کی کمیٹی کیسی ہے؟ کیا وہ ۳۳/مکانات سب کے سب وقف ہیں یا کسی کی ملکیت ہیں؟ جس کمیٹی کا ذکر کیا گیا ہے یہ کمیٹی مالک ہونے کی وجہ سے ہے؟ یا وقف شدہ جائیداد کی منتظم ہونے کی وجہ سے ہےان تین باتوں کی وضاحت کے بعدسوال نمبر۳/کا جواب لکھا جاسکتا ہے۔فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ:شبیراحمدقاسمی عفااللہ عنہ	الجواب صحیح
۱۴/جمادی الثانیہ۱۴۱۹ھ	احقرمحمدسلمان منصورپوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر:۳۳/۵۷۴۵)	۱۴۱۹/٦/۱۴ھ

حقدار کواس کا حق لوٹانا واجب ہے

سوال [۱۰۱٦۵]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں:بشیر کے پاس ایک لڑکا تھا جوابھی نابالغ تھا،اوراتنے میں بشیر کے انتقال کا وقت قریب آگیا،قبل ازیں بشیر نے اپنے ایک رشتہ دار (نظیر) کو یہ کہہ کرزمین ان کے حوالہ کردی کہ جب میں مرجاؤں گا اور میرا بچہ بڑا ہوجائیگا،اس وقت زمین میرے بچہ کولوٹا دینا اتنے میں

نظیر کا بھی انتقال ہوگیا اور وہ بچہ بالغ ہوگیا لیکن اس بچہ کو زمین ابھی تک واپس نہیں ملی، جبکہ اس بچہ کے حق میں چار گواہ موجود ہیں، اور اس کے حق میں گواہی دے رہے ہیں اور اس زمین کی پیداوار نظیر کی اولاد استعمال کر رہی ہے، کیا ان کے لیے زمین کا استعمال کرنا درست ہے؟ اور مذکورہ بالا صورت میں زمین کی واپسی ضروری ہے یا نہیں؟ شرعی اعتبار سے جواب دیں۔

المستفتی: ابن بشیر و تحسین الاسلام اکبر پور ضلع مظفر نگر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جب گواہوں کے ذریعہ یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ نظیر کی اولاد جو زمین استعمال کر رہی ہے وہ بشیر کی زمین ہے جو بشیر کے لڑکے کا حق ہے، لہٰذا نظیر کی اولاد پر لازم اور ضروری ہے کہ وہ زمین بشیر کے لڑکے کو واپس کر دے نظیر کے لڑکوں کو اس زمین سے فائدہ اٹھانا ہرگز جائز و درست نہیں ہے۔

عن سعید بن زید بن عمرو بن نفیل ان رسول الله ﷺ قال: من أخذ شبرا من الأرض بغير حقه طوقه في سبع أرضين يوم القيامة. (مسلم شريف، باب تحريم الظلم وغصب الأرض، النسخة الهندية ٢/٣٣، بيت الأفكار رقم: ١٦١٠)

لايجوز لأحد من المسلمين أخذ مال بغير سبب شرعي. (هنديه، كتاب الحدود، فصل في التعزير، زكريا قديم ٢/١٦٧، جديد ٢/١٨١، شرح المجلة رستم اتحاد ١/٦٢، رقم المادة: ٩٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷/ ربیع الاول ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۷۱۲۶)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۳/۱۸ھ

اپنا حق دوسرے سے وصول کرنا

سوال [۱۰۱۶۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں حکومت کے مدرسے میں نوکری کرتا ہوں جب میری نوکری کی مدت ختم ہو

گئی اس وقت مدرسہ کے ذمہ حکومت کی طرف سے جو روپیہ مجھ کو دینا قانونی طور پر ضروری ہے اس کا حساب ڈی آئی، آف اسکول کی طرف سے ڈائریکٹر کی طرف بھیجنا پڑتا ہے، میں نے ایسا ہی کیا، ڈی آئی صاحب نے جو رقم منظور کی، ڈائریکٹر صاحب نے اس سے چالیس ہزار روپئے گھٹا کر دی، میں نے نائب ڈائریکٹر کو اس واقعہ کے بارے میں بتایا، انہوں نے کہا ڈی آئی صاحب نے جو حساب منظور کیا تھا وہ صحیح ہے، اس سے جو کم کر دیا گیا ہے وہ صحیح نہیں ہے، آپ مقدمہ کر سکتے ہیں، لیکن اس میں کافی وقت گذر جائے گا، اور پیسہ بھی خرچ کرنا پڑے گا، اس لیے میں نے اس کم کردہ رقم کو ہی لے لیا، مجبوراً میں اس پر راضی ہو گیا، کئی سال گذر جانے کے بعد سال رواں میں میں نے ۴۵/ ہزار روپئے بینک سے وصول کیے، لیکن دوسرا آفیسر جو حساب کو درست کر کے کتنا وصول ہوا کتنا باقی رہا ٹھیک کر دیتا ہے، اس کی غلطی سے وہ ۴۵/ ہزار روپئے پاس بک میں نہیں آئے، یعنی چالیس ہزار جو میں نے لیے اس کو پاس بک میں نہیں لکھا گیا، اب میں پہلے کی کمی کی وجہ سے جو مجھ کو نقصان ہوا تھا اس کے عوض میں اس روپیہ کو لے سکتا ہوں یا نہیں؟ شرعاً اس طرح حاصل شدہ روپئے کو قبضہ میں کرنا جائز ہوگا یا نہیں؟

المستفتی: خدابخش بنگال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) سوالنامہ کے مطابق جتنی رقم ڈی آئی ایف صاحب نے منظور کر کے ڈائریکٹر صاحب کے پاس بھیجی تھی اس پوری رقم کا دینا ڈائریکٹر صاحب پر لازم تھا، اس میں سے چالیس ہزار گھٹا کر دینا یہ آپ کے ساتھ ظلم ہے اور آپ کے مال پر ناجائز قبضہ ہے، لہٰذا آپ اس رقم کا مطالبہ براہ راست ڈائریکٹر صاحب سے یا عدالتی قانون کے واسطہ سے کر سکتے ہیں، اور جو بینک سے ۴۵/ ہزار آپ نے نکالے اور غلطی سے وہ آپ کے پاس بک میں نہ چڑھ سکے اس کو اس چالیس ہزار کا عوض اور بدل قرار دے کر لینا جائز نہ ہوگا، کیونکہ یہ حکومت کے ساتھ دھوکہ دہی ہے جو شرعاً جائز نہیں۔

عن أبي حرة الرقاشي عن عمه أن رسول الله ﷺ قال: ألا! لا يحل

مـال امـرئ إلا بـطيب نفس منه. (شعب الإيمان للبيهقي، باب في قبض اليد عن الأموال الحرمة، دار الكتب العلمية بيروت ٤/٣٨٧ رقم: ٥٤٩٢، السنن الكبرىٰ للبيهقي، دار الفكر بيروت ٨/٥٠٦، رقم: ١١٧٤٠)

وحق الأمانة أن تؤدى إلى أهلها فالخيانة مخالفة لها، وإخلاف الوعد ظاهر. (مرقاة، بيان علامة المنافق والكلام عليها، امداديه ملتان ١/١٢٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍رجب المرجب ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۴۵۰)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۳؍۷؍۱۴۳۲ھ

حقدار اپنا حصہ نہ لیں تو کیا حکم ہے؟

سوال [۱۰۱۶۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک مکان ہمارے والد اور والدہ کے درمیان آدھا آدھا مشترک تھا، جس میں متعدد کرائے دار رہتے تھے، ہمارے والد صاحب کا انتقال ہو گیا انہوں نے ایک بیوی اور آٹھ لڑکے اور پانچ لڑکیاں وارث چھوڑے، ہم بھائیوں کی رہائش علاحدہ علاحدہ مکانوں میں تھی، میں انیس الرحمٰن تمام بھائیوں میں چھوٹا تھا اور والدہ کے ساتھ رہنا سہنا تھا، انیس الرحمٰن نے والدہ کے حکم سے اس مذکورہ مشترکہ مکان کو کرایہ داروں سے خالی کروا کر از سرِ نو تعمیر کرادیا، خالی کروانے میں تقریباً ساٹھ ہزار روپئے کرایہ داروں کو دینے پڑے، تعمیر میں تقریباً سات لاکھ روپئے لگے، اب والدہ صاحبہ کا انتقال ہو گیا تو میں انیس الرحمٰن نے خدا کے یہاں گرفت سے بچنے کے لیے ایک فتویٰ تقسیم ترکہ سے متعلق حاصل کیا اور تمام بھائی بہنوں سے یہ کہہ دیا کہ جس کا جتنا حصہ نکل رہا ہے:

(۱) وہ اپنا حصہ لے لے۔

(۲) یا مارکیٹ ریٹ کے مطابق اس کی قیمت لے لے۔

(۳) اور اگر نہ لینا چاہے تو حقوق منتقلی تحریر لکھ دے، تاکہ آنے والے وقت میں کسی قسم کی پریشانی کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

تو بعض وارثین نے اس سے اتفاق کیا لیکن بار بار کہنے کے باوجود کچھ حصہ دار نہ تو حصہ لے رہے ہیں اور نہ قیمت لے رہے ہیں، اور حصہ منتقلی کی تحریر پر خاموشی اختیار کیے ہوئے ہیں، اور بیہودہ جواب دیتے ہیں، کہ یہ گندے خیالات تمہارے ذہن میں کیوں پیدا ہوئے ہیں اور تم اسی طرح مکان میں رہتے رہو، نیز تم سے حصہ کون مانگ رہا ہے، یا ہمارے انتقال کے بعد تم یہ سمجھ رہے ہو کہ میری اولاد تم سے حصہ مانگے گی، لہٰذا آپ سے مؤدبانہ گذارش ہے کہ شریعت کا جو بھی حکم ہو اس سے آگاہ فرمائیں تاکہ فتویٰ طلب گار انیس الرحمٰن آخرت کی گرفت سے بچ جائے؟

المستفتی: انیس الرحمٰن سیدھی سرائے مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوالنامہ میں انیس الرحمٰن کی تحریر اور منسلک فتویٰ بغور پڑھا گیا ہے، شرعی طور پر انیس الرحمٰن نے ہر حقدار کو اس کو حق دینے کے لیے جو طریقہ اختیار کیا ہے، وہ عین شریعت کے مطابق ہے، ہر ایک حقدار کو اس پر عمل کرنا لازم ہے، اور جو لوگ اس پر عمل کرنے سے گریز کررہے ہیں ان کو سمجھا بجھا کر اس پر عمل درآمد کرنے پر آمادہ کیا جائے تاکہ آئندہ نسلوں میں کسی قسم کا اختلاف اور انتشار کا شبہ بھی باقی نہ رہے، اور انیس الرحمٰن خدا کے یہاں کی گرفت سے محفوظ ہو جائے، اور پھر بھی اگر کوئی عمل درآمد کرنے سے گریز کرے اور مزید اس بات پر انیس الرحمٰن کو برا بھلا کہے، تو وہ خود گنہگار رہوں گے، نیز انیس الرحمٰن کی اس پیش کش کے باوجود حقدار لوگ اپنا حق لینے کے لیے تیار نہیں ہیں، اور اسی حالت میں ۳۳؍سال گذر جانے کے بعد دوسرے حقدار یا ان کے وارثین کو اس میں حق دعویٰ کرنے کا حق باقی نہیں رہے گا۔

رجل ترک الدعویٰ ثلاثا و ثلاثین سنة بلا مانع لا تسمع ثم قال: وقد أفتيت بعدم سماع الدعویٰ بعد خمسة عشرة سنة لنهی السلطان.

(علی هامش قواعد الفقه، اشرفی ص:۷۷، تحت رقم الأصول: ۱۱۶)

رجل ترک الدعویٰ ثلاثا و ثلاثين سنة و لم يكن له مانع من الدعویٰ، ثم ادعى لم تسمع دعواه، لأن ترک الدعویٰ مع التمكن يدل على عدم الحق ظاهرا. (تكملة شامی، كتاب الدعویٰ، مطلب: لا تسمع الدعویٰ بعد

مضی المدۃ، زکریا ۱۱/۶۵۳، کراچی ۷/۴۸۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍ربیع الثانی ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۳۹۴)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۳/۴/۱۴۳۲ھ

مالی حقوق کے اثبات کے لیے شرعی شہادت کا لزوم

سوال [۱۰۱۶۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: رامپور شہزادنگر میں ایک آکسیجن گیس فیکٹری تقریباً ۲۰؍۲۵؍سال پہلے قائم کی گئی تھی، اس میں بہت سارے پارٹنرس تھے، جنہوں نے اپنا روپیہ لگایا اور بینک سے لون بھی لیا تھا، ایک وقت ایسا آیا کہ فیکٹری جو فائدہ میں چل رہی تھی اس میں نقصانات بڑھنے لگے اور دھیرے دھیرے پارٹنرس الگ ہوتے گئے، آخر میں ۵؍۲۰۰۴ء میں چار پارٹنرس رہ گئے، چاروں پارٹنرس نے مل کر کام چلانے کی کوشش کی، لیکن وہ بھی نقصانات سے نہیں بچ سکے، ان چاروں پارٹنرس میں بھی نا اتفاقیاں بڑھتی گئیں، فیکٹری پر جو بینک کا قرضہ تھا عدم ادائیگی کی وجہ سے بینک نے نوٹس دیا، ان چاروں پارٹنرس میں ساجد صاحب، کلن صاحب، زبیر صاحب اور ریحان میاں (عرضی گذار کا لڑکا) تھے، طے پایا آپس میں کہ اس گیس فیکٹری کو فروخت کر دیا جائے تو بہتر ہوگا، چاروں پارٹنرس میں سے کوئی بھی اس فیکٹری کو خرید لے یا کوئی اور پارٹی خریدار مل جائے تو اس کی فروختگی کر دی جائے۔

فیکٹری میں زمین جائیداد، پلانٹ، مشینری، جنریٹر اور بلڈنگ چاروں آفسوں کا سامان کل جملہ چل اور چل سمپتی وجملہ ساز وسامان کو فروختگی میں رکھا گیا، ساتھ ہی یہ بھی طے پایا کہ فیکٹری کو چالو کر کے چاروں پارٹنرس کے خرچہ پر دی جائے گی، اور جس کسی کا جو لینا دینا ہوگا اور بینک کے قرضہ کی ادائیگی وہ سب اس فروختگی کی رقم سے کی جائے گی، مزید یہ بھی طے پایا کہ اگر چاروں پارٹنرس میں سے کوئی خرید لے تو بہتر ہوگا، فیکٹری کی خریداری کے سلسلے میں چاروں ہم پارٹنرس میں سے آپس میں شریک بنے اور فیکٹری کی خریداری وبکری کے لیے

وقت اور تاریخ مقرر کردی گئی، اس تاریخ پر نیلامی شروع کردی گئی، نیلامی سے چار پارٹنرس میں سے دو، دو آپس میں زبیر اور رفعت وریحان ایک پارٹی وکلن بھائی وساجد صاحب دوسری پارٹی آپس میں پارٹنرس بنے، زبیر فیکٹری خریدنا نہیں چاہتے تھے، رفعت کے ذریعہ زبیر کو بتایا گیا کہ اگر فیکٹری نہیں خریدو گے تو رقم تتر بتر ہوکر رہ جائے گی، جس سے ہم دونوں کو زبردست نقصان ہوگا، بہرحال ۵۰-۵۰ پرسنٹ کی شرکت میں زبیر راضی ہوگئے، اور آپسی بولی شروع ہوئی، آخری بولی ۳۲/لاکھ روپئے تک رفعت وزبیر کی پہنچ گئی، تب یہ نیلامی رفعت وزبیر کے نام چھوڑ دی گئی، اللہ تعالیٰ کے حکم سے زبیر ورفعت وریحان اس فیکٹری کے مالک قرار دیئے گئے۔

ریحان میاں کی طبیعت علیل کافی وقت سے چل رہی تھی، رفعت اور زبیر کے درمیان مشورہ ہوا کہ فیکٹری کو مل کر چلایا جائے اور آکسیجن گیس بنائی جائے تو بہتر ہوگا، دونوں رفعت وزبیر آپس میں مل کر فیکٹری کو چلالیں، لیکن زبیر نے کہا کہ فیکٹری کو ایک آدمی چلائے گا تو بہتر ہوگا، اور فیکٹری کو بھی میں خود ہی چلاؤں گا، رفعت نے بتلایا کہ تم اکیلے فیکٹری کو چلاؤ گے تو تمہاری دوکان کون دیکھے گا، فیکٹری کو تو فل ٹائم دینے کی ضرورت پڑے گی، تو تم کیسے فل ٹائم دے پاؤگے، زبیر نے کہا کہ فیکٹری میں خود چلاؤں گا اور بارہ ہزار روپئے ماہانہ اپنی محنت کے لوں گا اور فل ٹائم دوں گا، جیسا کہ پہلے پارٹنر محنتانہ لیا کرتے تھے، اور فیکٹری کا کام کاج دیکھا کرتے تھے، مال کی تیاری وبکری کی رقم وصول یابی اور فیکٹری کی ضرورت کے مطابق ساری خرید وفروخت واسٹاف کو اپنی نگرانی میں رکھ کر اس فیکٹری کا کام کاج چلاؤں گا، اور باقاعدہ حساب وکتاب میں تفصیل کے ساتھ تاریخ وائس رکھوں گا، جیسا کہ ایک فیکٹری میں حساب و کتاب رکھا جاتا ہے، اور کوئی شکایت کا موقع نہیں دوں گا۔

رفعت نے زبیر کی اس بات پر یقین کرلیا، ملازمین وچوکی داروں واسٹاف کو فیکٹری کے لیے رکھ لیا گیا، کام کاج شروع کردیا گیا، سوا مہینے تقریباً یہ فیکٹری چل پائی، پھر نقصانات سامنے آنے لگے، مجبوراً فیکٹری کو بند کرنا پڑا، مزید یہ بھی طے پایا کہ فیکٹری کا پلانٹ اور جنریٹر اور سارا ساز وسامان فروخت کردیا جائے اور اخبار میں اشتہار دیا گیا اور مشینری پلانٹ

وجنریٹر کو ۲۰۰۵ء میں سیل کردیا گیا، ریحان میاں کی طبیعت علیل چل رہی تھی، ان کو گردے فیل ہوجانے کا مرض ہوگیا تھا، اور ہم سب لوگ اور ریحان ذہنی طور پر بے حد پریشان تھے، کڈنی کا ٹرانسپلانٹ ہوتا تھا، یہاں کڈنی کا انتظام تو نہیں ہوسکا، تو مجبوراً پاکستان جانا طے پایا۔

دسمبر ۲۰۰۷ء میں زبیر صاحب ریحان کے پاس چپکے وخاموشی سے آئے کہ رفعت کو بھنک نہ لگ جائے، ریحان میاں سے چکنی چپڑی باتیں کی ہوں گی، اوران سے کہا کہ فیکٹری کے آدھے حصے کی قیمت ۱۵/ لاکھ روپئے میں میرے ہاتھ فروخت کردیں، ریحان میاں کے منع کرنے کے بعد زبیر نے دوسرا داؤں پھینکا کہ میرے پاس سے سات لاکھ سینتیس ہزار آٹھ سوستائیس روپئے آپ کی لاگت سے زیادہ میرے پاس سے خرچ ہوچکے ہیں، یہ رقم آپ کی طرف نکل رہی ہے، لیکن زبیر صاحب نے کسی قسم کا کوئی حساب وکتاب کا پرچہ ریحان میاں کو نہیں دیا، صرف زبانی اس رقم کے بارے میں بتایا، اس عرصہ میں زمین وجائیداد کی قیمتیں بڑھتی دیکھ کر زبیر کے دل میں لالچ پیدا ہوگیا کہ اس رقم کی ادائیگی کردیں، یا میرا حصہ (شیر) بڑھادیں، اور ساٹھ پرسینٹ مجھ کو اور چالیس پرسینٹ آپ لے لیں، کیونکہ زبیر اپنا مقصد حاصل کرنے میں اور بات چیت کرنے میں کافی مہارت رکھتے ہیں، زبیر نے ریحان میاں کو اتنا بھی موقع نہیں دیا کہ ریحان میاں اس بارے میں اپنے والد رفعت علی شمسی سے مشورہ بھی کرلیتے، اور رفعت سے مشورہ کیے بغیر ساٹھ اور چالیس پرسینٹ حصہ کی بات کو طے کرالیا، ساتھ ہی یہ بھی طے پایا کہ فیکٹری کی جگہ وجائیداد فروخت ہونے تک سات لاکھ سینتیس ہزار آٹھ سوستائیس روپئے جو آپ کے میرے ذمہ نکل رہے ہیں اور آئندہ ہونے والے اخراجات جو بھی ہوں گے، وہ ریحان میاں سے نہیں لیں گے، اور نہ کچھ لینا اور نہ کچھ دینا ہوگا، زبیر نے اس بات کی گواہی میں ریحان میاں کی اہلیہ کو گواہ بنالیا اور رفعت کو اس بارے میں کوئی خبر بھی نہیں کی اور نہ زبیر کے ذریعہ اس بارے میں پہلے بھی کوئی ذکر کیا گیا اور نہ ہی مشورہ کیا گیا چونکہ زبیر جانتے تھے کہ اگر رفعت کو اس بارے میں خبر کی گئی، تو رفعت ایسا نہیں ہونے دیں گے۔

اس کے بعد ریحان میاں کو علاج کے سلسلے میں لاہور جانے کے لیے ۱۸/۱/۲۰۰۸ء

کو روانہ کر دیا گیا، انہیں ہم سب لوگ لے کر چلے گئے، اور وہاں ان کا کڈنی ٹرانسپلانٹ کرادیا گیا اور واپس آنے کے بعد اپولو ہاسپٹل میں داخل کرادیا گیا،تقریباً تین مہینے تک اپولو ہاسپٹل میں ان کا علاج ہوتا رہا،لیکن حکم ربی صحت یابی نہ ملی اور دہلی ہاسپٹل میں ۲۹/۴/ ۲۰۰۸ء میں ان کا انتقال ہوگیا۔

کچھ عرصہ بعد رفعت نے زبیر سے سات لاکھ سینتیس ہزار آٹھ سو ستائیس روپے جو ریحان میاں کو زبیر کے ذریعہ بتائے گئے تھے،ان کا مطالبہ کیا تو زبیر نے کچھ نامکمل کتابوں اور پرچوں پر نامکمل حساب دیا، یہ حساب اس قدر خلاف قاعدہ تھا کہ وہ حسابات کسی بھی طرح سمجھ میں نہیں آسکا، تب ان حسابات کو بنوانے میں رفعت کے ذریعہ ایک کے بعد ایک اکاؤنٹینٹ بدلے گئے لیکن اکاؤنٹینٹ لوگ حسابات کو بنانے میں نا قابل رہے، جبکہ رفعت کے ذریعہ ان حسابات کو بنانے میں ان لوگوں کو کافی پیسہ دیا گیا چونکہ حسابات کافی بے ترتیب اور سلسلہ وار نہیں دیئے گئے تھے،اسی کشمکش وجد وجہد میں کافی عرصہ گذر گیا، زبیر کے ذریعہ بارہ ہزار روپئے کی تنخواہ طے کرتے وقت جو فیکٹری کو ٹائم درکار تھا، جیسا کہ انہوں نے یقین دہانی کرائی تھی وہ ٹائم نہیں دے سکے،جس کی وجہ سے تقریباً پونے گیارہ لاکھ روپئے کا نقصان دکھا رہے ہیں، مال کی بکری کی وصولیابی خود جا کر نہیں کر سکے،جس کی وجہ سے خریداروں نے پینتالیس ہزار روپئے مار لیے، جس آدمی کو وصول یابی کے لیے رکھا تھا وہ آدمی بھی وصول یابی کی رقم میں سے پینتیس ہزار روپئے لے کر بھاگ گیا، زبیر اپنی کارکردگی کے درمیان صحیح طریقے سے حساب و کتاب نہیں رکھ سکے،اور نہ کیش بک اور لیجر صحیح طریقے سے تاریخ وائس حساب و کتاب بنا سکے،اور جو پرچوں کا حساب و کتاب زبیر کے ذریعہ دیا گیا، وہ بھی لم سم میں بنا کسی تاریخ و واؤچر کے جس کی نہ اول ہے نہ چول،اور نہ کوئی خریداری کے پرچہ اور تعداد اور تفصیل جیسا کہ ایک دکاندار یا فیکٹری یا ادارہ اپنا حساب رکھتا ہے،تو پھر ایک پارٹنر دوسرے پارٹنر سے آنے پائی کا حساب نہ دے کر اپنے اخراجات و ڈ مانڈ کی وصول یابی دوسرے پارٹنر کے ساتھ کیسے کر سکتا ہے؟ اور دوسرا پارٹنر کیوں دے گا؟ پچاس ساٹھ لاکھ روپئے کے حسابات

کیا بنا کسی کیش بک اور لیجر کے بن سکتے ہیں، اگر زبیر ایک منشی رکھ لیتے تو وہ حسابات کو صحیح اصول کے مطابق رکھ لیتا، محض اس لالچ کے بنا پر منشی نہیں رکھا کہ اس کی تنخواہ زبیر کو اپنی تنخواہ بارہ ہزار روپئے مہینے میں سے دینی پڑتی، ان نامکمل اور بے ترتیب حسابات کی وجہ سے زبیر اور رفعت کے درمیان کشیدگیاں بڑھتی جارہی تھیں، تب حالات کے مطابق ان حسابات کو حل کرنے کے لیے برادری کے اشخاص کو متوجہ کیا گیا، ان لوگوں نے اپنا بہت سا قیمتی ٹائم ان حسابات کو سمجھنے اور بنانے میں لگایا، جس میں تقریباً کئی مہینے لگ گئے، جوڈمانڈ ریحان میاں سے سات لاکھ سینتیس ہزار آٹھ سوستائیس روپئے کا مطالبہ کیا گیا تھا وہ حساب ایک لاکھ تریسٹھ ہزار روپئے کا بنا، جس کو بڑھا چڑھا کر زبیر نے ریحان میاں کو گمراہ کیا اور اپنا حصہ پچاس پرسینٹ کی جگہ ساٹھ پرسینٹ حاصل کرنے کی زبیر کے ذریعہ کوشش کی گئی، ذرا آپ غور فرمائیں کہ اتنی لمبی چوڑی رقم بتا کر ایک پارٹنر دوسرے پارٹنر کے ساتھ غلط بیانی کرکے اور بنا کوئی حساب وکتاب ریحان میاں کو دیئے اپنے مقصد کو حاصل کر لینے کی سازش کی۔

ہمارا یہ کہنا ہے کہ زبیر کو اگر ساٹھ پرسینٹ کا حصہ لینا ہی تھا تو خریداری کے وقت اس بات کو طے کر لینا چاہیے تھا جبکہ اخراجات کی رقم بھی ساٹھ پرسینٹ اور چالیس پرسینٹ کے حساب سے زبیر کو لینا چاہیے تھی، جبکہ وہ آج تک پچاس پرسینٹ کے حساب سے اخراجات کی وصولیابی کر رہے ہیں، زبیر نے اپنی تنخواہ ناقص کارکردگی اور ناتجربہ کاری کی وجہ سے بارہ ہزار روپئے مہینہ سے آٹھ مہینہ کی ایک لاکھ بیس ہزار روپئے گیس کی بکری میں سے نقد حاصل کرلی، یہاں تک کہ اپنے ذاتی اسکوٹر سے فیکٹری تک کے آنے جانے کا پٹرول کا خرچہ بھی گیس کی بکری کی نقدی سے حاصل کرلیا، اور مزید یہی نہیں بلکہ اپنے پرانے اسکوٹر کو فیکٹری کے ہاتھ دس ہزار سات سو روپئے میں بیچ کر اس کی بھی رقم گیس کی وصول یابی کی رقم میں سے کاٹ لی جبکہ اسکوٹر اپنے پاس ہی رکھا ہوا ہے۔

ڈیزل کا خرچہ پانچ لاکھ چوہتر ہزار پانچ سو روپئے بنا کسی تفصیل کے اور بنا کسی تیل کی آمد اور خرچ کے اور بنا کسی تاریخ کے دکھا رہے ہیں، جبکہ گیس کی بکری کی رقم کی وصولیابی

چار لاکھ تین ہزار دوسو چونتیس روپئے دکھا رہے ہیں، اپنی اور ملازمین اور اسٹاف کی تنخواہ تین لاکھ سترہ ہزار چار سو اڑسٹھ روپئے اور اپنی تنخواہ کے ایک لاکھ دو ہزار روپئے دکھا رہے ہیں، جبکہ فیکٹری کل سوا مہینہ ہی چلائی گئی

کیا فرماتے ہیں علماء دین: کہ زبیر صاحب ریحان میاں مرحوم کے سامنے جو اپنی رقم کی ڈمانڈ سات لاکھ سینتیس ہزار آٹھ سو ستائیس روپئے بغیر کسی حساب و کتاب کے ریحان میاں کو دھوکے میں رکھ کر غلط بیانی کر کے اور ان کی بیماری کا فائدہ اٹھاتے ہوئے پچاس پرسینٹ شیر کی جگہ ساٹھ پرسینٹ شیر طے کرالیا گیا، ریحان میاں نے زبیر صاحب کی سات لاکھ سینتیس ہزار آٹھ سو ستائیس روپئے کی ڈمانڈ کے عوض میں یہ بات کہی کہ فیکٹری کی زمین و جائیداد فروخت ہونے تک سارے اخراجات اور آئندہ بھی کسی بھی قسم کے اخراجات چارج نہیں کریں گے، جبکہ برادری کے دانشوروں نے زبیر صاحب کے حسابات کی رقم سات لاکھ سینتیس ہزار آٹھ سو ستائیس کی جگہ ایک لاکھ تریسٹھ ہزار تین سو پچاس روپئے کی ڈمانڈ نکالی، جبکہ ریحان میاں کے انتقال کے بعد سے بھی اب تک کے سارے اخراجات بھی زبیر صاحب پچاس پرسینٹ یعنی آدھے آدھے مصارف کی رقم لے رہے ہیں، اور اس بات کا گواہ ریحان میاں کی بیوی کو بنایا گیا ہے، اور ان کے علاوہ اس طے شدہ بات کی جانکاری باقی ورثاء کو نہیں تھی، ریحان میاں کے انتقال کے بعد ہی باقی ورثاء کو اس معاہدہ کا علم ہوا۔

برائے مہربانی قرآن وسنت کی روشنی میں ہماری رہنمائی فرمائیں کہ زبیر صاحب پچاس پرسینٹ کی جگہ ساٹھ پرسینٹ کا حصہ شیر ہم وارثان سے ان تمام نقصانات کرنے کے باوجود لینے کا اختیار رکھتے ہیں یا نہیں؟

وارثان ریحان میاں مرحوم: والد، والدہ، اہلیہ کے علاوہ دو لڑکے اور ایک شادی شدہ لڑکی۔

المستفتی: آر۔اے شمسی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مالی حقوق کے ثبوت میں دو عادل، باشرع مرد یا ایک عادل مرد اور دو عورتوں کی شہادت لازم ہے، اور مذکورہ معاملہ میں پچاس پرسینٹ کی جگہ

پر ساٹھ پرسینٹ کے ثبوت میں زبیر کے پاس ایسی شرعی شہادت موجود نہیں ہے اس لیے معاملہ حسب سابق پچاس پرسینٹ پر ہی ثابت ہوگا، لہٰذا حسب سابق پچاس پرسینٹ کے حساب سے معاملہ صاف کرنا لازم ہوگا۔

﴿قال الله تعالیٰ: وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِجَالِكُمْ فَاِنْ لَمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَامْرَاَتَانِ. [البقرة: ۲۸۲]﴾

وما سویٰ ذلک من الحقوق یقبل فیها شهادة رجلین أو رجل وامرأتین سواء کان الحق مالاً أو غیر مال. (هدایه، کتاب الشهادة، اشرفی ۳/ ۱۵٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

الجواب صحیح	کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ	یکم رجب المرجب ۱۴۳۴ھ
۱/۷/۱۴۳۴ھ	(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۱۸۵)

مال جس کے قبضہ میں ہو اس کی ملکیت مانی جائے گی

سوال [۱۰۱۶۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید عمران دونوں کی بکری گم ہوگئی، پہلی جولائی کو، اور ۳۱/ جولائی کو زید کی بکری مل گئی، عمر کہہ رہے ہیں کہ یہ بکری ہماری ہے، اور زید کہہ رہے کہ یہ بکری ہماری ہے، اور ان دونوں بکریوں میں کوئی شناخت نہیں ہے تو اب بکری کس کو ملنی چاہئے؟

المستفتی: مسعود احمد رام نگر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ سے معلوم ہو رہا ہے کہ زید کی بکری مل گئی اور بکری زید ہی کے قبضہ میں ہے، اب عمر جو اپنی بکری ہونے کا دعویٰ کر رہا ہے اس کے پاس اس کا کیا ثبوت ہے؟ اگر عمر اپنی بکری ہونے کا دو شرعی گواہوں سے ثبوت پیش کر دے تو بکری عمر کو مل سکتی ہے، ورنہ بکری زید ہی کی رہے گی۔

ولاتقبل بینة صاحب الید في الملک المطلق وبینة الخارج أولیٰ ...... ولنا

أن بينة الخارج أكثر إثباتا أو اظهارا لأن قدر ما يثبته بينة اليد لا يشبته بينة ذى اليد إذ اليد دليل مطلق الملک. (هدایہ، کتاب الدعویٰ، باب الیمین، اشرفی ۳/۲۰۳) **فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
۱۵/شعبان ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۵۸۸۲)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/۸/۱۵ھ

مظلوم کا حق ضائع نہیں ہوگا

سوال [۱۰۱۷۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میری عدم موجودگی میں میرے گھر میں بلا اجازت داخل ہوکر بچوں کی چھوٹی سی حرکت کی بنا پر میرے بچوں اور میری بیوی کے ساتھ بدسلوکی اور ظلم تشدد امام صاحب نے کیا اور اس واقعہ کے گواہ ایسے موجود ہیں جو میرے پڑوسی ہیں اور نمازی و پرہیز گار ہیں، ویسے بھی یہاں کے لوگوں کا کہنا ہے کہ امام صاحب ترش مزاج اور غصہ ناک اور لڑنے والے ہیں، جس کی ایک جیتی جاگتی مثال یہ ہے کہ کچھ دن پہلے ایک فقیر سے بلاکسی وجہ یہ امام صاحب الجھے اور اس فقیر کے نازک مقام پر لاتیں مار کر سڑک پر لوٹنے پر مجبور کردیا، آپ سے گذارش ہے کہ مطلع فرمائیں کہ ایسے امام کے بارے میں علماء دین کیا فرماتے ہیں؟

المستفتی: محمد ابرار بلی تال نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر آپ کا بیان صحیح ہے تو اس معاملہ میں آپ اور آپ کی بیوی بچے مظلوم ہیں اور مذکورہ امام شہر میں ظالم ہوگا، اگر اس دنیا میں اس سے بدلہ نہیں لیا ہے اور نہ ہی اس نے آپ سے معافی مانگی ہے تو آخرت میں عند اللہ آپ کو اس کا بدلہ ملے گا، نیز حدیث میں آیا ہے کہ مظلوم کی بد دعا واپس نہیں ہوتی ہے، ضرور قبول ہوتی ہے۔

عن أبي هريرة رضى الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ثلاث دعوات مستجابات لاشک فيهن: دعوة المظلوم و دعوة المسافر و دعوة الوالد

علی ولده. (سنن الترمذی، باب ما جاء فی دعوة الوالدین، النسخة الهندیة ۲/ ۱۳ دار السلام رقم: ۱۹۰۵، سنن أبی داؤد، باب الدعاء بظهر الغیبط النسخة الهندیة ۱/ ۲۱۵ دار السلام رقم: ۱۵۳۶، مسند أحمد بن حنبل ۲/ ۲۵۸، رقم: ۷۵۰۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸/ صفر المظفر ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۱۸۲۹)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۸/۲/۱۴۱۴ھ

حق تلفی کرنے کا حکم

سوال [۱۰۱۷۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: حق تلفی کرنے والا کیا گناہ کبیرہ کا مستحق ہے؟ جواب دینے کی زحمت فرمائیں۔

المستفتی: محمد فہیم بن محمد کلیم مغل پورہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حق تلفی کرنا اور کسی کا حق مارنا جائز نہیں۔

عن سعید بن زید بن عمرو بن نفیل فإنی سمعت ان رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم یقول: من أخذ شبرا من الأرض بغیر حقه طوقه فی سبع أرضین یوم القیامة.

(مسلم شریف، باب تحریم الظلم وغصب الأرض، النسخة الهندیة ۲/ ۳۳، بیت الأفکار رقم: ۱۶۱۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/ ربیع الاول ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۰۱۵)

اپنی ملکیت میں تصرف کرنے کا حکم

سوال [۱۰۱۷۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص نے اپنی جائیداد کو اپنی زندگی میں اپنے بیٹوں کے درمیان زبانی تقسیم

کردی جس میں کسی بیٹے کے پاس کچھ کم اور کسی کے پاس کچھ زیادہ زمین آئی، اس کو سب بیٹوں نے تسلیم کرلیا اور اپنی جگہ پر مکانات بھی بنالیے ایک بیٹے نے باپ کی زندگی ہی میں اپنا مکان بیچ کر دوسرا مکان خریدا تھا اب باپ کے انتقال کے پندرہ بیس سال کے بعد وہ بیٹا جس نے اپنا حصہ بیچ کر دوسرا مکان بنالیا تھا یہ کہتا ہے کہ باپ کی جائیداد میں میرا حصہ نکل رہا ہے، اور میں اس حصہ کو لے کر مسجد کو دوں گا، جس بھائی کے پاس کچھ زمین زیادہ تھی، اس نے اس بھائی کو دس ہزار روپیہ دیدیئے یہ روپیہ لینا یا حصہ لینا جائز ہے یا نہیں؟ اور وہ روپیہ لے کر مسجد کو نہیں دیا، روپیہ مسجد کو دینا ضروری ہے یا نہیں؟

المستفتی: شریف حسین اصالت پورہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب مدعی کے مطالبہ کرنے پر مدعیٰ علیہ نے دس ہزار روپیہ دے دیئے ہیں، اور مدعیٰ علیہ نے دینے سے انکار بھی نہیں کیا، بخوشی دیدیئے ہیں، تو مدعی اس رقم کا مالک ہو چکا ہے، اور سوالنامہ سے اسی طرف اشارہ مل رہا ہے کہ زائد حصہ میں سب کا حق ہے، اسی وجہ سے مدعیٰ علیہ نے دیدی ہے۔

المالک هو المتصرف فی الأعیان المملوکة کیف شاء من الملک. (بیضاوی ص: ۷)

یتصرف المالک فی ملکه کیف شاء. (البنایه اشرفیه ۸/۲۱۹)

الحق لایسقط بتقادم الزمان. (قواعد الفقه اشرفی ص:۷۷، رقم: ۱۱۶، الموسوعة الفقهیة الکویتیة ۸/۱۱۷، ۱۳/۱۱۸، ۲۸/۲۷۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍ربیع الاول ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۳۹۲۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۵/۳/۱۴۱۵ھ

سالوں سے جاری نالی کو مالک زمین کا بند کروانا

سوال [۱۰۱۷۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میرے مکان کی نالی جب وہاں کھیت تھا جب بھی چلتی تھی، جب میرے والد نے اس کھیت میں سے جگہ خرید لی جو میرے مکان سے ملی ہوئی تھی، جب بھی ادھر کو نالی چلتی رہی اسی کھیت میں سے حکیم محمد علی صاحب نے جگہ خرید لی جب بھی نالی ادھر ہی کو چلتی رہی، انہوں نے اس میں باغ لگا دیا، اب بھی آم کے درخت ہیں اور دوسری چیزوں کے بھی، میں نے اپنے چچا سے تحقیق کی تو انہوں نے بتایا کہ جب دیوار بنائی تھی تو کوئی جگہ نہیں چھوڑی تھی، اب بھی نالی کا پانی ادھر ہی کو جا رہا ہے، حکیم محمد علی صاحب کا کہنا ہے کہ آپ نالی بند کرلو، تو قرآن وسنت کی روشنی میں بتائیں کہ ہمیں کیا کرنا ہے؟

المستفتی: مرشد علی دلپت پور مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: حکیم محمد علی کو حق ہے کہ وہ اپنی زمین میں جاری ہونے والی نالی کو بند کرادیں اور نالی والے کو روکنے کی بات مان لینی چاہیے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۳/ ۴۴۵)

المالک للشیئ هو الذی یتصرف فیه باختیاره و مشیئته. (بدائع الصنائع، فصل فی بیان ما یبطل به الخیار، زکریا ۲/ ٦٣٨، کراچی ۲/ ۳۲۷)

کل یتصرف فی ملکه کیف شاء. (شرح المجلة رستم اتحاد ۱/ ٦٥٤، رقم المادة: ۱۱۹۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍ رجب المرجب ۱۴۱٦ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۵۴۴)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۳/ ۷/ ۱۴۱٦ھ

مالک کا اپنی زمین میں راستہ بنانے سے روکنے کا حکم

سوال [۱۰۱۷۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) سگے بھائی کا پوتا شخص اجنبی ہوتا ہے یا نہیں؟

(۲) ایک فیصلہ ثالثی کی دفعہ ۵؍ کی عبارت مندرجہ ذیل ہے:

کہ مکان نمبر D28/21 واقع محلّہ پانڈے حویلی شہر بنارس حلقہ دشاسمیدھ کا شمالی حصہ حاجی عبدالعزیز کو دیا گیا ہے، اس شمالی طرف جو دروازہ آمد ورفت حاجی عبدالعزیز کا ہے یا جو وہ اپنی سہولت سے مکان کے اندر آنے جانے کے لیے آئندہ لگوائیں گے اس میں سے ہوکر رعایتاً مسمیان حاجی عبدالاسماعیل وحافظ محمد سلیمان اوران کے خاندان والے نسلاً بعد نسل آجاسکیں گے، لیکن یہ لوگ اس راستے میں کسی قسم کی کوئی گندگی نہیں کریں گے، نہ کوئی جانور وغیرہ اس میں رکھیں گے، سوائے رعایتاً آمد ورفت کے کسی قسم کا کوئی بھی رعایتی حق ان کو نہیں رہے گا، اور وہ ملکیت ہمیشہ حاجی عبدالعزیز کی رہے گی لیکن اگر کسی وقت حاجی عبدالاسماعیل و حافظ سلیمان یا ان کے وارثان یا قائم مقامان اپنے حصے مکان کو کسی شخص اجنبی کو منتقل کریں گے تو شخص اجنبی منتقل علیہ کو کسی قسم کا کوئی حق اس میں رعایتاً آمد ورفت کا نہیں رہے گا، اور یہ زائل سمجھا جائے گا، حاجی عبدالعزیز و حاجی عبدالاسماعیل و حافظ محمد سلیمان و قاری عبدالحکیم برادران تھے، حافظ محمد سلیمان کے انتقال کے بعد ان کے پسر نے حافظ محمد سلیمان کے کل حق و حصہ کو حافظ محمد سلیمان کے سگے بھائی قاری عبدالحکیم کے سگے پوتوں کو بیع کردیا، منتقل علیہ قاری عبدالحکیم کے پوتوں کو راستہ مذکورہ بالا سے آمد ورفت کا رعایتی حق رہے گا، یا زائل ہوجائے گا؟ جواب باصواب سے نوازیں؟

المستفتی: شمیم احمد بن حاجی عبدالاحد بنارس

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اقرارنامہ کی فوٹو کاپی دیکھنے کی ضرورت تھی، تا

ہم اولادوں میں نکاح بیاہ شادی کے اعتبار سے شریعت کے نقطۂ نظر سے عبدالعزیز کی اولاد کے لیے عبدالحکیم کے پوتے اجنبی ہیں، لہٰذا عبدالعزیز کے پوتے پوتی کا نکاح عبدالحکیم کے پوتے پوتی کے ساتھ جائز ہے، اس اعتبار سے ایک دوسرے کے لیے اجنبی ہیں، اور اجنبی کے ہاتھ فروخت کرنے کی صورت میں حق مرور ختم ہونے کی بات ثابت ہوجائے گی۔

یہ بات واضح رہے کہ جائیداد کی تقسیم میں اس طرح کی رعایتی شرط لگانا شرعاً درست نہیں ہے، اور جب حاجی عبدالعزیز اس کا مالک ہے تو جب تک وہ چاہے وہاں سے گذر سکتا ہے اور جب نہ چاہے تو گذر نہیں سکتا، اور جب سلیمان اور اس کی اولاد نے اپنا حصہ فروخت کردیا ہے تو عبدالعزیز نے اس کو اور اس کی اولاد کو جو حق دیا ہے وہ کسی بھی خریدار کو حاصل نہ ہوگا، چاہے خریدار خاندان کا ہو یا غیر خاندان کا، لہٰذا اب فروخت کے بعد عبدالحکیم کو یا اس کے خاندان کو اس پر سے گذرنے کا حق نہیں ہے، بلکہ خریدار اپنی جائیداد کی حقیقی گذرگاہ کا جو اس کی جائیداد کا حق مرور ہے، اسی سے گذر سکتا ہے۔

ویستحق کل واحد من أهل الطریق غیر النافذ، الارتفاق بما بین رأس الدرب و باب داره لأن ذٰلک هو محل تردده و مروره، وماعداه هو فیه کالأجنبی من الطریق. (الموسوعة الفقهیة الکویتیة ۲۸/۳۵٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/ربیع الثانی ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۵۵ ۲)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۸/۴/۱۳ھ

جائیداد بیچنے پر لڑکوں کا اعتراض کرنا

سوال [۱۰۱۷۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں ایک غریب آدمی ہوں، میرے کچھ بچے اپنے پیروں پر کھڑے ہیں، مگر وہ میری مدد نہیں کرتے، دو بچے میرے ساتھ ہیں، ایک معذور ہے ایک غیر شادی شدہ ہے مجھے اس کی شادی کرنی ہے، میرے پاس کچھ جائیداد ہے میں اس جائیداد کو بیچ سکتا ہوں یا نہیں؟ اور بیچ کر

میرے ساتھ میں جولڑکا ہے اس کی شادی کردوں اور بعض وہ لڑکے جوا لگ رہتے ہیں وہ اس معاملہ میں آڑے آرہے ہیں تو کیا میری جائیداد بیچنے میں کسی کودخل اندازی کرنے کا حق ہے؟

المستفتی: حافظ محمد حسین سرائے حسینی بیگم مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: آپ کو اپنی جائیداد میں ہر طرح کے تصرف کرنے کا ہر وقت حق ہے، چاہے فروخت کردیں، چاہے کسی کو ہبہ کردیں یا صدقہ کردیں، اس میں نہ آپ کے لڑکوں کو اعتراض کا حق ہے اور نہ ہی کسی دوسرے کو، لہٰذا آپ اپنی جائیداد جب چاہیں جس طرح چاہیں فروخت کرسکتے ہیں۔

والمالک هو المتصرف فی الأعيان المملوكة كيف شاء من الملک. (بیضاوی شریف رشیدیه، سوره فاتحه ۱ /۷)

الملک ما من شانه أن يتصرف فيه بوصف الاختصاص. (شامی، مطلب فی تعریف المال، زکریا ۷/ ۱۰، کراچی ٤/ ۵۰۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍جمادی الثانیہ ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۱۹۱)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۶/۸ھ

مالک کا کنویں کی زمین کو اپنے استعمال میں لانا

سوال [۱۰۱۷۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں کہ ممتاز حسین ولد حاجی مشتاق حسین کا ایک مکان آراضی محلّہ پیرزادہ غلام سرور کی برابر میں ہے، جس میں کنواں تھا، یہ ۱۶؍گز زمین ہے جس کا حاجی مشتاق حسین کے نام سے بیع نامہ ہے، میں عمارت کو بنانے چلا تو محلّہ کے چندلوگوں نے حاجی محمد یونس پہلوان کے کارخانہ میں میٹنگ کی اور کہا کہ وہ رفاہ عام ہے میں نے کہا کہ یہ ہماری جگہ ہے، محلّہ کے آدمیوں نے کہا کہ اگر تمہاری آراضی ہے تو تم بھرلو اس کا عذاب تمہارے اور تمہارے بچوں

کے سر رہے گا، اس میٹنگ میں میں نے کہا تھا کہ کاتب سے نپوانا چاہو تو نپوادوں گا، غلط ایک گرہ نہیں بھروں گا، اس میٹنگ میں ہادی حسن، شکیل احمد، جلیل احمد، ذاکر حسین، محمد اکرام، شمشاد حسین، اعجاز احمد، شریف احمد، ممتاز احمد، حاجی احسان صاحبان موجود تھے۔

میں نے اس جگہ کو بنالیا تو کئی مرتبہ اور میٹنگ ہوئی، اس میٹنگ میں کبھی کوئی بات تو کبھی کوئی بات نکلی، اب محلے کے حضرات کا کہنا ہے کہ آپ کے پاس کوئی تحریر ہو تو دکھادو، یہ کنواں ۲۰/۲۵ر سال سے بند چلا آرہا ہے، اس کنویں کے سبھی محلّہ کے حضرات اس حق میں تھے کہ یہ کنواں بند ہونا چاہیے، تو میں نے بھرلیا، اب دریافت یہ کرنا ہے کہ اس کنویں کو بند کردینے کی وجہ سے شرعاً ہم گنہگار تو نہیں ہوں گے، جبکہ اس کنویں سے تقریباً ۳۰ر سال سے کوئی پانی نہیں بھرتا تھا، شرعی حکم تحریر فرمادیں؟

المستفتی: مختار حسین پیرزادہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: برتقدیر صحت سوال جب کنواں مختار حسین کی ملکیت کی زمین میں ہے اور ۲۵/۳۰ر سال سے اس کنویں سے پانی بھرنے کا سلسلہ بھی منقطع ہوچکا ہے تو ایسی صورت میں کنویں کی زمین کو اپنے استعمال میں شامل کرنے کا مالک زمین کو حق ہے، اس پر کسی کو اعتراض کا حق نہیں ہے۔

ولو كانت البئر أو الحوض أو النهر فى ملک رجل فله أن يمنع مريد الشفة من الدخول فى ملكه إذا كان يجد ماء بقربه. (درمختار کتاب إحياء الموات، فصل في الشرب، زکریا ۱۰/ ۱۵، کراچی ٦/ ٤٤٠، البنایه اشرفی ۱۲/ ۳۱۸، هندیه زکریا قدیم ٥/ ٣٩١، جدید ٥/ ٤٥٠)

والمالک هو المتصرف فى الأعيان المملوكة كيف شاء من الملک. (بیضاوی شریف رشیدیه، سوره فاتحه ۱/ ۷)

الملک ما من شانه أن يتصرف فيه بوصف الاختصاص. (شامی مطلب فی تعریف المال زکریا ۷/ ۱۰، کراچی ٤/ ٥٠٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱ر جمادی الثانیہ ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۴۹۱۴)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۱/۶/۱۴۱۷ھ

قانون کے تحت جو حقوق ہیں وہ خود بخود لازم ہو جاتے ہیں

سوال [۱۰۱۷۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (الف) ہمارے یہاں ایک استاذ طویل زمانہ سے میرے اور میرے بھائیوں کے بچوں کو قرآن پاک حفظ کراتے ہیں، زبانی معاملہ کے وقت قیام وطعام اور ماہانہ تنخواہ طے ہوئی تھی، جو ہم ادا کرتے رہے، لیکن حکومت ہند اور حکومت سعودیہ کے اگریمنٹ وقوانین کے تحت ان کے اور بھی حقوق ہمارے ذمہ عائد ہوتے ہیں جن کی رقم تقریباً (۵۰/ ہزار ریالات بنتی ہے، کیا یہ رقم پچاس ہزار ریال ہمارے ذمہ شرعاً وقانوناً واجب الأداء ہے جبکہ زبانی معاملہ کے وقت ان حقوق کا کوئی ذکر نہیں تھا؟

(ب) قیام وطعام اور ماہانہ تنخواہ کے علاوہ ہم استاذ موصوف کو دو سال میں اپنی طرف اور خوشی سے ایک ٹکٹ آنے جانے کا چھٹی پر جانے کے وقت دیتے رہے ہیں، یہ ٹکٹوں کی رقم ہم حساب میں اب شامل کر سکتے ہیں یا نہیں؟ کیونکہ اس وقت تو ابتداء میں ہم نے اس ٹکٹ کو اپنی طرف سے ہدیہ کہا تھا؟

(ج) مذکورہ رقم پچاس ہزار ریالات ادا نہ کرنے کی صورت میں کیا ہم پر آخرت میں دینداری رہے گی؟

(د) استاذ موصوف اپنی یہ رقم پچاس ہزار ہم سے جبراً اور بغیر ہماری منشاء کے لینے کا استحقاق رکھتے ہیں؟

(ہ) معاملہ کے وقت جمعرات کی چھٹی طے تھی، مگر استاذ نے جمعرات میں بھی پڑھایا ہے (یہ مجھے واستاذ کو یاد نہیں کہ استاذ نے خود پڑھایا تھا یا میرے کہنے پر پڑھایا تھا) کیا ان ایام کی بھی تنخواہ علاحدہ سے ہمارے ذمہ شرعاً وقانوناً واجب الأداء ہے، اور ادا نہ کرنے کی صورت میں آخرت کا مؤاخذہ ہم پر رہے گا یا نہیں؟

المستفتی: عبدالہادی مکہ مکرمہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (الف) حکومت کے قوانین کے تحت جو حقوق پہلے ہی سے عائد ہیں وہ معاملہ طے کرتے وقت ذکر کیے بغیر خود بخود لازم ہو جائیں گے۔

(ب) جب آپ نے بطور ہدیہ ٹکٹ دیا تو وہ ہدیہ ہی رہے گا بعد میں کسی اور حق کے ساتھ محسوب نہ ہوگا۔

(ج) سرکاری کی طرف سے عائد ہونے والے حقوق کو جب جانبین لازمی سمجھتے ہیں تو وہ لازمی حقوق میں شامل ہوں گے، ان کا ادا کرنا بھی لازم ہوگا ورنہ عند اللہ مواخذہ ہوگا۔

(د) استاذ موصوف اس حق کے مطالبہ کے مجاز ہیں۔

(ہ) جمعرات کی طے شدہ چھٹی میں اگر اپنی مرضی اور خوشی سے پڑھایا ہے تو ان ایام کی الگ سے اجرت کا حقدار نہ ہوں گے، اور اگر آپ کے کہنے پر پڑھایا ہے تو ان ایام کی بھی اجرت کے حقدار ہیں، اب کیسے پڑھایا تھا دونوں خود فیصلہ فرمائیں، مسلمانوں کے اس طرح کے معاملات کا شرعی حکم اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے۔

عن عمرو بن عوف المزني أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: الصلح جائز بين المسلمين إلا صلحا حرم حلالا أو أحل حراما والمسلمون على شروطهم إلا شرطا حرم حلالا أو أحل حراما. (ترمذی، الأحكام، باب ما ذكر عن رسول الله صلى الله عليه وسلم في الصلح بين الناس، النسخة الهندية ۱/۲۵۱، دار السلام رقم: ۱۳۵۲، المستدرك، الأحكام، مكتبه نزار مصطفى الباز ۷/۳۵۲۳، قديم ۴/۱۰۱، رقم: ۷۰۵۹، المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي ۱۷/۲۲، رقم: ۳۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷ر شوال المکرّم ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۸۳۵)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۱۰/۲۷ھ

تنگ دست ہوجانے کی صورت میں ادائے حقوق کی شکل

سوال [۱۰۱۷۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص نے دوسروں کے حقوق دبائے، چاہے وہ روپیوں کی شکل میں ہوں یا زمین وجائیداد کی شکل میں، اب اسے سمجھ آئی تو وہ اپنی غلطی پر نادم ہے، اور ارادہ ہے کہ اگر

اللہ نے مجھے وسعت دی تو دوسروں کے حقوق جو ہم نے دبائے ہیں ان کو ضرور ادا کروں گا فی الحال ادائیگی کی وسعت نہیں، اس کے پاس کچھ بھی نہیں ہے، اگر اس ارادے کے ساتھ وہ مرجائے تو کیا آخرت میں پھر بھی اس کی گرفت ہوگی؟ یا اللہ تعالیٰ اس کی توبہ اور ادائیگی کے ارادہ کی وجہ سے معاف فرمادیگا؟ اور اہل حقوق کے حق کو اپنے پاس سے ادا کریگا، یا کہ اس کی نیکیاں اہل حقوق کو دی جائیں گی؟ جواب تحریر فرمائیں۔

المستفتی: امیر حسن مدرسہ حبیبیہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جس شخص نے دوسروں کے حقوق دبائے ہیں ان کی توبہ کی قبولیت کے لیے اور آخرت کی گرفت سے بچنے کے لیے شرائط توبہ میں سے ایک شرط یہ ہے کہ وہ صاحب حق کو اس کا حق ادا کردے، اور اگر فی الحال ادائیگی کی وسعت نہیں رکھتا تو حصول قدرت پر ادائیگی کی نیت کرے، اور صاحب حق سے مہلت لے لے اور مرنے سے پہلے اپنے ترکہ میں سے ادا کرنے کی وصیت کر جائے۔

التوبة واجبة من كل ذنب ...... وإن كانت المعصية تتعلق بآدمي فشروطها أربعة: هذه الثلاثة و أن يبرأ من حق صاحبها فإن كانت مالا أو نحوه رده إليه (تحته) وظاهر كلامه توقف صحة التوبة على ما ذكر من الرد والتمكين أى إن أمكنه ذٰلک وإلا نویٰ ذٰلک إذا قدر أو طلب العفو.

(رياض الصالحين مع دليل الفالحين ١/ ٤٥ – ٥٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۵۸۳۲)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/۶/۲۸ھ

صلوٰۃ الحاجۃ پڑھ کر اللہ سے حقوق العباد معاف کرانے کا حکم

سوال [۱۰۱۷۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: عبداللہ اکثر دو رکعت نماز حاجت پڑھ کر یہ دعا کرتا ہے کہ اے اللہ اس نماز کی برکت سے جن کے حقوق میرے ذمہ ہیں ان کے حقوق کی ادائیگی فرما اور اپنا حق معاف کردے، اس طرح حقوق العباد معاف ہو سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتی: شفیع احد الاعظمی الرفاع

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جی نہیں، حقوق العباد صاحب حق سے معاف کرائے بغیر معاف نہیں ہوتے۔

عن أبی هريرة رضی الله عنه أن رسول الله ﷺ: لتؤدن الحقوق إلى أهلها يوم القيامة حتى يقاد للشاة الجلحاء من الشاة القرناء. (صحيح مسلم، باب تحريم الظلم، النسخة الهندية ۲/ ۳۲۰ بيت الأفكار رقم: ۲۵۸۲، مشکوٰة ۲/ ۴۳۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/ رجب المرجب ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۹/ ۳۲۵۳)

کسی وجہ سے ایک ہزار روپیہ بینک میں رہ جائے تو کیا حکم ہے؟

سوال [۱۰۱۸۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں نے اے ٹی ایم سے دو ہزار روپئے نکالے، مگر اے ٹی ایم نے دو ہزار کے بجائے تین ہزار روپئے کاٹے، بغیر کسی غلطی کے اور پاس بک میں بھی اے ٹی ایم کے مطابق تین ہزار ہی درج ہیں اس بات کی شکایت بینک سے کی گئی تو اس نے کہا میرے پاس کوئی ثبوت نہیں ہیں، اور میرے پاس بھی اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے کہ اس کی کوئی کارروائی کرسکوں، اس رقم کو پورا کرنے کے لیے بینک سے جو بیاج ملتا ہے اس میں سے اس رقم کو پورا کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد قاسم لال مسجد مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مسئولہ صورت میں آپ کی جو ایک ہزار کی رقم

اے ٹی ایم مشین کی ناقص کارکردگی کی بنا پر بینک کے ذریعہ باقی رہ گئی ہے اور آپ کے اکاؤنٹ سے وہ رقم کٹنے کے باوجود آپ کو وہ رقم حاصل نہ ہوسکی تو اس صورت میں بینک کی جانب سے ملنے والی اضافی رقم کے ذریعہ اس عنوان سے اپنا حق وصول کرنے کی گنجائش ہے؛ کیونکہ اپنا حق غاصبِ حق کے مال سے کسی بھی عنوان سے وصول کرنا شرعاً جائز ہے اور اضافی رقم بینک کا مملوکہ پیسہ ہے۔

وجد دنانير مديونة وله عليه دراهم له أن يأخذه لإتحادهما جنسا في الثمنية ...... والفتویٰ اليوم على جواز الأخذ عند القدرة من أي مال كان.

(شامي، كتاب الحجر، زكريا ۹/ ۲۲۱، كراچی ٦/ ١٥١)

الأمور بمقاصدها. (الأشباه والنظائر كراچی ص:۴۳، قواعد الفقه اشرفي ص: ٦٢، رقم: ٥١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍محرم الحرام ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۲۵۲)

گرام سماج کی زمین پر مکان بنانے کا حکم

سوال [۱۰۱۸۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک گاؤں میں ایک حافظ صاحب پڑھاتے تھے، گاؤں کی کھلیان وغیرہ کے لیے کچھ زمین پڑی تھی، مدرسہ کے قریب ہی تھی، گاؤں کے کچھ لوگوں نے اس زمین پر الگ الگ حصہ متعین کر کے قبضہ کر رکھا تھا، پھر جن لوگوں نے اس پر قبضہ کیا تھا ان لوگوں نے اپنے اپنے قبضہ کی زمین ملکیت میں پڑھانے والے حافظ صاحب کو دیدی، اور ان سے کہا کہ اس زمین پر آپ اپنا مکان بنالیں، پردھان نے بھی اس زمین کو دینے کی منظوری کردی تھی، اور تھانہ میں بھی بات چیت کرلی تھی اور حافظ صاحب کے نام تحریر دیدی تھی، حافظ صاحب نے اس پر

قبضہ کیا اور بنیاد بھر کر ڈال دی، پھر ایک سال کے بعد تعمیر شروع کی جب اچھی خاصی دیواریں کھڑی ہوگئیں تو گاؤں ہی کے ایک شخص انور نے اور اس کے کچھ حامیوں نے اس تعمیر پر روک لگوادی، اور پولیس کے ذریعہ ممانعت ہوگئی، اب چار و نا چار حافظ صاحب کو اپنی اینٹیں اکھاڑ کر اپنے گاؤں لے جانا پڑیں، حافظ صاحب کا کافی نقصان ہوا۔

تو اب دریافت یہ کرنا ہے کہ جس شخص نے اس تعمیر پر روک لگائی ہے اس زمین پر اس کا قبضہ بھی نہیں تھا، اور زمین گرام سماج کی تھی، اور پردھان اور قابض لوگوں نے اجازت دی تھی، تو اب جس نے روک لگوائی ہے جس کے نتیجہ میں حافظ صاحب کا نقصان ہوا ہے اب وہ نقصان روک لگانے والے پر ادا کرنا ضروری ہے یا نہیں؟ جبکہ مکان کی تعمیر کے بارے میں اسے پہلے سے ہی معلوم تھا، ایک سال تک بنیاد بھری پڑی رہی اس وقت اشکال نہیں کیا پھر تعمیر کی شروعات میں نہیں روکا، اور جب کافی تعمیر ہوگئی تو اس نے ایسی حرکت کی تو کیا شرعاً نقصان کے برابر رقم انور کو دینا پڑے گی، یا شرعاً جن لوگوں نے تعمیر کی اجازت دی تھی ان پر نقصان والی رقم ادا کرنا ضروری ہے؟ اس معاملہ میں جو بھی شریعت کا حکم ہو مطلع فرمائیں، اور اگر یہ لوگ نقصان والی رقم ادا نہیں کریں گے تو کیا آخرت میں ان لوگوں کو دینا پڑیگا، اور آخرت میں ان لوگوں سے باز پرس ہوگی یا نہیں؟

المستفتی: محمد طیب سیتاپوری متعلم مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایسی زمین جو گرام سماج کی ہو، اس کا استعمال گرام سماج کی اجازت پر موقوف ہوتا ہے، اگر گرام سماج اجازت دیدے تو اس میں ہر طرح کا تصرف جائز ہو جاتا ہے، لہٰذا مذکورہ سوال میں چونکہ حافظ صاحب کو گرام سماج یعنی پردھان کی جانب سے اجازت تحریر کے ساتھ مل چکی تھی، اس لیے انور صاحب کو مکان بنانے سے رکوانے کا کوئی حق نہیں تھا، لہٰذا اس روکنے پر حافظ صاحب کو جو نقصان ہوا اس نقصان کی رقم انور صاحب کو دینا پڑے گی، اگر بقدر نقصان رقم واپس نہ کرے اور حافظ صاحب سے معافی تلافی بھی نہ کرے تو

آخرت میں حقوق العباد کے تحت باز پرس ہوسکتی ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۸/۴۶۱)

عن أبی هریرة رضی الله عنه أن رسول الله ﷺ: لتؤدن الحقوق إلی أهلها یوم القیامة. (مسند أحمد بن حنبل ۲/ ۲۳۵، رقم: ۷۲۰۳) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
۱۲/ محرم الحرام ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۴۲۴)

ایک امام صاحب سے متعلق چند سوالات کے جوابات

سوال [۱۰۱۸۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک مسجد کے امام صاحب شادیوں کے موقع پر نکاح پڑھاتے ہیں، ایک بار تین لڑکیوں کا نکاح پڑھا دیا، لڑکی والے نے امام صاحب کو نکاح کے بعد روپیہ دیا تو امام صاحب نے پورے مجمع میں کہا کہ شادیوں میں تو آپ لوگ لاکھوں روپیہ خرچ کرتے ہیں اور امام صاحب کو جو نکاح پڑھاتے ہیں اس کو اتنے سے روپیہ میں تو فی لڑکی کے حساب سے ۲۵۲ روپیہ لوں گا، موجود لوگوں نے امام صاحب کو سمجھایا اور پھر لڑکی والے نے اور رقم کا اضافہ کیا تب امام صاحب مانے پھر ایک شادی پر مفتی صاحب تشریف لائے تو لڑکی والوں نے مفتی صاحب سے نکاح پڑھوالیا اس پر لڑکی والے ایک سو روپیہ ایک جوڑا اور ایک جوڑا امام کے والد محترم کو اور ۵۰/ روپیہ بھی دینے آئے تو امام صاحب نے یہ لینے سے انکار کردیا کہ آپ نے مجھ سے نکاح کیوں نہیں پڑھوایا، اس ناراضگی کی وجہ سے یہ سامان نہیں لیا، پھر کافی کہنے کے بعد امام صاحب نے وہ سامان لیا پھر ایک دو نکاح ہوئے جس میں امام صاحب کو لڑکی والوں نے ۱۰۵ روپیہ بھیجے، تو امام صاحب نے یہ کہہ کر واپس کردیئے کہ میں ۲۵۲/ روپیہ لوں گا، ایک مرتبہ مسجد کے واسطے کچھ رقم آئی، ذمہ دار مسجد نے وہ رقم امام صاحب کو دیدی، امام صاحب نے اس امانت کو بلا بتائے خرچ کرلیا، ذمہ دار کے معلوم کرنے پر امام صاحب نے فرمایا آپ میری تنخواہ سے کاٹ لینا، وہ رقم خرچ ہوگئی ہے، پھر علاقہ کے لوگوں

نے امام صاحب سے بات کی کہ آئے دن نکاح پر اس طرح کی باتیں ہوتی ہیں یہ ٹھیک ہے؟ تو امام صاحب نے فرمایا کہ نکاح پڑھانے کی اجرت لینا جائز ہے، اگر کم ملے تو زیادہ مانگنی چاہیے اور جو جتنا خرچ کرے گا اتنا ہی ثواب ملے گا، تو امام کا یہ فرمانا کہ نکاح کی اجرت لینا جائز ہے اور کم ملے تو زیادہ مانگنی چاہیے اس بات سے سائل کے دل میں امام صاحب کی طرف سے کدورت ہوگئی ہے، سائل نے امام صاحب سے یہ کہہ دیا کہ جب تک یہ مسئلہ معلوم نہ کرلوں گا آپ کے پیچھے نماز نہیں پڑھوں گا، لہٰذا سائل امام صاحب کے پیچھے نماز نہیں پڑھ رہا ہے اس بات کے علاوہ اور بھی امام صاحب کی باتیں ہیں جیسے ایک آدمی نے بقرعید کی قربانی کے وقت جانور کے حلال کرنے پر جو دعا پڑھی جاتی ہے اس دعا کے واسطے اور ساتھ چلنے کی درخواست کی کہ امام صاحب میرے بکرے پر دعا پڑھ دیں تو امام صاحب نے فرمایا کہ قربانی میں دعا پڑھنا بدعت ہے، صرف تین مرتبہ اللہ اکبر کہہ کر ذبح کردو، اسی وقت دوسرا ایک آدمی آیا، امام صاحب آپ یہاں کھڑے ہیں وہاں گھر پر جانور کے پاؤں بندھے پڑے ہیں، آپ چل کر دعا پڑھ دیں تو امام صاحب فوراً اس آدمی کے ساتھ چل دیئے۔

مسجد میں اکثر دیر سے نماز پڑھاتے ہیں، کبھی کبھی تو فجر کی نماز میں نمازی امام صاحب کو گھر سے بلا کر لاتے ہیں اور اگر کبھی کوئی شکایت کرتا ہے تو کہتے ہیں، تسبیح وذکر کرتے رہو ثواب ملتا رہے گا، یا فرماتے ہیں کوئی اور امام تلاش کرلو، سائل نے ایک دفعہ کہا، نماز پڑھایئے وقت ہوگیا تو امام صاحب نے فرمایا مہمان سنت پڑھ رہے ہیں اس کے بعد نماز ہوگی، سائل نے کہا یہ بھی مسئلہ ہے تو کہا ہاں یہ بھی مسئلہ ہے، اور پھر نماز ۲۰ رمنٹ بعد ہوئی، اور امام صاحب آئے دن اپنی تنخواہ میں اضافہ کے لیے فرماتے ہیں، جبکہ معقول آمدنی امام صاحب کی ہے، مسجد مبلغ ایک ہزار روپیہ مدرسہ سے پانچ سو روپیہ کی آمدنی اور رمضان شریف میں ختم قرآن پر چار ہزار روپئے سے زیادہ مل جاتے ہیں اور وقت وقت پر امام صاحب کی خدمت ہوتی رہتی ہے، شادیوں میں نکاح خوانی کے علاوہ نوازا جاتا ہے وغیرہ وغیرہ، مندرجہ بالا سوالات کے جوابات مطلوب ہیں؟

المستفتی: اصغر علی قریشی بلندشہر یوپی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) بطیب خاطر اور خوش دلی سے اولیائے زوجین نکاح پڑھانے والے کو جو رقم دیں وہ لینا جائز ہے۔(مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۴/۲۵۹،جدید ڈابھیل ۱۷/ ۹۸)

وکل نکاح باشره القاضی ...... ولم یجب علیه مباشره حل له أخذ الأجرة علیه. (تاتارخانیة زکریا ۱۱/ ۱۱۹، رقم: ۱۵۶۳۴، هندیه زکریا قدیم ۳/ ۳۴۵، جدید ۳/ ۳۰۶)

(۲) قربانی کرتے وقت ایک مرتبہ بسم اللہ اللہ اکبر کہنا ضروری ہے، اس کے علاوہ دعاؤں کا پڑھنا لازم نہیں ہے، بلکہ جس کو دعا یاد ہے اس کے لیے پڑھنا مستحب ہے اور یہ سمجھنا کہ اس کے بغیر قربانی نہیں ہوتی ہے یہ بدعت سے خالی نہیں ہے۔

تشترط التسمیة من الذابح حال الذبح. (در مختار مع الشامی، کتاب الذبائح، کراچی ۶/ ۳۰۲، زکریا ۹/ ۴۳۸، هدایه اشرفی دیوبند ۴/ ۳۴۶)

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ذبح کرتے وقت جو دعا پڑھی تھی وہ مستحب ہے۔

عن جابر بن عبد الله قال: ذبح النبی ﷺ یوم الذبح کبشین أقرنین أملحین موجئین فلما وجههما قال: إنی وجهت وجهی للذی فطر السمٰوات والأرض علی ملة ابراهیم حنیفا وما أنا من المشرکین، إن صلاتی و نسکی ومحیای ومماتی لله رب العالمین لاشریک له وبذٰلک أمرت وأنا من المسلمین، اللهم منک و لک عن محمد و أمته بسم الله والله أکبر ثم ذبح. (سنن أبی داؤد، کتاب الضحایا، باب ما یستحب من الضحایا، النسخة الهندیة ۲/ ۳۸۶، دار السلام رقم: ۲۷۹۵، مشکوٰة شریف ۱/ ۱۲۸)

(۳) نماز اپنے وقت مقررہ پر پڑھانی چاہیے، مہمان کی دلجوئی کے لیے برضاء مقتدی وقت کے اندر تاخیر کی گنجائش بھی ہے۔(مستفاد: فتاویٰ دار العلوم ۵/ ۴۲)

أما الإنتظار قبل الشروع فی غیر ما یکره کمغرب، وعند ضیق وقت، فالظاهر عدم الکراهة ولو لمعین إلا إذا ثقل علی القوم. (حاشیة الطحطاوی علی الدر المختار کوئٹه ۱/ ۲۲۰)

(۴) رمضان شریف میں قرآن کریم سنانے کی اجرت لینا اور دینا دونوں نا جائز ہیں۔

یمنع القاری للدنیا والآخذ والمعطی آثمان. (شامی، باب الإجارة الفاسدة، مطلب: فی الأجرة علی الطاعات، زکریا ۹/۷۷، کراچی ۶/۵۶)

اور امام صاحب کو جو ہزار روپۓ دیئے جاتے ہیں اگر وہ دینا طے ہیں خواہ امام صاحب سنائیں یا نہ سنائیں تو وہ روپۓ امام صاحب کو دینا جائز ہیں، اور صرف قرآن سنانے کی وجہ سے دیئے جاتے ہیں تو امام صاحب کے لیے لینا جائز نہیں اور دینے والے بھی گنہگار ہوں گے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۴/۲۷۶، جدید ڈابھیل، ۱۷/۶۸)

(۵) امام صاحب کا تنخواہ میں اضافہ کا مطالبہ کرنا ناجائز نہیں ہے، اور اضافہ کا مطالبہ کرنا نہ توکل کے خلاف ہے اور نہ امام پر یہ الزام عائد ہوسکتا ہے کہ لوگوں کی جیبوں پر نظریں رہتی ہیں، اللہ پر توکل و بھروسہ کم رہتا ہے، بلکہ امام صاحب کا گذر و بسر کرنے کے لیے تنخواہ میں اضافہ کا مطالبہ کرنا جائز ہے۔

ثم ما هو أقرب لعمارته كإمام مسجد و مدرس مدرسة يعطون بقدر كفا يتهم. (شامی، کتاب الوقف، مطلب یبدأ من غلة الوقف بعمارته، زکریا ۶/۵۶۰، کراچی ۴/۳٦۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰ رشعبان المعظم ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر ۳۱/ ۳۵۷۱)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۴/۸/۲۰ھ

۲ باب حقوق الوالدین

ماں باپ اور اولاد کے ایک دوسرے پر کیا حقوق ہیں؟

سوال [۱۰۱۸۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) اولاد کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ماں باپ پر کیا فرائض رکھے ہیں؟

(۲) اور ماں باپ پر اولاد کے کیا فرائض ہیں؟

(۳) کیا بہو کو بھی ساس سسر کو گالیاں دینا، کوسنا اور برا بھلا کہنے کا حکم ہمارے مذہب میں ہے؟ یعنی اگر ساس یا سسرا اپنے بیٹے کی بہو کو گالیاں دیں یا اپنی اولاد کو یہ حکم دیں کہ اس کو مارو پیٹو اور خود بھی گالیاں کوسنا وغیرہ کریں، تو کیا یہ ہی شرع کا حکم بہو کو بھی ہے؟

(۴) ماں باپ کے پاس ایک گھر ہے جس میں چار کمرے ہیں جن میں سے ایک پر بڑا بیٹا قابض ہے، اور دو پر وہ خود، چوتھے کمرہ پر دوسرا بیٹا اور یہ کہا جائے کہ جگہ چھوٹی ہے اور تم یہ جگہ خالی کرو تو کیا یہ جگہ خالی کرنے کا حکم ہے؟

(۵) ماں باپ کا جائز یا ناجائز کوسنا اللہ تعالیٰ کے یہاں قبول ہوگا یا نہیں؟ جس میں سراسر غلطی اولاد کی نہ ہو تو کیا اللہ تعالیٰ جائز یا ناجائز نہیں دیکھے گا؟

(۶) اگر ماں باپ کو کوسنے دیں اور اولاد خاموشی توڑ کر کوئی جواب دیدے تو اللہ تعالیٰ کے یہاں کوئی پکڑ ہوگی یا نہیں؟

المستفتی: حبیب احمد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) اللہ تبارک وتعالیٰ نے اولاد پر ماں باپ کے یہ حقوق رکھے ہیں کہ ان کے ساتھ احسان وہمدردی، رواداری، عاجزی وانکساری، ادب واحترام، ان کی دل جوئی کرنے نیز ان کے سامنے جھکے رہنے اور ان کی مرضی کی رعایت

کرنے کا حکم فرمایا ہے، اور ان کی دل شکنی حتی کہ اف کہنے سے بھی منع فرمایا ہے۔

﴿فَلَا تَقُلْ لَهُمَا أُفٍّ وَلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا. [إسراء: ٢٣]﴾

(۲) ماں باپ پر اولاد کے حقوق یہ ہیں کہ جب بچہ پیدا ہو جائے تو اس کا اچھا نام رکھیں، اور پیدائش کے ساتویں دن یا چودھویں یا اکیسویں دن اس کی طرف سے عقیقہ کردیں اور اس کے بعد سر منڈادیں اور بالوں کے برابر چاندی یا اس کی قیمت صدقہ کردیں، اور اس کو اچھی تعلیم وتربیت دیں، یہ تمام ذمہ داری بچہ کے بالغ ہونے سے قبل ماں باپ کے ذمہ عائد ہوتی ہیں، اور جب بالغ ہو جائے تو اس کی شادی کردیں، اور تاخیر نہ کریں، حدیث پاک میں آیا ہے کہ اگر بچہ کے بالغ ہونے کے بعد ماں باپ اس کی شادی میں لاپرواہی اور تاخیر کرتے رہے جس کی وجہ سے یہ بچہ معصیت میں مبتلا ہو جائے تو اس معصیت کا وبال ماں باپ کے سر پر ہوگا۔ (معارف الحدیث ۶/۴۲)

(۳) بہو کو ڈانٹ ڈپٹ، گالم گلوج اور مار پیٹ وغیرہ کرنے کا خسر وساس کو کوئی حق نہیں ہے، اگر یہ لوگ ایسا کریں گے تو سخت ترین ظالم ثابت ہوں گے البتہ یہ حقوق صرف شوہر کو حاصل ہیں۔

﴿وَاللَّاتِي تَخَافُونَ نُشُوزَهُنَّ فَعِظُوهُنَّ وَاهْجُرُوهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوهُنَّ. [النساء: ٣٤]﴾

(۴) باپ اپنی جائیداد روپیہ پیسہ کا خود مالک ہے اور باپ کو یہ حق حاصل ہے کہ اپنی بالغ شادی شدہ اولاد کو یہ کہیں کہ مکان خالی کردیں، اور اپنے مکان کا خود انتظام کرلیں اس پر اولاد کو اعتراض کا کوئی حق نہیں۔

والمالک هو المتصرف فی الأعیان المملوکة کیف شاء من الملک. (بیضاوی شریف رشیدیه، سوره فاتحه ۱/۷)

یتصرف المالک فی ملکه کیف شاء. (البنایة اشرفیه ۸/۲۱۹)

(۵) اولاد کے اوپر لازم ہے کہ ماں باپ کو ایسا موقع ہرگز نہ دیں کہ ماں باپ اولاد کے بارے میں کوستے رہیں، اور اس لیے کوستے ہوں گے کہ اولاد نے ماں باپ کی دل شکنی کر رکھی ہوگی، اس لیے کہ اولاد کا فریضہ ہے کہ ماں باپ کے پیروں میں پڑ کر ان کو راضی

کرے صرف دکھاوا کے لیے کرنے سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا، اسی کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِيْ نُفُوْسِكُمْ اِنْ تَكُوْنُوْا صَالِحِيْنَ فَاِنَّهُ كَانَ لِلْاَوَّابِيْنَ غَفُوْرًا. [بنی اسرائیل: ٢٥]﴾

(۲) جی ہاں اگر اولاد خاموش نہ رہ کر ماں باپ کو جواب دیں گی تو لازمی بات ہے کہ ماں باپ کی اور دل شکنی ہوگی اس سے اللہ کے یہاں اولاد کی سخت گرفت ہوگی، اسی کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا:

﴿فَلَا تَقُلْ لَهُمَا اُفٍّ وَلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا، وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ. [بنی اسرائیل: ٢٤]﴾ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍صفر المظفر ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۴۹۲)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۲/۱۷ھ

باپ کے حقوق بیٹوں پر

سوال [۱۰۱۸۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید باہر کسی شہر میں رہتا ہے، اور اس کے بیوی بچے کسی دوسرے گاؤں میں، اب اگر زید کا لڑکا عمر کوئی غلط کام کرتا ہے تو زید دنیا والوں کے سامنے یہ کہہ کر پیچھا چھڑا لیتا ہے کہ اس کی والدہ نے اس کو بگاڑ دیا تو کیا زید آخرت میں بھی یہ بات کہہ کر پیچھا چھڑا لے گا اور کیا زید کے پیچھے نماز پڑھنا ٹھیک ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد راغب سہسپور بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: زید آخرت میں یہ بات کہہ کر اپنی ذمہ داری سے چھٹکارا نہیں پا سکتا، اس لیے کہ ہر ایک دوسرے کا ذمہ دار ہے، مرد اپنے اہل وعیال کا ذمہ دار ہے، آخرت میں اپنی ذمہ داری کے بارے میں پوچھ ہوگی، لہٰذا زید کو چاہیے کہ اپنے بیٹے کی

اصلاح کرنے کی فکر کرے چنانچہ حدیث شریف میں ہے:

عن عبد الله بن عمر يقول: سمعت رسول الله ﷺ يقول: كلكم راع و كلكم مسئول عن رعيته، الإمام راع و مسئول عن رعيته والرجل راع في أهله وهو مسئول عن رعيته. (بخاری شریف، باب الجمعة فی القریٰ والمدن، النسخة الهندية ۱/ ۱۲۲، رقم: ۸۸۳، ف: ۸۹۳)

اور زید کے پیچھے نماز پڑھنا درست ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶؍محرم الحرام ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۴۵۳)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۱/۱۹ھ

والد کے ذمہ بیٹوں کے کتنے حقوق ہیں

سوال [۱۰۱۸۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید ایک بہتر سالہ انسان ہے، زید بذات خود تعلیم یافتہ انسان ہے، زید کا تعلیمی معیار کچھ اس طرح ہے کہ زید بذات خود کلام پاک کے سترہ پارہ کا حافظ ہے، قرأت کے فن سے اچھی طرح واقف ہے، قرآن پاک با قاعدہ تجوید کے ساتھ پڑھتا ہے، علاوہ ازیں دینی تعلیم کافیہ تک پڑھا ہوا ہے، دنیوی تعلیم اردو گجراتی اور انگریزی دس درجہ تک پڑھا ہوا ہے، با قاعدہ مقرر ہے، تقاریر بھی قرآن وحدیث کی روشنی میں کرتا ہے، زید کا مطالعہ کافی وسیع ہے، زندگی کے پچاس سال امامت اور درس وتدریس میں ہی گذرے ہیں، مختصر یہ کہ زید بذات خود ذی علم شخص ہے، زید کا کہنا ہے کہ باپ کے اوپر بیٹے کے تین حق ہیں، یعنی تین فرض ہیں:

(۱) لڑکا پیدا ہو تو خدا اور رسول کے ناموں میں سے کوئی نام رکھ دے۔

(۲) لڑکے کے سن بلوغت تک پہنچنے تک اسے دینی تعلیم اتنی ضرور دلائے کہ لڑکا خود کو مسلمان سمجھے اور خدا اور رسول کے احکام کو پہچان سکے، نماز روزہ کے مسائل سے پوری طرح واقف ہو جائے، بزرگوں کے مقام کو پہچان سکے، اسلام کے تقاضوں کو سمجھ سکے، زید یہ

بھی کہتا ہے کہ لڑکے کو حافظ وقاری یا عالم بنانا ضروری نہیں ہے، ہاں باپ کو اپنی آخرت کی فکر ہوتو حافظ قاری یا عالم بنا دے باقی باپ پر یہ چیزیں فرض نہیں ہیں۔

(۳) لڑکا جب جوان ہو جائے تو کسی نیک لڑکی سے اس کی شادی کر دے اس کے بعد زید کا کہنا ہے کہ باپ اپنے فرض سے سبکدوش ہو گیا، اب لڑکے کا فرض ہے کہ باپ کو مرتے دم تک سنبھالے، لیکن بکر کا کہنا ہے کہ باپ کا ایک فرض یہ بھی ہے کہ لڑکے کی شادی کے بعد اسے رہنے کے لیے مکان بھی بنا کر دے، ورنہ پرائی لڑکی کہاں آ کر رہے گی؟ اور زید بکر کی یہ بات ماننے کے لیے تیار نہیں اب شرعی حکم کیا ہے؟ زید اپنی جگہ صحیح ہے اور بکر کا کہنا غلط ہے یا بکر کا کہنا صحیح ہے؟

المستفتی: عبدالرشید فاروقی سریندر نگر گجرات

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بکر کا یہ کہنا کہ شادی کے بعد رہنے کے لیے مکان بھی دے تو باپ کے ذمہ یہ نہیں ہے بلکہ صرف شادی تک کی ذمہ داریاں ہیں، اس لیے کہ شادی کے بعد بیوی کی تمام ذمہ داری شوہر پر لازم ہوتی ہیں، شوہر کے باپ پر نہیں، لہٰذا بیوی کا نان ونفقہ تمام اخراجات رہائش وغیرہ سب شوہر پر لازم ہوتے ہیں؟ لیکن دوسری طرف یہ بات بھی قابل غور ہے کہ اگر باپ سرمایہ دار ہے، رہائش کی اتنی گنجائش اس کے پاس موجود ہے کہ بیٹے کو آسانی سے رہائش گاہ دے سکتا ہے تو باپ کا بیٹے کو رہائش دینا شہری زندگی اور گھریلو زندگی کے عرف وتعامل میں شامل ہے، اس لیے اخلاقی فریضہ ہے، شرعی فریضہ باپ پر نہیں ہے، اخلاقی طور پر ایسا باپ بیٹے کو رہائش دے جس کے پاس گنجائش ہو اور اگر باپ رہائش گاہ نہ دے تو باپ شرعی طور پر گنہگار نہ ہوگا، نیز اگر باپ کے پاس رہائش کی گنجائش نہیں ہے تو باپ کی رہائش کا نظم بیٹے پر لازم ہے، اور جو مرد بیوی کا نان ونفقہ دینے پر قادر ہے وہ بیوی کے لیے رہائش کرایہ پر بھی لے سکتا ہے، لہٰذا رہائش کا انتظام کرنا باپ پر شرعی فریضہ نہیں ہے، اس اعتبار سے زید کا قول صحیح ہے، اور بکر کی بات ایسے باپ کے حق میں درست نہیں ہے، جس کے پاس گنجائش نہ ہو ہاں البتہ جس باپ کے پاس گنجائش ہو تو اس

پر بھی شرعی فریضہ نہیں ہے، صرف اخلاقی فریضہ ہے، اور نصوص میں جن فرائض کا ذکر ہے ان میں وہی تین فرائض کا ذکر آتا ہے، جن کے بارے میں زید نے سوال میں ذکر کیا ہے۔

وعن أبی سعید وابن عباس قالا قال رسول الله ﷺ: من ولد له ولدا ذکرا أو أنثیٰ فلیحسن اسمه و أدبه معرفة أدبه الشرعی وإذا بلغ فلیزوجه فإن بلغ: أی وهو فقیر ولم یزوجه أی الأب وهو قادر فأصاب أی الولد إثما أی من الزنا ومقدماته فإنما إثمه علی أبیه أی جزاء إثمه علیه وهو محمول علی الزجر و التهدید للمبالغة. (مرقاة المفاتیح، قبیل باب إعلان النکاح، الفصل الثالث، امدادیه ملتان ٦/ ٢٠٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰؍محرم الحرام ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۶۵۹)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۰/۱/۱۴۲۶ھ

بیٹی پر والد کے حقوق کیا کیا ہیں؟

سوال [۱۰۱۸۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میری شادی ۱۹۴۹ء میں ایک پرائیویٹ سروس پیشہ شخص سے ہوئی تھی، سسرال پہنچ کر مجھے مزید بی ایڈ کرنا پڑا، اور ٹیچر کی حیثیت سے ملازمت کرنی پڑی جو کہ آج تک کر رہی ہوں، میری دو لڑکیاں ہوئیں، جن کی تعلیمی اور تمام تر ضروریات بذات خود میں نے پوری کیں، میرے شوہر نے کبھی بھی پورے طور پر گھر کے اخراجات نہیں اٹھائے، جب میری لڑکی ۲۰؍سال کی عمر میں کڈنی فیل ہونے کی وجہ طویل بیمار ہوئی اور انتقال کر گئی اس کے علاج کے تمام تر اخراجات خود میں نے اور میرے بھائیوں نے کیے، اس وقفہ میں صرف چند دن ہی میرے شوہر بچی کی بیماری میں میرے ہمراہ رہے، میرے خسر اور ساس کے انتقال ہو جانے کی وجہ سے میرا سسرال میں رہنا مزید دشوار ہو گیا، اور ۱۹۹۱ء سے آج تک اپنے بھائیوں کے ہمراہ رہ رہی ہوں، میں نے چھوٹی بیٹی کی شادی پر اپنے شوہر سے ہر طرح سے شادی میں

شرکت کی درخواست کی لیکن وہ نہ تو شریک ہوئے اور نہ ہی کسی قسم کا تعاون کیا، اب اپنی بیٹی اور داماد سے اپنی بیماری کا تذکرہ کر کے مدد چاہتے ہیں کیا مجھے اور بیٹی داماد کو ان کی مالی مدد کرنا چاہیے جبکہ داماد نے آج تک ان کو دیکھا بھی نہیں ہے؟

اس سال میں نے اپنی چھوٹی بہن کے ہمراہ حج بیت اللہ پر جانے کی درخواست دی ہے، براہ کرم میری رہنمائی فرمائیں کہ کیا میرا اپنے شوہر سے ابھی بھی ازدواجی تعلق باقی ہے؟

کیا مجھے حج بیت اللہ پر جانے کے لیے اپنے شوہر کی اجازت کی ضرورت ہے، شرعی طور پر میری رہنمائی فرمائیں؟

المستفتیه: خورشیدہ زیدی معرفت عزیز خاں چودھری، پیرغیب، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جب کوئی ضرورت مند مسلمان کسی دوسرے مسلمان سے مدد طلب کرے تو اس مسلمان پر حق بنتا ہے کہ اپنی وسعت کے مطابق اس کی مدد کرے تو جب ایک باپ اپنی بیٹی سے بیٹی ہونے کے ناطہ مدد چاہ رہا ہے تو بیٹی کو چاہیے کہ اپنے باپ کی بھرپور مدد کرے اور اس کی ضرورت پوری کرے اور اسی طرح بیوی کو بھی اپنے شوہر کی پوری مدد کرنی چاہیے اور پچھلی رنجش اور اختلاف کو بھول جانا چاہیے۔

عن أبي موسیٰ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: المومن للمؤمن کالبنیان یشد بعضه بعضا، ثم شبک بین أصابعه، وکان النبی صلی اللہ علیہ وسلم جالسا إذا جاء رجل یسأل او طالب حاجة أقبل علینا بوجهه، فقال: اشفعوا فلتؤجروا ولیقض الله علی لسان نبیه ماشاء. (بخاری شریف، الأدب، باب تعاون المؤمنین بعضهم بعضا، النسخة الهندیة ۲/ ۸۹۰، رقم: ۵۷۹۲، ف: ۶۰۲۷)

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دوسرا ارشاد ہے:

عن أبي هریرة رضی الله عنه عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: ...... والله فی عون العبد ما کان العبد فی عون أخیه. (سنن الترمذی، باب ما جاء فی الستر علی المسلم، النسخة الهندیة ۲/ ۱۴، دار السلام رقم: ۱۹۳۰، صحیح مسلم، باب فضل الاجتماع علی تلاوة القرآن والذکر، النسخة الهندیة ۲/ ۳۴۵، بیت الأفکار رقم: ۲۶۹۹)

اور جب شوہر نے طلاق نہیں دی ہے تو آپ بدستور اسی شوہر کی بیوی ہیں چاہے ایک زمانہ تک دونوں کے درمیان ملاقات نہ ہوئی ہو، پچھلی رنجش کو بھول کر دونوں کو ساتھ رہنا چاہیے۔ (مستفاد: کفایت المفتی ۶/ ۸۸)

اورآپ کو اگر حج کو جانا ہے تو محرم یا شوہر کے ساتھ جانا چاہیے اگر شوہر کے ساتھ نہیں جاتی ہیں اور کسی محرم کے ساتھ جانا ہے تو بہتر ہے کہ شوہر سے بھی اجازت لے لی جائے، نیز بہن ایسی محرم نہیں ہے جو رفیق سفر بن سکے، بلکہ محرم مرد ہی ہوا کرتا ہے، اس لیے بہن یا بہنوئی کے ساتھ حج کو جانا جائز نہیں ہے۔

أن يكون معها زوجها أو محرم لها فإن لم يوجد أحدهما لايجب عليها الحج. (بدائع الصنائع، كتاب الحج فصل شرائط فرضية الحج، زكريا ۲/ ۲۹۹، كراچی ۲/ ۱۲۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

الجواب صحیح	کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ	۹/ رجب المرجب ۱۴۲۵ھ
۱۴۲۵/۷/۹ھ	(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۴۵۱)

ماں کی خدمت کس کے سپرد ہے لڑکوں یا لڑکیوں کے؟

سوال [۱۰۱۸۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: عمر نے اپنے پیچھے ایک زوجہ تین لڑکے اور تین لڑکیاں چھوڑی ہیں اور وراثت میں ایک مکان، لہٰذا شریعت کے اعتبار سے اس کی تقسیم کی کیا صورت ہے، کیا لڑکوں کے حصہ کے ساتھ ساتھ بیوہ اور لڑکیوں کا بھی حصہ بنتا ہے، کس کا کتنا بنتا ہے، تحریر فرمائیں، اور شرعی اعتبار سے ماں کی خدمت کس کے سپرد ہے، لڑکیوں کے یا لڑکوں کے؟

المستفتی: مصطفیٰ حسن لین ۱۰، ہلدوانی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بشرط صحت سوال وبعد اداء حقوق وعدم موانع

ارث عمر کا ترکہ حسب ذیل طریقہ سے تقسیم ہوگا:

عمر میـــــــــــــــــت $\frac{72}{8}$

بیوی	لڑکا	لڑکا	لڑکا	لڑکی	لڑکی	لڑکی
$\frac{1}{9}$	۱۴	۱۴	$\frac{7}{14}$	۷	۷	۷

کل ترکہ ۷۲/سہام میں ہوکر ہر وارث کو اتنا ملے گا جو اس کے نام کے نیچے درج ہے اور ماں کی مالی خدمت لڑکوں پر لازم ہے، اور اگر لڑکیوں کے پاس ذاتی ملکیت کی معقول دولت ہے تو لڑکیوں پر بھی ماں کی خدمت میں برابر شریک ہونا لازم ہے اور اگر لڑکیوں کے پاس ذاتی کوئی معقول رقم نہیں ہے تو وہ خود تنگ دست شمار ہوں گی، اور ان پر ماں کی خدمت لازم نہ ہوگی۔

عـن عـمرو بن شعيب عن أبيه عن جده أن رجلا أتى النبى ﷺ فقال: يا رسـول الـلـه! إن لـى مـالا وولـدا و أن والـدى يحتاج مالى، قال: أنت و مالک لـوالدک، إن أولادكم من أطيب كسبكم فكلوا من كسب أولادكم. (سنن أبى داؤد، البيوع، باب الرجل ياكل من مال والده، النسخة الهندية ٢/٤٩٨ دار السلام رقم: ٣٥٣٠)

فـإن كان الأولاد ذكورا و إناثا موسرين فنفقة الأبوين عليهم بالسوية فـى أظهـر الـروايتيـن وفـى الـخـانية وعليـه الفتوىٰ. (الفتاوىٰ التاتارخانية زكريا ٥/٤٢٥، رقم: ٨٣٦٦، المبسوط للسرخسى، دار الكتب العلمية بيروت ٥/٢٢٢، حاشية چلپى، امداديه ملتان ٣/٦٤، زكريا ٣/٣٢٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم صفر المظفر ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۹/۳۳۰۰)

ماں کی خدمت کی وجہ سے نکاح نہ کرنے کا حکم

سوال [۱۰۱۸۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: زید عالم دین ہے، صاحب استطاعت ہے عمر چالیس سال ہو چکی ہے، مگر اپنا نکاح نہیں کرتے جب معلوم کیا تو بتلاتے ہیں کہ میری والدہ بیمار رہتی ہیں، والدہ کی خدمت کی وجہ سے نکاح نہیں کرتا، نکاح کرنے سے والدہ کی خدمت میں کوتاہی ہوگی، معلوم یہ کرنا ہے کہ والدہ کی خدمت کی وجہ سے نکاح نہ کرنا درست ہے؟ اس سلسلے میں شرعاً کیا فیصلہ ہے؟

المستفتی: عبدالرشید سیڈھا بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عام حالات میں نکاح کرنا شرعاً مسنون ہے، اس لیے زید کو چاہیے کہ نکاح کر لے، اور محض اس عذر کے سبب کہ والدہ کی خدمت میں کوتاہی ہوگی، نکاح نہ کرنا باعث معصیت ہے، اس لیے نکاح بھی کرنا چاہیے اور والدہ کی خدمت بھی کرنی چاہیے، دونوں ضروری ہیں:

عن أبی أمامة قال قال رسول الله ﷺ: أربعة لعنوا فی الدنیا والآخرة و أمنت الملائكة: رجل جعله الله ذكرا فأنث نفسه و تشبه بالنساء وامرأة جعلها الله أنثی فتذكرت و تشبهت بالرجال والذی یضل الأعمی و رجل حصور ولم یجعل الله حصوراً إلا یحی بن زكریا علیه السلام.

(المعجم الكبير، دار إحياء التراث العربي ۸/ ۲۰۴، رقم: ۷۸۲۷) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
۲۱ رشوال المکرم ۱۴۲۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۱۳۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۷/۱۰/۱۹ھ

قوانین شریعت میں والدین کے حکم پر پابندی کا لزوم

سوال [۱۰۱۸۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرے والدین بزرگوار تبلیغی نصاب کتاب کا مطالعہ کرنے سے سخت منع کرتے ہیں، والدین کا حکم ماننا بھی شریعت میں لازم ہے، یہ بات میری سمجھ سے بالکل باہر ہے، میں

کشمکش میں پڑ گیا ہوں، اب آپ سے مشورہ لینا چاہتا ہوں کہ میں اس کتاب کو اپنے والدین سے چھپا کر پڑھ سکتا ہوں کہ نہیں، ویسے میرے پاس دوسری کتابیں ہیں، میرے والد صاحب نے میری غیر حاضری میں اسے پتہ نہیں کہاں چھپا کر رکھ دیا ہے، آپ سے گذارش ہے کہ آپ مجھے صحیح مشورہ دے کر میرے دل ودماغ کو سکون پہنچانے کی زحمت گوارہ کریں؟ اللہ تعالیٰ آپ کو ہمیشہ خوش وخرم رکھے۔ (آمین)

المستفتی: حارث احمد، احمد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تبلیغی نصاب جیسی دینی کتاب کا مطالعہ کرنے سے اگر والدین ممانعت کرتے ہیں تو اس طرح دینی امور میں والدین کے حکم کا پابند رہنا لازم نہیں ہے، والدین کے حکم کی پابندی موافق شریعت حکم میں لازم ہے، مخالفت شریعت حکم میں لازم نہیں، لہٰذا والدین کے آداب ملحوظ رکھتے ہوئے آپ تبلیغی نصاب کا مطالعہ کر سکتے ہیں۔ (معارف القرآن ٥/٤١٥)

عن علی رضی اللہ عنہ أن رسول اللہ ﷺ بعث جیشا –إلی– وقال لا طاعة فی معصیة اللہ، إنما الطاعة فی المعروف. (صحیح مسلم، باب وجوب طاعة الأمر فی غیر معصیة ...... النسخة الهندیة ٢/١٢٥، بیت الأفکار رقم: ١٨٤٤)

عن ابن عمر رضی اللہ عنہ عن النبی ﷺ قال: السمع والطاعة حق مالم یؤمر بالمعصیة، فإذا أمر بمعصیة فلاسمع ولاطاعة. (صحیح البخاری، الجهاد، باب السمع والطاعة للإمام مالم یامر بمعصیته، النسخة الهندیة ١/٤١٥، رقم: ٢٨٦٦، ف: ٢٩٥٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٢٤ رشوال المکرّم ١٤٠٩ھ
(الف فتویٰ نمبر: ١٤٥٣/٢٥)

کیا ماں کا نان ونفقہ اولاد پر ضروری ہے؟

سوال [۱۰۱۹۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں چھمن بیگم بیوہ زوجہ مقبول خاں مرحوم اپنے بچوں کے ساتھ باہم ممبئ میں ایک کرایہ کے مکان میں سکونت پذیر ہوں، اس جائے رہائشی مکان کا کرایہ نامہ میرے نام ہے، میرے حق دار بچوں میں تین لڑکیاں اور دو لڑکے ہیں جن میں دو لڑکیاں اور دو لڑکوں کی شادی ہو چکی ہے، ایک لڑکی غیر شادی شدہ ہے، جس کی شادی کی، اس کے بھائی کسی طور پر بھی ذمہ داری محسوس نہیں کرتے، گھر کی کفالت کے ذرائع بالکل نہیں ہیں، جس کی وجہ سے میں بیوہ ضعیفہ بے حد پریشان رہتی ہوں، میری بڑی لڑکی جو شادی شدہ ہے اور اسکول ٹیچر ہے، اس کا شوہر عرب ملک میں ملازمت کرتا ہے اس لڑکی کو میں نے اپنی مدد کے لیے اپنے مکان میں اپنے ساتھ رکھ رکھا ہے، زیادتر وہی گھر کے اخراجات بذات خود روپئے پیسے سے برداشت کرتی ہے، مکان کا کرایہ بھی لڑکی ہی ادا کرتی ہے۔

(۱) میرا چھوٹا لڑکا جو اپنے والد کے انتقال کے بعد عرب ملک میں ملازمت کرتا تھا، وہ وہاں سے میرے یعنی اپنی والدہ بیوہ اور بہنوں کے لیے گھر کے اخراجات کے لیے پیسہ بھیجتا تھا، جو اس کی ذمہ داری تھی، اپنی شادی ہونے کے بعد عرب ملک سے ملازمت چھوڑ کر ممبئ آ گیا ہے اور آ کر مکان میں رہنے لگا ہے اور شادی کے بعد ذہنی اخلاقی طور سے اس قدر بدل گیا ہے کہ عرب ملک میں جو بھی ملازمت کرتے ہوئے روپیہ اس نے گھر کے اخراجات کے لیے بھیجا تھا، اور جو سامان اس نے گھر کی ضرورت اور زینت کے لیے بھیجا یا لایا تھا یا جو سامان اس نے اپنی بہنوں کو شادی کے لیے بھیجا تھا، اب وہ تمام اپنا بھیجا ہوا روپیہ اور سامان سختی سے واپس لینے کا مطالبہ کرتا ہے اور اس مطالبہ کو لے کر آئے دن گھر میں رنجش رکھتا ہے اور جھگڑا کرتا ہے اور میرے ساتھ کسی طرح کا بھی تعاون نہیں کرتا جبکہ اس رہائشی مکان کے سڑک کی جانب کھلے حصہ کو دوکان کی صورت میں استعمال کیا جاتا ہے،

جس میں یہ لڑکا بجلی کا کام کرتا ہے، اوراسی طرح میرا بڑا لڑکا دوکان کے حصے کے نصف جگہ میں درزی کا کام کرتا ہے، وہ بھی مجھے گاہ گاہ پانچ روپئے دے کر احسان جتاتا ہے، ان لڑکوں سے ضروریات وگھر کے اخراجات کے لیے پیسہ طلب کرتی ہوں تو یہ لڑکے میرے ساتھ بے عزتی اورناروا سلوک کے ساتھ پیش آتے ہیں اوراپنی بہنوں پر بھی، دشنام طرازی اور الزام تراشی کرتے ہیں، میرے ساتھ کچھ بھی تعاون نہ کرتے ہوئے مکان کوفروخت کرکے اپنا اپنا حصہ طلب کرتے ہیں؟

المستفتی: خورشیدہ خاتون ممبئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) آپ کے دونوں لڑکوں پرآپ کے اخراجات وضروریات کا پورا کرنا واجب ہے، اگر یہ لوگ آپ کے اخراجات برداشت نہ کریں یا جو کچھ آپ پرخرچ کرچکے ہیں اس پرطعن وتشنیع کرنے لگیں تو وہ لوگ عنداللہ سخت گنہگار اورنافرمان ثابت ہوں گے۔

﴿وَوَصَاحِبْهُمَا فِيْ الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا. [لقمان: ١٥]﴾

عن طارق المحاربی قال: قدمنا المدينة فإذا رسول الله ﷺ قائم على المنبر يخطب الناس وهو يقول: يد المعطى العليا، وابدأ بمن تعول: أمک، وأباک، وأختک وأخاک ثم أدناک أدناک. مختصر (سنن النسائی، باب أيتهما اليد العليا، النسخة الهندية ١/٢٧٢ دار السلام رقم: ٢٥٣٣، مسند البزار، مكتبه العلوم والحكم ٥/١٣٨-٣٢٤)

وعلى الرجل أن ينفق على أبويه و أجداده و جداته إذا كانوا فقراء. (مختصر القدوری كتاب النفقات ص:١٩٣، هدايه اشرفی ٢/٤٤٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴/ جمادی الثانیہ ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/۱۲۹۱)

کیا نادار والدین کا خرچہ اولاد کے ذمہ واجب ہے؟

سوال [۱۰۱۹۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) زید کے دولڑکے ہیں اور دونوں بالغ ہو چکے ہیں اور دونوں کہتے ہیں کہ تمہارا میرے ذمہ کوئی احسان نہیں ہے اور نہ کھلانے کا کوئی ذمہ ہے، حالانکہ زید ضعیف بھی ہو چکا ہے تو کیا ان دونوں بالغ لڑکوں پر زید کو کوئی جبر وزبردستی کا حق حاصل ہے یا نہیں؟

(۲) زید کی ماں اور بیوی دونوں موجود ہیں اور دونوں کو کھانا کھلانے کا ذمہ دار زید ہے، اور زید کے پاس اتنی رقم نہیں ہے کہ دونوں کو کھلا سکے، بلکہ صرف ایک ہی کو کھلا سکتا ہے تو ایسی صورت میں بیوی کو کھلائے یا ماں کو؟ شرعاً کس کو ترجیح دی جائے گی، کیونکہ اگر ماں کو نہیں کھلایا تو وہ مفلسی کی وجہ سے دوسروں کے سامنے دست سوال دراز کرے گی، اور بیوی کو نہ کھلائے تو اس کا بھی یہی حال ہوگا ایسی صورت میں شرعی حکم کیا ہے؟

المستفتی: محمد بہادر حسین مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) اگر زید فقیر اور نادار ہے تو اس کا خرچہ اس کے دونوں لڑکوں پر واجب ہے اور خرچہ حاصل کرنے میں زور وجبر زید کے لیے جائز ہوگا۔

وعلی الرجل أن ینفق علی أبویه و أجداده و جداته إذا کانوا فقراء و إن خالفوا فی دینه. (هدایه، کتاب الطلاق، فصل نفقة الأولاد الصغار علی الأب، اشرفی دیوبند ۲/ ٤٤٥)

ویجبر الرجل الموسر علی نفقة أبیه و أمه إذا کانا محتاجین لقوله تعالیٰ: ووصینا الإنسان بوالدیه حسنا (العنکبوت: ۸) **فقد أوجب علی الولد الإحسان بوالدیه، ورأس الإحسان بوالدیه فی إحیائهما، وکذٰلک بالإنفاق علیهما وقال علیه السلام: إن أطیب ما یاکل الرجل من کسبه و إن ولده**

لمن كسبه فكلوا من اكتساب أولادكم إذا احتجتم إليه بالمعروف.

(المحيط البرهاني، المجلس العلمي بيروت ٣٤٩/٤، رقم: ٤٥٤١)

(۲) جب ماں فقیر ہے تو بیوی کی طرح ماں کا خرچ بھی زید پر واجب ہے لیکن دونوں کا خرچہ برداشت نہ ہو سکے تو قرضہ لے کر دونوں کے ساتھ خرچہ میں رواداری کا معاملہ کرنا ہوگا۔

ومن أعسر بنفقة امرأته لم يفرق بينهما و يقال لها استديني عليه.

(هدايه باب النفقة اشرفي ديوبند ٤٣٩/٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

الجواب صحیح	کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ	۲۸/ ذی قعدہ ۱۴۱۵ھ
۲۸/۱۱/۱۴۱۵ھ	(الف فتویٰ نمبر: ۴۲۳۶/۳۱)

کمزور والدین اور بھائی بہن کا خرچہ بھی واجب ہے

سوال [۱۰۱۹۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کسی ماں باپ کی وہ اولاد جس کی شادی ہوگئی ہو اور لڑکے کے چھوٹے بھائی بہن ہوں اور ماں باپ کا کوئی ذریعہ آمدنی نہ ہو (خواہ وہ کسی بھی اعتبار سے) کیا ان ماں باپ کے شادی شدہ لڑکے پر یہ فرض ہوتا ہے کہ لڑکے اپنی بیوی اور بچوں کے پرورش کے علاوہ اپنے ماں باپ اور بھائی بہن کی پرورش کی ذمہ داری بھی لیں یا اس کی کچھ حدود ہیں کہ کسی ایک حد تک ہم ان کی معاشی زندگی کے اعتبار سے تعاون کریں؟

المستفتی: عبدالصبور اڑیسہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کمزور اور غریب والدین اور معذور بھائی بہن ہوں جو کمانے سے عاجز ہیں ان کے اخراجات بھی ایسے ہی واجب ہیں جیسا کہ بیوی کے اخراجات ہیں۔

إن جميع ما وجب للمرأة وجب للأب و الأم على الولد من طعام و شراب و كسوة وسكنىٰ حتى الخادم. (شامي، باب النفقة مطلب: في نفقة

الأصول، کوئٹہ ۲/ ۷۳٦، کراچی ۳/ ٦۲۲، زکریا ٥/ ۳٥٥، البحر الرائق زکریا ۸/ ۳٥۰، کوئٹہ ۸/ ۲۰٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴؍محرم الحرام ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۴٦٦)

اولاد کا والد کے ساتھ بدکلامی اور مار پیٹ کرنا

سوال [۱۰۱۹۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے گاؤں میں کسی وجہ سے باپ بیٹے میں نوک جھوک ہوگئی تو باپ نے بیٹے سے کہا کہ اللہ سے ڈرو، نماز پڑھو، تو جواباً بیٹے نے باپ سے کہا کہ جنت میں میرا گھوڑا تم سے آگے ہوگا اور باپ کو مارنے کے لیے اٹھا اور بیٹا کسی صاحب نسبت بزرگ سے بیعت بھی ہے تو اس سے بیٹے کے ایمان میں کوئی خطرہ ہے؟ جواب سے نوازیں۔

المستفتی: مولانا محمد وسیم صاحب بھاگلپوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: باپ بیٹے کی گفتگو کے دوران باپ کا بیٹے سے یہ کہنا کہ اللہ سے ڈرو اور نماز پڑھو یہ شریعت کی تعلیمات کے مطابق صحیح اور درست ہے اور قرآن کریم کی آیت

﴿قال اللہ تعالیٰ: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهِ. [آل عمران: ۱۰۲]﴾

﴿قال اللہ تعالیٰ: وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ. [البقرة: ٤۳]﴾

کے تقاضہ کے عین مطابق ہے، اور پھر بیٹے کا جواباً باپ سے یہ کہنا کہ جنت میں میرا گھوڑا آگے رہے گا، اور باپ کو مارنے کے لیے اٹھنا بیٹے کی دنیا اور آخرت کی تباہی و بربادی کا سبب ہے، حدیث میں آیا ہے کہ اولاد کے حق میں باپ کی بددعا مسترد نہیں ہوتی، قرآن میں آیا ہے کہ جس درجہ میں اللہ کی عبادت لازم ہے تقریباً اسی درجہ میں ماں باپ کا ادب و

احترام اوران کے ساتھ رواداری بھی لازم ہے، اس لیے بیٹے پر لازم ہے کہ باپ کے پیروں میں پڑ کر معافی مانگ لے، ورنہ دنیا اور آخرت میں تباہی اور بربادی کا خطرہ ہے۔

﴿وَقَضَى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْا اِلَّا اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَا اَوْ كِلاهُمَا فَلا تَقُلْ لَهُمَا اُفٍّ وَلا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا. [الاسراء: ۲۳]﴾

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال قال رسول الله ﷺ: ثلاث دعوات مستجابات لا شك فيهن دعوة المظلوم و دعوة المسافر و دعوة الوالد على ولده.

(ترمذي، باب ما جاء في دعوة الوالدين، النسخة الهندية ۲/۱۳ دار السلام رقم: ۱۹۰۵، سنن أبي داؤد، باب الدعاء بظهر الغيب، النسخة الهندية ۱/۲۱۵ دار السلام رقم: ۱۵۳۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍ جمادی الثانیہ ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۳۵۱)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۸/۶/۲۴ھ

والدین کے ساتھ ہر حال میں حسن سلوک لازم

سوال [۱۰۱۹۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں جتنی باتیں لکھ رہا ہوں بالکل سچ ہیں، پیسہ کی کمی کی وجہ سے پوسٹ کارڈ میں لکھ رہا ہوں، براہ کرم غور فرما کر جواب دیں، احسان ہوگا، میں صرف آخرت کی فکر میں لکھ رہا ہوں اس لیے کہ اس سٹنے سے دنیا وآخرت کا نقصان ہی ہے، فائدہ نہیں ہے، کیونکہ میں بھی آدمی ہوں، دنیا بگڑنے میں زیادہ صبر نہیں کر پاتا ہوں، کچھ نہ کچھ بول ہی دیتا ہوں، اور جدا رہتا ہوں تو صرف ایک بگاڑ ہے کہ جدا رہنے کا گناہ ہوگا، اور میل کرنے پر سینکڑوں بگاڑ ہیں، اس لیے بتایا جائے کہ ایسی حالت میں جدا رہوں یا میل کروں، حالات یہ ہیں کہ میرے والدین مجھ سے بچپن سے کام لیتے رہے، جب کام میں کبھی کمی آتی بس تم کون ہو، ہم کون، ہونے لگا، اگر جدا ہوئے تو ان لوگوں کو کوئی پرواہ نہیں، اور سٹتے تو سب چھوڑ کر کے میرا کام کرو

اور میرے دوسرے بیٹے کو خوش رکھو چاہے وہ کہے کہ سماج سے جدا ہو جاؤ تو جدا ہو جاؤ، مسجد جانا بند کرو تو بند کرو، بیوی بچوں کی دیکھ بھال کرنا چھوڑ دو تو چھوڑ دو، اور بیوی بچوں کو چھوڑ کر میرے کام میں لگے رہو، ورنہ ان کو میری کوئی پرواہ نہیں، اس لیے کہ مال سے پر ہیں، دوسرے بیٹے بیوی بچوں کو چھوڑ کر ان کے حکم میں لگے ہوئے ہیں، اور کوئی کمائی نہیں کرتے ہیں صرف اسی حکم میں لگنے سے مکان ملا، بینک میں رکھنے کو پیسے ملے، تیسرے بیٹے اپنی ہوشیاری سے اپنی بیوی بچوں کو تو الگ رکھتے ہیں مگر پیسہ لوٹتے رہتے ہیں، میری مخالفت میں ان کی جے جے ہے، مجھ سے شروع سے یعنی بچپن سے ہی نفرت ہے، اور کام لینے میں خوب آگے ہیں، میں خدا کے ڈر سے کام سب کر دیتا ہوں، بجز دنیا و آخرت کی تباہی کے، مثلاً انہوں نے کہا کہ پڑھائی چھوڑ دو تو پڑھائی چھوڑ دی، نوکری کر لو تو نوکری کر لی، شادی کر لو تو شادی کر لی، پہلی شادی اپنے دوست کی لڑکی سے کی مگر جب مال و متاع نہیں ملا تو اسے بھگا دیا یہاں تک کہ وہ میکہ چلی گئی، اور پہلی ولادت میں انتقال کر گئی، اس سے میں مایوس رہنے لگا، تو دوسری شادی کر دی، اس کے بعد اس کو بھی نکال دیا، چنانچہ میں اسے لے کر وہاں چلا گیا، جہاں کام کرتا تھا، وہ بڑی حسین تھی، اوباشوں نے اس کا پیچھا کیا، اور مجھ سے چھڑا دیا، پھر میں مایوس رہنے لگا اور گھر لوٹ آیا، ان لوگوں کی جھڑکی، سیاست اور کام کرنے کے حکم کو پورا کرنے وغیرہ سہتا رہا، بالآخر یہ لوگ محلہ میں بدنام ہو گئے، جس سے بعد میں محلہ چھوڑ کر ان لوگوں کو ہی بھاگنا پڑا، بدنامی کی شہرت سے متأثر ہو کر ان لوگوں نے میری تیسری شادی کر دی، مگر یہ عورت اپنے شہر کی ہے، ہمارے والدین اور بھائیوں کے حالات سے ناواقف ہے، آتے ہی اس نے لڑائی شروع کر دی، اور جیسی تیری ویسی میری کرنے لگی، جس سے والدین اور بھائی بوکھلا گئے کہ اب سیدھے کی معاون کڑی آ گئی، پھر نکال دیا، یہ نکلی تو ضرور مگر شہر میں ہلا ہو گیا، بھائیوں نے یہ حالات دیکھ کر مجھے دس فٹ چوڑی اور ۴۰ر فٹ لمبی ایک زمین دے کر ساری جائیداد دونوں بھائیوں نے اپنے اپنے نام کر لی، اور محلّہ چھوڑ کر دوسرے محلّہ میں جا بسے، والدین دونوں ریٹائر ہیں، سرکاری ٹیچر تھے، اب پنشن پا رہے ہیں، اس پیسے سے یہی چاروں آدمی مصرف لے رہے ہیں، ذرا بھی سٹتا ہوں تو یہ لوگ چوکنا ہو جاتے

ہیں، اب بتایا جائے کہ ایسی حالت میں جدائی اختیار کی جائے اور جدائی کی پکڑ ہوگی، اگر ہوگی تو اس کا بدل اور تدارک بتایا جائے، یا کوئی عمل بتایا جائے کہ ان لوگوں کی نفرت ختم ہو اور مجھ سے میرے من کے مطابق سلوک کریں، کیونکہ اس طرح میں نے ۵۳؍ برس گذار دیئے، اب نہ صحت نہ بیوی، بچے، موافق اگر سٹتے ہیں تو بیوی بچوں سے جدا ہوتے ہیں، مالی حالت ہمیشہ میری خراب رہی، میں کبھی غیر مقروض نہیں رہا، اس کے لیے بھی دعا کریں؟

المستفتی: محمد فیاض گوڑ اگڑھ بہار شریف نالندہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: والدین سے دلی محبت رکھیں وہ اگر چہ بیزار ہوں، مگر آپ ان سے بیزار نہ ہوں، موقع ملے تو ان کی خدمت بھی کیا کریں، بھائی اگر نقصان پہنچانے پر آمادہ ہوں تو ان سے تعرض نہ کریں، بس اپنے کام سے کام رکھیں، قرآن کریم میں ہر حالت میں والدین کے ساتھ حسن سلوک کی تعلیم دی گئی ہے۔

﴿وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا. [العنكبوت: ٨]﴾

﴿وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا. [الأحقاف: ١٥]﴾ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍ ربیع الاول ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۶۰۵۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۳/۴ھ

والد کے فاسد العقیدہ ہونے کے باوجود ان کا احترام ضروری

سوال [۱۰۱۹۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک دیندار لڑکے کے والد صاحب اس واسطے اس سے ناراض ہیں کہ وہ ان سے عقائد کے لحاظ سے جداگانہ ہے، والد صاحب دوسرے فرقہ سے واسطہ رکھتے ہیں جب کہ لڑکا صوم وصلاۃ کا پابند ہے اور والد صاحب صوم وصلاۃ کے پابند نہیں ہیں، دینیات کی کتابیں پڑھتے ہیں، مگر عمل نہیں کرتے، لیکن لڑکے سے ناراض رہتے ہیں، لڑکا اپنا علاحدہ

کما تا اور خرچ کرتا ہے، لڑکے کی شادی کو قریب دس سال ہو گئے ہیں، بچے بھی ہیں، کبھی کبھی مکان وغیرہ سے بے دخل کرنے کی دھمکی بھی دے چکے ہیں، اور لڑکا ان کے بدعتی عقائد کو پسند نہیں کرتا، بڑوں کا احترام کرنا واجب جانتا ہے اس کو کیا کرنا چاہیے؟ آگاہ کیجئے۔

المستفتی: اشفاق احمد محلہ سرسی مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: باپ کا احترام وعزت واطاعت ہر حال میں واجب ہے چاہے باپ بدعت یا کفریہ عقیدہ کیوں نہ رکھتا ہو، لڑکا اپنا عقیدہ مضبوط رکھتے ہوئے باپ کا احترام بھی ملحوظ رکھا کرے۔

عن أسماء بنت أبی بکر رضی الله عنهما قالت: قدمت علی أمی وهی مشرکة فی عهد قریش، إذ عاهدوا رسول الله ﷺ و مدتهم مع أبیها، فاستفتت رسول الله ﷺ فقالت: یا رسول الله! إن أمی قدمت علی وهی راغبة أفأصلها؟ قال: نعم صلیها. (صحیح البخاری، باب إثم من عاهد ثم غدر، النسخة الهندیة ۱/۴۵۲، رقم: ۳۰۸۰، ف: ۳۱۸۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴/رجب المرجب ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/۸۰۷)

باپ کی شان میں گستاخی، اور نافرمان اولاد کو محروم کرنا

سوال [۱۰۱۹۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ۲۰/ربیع الاول ۱۴۱۷ھ کو معزز ومکرم مفتیان کرام دار العلوم دیوبند نے جو فتویٰ صادر فرمایا ہے وہ سوالنامہ کے اعتبار سے بالکل صحیح ہے، مگر سوال واقعہ کے خلاف اور غلط تھا، واقعہ یہ ہے کہ جس وقت میں نے دوسری شادیاں کی تھیں، اس وقت میرے بیٹے ظہیر عالم کی عمر دس بارہ سال سے زیادہ نہیں تھی، اس نے جو تحریر کیا ہے بالکل جھوٹ ہے؟

المستفتی: ابوالحسن بارہ دری مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: دارالعلوم دیوبند کا جواب سوال کے لحاظ سے صحیح ہے، نیز حضرت مجیب مدظلہ العالی نے احتیاط کا جملہ بلاوجہ شرعی کی قید لگا کر بار بار تحریر فرمایا ہے کہ سب کچھ باپ کی ملکیت ہے اور اولاد کے درمیان وجہ شرعی کے بغیر فرق نہ کیا اور اب باپ کے وضاحتی سوالنامہ نے وجہ شرعی کی علت نافرمانی کو واضح کردیا ہے۔ (مستفاد: مجمع الانہر دار الکتب العلمیۃ بیروت ۳/ ۴۹۷، مصری قدیم ۲/ ۳۵۸، ہندیہ زکریا قدیم ۴/ ۳۹۱، جدید ۴/ ۴۱۶، محمودیہ قدیم ۱۴/ ۴۴۶، جدید ڈابھیل ۱۶/ ۵۰۴، فتاویٰ احیاء العلوم ۱/ ۲۸۳، احسن الفتاویٰ ۷/ ۲۵۶)

میں نافرمان اولاد کو کچھ بھی نہ دینے کی اجازت موجود ہے اور نہ دینے سے باپ گنہگار بھی نہ ہوگا، اب سوالات کے جوابات حسب ذیل ہیں، باپ کی تحریر سے واضح ہوتا ہے کہ باپ نے جس وقت دوسری شادیاں کیں تھی اس وقت بیٹے کی عمر صرف دس بارہ سال کی تھی اور اسکول میں پڑھ رہا تھا، اور پھر بیٹے کا یہ کہنا کہ شرکت اور محنت و مشقت کی کمائی سے باپ نے دوسری شادیاں کر کے اولاد میں اضافہ کیا ہے اور باپ کے بارے میں یہ کہنا کہ کاروبار سے زیادہ اپنے نفس پر توجہ دی ہے، یہ باپ کی شان میں گستاخی ہے، جو بیٹے کی دنیا اور آخرت کی بربادی کا سبب بن سکتی ہے، باپ کو اذیت دینا اور باپ سے زبان درازی کرنا باپ کو دلی صدمہ پہنچانا یہ سب بیٹے کے لیے نہایت خطرناک اور بربادی کا باعث ہے، بلا تاخیر باپ سے عاجزی و انکساری کے ساتھ معافی مانگ لینا ضروری ہے، حدیث شریف میں آیا ہے کہ باپ کی بددعا بیکار نہیں جاتی ہے:

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال قال رسول الله ﷺ: ثلاث دعوات مستجابات لا شك فيهن دعوة المظلوم و دعوة المسافر و دعوة الوالد على ولده. (ترمذي، باب ما جاء في دعوة الوالدين، النسخة الهندية ۲/ ۱۳ دار السلام رقم: ۱۹۰۵، سنن أبي داؤد، النسخة الهندية ۱/ ۲۱۵ دار السلام رقم: ۱۹۰۵)

تین قسم کی دعاؤں کی قبولیت میں کوئی شک نہیں ہے: (۱) مظلوم کی بددعا (۲) مسافر

کی بددعا (٣) بیٹے پر باپ کی بددعا یہ ضرور قبول ہوجاتی ہیں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٢٤ ربیع الثانی ١٤١٧ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٣٢/٤٧٩٣)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
٢٤/٤/١٤١٧ھ

والدصاحب کی نافرمانی وبے عزتی کرنااوران کے مال پر قبضہ کرنا

سوال [١٠١٩٧]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مجھے میرے لڑکے اور بیوی بے حد پریشان کررہے ہیں، تقریباً ایک سال ہوا گھر سے نکال دیا، اور ادھر ادھر رہتا ہوں، اس وقت میں حد سے زیادہ پریشان ہوں، نیز بدن بھی کمزور ہو چکا ہے، میری اس کمزوری کی حالت میں لڑکوں اور بیوی کا یہ معاملہ شرعاً کیسا ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں تحریر فرمائیں، نوازش ہوگی۔

اب صرف یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ مال میرا، مکان میرا، اور کھیت وغیرہ ساری جائیداد میری اور لوگ اس پر قابض ہیں، تو کیا شرعاً اس کے وہ لوگ حقدار ہیں یا میری جائیداد مجھے ملنی چاہیے جو بھی شرعی فیصلہ ہو تحریر فرمائیں۔

المستفتی: بھوندا، ساکن سکڑا، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جن لڑکوں نے اپنے باپ کو گھر سے نکال دیا اور اپنے باپ کی بے عزتی کی ہے ان کا انجام بہت سخت خطرناک ہے، عند اللہ سخت وعید کے مستحق ہوں گے، اللہ تعالیٰ قرآن کریم کے اندر باپ کو اُف کہنے سے بھی منع فرماتا ہے۔

﴿فَلَا تَقُلْ لَهُمَا أُفٍّ وَلَا تَنْهَرْهُمَا. [بنی اسرائیل: ٢٣]﴾

نیز بیوی کا اپنے شوہر کے ساتھ اس طرح معاملہ کرنا بیوی کے لیے باعث لعنت ہے، حالانکہ حضور ﷺ نے یہاں تک بیان فرمایا ہے کہ اگر کسی کو کسی کے لیے سجدہ کا حکم کرتا تو بیوی کو حکم کرتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے۔

عن قيس بن سعد قال: أتيت الحيرة فرأيتهم يسجدون لمرزبان لهم، فقلت: يا رسول الله! ألا نسجد لك؟ قال: لو أمرت أحدا أن يسجد لأحد لأمرت النساء أن يسجدن لأزواجهن، لما جعل الله عليهن من حقهم. (سنن الدارمي، باب النهي أن يسجد لأحد، دار المغني ۹۱۷/۲، رقم: ۱۵۰۴، سنن أبي داؤد، باب في حق الزوج على المرأة، النسخة الهندية ۲۹۱/۱۷ دار السلام رقم: ۲۱۴۰، سنن ابن ماجه، باب حق الزوج على المرأة، النسخة الهندية ۱۳۳/۱ دار السلام رقم: ۱۸۵۲، مشکوٰۃ شریف ۲۸۲/۲)

نیز باپ کو اختیار رہے کہ وہ مکان وجائیداد کو جس طرح چاہے استعمال کرے، چاہے فروخت کردے یا ہبہ کردے یا اپنے استعمال میں رکھے اور لڑکوں میں سے کسی کو نہ دے اور نافرمان لڑکوں کو نہ دے کر فروخت کردے تو باپ پر شرعی اعتبار سے کوئی اعتراض نہیں ہے۔

المالك وهو المتصرف في الأعيان المملوكة كيف شاء من الملك. (بیضاوی شریف، رشیدیہ ۷/۱)

الملك ما من شانه أن يتصرف فيه بوصف الاختصاص. (شامي مطلب: في تعريف المال زكريا ۲۳۵/۷، کراچی ۵۰/۵)

كل يتصرف في ملكه كيف شاء. (شرح المجلة رستم اتحاد ۶۵۴/۱، رقم المادة: ۱۱۹۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷ رصفر المظفر ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/۲۱۴۲)

والدین کی ناراضگی میں عبادات کی قبولیت کا حکم

سوال [۱۰۱۹۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک قاری صاحب نے مسئلہ بیان فرمایا ہے کہ اگر کسی شخص کے والدین اس سے ناراض ہوں تو اس شخص کا کوئی بھی عمل اللہ رب العزت کی بارگاہ میں قبول نہیں، جیسے روزہ،

نماز، حج، زکوٰۃ، تلاوت قرآن، حتی کہ نفلی عبادت بھی، آپ سے درخواست ہے کہ اس مسئلے کے بارے میں خلاصہ بیان فرمائیں کہ جب ماں باپ کی ناراضگی کی بنیاد پر اس شخص کا کوئی بھی عمل مقبول نہیں ہے اور حالات کے تحت والدین سے مصالحت بھی ناممکن ہو تو کیا یہ شخص درج بالا اعمال کرتا رہے یا پھر چھوڑ دے؟

المستفتی: محمد اعظم لال مسجد سرائے ترین سنبھل مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نماز روزہ وغیرہ عبادات کی ذمہ داری ساقط ہونا اور ساقط ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ کے یہاں قبولیت کے درجہ تک پہنچنا بالکل الگ الگ دو باتیں ہیں، لہٰذا کسی شخص سے اگر اس کے والدین ناراض ہوں، تو نماز روزہ وغیرہ ادا کرنے سے بہرحال اس کے اوپر سے فرائض وواجبات کی ذمہ داری پوری ہوکر ادا ہو جائے گی، مثال کے طور پر نماز پڑھے گا تو نماز کی ذمہ داری پوری ہو جائے گی، روزہ رکھے گا تو روزہ کی فرضیت ساقط ہو جائے گی، حج کرے گا تو حج کا فریضہ پورا ہو جائے گا، زکوٰۃ ادا کرے گا تو زکوٰۃ کی ذمہ داری پوری ہو جائے گی، لیکن ان عبادات کا اللہ کے یہاں مقبولیت کے ساتھ اجر اور ثواب کا ذخیرہ ہونا بالکل الگ بات ہے، اور ماں باپ کی ناراضگی سے ان عبادات کے اجر و ثواب سے محروم ہو جائے گا، لہٰذا نماز پڑھنے کا حکم اپنی جگہ بدستور باقی رہے گا، پڑھتے رہنا لازم اور ضروری ہے، بس اللہ کے یہاں ان کا ثواب جمع نہیں ہوگا، البتہ نہ پڑھنے کے عذاب سے حفاظت ہو جائے گی، اور یہ کہنا کہ حالات کے تحت والدین سے مصالحت ناممکن ہو رہی ہے، نہایت غلط بات ہے، لہٰذا اس پر اپنے کام سے توبہ کرکے ماں باپ کے پیروں میں پڑ کر ان سے معافی مانگ لینا لازم اور ضروری ہے۔

روی عن ثوبانؓ عن النبی ﷺ قال: ثلاثة لاينفع معهن عمل الشرك باللّٰه و عقوق الوالدين و الفرار من الزحف. (المعجم الكبير، دار إحياء التراث العربي ۲/ ۹۵، رقم: ۱۴۲۰)

عن أبي أمامةؓ قال قال رسول اللّٰه ﷺ: ثلاثة لا يقبل منهم يوم

القيامة صرف و لا عدل، عاق و منان ومكذب بقدر . (المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي ۸/ ۱۱۹، رقم: ۷۵٤۷)

قوله صرفا و لا عدلا : اختلف في تفسيرها، فعند الجمهور الصرف الفريضة والعدل النافلة، قال عياض : معناه لا يقبل قبول رضا و إن قبل قبول جزاء إلى ما قال و أنه لا يلزم من نفي القبول نفي الصحة وهذا كالصلاة في الدار المغصوبة فإنها صحيحة أي مجزئه غير مقبولة أي لا ثواب عليها في القول الصحيح فلا يلزم من نفي القبول نفي الصحة. (فتح الملهم، اشرفيه ۳/ ٤۰۳- ٤۰٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷ر جمادی الاولیٰ ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۰۳۰)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۷/ ۵/ ۱۴۲۴ھ

گستاخ لڑکا اپنے والد کے انتقال کے بعد اپنی گستاخی کا ازالہ کیسے کرے؟

سوال [۱۰۱۹۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کے والد صاحب کا انتقال ہوگیا ہے اور زید نے اپنے والد کی شان میں گستاخی کی تھی اس کا ازالہ کس طرح ہوسکتا ہے، زید اس بارے میں کافی نادم ہے؟

المستفتی: حبیب الرحمٰن شہباز پور کلاں مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اس کے ازالہ کے لیے صرف ایک شکل ہے کہ باپ کے لیے مغفرت کی دعا کرتے رہیں، اور ایصال ثواب کرتے رہیں، مستقل اور ہمیشہ کرتے رہیں، ان شاء اللہ زید کو اللہ پاک بری کردیں گے۔

عن أنس بن مالك رضي الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن العبد ليموت والداه أو أحدهما و إنه لهما لعاق فلا يزال يدعو لهما، ويستغفر لهما حتى

یکتبه الله بارا. (شعب الإیمان، فصل فی حفظ حق الوالدین بعد موتهما، دار الکتب العلمیة بیروت ۶/۲۰۲ رقم: ۷۹۰۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍ربیع الاول ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/۲۶۱۱)

مطلقہ کو ساتھ نہ رکھ کر دوسری شادی کرنے پر اولاد کی ناراضگی

سوال [۱۰۲۰۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں نے اپنی بیوی عذراء کو تین طلاق دوسال پہلے دیدی تھیں، اور میرے بچے اسی کو ساتھ رکھنے پر مجبور کررہے تھے، بالآخر میں نے خدا کا خوف کھا کر اس کو ساتھ نہ رکھ کر دوسری شادی خیر النساء سے کرلی، دوسرے شادی کرنے کے بعد میرے بچوں کا رویہ اور سلوک کافی برا ہوگیا، مجھے گھر سے نکال دیا اور مجھ سے ملنا جلنا چھوڑ دیا، اور پورے خاندان کو بھی مجھ سے الگ کردیا، میرے مکانات اور فرم کو بھی دھوکہ دے کر اپنے ناموں میں کرالیا تو بچوں کا یہ عمل کیسا ہے؟ اور میرے نکاح ثانی کے لیے ان کی ناراضگی شرعاً کیسی ہے؟ کیا دھوکہ دے کر مکانات، فرم کو اپنے ناموں میں کرالینے سے ان کے نام ہوجائیں گے، یا میں ہی مالک رہوں گا، کیا ان کو میرے ساتھ اس طرح کا سلوک کرنا جائز ہے؟ کیا پہلی بیوی کو رکھنا جائز ہے؟ شرعی حکم تحریر فرمادیں۔

المستفتی: حاجی محمد ذاکر محلہ اصالت پورہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفیق: تین طلاق کے بعد مطلقہ عورت کو ساتھ میں رکھنا بدکاری اور زناکاری ہے، عذاب خداوندی کا سخت خطرہ ہے، شرعی طور پر دوسری شادی کرنے کا مرد کو پورا اختیار ہے، اس میں کسی کو شکوہ وشکایت اور نکتہ چینی کا حق نہیں ہے، اور اولاد کے اوپر فرض ہے کہ باپ کے ساتھ اچھا برتاؤ اور حسن سلوک کا معاملہ باقی رکھے اور خاندان کے

لوگوں کوبھی اس بارے میں اعتراض کا حق نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا: کہ ماں باپ کے ساتھ برا سلوک مت کرو اوران کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔

﴿فَلَا تَقُلْ لَهُمَا أُفٍّ وَلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا. [بنی اسرائیل: ۲۳]﴾

اورحدیث میں آیا ہے کہ ماں باپ اگر کافر بھی ہوں تب بھی ان کے ساتھ بدسلوکی جائز نہیں، حسن سلوک کرنالازم ہے۔

عن أبيه سعد قال: أنزلت فى أربع آيات فذكر قصة، وقالت أم سعد: أليس قد أمر الله بالبر والله لا أطعم طعاما ولا أشرب شرابا حتى أموت أو تكفر قال: فكانوا إذا أرادوا أن يطعموها شجروافاها فنزلت هذه الآية ''ووصينا الإنسان بوالديه حسنا''. (ترمذی، من سورة العنكبوت، النسخة الهندية ۱۵۴/۲ دار السلام رقم: ۳۱۸۹)

اورمکانات وجائیداد دھوکہ سے اپنے نام کرالینے کی وجہ سے اولاد ان چیزوں کی مالک نہیں ہوگی، اصل ملک باپ کی ملکیت میں بدستور باقی رہے گی۔

صرح الفقهاء بأن من اكتسب مالا بغير حق فإما أن يكون كسبه بعقد فاسد كالبيوع الفاسدة أو بغير عقد كالسرقة والغصب والخيانة والغلول ففى جميع الأحوال المال الحاصل له حرام عليه ولكن إن أخذه من غير عقد و لم يملكه الخ. (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، سهارنپور قديم ۳۷/۱، دار البشائر الإسلامية ۳۵۹/۱، تحت رقم الحديث ۵۹) **فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
۱۶ ربیع الثانی ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۷۷۸/۳۷)

والدصاحب کے کہنے پر بیوی کوطلاق دیں یا نہ دیں؟

سوال [۱۰۲۰۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) زید کے والد اور زید کی اہلیہ کے درمیان تناؤ اور نزاع رہتا ہے، زید کے والد

اس کی اہلیہ کی خامیاں بیان کرتے ہیں اور زید سے یہ کہتے ہیں کہ تم اہلیہ کو اپنے ساتھ ہی رکھو، لیکن زید اپنے والد کی خدمت گذاری کی وجہ سے والد کے ساتھ رہنا چاہتا ہے تو ایسی صورت میں زید کیا کرے؟ اہلیہ کو رکھے یا والد کے ساتھ رہے؟

(۲) اس سے قبل ایک پنچایت ہو چکی ہے، نیز دوسری پنچایت ہونے والی ہے اگر اس پنچایت میں زید کی اہلیہ اور اس کے خسر اپنی لڑکی کی غلطی کو تسلیم کرتے ہیں تو زید کے والد اہلیہ کو اپنے گھر رہنے کی اجازت دیتے ہیں اور اگر غلطی تسلیم نہیں کرتے ہیں، بلکہ زید کے والد کی غلطیاں بیان کرتے ہیں تو زید کو طلاق دینے کو کہتے ہیں تو ایسی صورت میں زید طلاق دے یا نہ دے؟

المستفتی: زبیر عالم مدرسہ حیات العلوم پیرزادہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب زید کے والد زید کو یہ اجازت دے رہے ہیں کہ بیوی کے ساتھ دوسری جگہ رہے محض بیوی سے نا اتفاقی اور ان بن کی بنا پر اپنے گھر میں رہنے کو مناسب نہیں سمجھ رہے ہیں، تو زید کے لیے یہ جائز ہے کہ بیوی کے ساتھ علاحدہ رہے اور باپ کے ساتھ ہمدردی اور رواداری بدستور باقی رکھے۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ قدیم ۵/۲۸۲، جدید زکریا ۸/۲۶۴)

عن عبد اللہ بن عمرو عن النبی ﷺ قال: رضی الرب فی رضی الوالد وسخط الرب فی سخط الوالد. (سنن الترمذی، باب ماجاء من الفضل فی رضا الوالدین، النسخة الهندية ۲/۱۲ دار السلام رقم: ۱۸۹۹، مسند البزار مكتبه العلوم و الحكم ۶/۳۷۶ رقم: ۲۳۹۴)

لایجب علی الزوج تطلیق الفاجرة. (الدر مع الرد، كتاب النكاح، مطلب فيما لو زوج المولى أمته، زكريا ۴/۱۴۳-۱۴۴، كراچی ۳/۵۰، مصری قديم ۲/۴۰۲، النهر الفائق، دار الكتب العلمية بيروت ۲/۱۹۹)

اگر اس بیوی سے کوئی اولاد نہیں ہے تو اس کو طلاق دینے کی گنجائش ہے۔

فإن طلقها لرضاء الوالدین فهو جائز. (حاشية مشكوٰة ۲/۴۲۱)

اور اگر اس بیوی سے اولاد ہے یا فتنے میں مبتلا ہونے کا خطرہ ہے تو صبر سے کام لے

اورطلاق دینے میں عجلت نہ کرے اور باپ کو راضی کرنے کی کوشش کرے اور بیوی کو باپ کے احترام پر مامور کرے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۲/ ۴۶۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۹/ ۳۴۶۲)

ماں و بہنوں کے دباؤ سے بیوی کو طلاق دینا

سوال [۱۰۲۰۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر ماں اور بہنیں شادی کے آٹھ سال بعد دو بچوں کی پیدائش کے بعد بیوی کو طلاق دینے کی تلقین کریں اور دباؤ ڈالتی ہیں جبکہ اس سے پہلے بھی ایک بیوی کو طلاق کی شکل میں ختم کرا چکی ہیں یہ سب باتیں صرف مال اور جائیداد کے لالچ میں کرتی ہیں کیا ایسی صورت میں ماں اور بہنوں کے ساتھ تعلقات رشتہ داری ختم کرنا جائز اور صحیح ہے؟

المستفتی: سید مہتاب علی محلّہ بھٹی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ماں بہنوں کی طرف سے آپ کو دباؤ ڈال کر مال وجائیداد کے لالچ میں بیوی کو طلاق دینے پر مجبور کرنا ہرگز جائز نہیں ہے اور وہ اس عمل کی وجہ سے اللہ کے یہاں سخت گنہگار ہوں گی، لیکن ان کے اس عمل کی وجہ سے آپ کو ان سے رشتہ داری ختم کرنے کی بھی اجازت نہیں ہے، البتہ ان کے اس عمل کی وجہ سے آپ کو اپنا گھر بسانے کے لیے بیوی کے ساتھ الگ رہنا جائز ہے، اور الگ رہتے ہوئے ان کے خرچہ و اخراجات کا خیال رکھنا بھی آپ پر ضروری ہے۔

﴿وَقَضَى رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا. [الاسراء: ۲۳]﴾

﴿**من البر بهما والإحسان إليهما ألا يتعرض لسبّهما ولا يعقهما فإن ذٰلک من الکبائر بلاخلاف**. (قرطبی، سورۃ الإسراء، تحت رقم الآیة: ۲۳، دار

الکتب العلمیة بیروت ۱۰/۱۵۶)

فـإنه دل على الاجتناب عن جميع الأقوال المحرمة و الإتيان بجميع كـرائـم الأقـوال و الأفعال من التواضع و الخدمة و الإنفاق عليهما ثم الدعاء لهما فى العاقبة. (مرقاة، باب البر والصلة، امداديه ملتان ۹/۱۹۱)

ووصينا الإنسان بوالديه أى أمرناه أن يبرهما ويشكرهما ...... يجب بهـذه الآية الإنفاق على الأبوين الفقيرين وصلتهما وإن كانا كافرين. (تفسير مظهرى، سورة لقمان، تحت رقم الآية: ۱٤، زكريا ۷/۲۵۵)

عن طارق المحاربى قال قدمنا المدينة فإذا رسول الله ﷺ قائم على المنبر يخطب الناس وهو يقول يد المعطى العليا وابدأ بمن تعول أمك و أباك و أختك و أخاك ثم أدناك أدناك. (نسائى، باب أيتهما اليد العليا، النسخة الهندية ۱/۲۷۲ دار السلام رقم: ۲۵۳۳)

عن معاذ رضى الله عنه قال: أوصانى رسول الله ﷺ ...... ولاتعقن والديك و إن أمراك أن تخرج من أهلك و مالك. (مسند أحمد بن حنبل ۵/۲۳۸، رقم: ۲۲٤۲۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍ ذی الحجہ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۳۴۶)

والدین کو راضی کرنے کے لیے بیوی کو مارنے اور طلاق دینے کی شرعی حیثیت

سوال [۱۰۲۰۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) زید کے والد محترم زید کی بیوی سے ہمیشہ چھوٹی چھوٹی باتوں سے ناراض ہوتے رہتے ہیں، کیا زید اپنے والد محترم کو خوش کرنے کے لیے معمولی غلطی پر بیوی کو مار پیٹ کر سکتے ہیں یا نہیں؟

(۲) والدین کوراضی رکھنے کے لیے بیوی کوطلاق دینا کیسا ہے؟ جبکہ بیوی سے غلطی نہ کے برابر ہوتی ہے؟

المستفتی: مظفر الاسلام نئی بستی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) زید کی بیوی کی طرف سے زید کے والد کے حق میں کوئی نازیبا حرکت نہیں ہوتی ہے اور زید کے والد بلاوجہ اس کی بیوی سے ناراض ہوتے رہتے ہیں تو زید کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ محض والد کو خوش کرنے کے لیے اپنی بیوی کی پٹائی کرے اگر زید اس طرح بلاوجہ بیوی کو مارتا ہے تو یہ زید کی طرف سے بیوی پر بیجا ظلم ہے جو قطعاً جائز نہیں ہے۔

وقد نص بعض أصحابنا أن للزوج أن يضرب المرأة على أربع خصال وما هو في معنى الأربع ترك الزينة، والزوج يريدها و ترك الإجابة إذا دعاها إلى فراشه، و ترك الصلاة، في رواية: والغسل، والخروج من البيت إلا لعذر شرعي. (تفسير روح المعاني، سورة النساء، تحت رقم الآية ٣٤، زكريا ٤/٣٨)

(۲) اگر بیوی میں دینی واخلاقی معاشرتی کسی قسم کی خرابی نہیں ہے اور وہ اپنے شوہر کے والدین کو ستاتی بھی نہیں ہے اس کے باوجود اگر شوہر کے والدین اس سے ناراض رہتے ہوں تو ایسی صورت میں محض والدین کو خوش کرنے کی غرض سے بیوی کو طلاق دینا اس پر ظلم ہے، اور طلاق دینے سے شوہر گنہگار ہوگا۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۴/۵۱، جدید ڈابھیل ۱۲/ ۱۶۱)

وأما الطلاق فإن الأصل فيه الحظر والإباحة للحاجة إلى الخلاص فإذا كان بلا سبب أصلا لم يكن فيه حاجة إلى الخلاص بل يكون حمقا و سفاهة رأي و مجرد كفران النعمة. (شامي، كتاب الطلاق، زكريا ٤/٤٢٨، كراچی ٣/٢٢٨) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
۱۱/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۳ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۷۶۸۸)	۱۴۲۳/۶/۱۳ھ

والدین کا دوسری بیوی کو طلاق دینے پر مجبور کرنا

سوال [۱۰۲۰۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میرے ایک دوست ہیں، اعظم گڑھ کے رہنے والے ہیں، انہوں نے دو شادیاں کی ہیں، ایک شادی ماں باپ نے کی تھی، اور دوسری شادی کی خبر ماں باپ کونہیں تھی، اب ان کو معلوم ہوا ہے جس کی بنا پر ماں باپ اور دوسرے گھر والے ناراض ہیں اور کہتے ہیں کہ دوسری بیوی کو طلاق دیدو، ورنہ ہم بددعا کریں گے، اب وہ بیچارے بہت پریشان ہیں، اگر والدین کا کہنا مانیں، تو دوسری بیوی جس سے تین اولاد بھی ہے، ان کا کیا ہو؟ اور اگر طلاق نہ دیں تو ماں باپ کی بدعائیں ہیں؟ ان کو کیا کرنا چاہیے؟ تسلی بخش جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی: مولانا سہیل احمد صاحب دوحہ قطر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ حالات میں طلاق دینے میں بچوں کا نقصان اور عورت بے گناہ و بے قصور کی زندگی برباد ہونے کا قوی امکان ہے، اس لیے مصلحت طلاق نہ دینے میں ہے، جبکہ عورت کی وجہ سے والدین کے حقوق کی پامالی نہ ہو رہی ہو، اور طلاق نہ دینے میں نہ والدین کی نافرمانی ہے اور نہ گنہگار ہوگا، تاہم والدین کو کسی طرح راضی کرلیا جائے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۴/ ۵۰، جدید ڈابھیل ۱۲/ ۱۶۱، امداد الفتاویٰ ۲/ ۴۶۷)

قال الفقهاء إن كان القصور من الزوجة فالإطاعة واجبة وإلا فمستحبة. (تقریر ترمذی ص: ٤٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴/ صفر المظفر ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۵۴۳)

حصول رزق کی خاطر والدین کو چھوڑنا

سوال [۱۰۲۰۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کیا روزی حاصل کرنے کے لیے والدین کو چھوڑا جا سکتا ہے؟ جبکہ چھوٹا بھائی ان کے پاس موجود ہے اور چھوٹا بھائی ان کے اخراجات برداشت کرتا ہے؟

المستفتی: ابوفرمان، بھٹی اسٹریٹ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر والدین کے اخراجات وضروریات کا پورا انتظام موجود ہے اور راستہ بھی مامون ہے، تو جائز رہے گا ورنہ نہیں۔

و إن كان لا يخاف الضيعة عليهما بأن كانا موسرين ولم تكن نفقتهما عليه إن كان سفرا لايخاف على الولد الهلاك فيه كان له أن يخرج بغير إذنهما. (هنديه، كتاب الكراهية، الباب السادس والعشرون، زكريا قديم ٥/٣٦٥، جديد ٥/٤٢٢، الموسوعة الفقهية ٨٣/٢٩، الفتاوىٰ التاتارخانية زكريا ٢٤٢/١٨، رقم: ٢٨٦٤٧، المحيط البرهاني، المجلس العلمي ١١٠/٨، رقم: ٩٧٠٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹؍رمضان المبارک ۱۴۰۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/۲۱۴)

اولاد پر والد کا خرچ غرباء پر صدقہ کرنے سے مقدم اور لازم

سوال [۱۰۲۰۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص کے کئی لڑکے ہیں اور ان تمام لڑکوں میں سے صرف ایک لڑکا اپنے والد محترم کو جو کہ ضعیف نہیں، ہفتہ میں خرچ دیتا ہے، اور ان کے والد اسی خرچ میں سے اپنی ضروریات پوری کر لیتے ہیں اور اب وہ لڑکا بھی والد محترم کو ہفتہ میں خرچ دینے سے گریز کرتا ہے اور دیگر فقیر وغیرہ کو خیرات وزکوٰۃ دیتا ہے اور دستی وخفیہ بھی لوگوں کو دیتا رہتا ہے، تو کیا اس کے لیے جائز ہے کہ اپنے والد محترم کو پہلے خرچ نہ دے اور مندرجہ بالا کو پہلے دے، اس مسئلہ کی توضیح فرما کر جواب سے نوازیں۔

المستفتی: محمد زکریا مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مذکورہ میں سب لڑکوں پر اپنے والد کی ضروریات کا خرچ دینا واجب ہے۔

ویجب علی الأولاد ذکورهم و إناثهم نفقة الوالدین. (بنایہ اشرفیہ ۵/۶۹۹)

فإن کان الأولاد ذکورا و إناثا موسرین فنفقة الأبوین علیهم بالسویة فی أظهر الروایتین وفی الخانیة: وعلیه الفتویٰ. (الفتاویٰ التاتارخانیة زکریا ۵/۴۲۵، رقم: ۸۳۶۶، المبسوط للسرخسی، دار الکتب العلمیة بیروت ۵/۲۲۲، حاشیة چلپی، امدادیہ ملتان ۳/۶۴، زکریا ۳/۳۲۹)

استطاعت کے باوجود جو لڑکا والد کا خرچ نہ دے گا وہ گنہگار ہوگا، نیز ایک لڑکا جو باپ کا خرچ دیا کرتا ہے، اس پر لازم ہے کہ باپ کی ضروریات پوری کرے، بعد میں حسب استطاعت فقراء کو دیا کرے، باپ کو خرچ دینے سے گریز کرنا ناجائز ہے، عند اللہ سخت گنہگار ثابت ہوگا۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍جمادی الاولیٰ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/۲۶۱)

تمام اولاد پر والد کی ضروریات کا خرچ دینا واجب

سوال [۱۰۲۰۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص کے کئی لڑکے ہیں اور ان تمام لڑکوں میں صرف ایک لڑکا اپنے والد محترم کو تیس روپیہ ہفتہ دیتا ہے اور ان کے والد اسی تیس روپیہ میں دوا وغیرہ پوری کر لیتے ہیں، اور اب وہ لڑکا اپنے والد محترم کو روپیہ دینے میں دیر کرتا ہے، اور بھی روپیہ دوسرے فقیر وغیرہ کو دیتا ہے اور دستی خفیہ بھی لوگوں کو دیتا رہتا ہے، تو کیا اس کے لیے جائز ہے کہ اپنے والد محترم کو پہلے روپیہ نہ دے اور فقیر وغیرہ کو پہلے دے، اس مسئلہ کی توضیح فرمائیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مذکورہ میں سب لڑکوں پر والد کی ضروریات کا خرچ دینا واجب ہے۔

ویجب علی الأولاد ذکورهم و إناثهم نفقة الوالدین. (بنایه کتاب النفقات، اشرفیه ٥/٦٩٩)

فإن کان الأولاد ذکورا و إناثا موسرین فنفقة الأبوین علیهم بالسویة فی أظهر الروایتین وفی الخانیة: وعلیه الفتویٰ. (الفتاویٰ التاتارخانیة زکریا ٥/٤٢٥، رقم: ٨٣٦٦، المبسوط للسرخسی، دار الکتب العلمیة بیروت ٥/٢٢٢، حاشیة چلبی، امدادیه ملتان ٣/٦٤، زکریا ٣/٣٢٩)

اگر استطاعت کے باوجود کوئی لڑکا نہ دے تو گنہ گار ہوگا، نیز جو لڑکا تیس روپیہ دے رہا ہے، اس کو چاہیے کہ فقراء غریبوں کو خیرات کرنے سے پہلے اپنے والد کی ضروریات پوری کرے، اس کے بعد فقراء کو دے، ورنہ گنہگار ہوگا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
یکم ربیع الاول ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/۵۵۳)

والد کے قرض کا مطالبہ اولاد سے کرنے کی شرعی حیثیت

سوال [۱۰۲۰۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہم تین بھائی اور ایک والد محترم ایک کاروبار ۲۴/۸/۱۹۸۶ء تک ساتھ چلاتے تھے اس میں پانچ شریک تھے، تین بھائی ایک والد اور ایک صاحب باہر کے کچھ آپس میں غلط فہمیاں ہوئیں اور باہر کے شریک کے ساتھ شراکت ختم ہوگئی اس کے بعد ۶/ ماہ کے اندر بھائیوں اور والد صاحب کے بیچ بھی شراکت ختم ہوگئی، سب روپیہ والد صاحب کا ہی تھا، بھائی جوان ہوگئے، اور والد صاحب کے ساتھ کاروبار میں شریک ہوگئے۔

شراکت ختم ہونے پر ایک فیصلہ پنچوں کے درمیان ہوا، اس میں تمام باتیں طے ہوگئیں، تمام حساب کتاب پنچوں کی موجودگی میں والد صاحب کے سپرد کردیئے گئے، اس کے بعد آج تک جو روپیہ دینا تھا ابھی بھی دینا باقی ہے، اور لینا تھا وہ تقریباً وصول ہو چکا ہے، جس کو دینا تھا وہ اب میرے پاس آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم کو ہمارا روپیہ دو جبکہ ایک صاحب جو خود بھی اس فیصلہ میں پنچ تھے، ان کا روپیہ فرم پر چاہیے تھا، انہوں نے خود بھی فیصلے میں تحریر کیا ہے اور زبانی بھی فیصلہ کے وقت بات صاف ہوگئی تھی کہ دینداری تمام والد صاحب دیں گے، اس کے باوجود بھی برابر ان کا تقاضہ آتا رہتا ہے اور دوسرے اور تیسرے صاحب کا تقاضہ جاری ہے، اس سلسلے میں شرع کی روشنی میں خلاصہ فرمادیں کہ دینداری ہمارے اوپر واجب ہوتی ہے یا نہیں؟

المستفتی: تحسین الٰہی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب مذکورہ کاروبار کے تمام روپئے اور مالیت والد صاحب کو دیدی ہے اور اس کاروبار کے تمام لین دین کے ذمہ دار بھی وہی ہیں، اور اس کاروبار کی مالیت سے متعلق تمام ذمہ داریاں بھی انہیں کے سپرد کی جا چکی ہیں، اور فیصلہ نامہ سے بھی یہی بات واضح ہوتی ہے اس لیے تمام لین دین کا تعلق بھی آپ کے والد صاحب کے ساتھ ہوگا اور جب لین دار خود بھی اس فیصلہ میں موجود رہا ہے اور اس فیصلہ کو تسلیم کر چکا ہے تو لینے والے کو صرف آپ کے والد صاحب سے ہی مطالبہ کا حق ہوسکتا ہے، آپ سے شرعی طور پر کوئی واسطہ نہیں رہا ہے، شریعت نے مسلمانوں کو اپنی شرائط کا پابند بنایا ہے اور کسی کے مال کو اس کی مرضی کے بغیر حاصل کرنا جائز نہیں ہے۔

عن أبی حمید الساعدی، أن رسول اللہ ﷺ قال: لایحل لامرئ أن یأخذ مال أخیہ بغیر حقہ وذٰلک لما حرم اللہ مال المسلم علی المسلم.

(مسند أحمد بن حنبل ٥/٤٢٥ ط رقم: ٢٤٠٠٣)

المسلمون علی شروطهم. (قواعد الفقہ اشرفی ص: ١٢١، رقم: ٣١٩، صحیح البخاری، باب آجر السمسرة، النسخة الهندية ١/٣٠٣، سنن أبی داؤد، باب فی

الصلح، النسخة الهندية ٢/ ٥٠٦ دار السلام رقم: ٣٥٩٤)

لايجوز لأحد أن يأخذ مال أحد بلا سبب شرعي. (قواعد الفقه اشرفی ص: ١١٠، رقم: ٢٦٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶؍شوال المکرّم ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۶۶۱)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۶/۱۰/۱۴۱۴ھ

کیا باپ اپنی اولاد کو دیئے ہوئے قرض کا مطالبہ کرسکتا ہے؟

سوال [۱۰۲۰۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں نے اپنی بیوی رئیسن کے کہنے سے اپنے لڑکوں نور عالم، رضا علی، ایوب علی، و نسیم علی کو کچھ نقد رقم اور تقریباً چھ کوئنٹل پیتل کے برتن اور ایک سو چھتیس کلو سلی پیتل دیا تھا، وہ لڑکے اسے واپس نہیں کر رہے ہیں، مانگنے پر مار پیٹ اور جھگڑا کرتے ہیں، میں نے لڑکوں کو یہ سب چیزیں قرض کے طور پر دی تھیں، مجھے ان چیزوں کے مطالبہ کا حق ہے یا نہیں؟

المستفتی: غلام رسول لال مسجد مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آپ کے بیان کے مطابق آپ نے بیٹوں کو نقدی رقم اور پیتل کے برتن وغیرہ بطور قرض دیئے ہیں، لہٰذا آپ کو ان کے مطالبہ کا حق ہے، اور بیٹوں پر واپس کرنا واجب ہے، اور مطالبہ کرنے پر بیٹوں کا باپ کے ساتھ گستاخی کرنا اور ادائیگی نہ کرنا ظلم ہے، اور اپنی دنیا وآخرت کو برباد کرنا ہے۔

﴿فَلَا تَقُلْ لَهُمَا أُفٍّ وَلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا، وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا. [بنی اسرائیل: ٢٣]﴾

إن الديون تقضى بأمثالها على معنى أن المقبوض مضمون على القابض لأن قبضه بنفسه على وجه التملك، ولرب الدين على المدين

مثله. (شامی، الأیمان، باب الیمین فی الضرب والقتل وغیر ذٰلك، مطلب: الدیون تقضی بأمثالها، زکریا ٥/٧٦٥، کراچی ٣/٨٤٨)

یجب علی المقترض أن یرد مثل المال الذی اقترضه، إن کان المال مثلیا بالاتفاق. (الفقه الإسلامی وأدلته، هدی انٹرنیشنل دیوبند ٤/٥١٥، دار الفکر ٥/٣٧٩٣)

ولو دفع إلی ابنه مالا فتصرف فیه الابن، یکون للأب، إلا إذا دلت دلالة علی التملیک کذا فی الملتقط. (هندیه، الباب السادس فی الهبة للصغیر، زکریا قدیم ٤/٣٩٢، جدید ٤/٤١٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۰۴۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۵/۶ھ

لڑکے کا والد کی اجازت کے بغیر ان کا مال خفیہ طریقے سے لینے کا حکم

سوال [۱۰۲۱۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ باپ کا مال لڑکے اور لڑکی نے بغیر اجازت کے گھر سے نکالا اور کسی شخص کے یہاں لے جا کر رکھا ان کو بھی یہ معلوم ہوگیا کہ یہ مال بغیر اجازت کے چوری سے لائے ہیں، اس مال کو لڑکی لڑکے کو کھانا یا استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اس فعل سے ان کی عبادت میں تو کوئی فرق نہیں آتا، اور جن حضرات کے یہاں مال لے جا کر رکھا انہوں نے بھی لڑکے کے باپ سے کچھ نہیں کہا اور مال جانے دیا، کیا وہ بھی مجرم ہیں، اس طرح عبادت میں تو فرق نہیں آتا؟

المستفتی: عبد الحکیم نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: لڑکے کا باپ کی اجازت کے بغیر اپنے والد کا مال خفیہ طریقہ پر لے لینا جائز نہیں ہے۔

لایجب علی الأب نفقة الذکور الکبار. (عالمگیری، الفصل الرابع فی نفقة

الأولاد، زکریا قدیم ۱/۵۶۳، جدید ۱/۶۰۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵؍شعبان المعظم ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۳۵۸۰)

باپ کی زندگی میں اس کی جائیداد میں اولاد کا حق نہیں

سوال [۱۰۲۱۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) میرا ایک مکان ساڑھے اکیاسی گز کا ہے، میری بیوی بھی حیات ہے، میرے پانچ لڑکے اور دو لڑکیاں ہیں، سب لڑکے لڑکیوں کی شادی کر دی تھی، لیکن ایک لڑکی بیوہ ہے اس کی دو لڑکیاں ہیں جو میرے پاس رہ رہی ہیں، میرے لڑکے میرے ساتھ بدسلوکی کرتے ہیں، کوئی کھانا خرچہ نہیں دیتے ہیں، میں بوڑھا کمزور ہوں، میری حالت ایسی نہیں ہے کہ مزدوری یا کوئی اور کام کرسکوں، میرے لڑکے میری زندگی میں میرے مکان میں حصہ مانگتے ہیں، کیا میں خود مالک ہوں، یا لڑکوں کا بھی اس میں حق ہے؟ کیا لڑکوں کو مجھ سے مکان کا مطالبہ کرنا یا اس کو بیچنے پر مجبور کرنا جائز ہے؟

(۲) ان کا بدتمیزی کرنا اور مجھے ستانا کیسا ہے؟

المستفتی: محمد شفیق مقبرہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) شرعاً باپ اپنی زندگی میں سارے مکان اور جائیداد وغیرہ سب چیزوں کا خود مالک ہوتا ہے اس کی زندگی میں اس کی اولاد میں سے کوئی بھی مالکانہ حق نہیں رکھتی ہے، اور نہ ہی اولادوں کے درمیان تقسیم پر مجبور کرنے کا حق ہے اور اس کو پورا پورا اختیار ہے کہ اپنے مکان وجائیداد میں جس طرح چاہے تصرف کرے، چاہے بیچ کھائے، چاہے کسی کو دیدے، اور چاہے کسی کو بھی نہ دے اس کے اوپر کسی کا جبر ودباؤ نہیں ہے، اولاد میں سے کسی کا کوئی حصہ اس میں نہیں ہوتا ہے اور نہ ہی حصہ کے طور پر مانگنے کا حق ہوتا ہے۔

المالک هو المتصرف فی الأعیان المملوکة کیف شاء من الملک. (بیضاوی شریف، رشیدیه ۱/ ۷)

المالک للشیئ هو الذی یتصرف فیه باختیاره و مشیئته. (بدائع الصنائع، فصل بیان ما یبطل به الخیار، زکریا ۲/ ۶۳۸، کراچی ۲/ ۳۲۷)

(۲) اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اپنی عبادت کے ساتھ ماں باپ کے ساتھ رواداری اور ہمدردی کا حکم اسی طرح فرمایا ہے جس درجہ میں اپنی عبادت کا حکم دیا ہے اور ماں باپ کے سامنے اُف کہنے سے بھی منع فرمایا ہے، لہٰذا بیٹوں کے اوپر باپ کی فرمانبرداری اور باپ کے سامنے عاجزی وانکساری اختیار کرنا لازم اور واجب ہے اور باپ کوستانا عظیم گناہ ہے، دنیاوآخرت کی بربادی ہے۔

﴿قال الله تعالیٰ: فَلَا تَقُلْ لَهُمَا أُفٍّ وَلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا، وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا. [الاسراء: ۲۳]﴾

عن عبد الله بن عمرو عن النبی ﷺ قال: رضا الرب فی رضا الوالد وسخط الرب فی سخط الوالد. (ترمذی، باب جاء من الفضل فی رضا الوالدین، النسخة الهندیة ۲/ ۱۲ دار السلام رقم: ۱۸۹۹، مسند البزار، مکتبه العلوم و الحکم، ۶/ ۳۷۶، رقم: ۲۳۹۴) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
۱۶/ جمادی الثانیہ ۱۴۳۱ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۰۹۹)	۱۴۳۱/۶/۱۶ھ

والد کی فیملی میں رہ کر کمائی گئی جائیداد کا مالک کون؟

سوال [۱۰۲۱۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرے پانچ بھائی ہیں، اور والد ابھی بقید حیات ہیں، والد کی ملکیت میں کچھ

زمین وطن میں موجود ہے، اور یہاں یعنی بمبئی میں کچھ زمین بڑے بھائی کی ملکیت میں ہے، جس میں صرف دو بڑے بھائیوں کا سرمایہ صرف ہوا ہے، اب میرے بڑے بھائی کا کہنا ہے کہ جو زمین یہاں میری ملکیت میں ہے اس میں اگر میں چاہوں گا تو تم کو حصہ دوں گا ورنہ نہیں، اور اس کی وجہ وہ یہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے اسے اپنے سرمایہ سے کمایا ہے لہٰذا اس پر میرا حق ہے، اور دینا یا نہ دینا میری مرضی پر موقوف ہے؟

تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ میرے بھائی کا یہ کہنا از روئے شرع درست ہے یا نہیں؟ اور ہمارا اس میں حصہ شریعت کی جانب سے متعین ہوتا ہے یا نہیں؟ مہربانی فرما کر اس مسئلہ کا حل قرآن وحدیث کی روشنی میں مدلل تحریر فرما کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔

نوٹ: ہم تمام بھائی وطن میں والد کو سرپرست مانتے ہیں اور ممبئی میں بڑے بھائی کو ہی سرپرست تسلیم کرتے ہیں اور یہ بات بھی قابل غور ہے کہ جب گھر میں بہت سے لوگ کمانے والے ہوں تو ظاہر سی بات ہے کہ کوئی کم کمانے والا ہوگا اور کوئی زیادہ کمائے گا، اور جو زمین یہاں موجود ہے اس میں صرف دو بڑے بھائیوں کا پیسہ لگا ہے اسی لیے میرے بڑے بھائی کا کہنا ہے کہ جب الگ ہوں گے تو اس میں حصہ صرف سرمایہ لگانے میں شریک بھائی ہی کو دوں گا، اور دوسروں کو حصہ نہیں دوں گا، تو یہ کہنا صحیح ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد اجمل بمبئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: والد کی ماتحتی میں کام کرنے والے تمام لڑکوں کی آمدنی والد ہی کی ملکیت شمار ہوگی، لہٰذا والد کے انتقال کے بعد والد مرحوم کی تمام جائیداد ورثاء کے درمیان برابر تقسیم ہوگی، کسی ایک کو زیادہ کمانے کی بنا پر اس کو وراثت سے زیادہ حصہ نہیں دیا جائے گا، ہاں البتہ اگر بمبئی میں رہنے والے بھائیوں نے والد سے الگ ہو کر سرمایہ کمایا ہے اور اس میں والد کا کوئی تعاون نہیں رہا ہے، نہ کام کی ابتداء میں والد کا کم زیادہ سرمایہ رہا ہے بلکہ ان دونوں بھائیوں نے بلا کسی سرمایہ کے بے سروسامانی کے عالم میں اپنا کاروبار شروع کیا ہے پھر اسی سرمایہ سے زمین خریدی تو وہ انہیں دونوں بھائیوں کی شمار ہوگی، ورنہ والد کی ملکیت ہوگی، جس میں والد کے مرنے کے بعد باضابطہ وراثت جاری ہوگی۔

الأب و ابنه يكتسبان فى صنعة واحدة ولم يكن لهما شيئ فالكسب كله للأب إن كان الابن فى عياله لكونه معينا له. (فتاویٰ شامی، الشركة، مطلب: اجتمعا فى دار واحدة واكتسبا …… زكريا ٦/٥٠٢، كراچی ٤/٣٢٥، هنديه زكريا قديم ٣٢٩/٢، جديد ٣٣٢/٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰ر شعبان المعظم ۱۴۲۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۱۱۲/۳۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۷/۸/۱۰ھ

زندگی میں والد کے مکان میں لڑکوں کا کوئی حق نہیں

سوال [۱۰۲۱۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید اپنے والد کے ساتھ والد صاحب کے گھر میں رہتے ہیں، یعنی باپ بیٹے ایک ساتھ رہتے ہیں، زید کا کوئی خاص گھر نہیں ہے، جس وقت چاہیں اس کے والد گھر سے نکال سکتے ہیں، اس حالت میں زید کا گھر کون سا ہوگا؟ مع حوالہ جواب تحریر فرمائیں۔

المستفتی: محمد دانش علی محمد ارشد علی مغربی بنگال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جب زید باپ کے ساتھ ہے تو گھر اس کا نہیں ہے بلکہ باپ کا ہے۔

الأب و ابنه يكتسبان فى صنعة واحدة ولم يكن لهما شيئ فالكسب كله للأب إن كان الابن فى عياله لكونه معينا له. (فتاویٰ شامی، الشركة، مطلب: اجتمعا فى دار واحدة واكتسبا …… زكريا ٦/٥٠٢، كراچی ٤/٣٢٥، هنديه زكريا قديم ٣٢٩/٢، جديد ٣٣٢/٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷ر ذی الحجہ ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۲۷۱/۳۲)

باپ کوقتل کی دھمکی اور مار پیٹ کرنے والے کا باپ کی جائیداد میں حصہ

سوال [۱۰۲۱۴]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بیٹے نے باپ کوقتل کردینے کی دھمکی دی، گالیاں دیں، مارنے کے لیے ہاتھ اٹھایا اور بدسلوکی کی، باپ کے ساتھ اس طرح کا غلط عمل کرنے والا بیٹا کیا باپ کے کاروبار، مال اور دولت میں حقدار ہے؟

المستفتی: عبدالرب جگر کالونی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: باپ کی زندگی میں کسی بیٹے کا کوئی حق اس کے کاروبار وجائیداد میں نہیں ہے اور باپ کے لیے ایسا کرنا جائز ہے کہ اس نافرمان بیٹے کو کچھ نہ دے کر دوسری فرمانبردار اولاد کو دیدے اور اگر دوسری اولاد نہیں ہے تو ساری جائیداد کسی کو ہبہ کردے یا بیچ دے یا کارخیر میں وقف کردے۔

ولو كان ولده فاسقا و أراد أن يصرف ماله إلى وجوه الخير ويحرمه عن الميراث هذا خير من تركه. (هنديه، الباب السادس في الهبة للصغير، زكريا قديم ٤/ ٣٧١، جديد ٤/ ٤١٦)

الإرث جبري لايسقط بالإسقاط. (تكمله شامي، مطلب في حادثة الفتاوىٰ زكريا ١١/٦٧٨، كراچي ٧/٥٠٥)

وعلى جواب المتأخرين لا بأس بأن يعطي من أولاده من كان عالما متأدبا ولايعطي من كان فاسقا فاجرا. (مجمع الأنهر، كتاب الهبة، دار الكتب العلمية بيروت ٣/٤٩٧، مصري قديم ٢/ ٣٥٨) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴/ ذی قعدہ ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۲۲۸)

والدہ نے اپنی کمائی سے مکان تعمیر کرایا تو اس میں لڑکا حقدار ہے یا نہیں؟

سوال [۱۰۲۱۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مجھے ۲۵؍سال ہوگئے بیوہ ہوئے، میں نے اپنی کمائی کر کے اپنا مکان بنایا، میرے دو بچے ہیں، ایک لڑکا ایک لڑکی، دونوں کی شادی کردی، لڑکا بڑا ہے، لڑکے کی شادی ۱۹؍سال میں اور لڑکی کی شادی ۱۰؍سال میں کردی تھی، شادی سے پہلے میں نے حج کیا ہے، آج وہی لڑکا مجھ سے لڑرہا ہے، تین بار میرا گلا گھونٹ چکا ہے، اور رات بھی گلا گھونٹا ہے، میں رات مرنے سے بچ گئی، مکان میرے نام ہے اور میری لڑکی اپنا حصہ لینے سے منع کررہی ہے، لڑکا کہہ رہا ہے کہ میری کمائی کا ہے، اس کا فیصلہ میں کیا کروں، آپ اس کا فیصلہ بتا دیجئے، اور میرے ماں باپ کو برا بھلا کہتا ہے، میرے ماں باپ دنیا سے چلے گئے، ماں ابھی زندہ ہیں اور مجھے کوستا ہے اور کہتا ہے کہ تیری قبر میں کیڑے پڑیں گے، اور کہتا ہے کہ اس گھر سے نکل جاؤ، عورت عورت کر کے بولتا ہے، اسی نسل کا اس کا باپ تھا اس نے پہلا گھر بیچ کر کے طلاق دیدی، آپ اس کا فتویٰ دیدیجئے؟

المستفتیه: ہاجرہ خاتون محلّہ کٹار شہید مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر سائلہ اپنے بیان میں سچی ہے اور اپنی ہی کمائی سے مکان خریدا ہے تو وہ سائلہ کی ملکیت ہے، اس میں لڑکے کا کوئی حق نہیں ہے، سائلہ اگر چاہے تو فروخت کرسکتی ہے۔

المالک وهو المتصرف فی الأعیان المملوکة کیف شاء من الملک. (بیضاوی شریف، رشیدیه ۷/۱)

کل یتصرف فی ملکه کیف شاء. (شرح المجلة، رستم اتحاد ۶۵٤/۱، رقم المادة: ۱۱۹۲)

نیز لڑکے کا اپنی والدہ کو مارنا اور گلا گھوٹنا بہت بڑا گناہ عظیم ہے۔

عن أنس بن مالک رضي الله عنه قال: ذکر رسول الله ﷺ الکبائر فقال الشرک بالله وقتل النفس وعقوق الوالدين. (مسلم شريف، باب بيان الكبائر و أكبرها، النسخة الهندية ١/ ٦٤ بيت الأفكار رقم: ٨٨، صحيح البخاري، باب عقوق الوالدين من الكبائر، النسخة الهندية ٢/ ٨٨٤، رقم: ٥٧٤٣، ف: ٥٩٧٧)

نیز گذرے ہوئے لوگوں کو برا بھلا کہنا جائز نہیں ہے۔

عن ابن عمر – رضي الله عنه – قال: قال رسول الله ﷺ: أذكروا محاسن موتاكم، وكفوا عن مساويهم. (سنن أبي داؤد، باب النهي عن سب الموتىٰ، النسخة الهندية ٢/ ٦٧١ دار السلام رقم: ٤٩٠٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
۱۹؍صفر المظفر ۱۴۱۳ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/۳۰۲۵)	۱۴۱۳/۲/۱۹ھ

والد کو مکان کے لیے بطور قرض دی ہوئی رقم سے کیا لڑکا مکان کا مالک ہوجائے گا؟

سوال [۱۰۲۱۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ تقریباً ۱۲؍سال قبل میرے ماموں نے کچھ رقم بطور ہدیہ مجھے دی تھی، البتہ میرے قبضہ میں نہ دیتے ہوئے انہوں نے وہ رقم میرے والدین کے پاس رکھوا دی تھی، والدین نے اسے کاروبار میں لگایا، جس میں کچھ نفع ونقصان ہوا، جس کی تفصیلات کا مجھے علم نہیں، پھر سات سال پہلے میری شادی ہوئی، اس میں بھی ماموؤں نے کچھ رقم والد صاحب کو دی تھی۔ (ولیمہ وغیرہ میں خرچ کرنے کے لیے)

شادی کے ڈیڑھ سال بعد والد صاحب نے سارے پیسوں کا حساب کیا، جو رقم ماموؤں نے پہلے دی تھی یا میری شادی میں دی تھی یا بچپن میں میرے نام سے دی ہوئی کسی کی رقم جو والد صاحب نے اپنے استعمال میں لے لی تھی، ان سب کو جوڑ کر اور ان میں اپنی طرف سے ۵۰۰۰۰ ہزار مزید ملا کر پوری رقم اپنے پاس رکھ لی، جس کی مقدار مجھے معلوم نہیں۔

پھر ایک زیر تعمیر عمارت میں میرے لیے گھر بک کروایا، بکنگ کے وقت اس گھر کو میرے ہی نام سے بک کروایا، کاغذات پر دستخط بھی میں نے ہی کیے، اس وقت میں بیرون ملک رہتا تھا، چھٹیوں میں گھر آیا ہوا تھا۔

کچھ قیمت اسی وقت ادا کی گئی، اور بقیہ قسط وار ادا کی گئی، جس میں سے ۳/ لاکھ ۲۷/ ہزار روپئے والد صاحب نے دیئے، اور دو لاکھ روپئے میں نے دیئے، یوں وہ گھر ہمیں ۵/ لاکھ ۲۷/ ہزار روپئے میں پڑا۔

تعمیر مکمل ہو جانے کے وقت میں بیرون ملک تھا، اس لیے والدین نے اسے مشترکہ طور پر اپنے نام رجسٹر کروالیا، کچھ سال تک اس کی دیکھ ریکھ اور اس کا خرچ بھی والد صاحب ہی برداشت کرتے رہے، البتہ ۲۰۰۸ء میں بیرون ملک سے واپس آجانے کے بعد سے اس کی دیکھ ریکھ صاف صفائی میں ہی کر رہا تھا، اور ۲۰۰۹ء میں، میں نے اسے کرایہ پر دیدیا، اس کے بعد سے اس کا خرچ بھی میں اٹھا رہا تھا، بیرون ملک سے لوٹنے کے بعد اسے میرے نام کرنے کی بات آئی مگر والد صاحب نے کہا کہ اس میں بہت پیسے خرچ ہوں گے، اس کی کیا ضرورت ہے؟ مگر اب سے کچھ مہینوں پہلے میں نے پھر درخواست کی کہ اب اسے میرے نام کر دیجئے، تو امی ابا دونوں راضی ہو گئے، والد صاحب نے خود ہی وکیل سے بات کی اور پیپر بنانے کے لیے کہا، اپنی تصویریں بھی مجھے دیں کہ یہ وکیل صاحب کو دیدینا، مگر جب سارے کاغذات بن گئے والد صاحب نے اسے پڑھ کر اس کی تصحیح بھی کروائی، اب صرف ان کے دستخط باقی تھے کہ اچانک والدین کا رویہ بدل گیا، کئی دن تک تو ٹالتے رہے، پھر ایک دن صاف کہہ دیا کہ وہ گھر ہم تجھے نہیں دیں گے، پہلے ہماری نیت تھی، دینے کی مگر وصیت آخری وقت میں بھی بدلی جا سکتی ہے، لہٰذا اب ہم وہ گھر تجھے نہیں دیں گے، ہاں آئندہ کبھی دل ہوا تو دیکھیں گے، حالانکہ اس سے پہلے ہمیشہ اس گھر کو میرا گھر کہا جاتا تھا، میری والدہ نے میرے بھائیوں سے بھی کہا تھا، کہ دیکھو وہ گھر آصف کا ہے، کرایہ داروں سے خالی کروا کر وہ گھر میں اپنے تابع میں بھی لے چکا تھا، کہ یہ حادثہ پیش آیا، لہٰذا میں جاننا چاہتا ہوں کہ:

(۱) وہ گھر میرا ہے یا نہیں؟

(۲) اگر نہیں تو اس میں میرا حق ہے یا نہیں؟ ہے تو کتنا؟ اس وقت اس گھر کی قیمت تقریباً ۱۵/لاکھ روپئے ہے، جبکہ ہم نے اسے ۵/لاکھ ۲۷/ ہزار روپئے میں خریدا تھا؟

(۳) والدہ کا کہنا ہے کہ ہم تجھے ۲/لاکھ روپئے دیدیں گے، تو کیا میرا حق بس ۲/ لاکھ روپئے ہے؟

(۴) کبھی والدہ صاحبہ کہتی ہیں کہ ہم نے تجھ پر بچپن میں بہت خرچ کیا تھا، لہٰذا اب تیرا کوئی حق نہیں، ان کا یہ کہنا درست ہے یا نہیں؟

(۵) والدین کو اس گھر کی ضرورت نہیں، ان کے پاس ماشاء اللہ، اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا بہت ہے، اور مجھے اس وقت پیسوں کی سخت ضرورت ہے، تو کیا میں ان سے اپنے حق کا مطالبہ کرسکتا ہوں؟ اس میں ان کی بے ادبی تو نہیں ہوگی؟

المستفتی: محمد آصف بن محمد اسماعیل شیخ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آپ کے ماموؤں نے جو پیسہ بچپن میں دیا ہے اس کا حساب متعین ہونا چاہیے تب کوئی بات کہی جاسکتی ہے اس کے بغیر نہیں، اور شادی کے موقع پر ولیمہ میں خرچ کرنے کے لیے جو دیا ہے اس سے مکان کا کوئی تعلق نہیں وہ تو ولیمہ میں خرچ ہوگیا، اب رہی یہ بات کہ مکان کی خریداری کے وقت میں دو لاکھ روپیہ جو آپ نے والد کو دیئے ہیں صرف اس کا مسئلہ رہ جاتا ہے، اس سلسلے میں تفصیل یہ ہے کہ اگر آپ باپ کی فیملی میں رہ رہے ہیں اور باپ کی فیملی میں آپ نے اپنے بیوی بچوں کو چھوڑ کر باہر جا کر کمایا ہے اور آپ کی بیوی بچوں کا خرچ والد ہی اٹھا رہے ہیں تو ایسی صورت میں آپ جو باہر سے کما کر لائے ہیں وہ بھی آپ کے والد کی ملکیت ہے، اور پورا مکان بھی باپ کی ملکیت ہوگا، اور اگر آپ باپ کی فیملی سے الگ رہ رہے ہیں اور علاحدگی کے زمانہ میں باہر سے کما کر دو لاکھ روپیہ باپ کو بطور قرض دیئے ہیں جو واپس لینے ہیں اور باپ نے اس پیسہ کو تعمیر میں لگا دیا ہے تو ایسی صورت میں آپ اپنے

والد سے صرف اس دولاکھ روپیہ کا مطالبہ کرسکتے ہیں اور دولاکھ روپیہ نہ ملنے کی صورت میں مکان کے اندراسی کے بقدر شریک ہوسکتے ہیں۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۶/۴۰۴)

ثم هذا في غير الإبن مع أبيه لما في القنية: الأب و ابنه يكتسبان في صنعة واحدة ولم يكن لهما شيئ فالكسب كله للأب إن كان الابن في عياله لكونه معينا له. (فتاوىٰ شامي، الشركة، مطلب: اجتمعا في دار واحدة واكتسبا ...... زكريا ٦/٥٠٢، كراچی ٤/٣٢٥، هنديه زكريا قديم ٢/٣٢٩، جديد ٢/٣٣٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵/ربیع الاول ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۰۳۴/۴۰)

کیا بیٹے بہو پر ساس سسر کا نفقہ لازم ہے؟

سوال [۱۰۲۱۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرا لڑکا محمد اکرم اور اس کی بیوی نے میرے ساتھ اتنی بدتمیزی کی ہے کہ ناقابل ذکر ہے، مثلاً مجھے نمک حرام، جنگلی کتا تک بتایا ہے، اور ایسے ایسے الزام لگائے، مثلاً میرے دوسرے لڑکے محمد اسلام کے بچوں کو یہ کہہ دیا کہ اولاد میرے لڑکے اسلام کی نہیں، بلکہ مجھ سے (میرے سے ہے) اور بہت سے الزامات ہیں، اور میرا لڑکا ان باتوں پر اس کی سرزنش نہیں کرتا بلکہ تمام گالیوں کو سنتا رہتا ہے، تو شریعت کی نظر میں میرے لڑکے اور اس کی بیوی کی یہ حرکتیں جائز ہیں یا ناجائز؟ ایسے لوگوں کے لیے شریعت میں کیا حکم ہے؟

(۲) میرے لڑکے محمد اکرم نے میرے داماد اور میری لڑکی اور میرے دوسرے لڑکے اسلام کو بلا کر کہا کہ میرا ان ماں باپ سے پیچھا چھڑادو، میں ان کو روٹی نہیں کھلاسکتا، تو یہ بیچارے ماں باپ اپنی روزی روٹی کے لیے کہاں جائیں؟ کیا خوشحال لڑکے پر اور اس کی بیوی پر بوڑھے اور لاچار ماں باپ کا نفقہ نہیں ہے؟ شریعت کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: محمد یعقوب پیرزادہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفیق: (۱) شریعت میں جانبین کی کچھ ذمہ داریاں ہیں، ساس سسر کے اوپر لازم ہے کہ بہو کے ساتھ انتہائی شفقت اور رواداری سے پیش آئے اور اس کو اپنی بیٹی کی طرح بنائے رکھیں تاکہ اس کے دل میں ساس سسر کے بارے میں کسی قسم کا تکدر پیدا نہ ہو، اگر ساس سسر کی طرف سے اس طرح شفقت ومحبت کا معاملہ ہو تو بہو اس پر مجبور ہوجائے گی کہ ساس سسر کا خیال رکھے اور ان کو ماں باپ کا درجہ دے، اور سوالنامہ میں جس طرح کے جھگڑے کا ذکر ہے وہ جانبین سے اس طرح کی باتیں نہ ہونے کی وجہ سے ہے بہت سی جو غلطیاں ہوجائیں، ان کو معاف کرکے محبت کا معاملہ کرنا چاہئے اور بہو کے اوپر لازم ہے کہ ساس اور سسر کا ماں باپ کی طرح عظمت واحترام کرے اور کوئی غلط جملہ ان کے حق میں استعمال نہ کرے اور سوالنامہ میں جس طرح کی مغلظ اور الزام کی باتیں ہیں یہ جانبین کے لیے قطعاً جائز نہیں ہیں، اس طرح کی باتوں سے گریز کرنا ہر ایک پر لازم ہے، ورنہ گناہ کبیرہ کے مرتکب ہوں گے۔

عن عبد اللهؓ قال قال رسول الله ﷺ: لیس المؤمن بالطعان ولا اللعان ولا الفاحش ولا البذی (وفی روایة) ولم یکن النبی ﷺ فاحشا ولا متفحشا. (صحیح البخاری، باب خوف المومن أن یحبط عمله وهو لایشعر، النسخة الهندیة ۱/۱۲، رقم: ۴۸)

(۲) اگر ماں باپ بوڑھے لاچار ہیں تو بیٹے کے اوپر ان کا خرچہ لازم ہے، لیکن ماں باپ کے اوپر بھی لازم ہے، کہ بدزبانی اور سخت گیری سے اپنے کو دور رکھیں، اور بہو و بیٹے کے ساتھ انتہائی شفقت ورواداری کا معاملہ کریں، ساتھ رہنے میں اگر نبھاؤ نہیں ہوسکتا، تو بیٹے کو چاہیے کہ ماں باپ سے الگ رہائش اختیار کرلے، اور اپنی کمائی میں سے ماں باپ کے خرچ کا خیال رکھا کرے۔

قال ویجبر الولد الموسر علی نفقة أبیه و أمه إذا کانا محتاجین هکذا ذکر الإمام خواهرزاده و شمس الأئمة السرخسی والخصاف فی کتابه ...... وفی الهدایة:

لایشارک الولد أحد فی نفقة أبویه. (تاتارخانية ٥/٤٢٤، رقم: ٨٣٦٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸ر جمادی الثانیہ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۱۴۱)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۴/۶/۱۸ھ

اولاد کی جائیداد میں والدین کا حق

سوال [۱۰۲۱۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید ضعیف ہو گیا ہے، کوئی کام کرنے کے قابل نہیں رہا اور علاوہ مکان کے کوئی ایسی جائیداد نہیں جس کو فروخت کر کے اپنی اور اپنی اہلیہ کا گذر بسر ہو سکے، زید کے دو لڑکے ہیں اور یہ دونوں اب الگ الگ ہو گئے ہیں، اور انہوں نے جو کچھ کمایا تھا وہ روپیہ آپس میں آدھا آدھا تقسیم کر لیا ہے، اور زید کو ایک حبہ نہیں دیا تو بتائیے لڑکوں کی کمائی و بنوائی جائیداد میں والدین کا شرعاً کتنا حق ہوتا ہے یا نہیں ہوتا ہے؟

المستفتی: حبیب الرحمٰن شہباز پور کلاں مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر دونوں لڑکوں نے باپ کے ساتھ باپ کی فیملی میں رہ کر کمایا تھا، اور بعد میں دونوں لڑکے جدا ہو رہے ہیں تو ایسی صورت میں دونوں لڑکوں کی ساری کمائی باپ کی ملکیت ہے، باپ کی مرضی ہے جتنا چاہے تقسیم کر دے اور جتنا چاہے اپنے پاس رکھ لے، اور چاہے تو ابھی دونوں لڑکوں کو کچھ نہ دے، اس لیے باپ سے الگ ہوتے وقت سارا مال باپ کو نہ دے کر، دونوں لڑکوں کا آپس میں تقسیم کر لینا قطعاً جائز نہیں۔

الأب و ابنه یکتسبان فی صنعة واحدة ولم یکن لهما شیئ فالکسب کله للأب إن کان الابن فی عیاله لکونه معینا له. (فتاویٰ شامی، الشرکة، مطلب: اجتمعا فی دار واحدة واکتسبا ...... زکریا ٦/٥٠٢، کراچی ٤/٣٢٥، هندیه زکریا قدیم ٢/٣٢٩، جدید ٢/٣٣٢)

اور اگر باپ کے ساتھ رہنے کے زمانہ میں دونوں لڑکوں نے کچھ نہیں کمایا ہے اور خالی ہاتھ

الگ ہو گئے ہیں اس کے بعد کما کر دونوں نے آپس میں تقسیم کرلیا ہے تو ایسی صورت میں ساری کمائی کے مالک وہ دونوں لڑکے ہوں گے، لڑکوں پر برابری کے ساتھ ماں باپ کا خرچہ اخراجات نان ونفقہ واجب ہوگا، جس درجہ کا خرچہ اپنی بیوی پر خرچ کرتے ہیں اسی درجہ کا ماں باپ پر کرنا لازم ہے۔

وفی الخانية: فإن كان للفقير ابنان أحدهما فائق فی الغنی والآخر يملک نصابا كانت النفقة عليهما على السواء. (البحر الرائق، كتاب الطلاق، باب النفقة، كوئٹه ٤/٤٠٦، زكريا ٤/٣٥٠)

وأشار بقوله ولأبويه إلى أن جميع ما وجب للمرأة يجب للأب والأم على الولد من طعام و شراب و كسوة وسكنیٰ حتى الخادم أو جارية إذا كان الأب محتاجا إلى من يخدمه. (البحر الرائق، كتاب الطلاق، باب النفقة، كوئٹه ٤/٢٠٦، زكريا ٤/٣٥٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ رصفر المظفر ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۹۴۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۴/۲/۲۹ھ

بھائی اور والدہ کا اولاد کا حق مارنا

سوال [۱۰۲۱۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بڑے بھائی نے مکان مبلغ پچاس ہزار روپئے میں فروخت کر دیا اس بات کو تقریباً ۲۰ رسال ہو گئے ہر بھائی کے حصہ میں بارہ ہزار پانچ سو روپئے آئے، میرا حصہ بڑے بھائی نے اپنے مکان میں صرف کرلیا، میرے حصہ کی آج کی موجودہ رقم تقریباً تین لاکھ بنتی ہے، اس کے علاوہ میری زمین کی ۶ رسال کی پیداوار بھی انہوں نے ضبط کرلی، مجھے فقط ۱۱۰۰۰ ہزار روپئے دیئے ہیں، مفتی صاحب اگر یہ میری رقم دیدیتے ہیں تو میں اپنے معصوم بچوں کے رہنے کا ٹھکانہ بنالیتا، فی الوقت میرا اپنا کوئی مکان نہیں ہے، اس کے علاوہ میری والدہ نے چودہ سال کی زمین کی پیداوار میری بغیر مرضی کے دوسرے رشتہ داروں پر خرچ کردی جو کہ تقریباً ایک

لاکھ بنتی ہے، میں نے جب والد سے والدہ کے مکان میں اس رقم کے بدلے میں حصہ مانگا تو دینے سے انکار کردیا، پھر میں نے کہا کہ مکان میں حصہ نہیں دیتے ہو تو میری رقم مجھے دیدو، تو مجھے رقم دینے سے بھی انکار کردیا جبکہ اس مکان کی تعمیر میں فدوی نے جانی ومالی طور پر اہم کردار ادا کیا ہے؟

المستفتی: لیاقت حسین ولد امانت حسین بریلی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آپ کا جو کچھ بھی شرعی حق ہے وہ آپ کو ملنا چاہیے، اور جو بھی آپ کے حق کو دبائے گا قیامت کے دن اللہ کے دربار میں پکڑا جائے گا، اور جس بھائی نے آپ کا پیسہ مکان میں صرف کردیا، ضروری تھا کہ وقت پر آپ کا پیسہ آپ کو ادا کردیتا اور آپ کو نہ دینے کا گناہ اس کے سر رہے گا، مگر ۱۲۵۰۰ کے بجائے اس پر زائد پیسہ آپ کو نہیں ملے گا، اس لیے کہ زائد پیسہ سود کے درجے میں ہوجائے گا، اور بڑے بھائی نے جو آپ کی چھ سال کی پیداوار کو ضبط کرلیا ہے اگر آپ کو ادا نہیں کرے گا تو اللہ کے یہاں ماخوذ ہوگا، اس کو چاہیے کہ آپ کا حق آپ کو ادا کردے، اور اسی طرح والدہ نے جو آپ کی زمین کی آمدنی آپ کی اجازت کے بغیر دوسروں پر صرف کردی ہے اس کا گناہ آپ کی والدہ پر ہوگا یہ الگ بات ہے کہ والدہ ہونے کی وجہ سے آپ معاف کردیں۔

عن سعید بن زید بن عمرو بن نفیل ان رسول الله ﷺ قال: من اقتطع شبرا من الأرض ظلما طوقه الله إياه يوم القيامة من سبع أرضين.
(مسلم شریف، کتاب المساقات والمزارعة، باب تحريم الظلم وغصب الأرض، النسخة الهندية ۲/۳۲، بيت الأفكار رقم: ۱٦۱۰)

لايجوز لأحد أن يتصرف في ملك الغير بغير إذنه. (قواعد الفقه اشرفی ص: ۱۱۰ رقم: ۲٦۹، شرح المجلة رستم اتحاد ۱/٦۱، رقم المادة: ۹٦) **فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
یکم ذی الحجہ ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۰۸۸۲)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۳/۱۲/۱ھ

۳ باب حقوق الأقارب

اہل خانہ کے حقوق کی ترتیب

سوال [۱۰۲۲۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص بال بچوں دار ماں باپ بھائی بہن، عزیز واقارب سب موجود ہیں، تو اس کے اوپر ان کے حقوق کس ترتیب سے واجب ہوتے ہیں؟

المستفتی: محمد ہارون راجستھان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بیوی کا خرچہ اس وقت لازم ہوتا ہے کہ جب فرمانبردار ہو اور شوہر ہی کے پاس رہ کر اس کا حق ادا کرتی ہو اس کے بعد نابالغ اولاد پھر والدین پھر نابالغ بہن کا خرچہ لازم ہوتا ہے۔

عن طارق المحاربی قال: قدمنا المدينة فإذا رسول الله ﷺ قائم على المنبر يخطب الناس وهو يقول: يد المعطى العليا، وابدأ بمن تعول: أمک، وأباک، وأختک وأخاک ثم أدناک أدناک. (سنن النسائی، باب أيتهما اليد العليا، النسخة الهندية ۱/۲۷۲ دار السلام رقم: ۲۵۳۲، مسند البزار، مكتبه العلوم والحكم ۵/۱۳۸-۳۲٤)

الأصل فی نفقة الوالدين والمولودين القرب بعد الجزئية دون الميراث أی تعتبر أو لا الجزئية أی جهة الولاد أصولا أو فروعا. (شامی، كتاب الطلاق، باب النفقة، زكريا ۵/۳۵٦، كراچی ۳/٦۲۳، الفتاویٰ التاتارخانية زكريا ۵/٤۲۸ رقم: ۸۳۷۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍صفر المظفر ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۶۲۱)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/۲/۸ھ

یتیم بچوں کی کفالت کا حق

سوال [۱۰۲۲۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے بھائی محمد خالد کا اچانک سال گذشتہ انتقال ہو گیا، دوسرے دن ان کی اہلیہ کا انتقال ہو گیا، دریافت یہ کرنا ہے کہ مرحوم بھائی کے یتیم بچے کس کی کفالت میں رہیں گے،اور نانی ماموں اور چچا میں سے کون ان کا ولی ہوگا؟ ازروئے شرع جواب دیں؟

المستفتی: محمد طیب محمد ناظر دیبا سرائے سنبھل

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مسئولہ میں ان بچوں کی کفالت کا زیادہ مستحق مذکورین میں سے وہ ہے جو اپنی جیب خاص سے بخوشی ان پر تبرع واحسان کرتے ہوئے ان کا خرچہ برداشت کر سکے،اس لیے کہ اس میں یتیم کا زیادہ فائدہ ہے، اوران کی وراثت وغیرہ کا مال آپس کے مشورہ سے کسی ایک کو ذمہ دار بنا کر اس کے پاس محفوظ رکھنا ضروری ہے، اس میں سے کسی کو بھی اپنے ذاتی مصرف میں استعمال کرنے کی اجازت نہیں ہے،اور بالغ ہونے کے بعد یہ مال ان کے حوالہ کر دینا لازم ہے، اور اگر مذکورین میں سے کوئی بخوشی اپنی جیب خاص سے خرچ کرنے والا نہیں ہے تو اب بلوغ تک پرورش کا حق نانی کو ہے، اور نانی ان بچوں کے مال سے ان کا خرچہ لے سکتی ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم ۱۱/۱۰۰، امداد الاحکام ۴/ ۴۴۹)

﴿**قال اللّٰه تعالیٰ: اِنَّ الَّذِيْنَ يَأْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتَامٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَأْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا.** [النساء: ۱۰]﴾

والحاصل أنه كالقاضي إلى في مسائل. (در مختار، قبيل باب كتاب القاضي إلى القاضي، زكريا ۸/ ۱۳۰، كراچی ۵/ ۴۳۱)

تثبت الحضانة للأم ...... ثم أم الأم. (در مختار، كتاب الطلاق، باب الحضانة، زكريا ۵/۲۵۳-۲۶۲، كراچی ۳/۵۵۵-۲۶۳)

وليس لغير أبيه و جده و وصيها التصرف في ماله هذا إذا لم يكن في

حجرہ. (جامع الفصولين ۲/ ۱۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰/ شعبان المعظم ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۶۸۹۶/۳۵)

نابالغ بچوں کے مال کو ماں کا فروخت کرنا

سوال [۱۰۲۲۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک صاحب کا انتقال ہوا اور انہوں نے دو لڑکے اور ایک نابالغ کو چھوڑا تو کیا ان نابالغ بچوں کا مال ماں بیچ سکتی ہے یا نہیں؟ جواب سے نوازیں۔

المستفتی: ریاست حسین محلہ سرائے کشن لال مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نابالغ بچوں کا مال ماں کو فروخت کرنے کا شرعی طور پر حق نہیں ہے، اگر فروخت کرے گی تو واپسی لازم ہے۔

بخلاف التصرف في المال؛ لأنه يتكرر فلا يمكن تدارك الخلل، فلا تفيد الولاية إلا ملزمة. (هداية، كتاب النكاح، باب في الأولياء والأكفاء اشرفي ديوبند ۲/ ۳۱٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱/ شعبان المعظم ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷۹۹/۲۸)

بیوہ اور یتیم بچوں کے مکان پر قبضہ کرنا

سوال [۱۰۲۲۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص صاحب مال ہے، تجارت کرتا ہے، اور اس نے بیوہ اور یتیم کے مکان کا حصہ زبردستی

قبضہ کررکھا ہے، اوراس کا بڑا رشتہ دار بجائے حصہ دلانے کے وہ اپنے پاس سے کچھ روپیہ زکوٰۃ کا دے کراس حصہ کواپنا بنانا چاہتا ہے، جبکہ اس حصہ کی قیمت کہیں زیادہ ہے تو کیا یہ درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: مظہر الاسلام ٹھٹھیرہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بیوہ اور یتیم کے مکان کے جس حصہ پر قبضہ کیا گیا ہے اس حصہ کو بیوہ و یتیم کی رضامندی کے بغیر کچھ رقم دے کر لینا جائز نہیں ہے اس لیے کہ بیع میں بائع ومشتری دونوں کی رضامندی ضروری ہے۔

إذا فقد الرضا لایسمی فی اللغة بیعا بل غصبا. (البحر الرائق، کتاب البیوع، زکریا ۵/ ۴۳۱، کوئٹہ ۵/ ۲۵۷)

پھر اگر بیوہ و یتیم وہ حصہ دینے پر رضامند ہو جائیں تو اس کی قیمت میں زکوٰۃ کی رقم دینا جائز نہیں ہے اس لیے کہ زکوٰۃ کی رقم سے صاحب مال کے لیے کسی قسم کا انتفاع درست نہیں ہے، اس رقم کا مصرف تو غرباء ومساکین ہیں، اس شرط کے ساتھ کہ جس کو زکوٰۃ کی رقم دی جارہی ہے اس سے کسی قسم کا نفع وابستہ نہ ہو۔

فهی تملیک المال ...... بشرط قطع المنفعة عن الملک من کل وجه. (عالمگیری، کتاب الزکوٰة، الباب الأول ...... زکریا قدیم ۱/ ۱۷۰، جدید ۱/ ۲۳۲، الدر مع الرد، کراچی ۲/ ۲۵۸، زکریا ۳/ ۱۷۳، حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، دار الکتاب دیوبند ۷۱۴) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
۱۷ر جمادی الثانیہ ۱۴۱۷ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۹۰۸)	۱۴۱۷/۶/۱۹ھ

شریعت اسلامی میں متبنیٰ کو بیٹا تسلیم کیا جاتا ہے یا نہیں؟

سوال [۱۰۲۲۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: زید نے اولاد نہ ہونے کی وجہ سے ایک بچہ کو لے پالک بنایا زید اور اس کی بیوی نے اپنی حیات میں اس لے پالک بچہ کو تمام اختیارات اور اپنی جائیداد وغیرہ کے تمام کاغذات بعد مرنے کے بینک وغیرہ میں جمع رقم کی وصولیابی اور چونکہ زید کی بیوی سرکاری ملازم تھی، اس لیے اپنے بعد میں ملازمت کی سفارش کی کہ میرے بعد میرے بیٹے کو یعنی اس لے پاک کو ملازمت ملے یہ تمام ہی اختیارات زید کی بیوی نے اور زید نے اپنی حیات میں ہی دیدیئے تھے، اسی بنا پر اس کی بیوی کی بینک میں جمع کی ہوئی رقم سب کچھ بچہ کو مل گئی، مگر سرکاری حکام یہ تصدیق چاہتے ہیں کہ شریعت اسلام میں اس لے پاک کو بیٹا تسلیم کیا جاتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: لے پالک ملک محمد شفیع رام نگر نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: چونکہ سرکار لے پالک کو بھی مرحوم کے پسماندگان میں شمار کرتی ہے اور اس کو بھی پسماندگان میں شامل ہونے کی وجہ سے ملازمت دینے کے کالم میں رکھا گیا ہے، اس لیے اس کے لیے ملازمت قبول کرنا اور ذمہ داری ادا کرنے کی تنخواہ وصول کرنا جائز اور درست ہے، لیکن اس کی وجہ سے لے پالک مرحوم کا شرعی وارث نہیں بنے گا، سوالنامہ میں یہ بات بھی واضح کی گئی ہے کہ زید اور اس کی بیوی نے اپنی ساری جائیداد اور بینک بیلینس وغیرہ لے پالک کے نام حلف نامہ کے ساتھ ہبہ کر کے قبضہ دیدیا ہے اس لیے سوالنامہ میں مذکورہ تمام جائیداد اور بینک بینلینس وغیرہ اسی لے پالک کی ملک ہے اور لے پالک کی یہ ملک وراثت کی وجہ سے نہیں ہے، بلکہ زندگی میں ہبہ کر دینے کی وجہ سے ہے۔

﴿قال اللّٰہ تعالیٰ: وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَآئَكُمْ اَبْنَآئَكُمْ ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ وَاللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِىْ السَّبِيْلَ. [الأحزاب: ٤]﴾

فلايثبت بالتبني شيئ من أحكام البنوة من الإرث وحرمة النكاح وغير ذٰلك. (تفسير مظهری، الأحزاب: ٤، زكريا قديم ٧/ ٢٨٤، جديد ٧/ ٢٩٢)

قال العلامة الحصكفي: كل أنواع الكسب في الإباحة سواء على المذهب الصحيح، قال الشامي تحته: فالمراد من قولهم كل أنواع الكسب في

الإباحة سواء أنها بعد إن لم تكن بطريق محظور لايذم بعضها، وإن كان بعضها أفضل من بعض. (الدر المختار مع الشامي، كتاب الصيد، زكريا ۱۰/۴۶، كراچی ۶/۴۶۲، الموسوعة الفقهية الكويتية ۲۸/۱۱۵، المبسوط للسرخسي، دار الكتب العلمية بيروت ۳۰/۲۵۸)

وأما حكمها فثبوت الملك للموهوب له. (هنديه، كتاب الهبة، زكريا قديم ۴/۳۷۴، جديد ۴/۳۹۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍ربیع الاول ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۹۵۴)

متبنیٰ سے متعلق چند سوالات کے جوابات

سوال [۱۰۲۲۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر کوئی شخص صاحب اولاد یا بے اولاد کسی بچے کو گود لے کر اس کی پرورش کرے شادی بیاہ کرے، یا کسی بھی طرح اس لے پالک کی کفالت کرے تو شریعت مطہرہ میں اس کا کیا حکم ہے؟

(۱) کیا وہ بچہ گود لینے والے کی جائیداد میں حقدار ہوگا، اگر چہ اس پالنے والے کی اولاد بھی موجود ہو؟

(۲) اگر گود لینے والے کی کوئی اولاد نہ ہو تو کیا یہ بچہ اس کی وراثت کا حقدار ہوگا؟

(۳) اس بچے نے اگر پالنے والی عورت کا دودھ بھی پیا ہو تو شرعاً اس کی کیا حیثیت ہوگی؟

(۴) کیا اس بچے کی شادی بیاہ پالنے والے کی دوسری اولاد سے ہو سکتی ہے؟

(۵) کیا شرعی قانون مقامات کے مطابق تبدیل ہوتے ہیں، مثلاً کسی بچے کو گود لینا کسی وقت کشمیر میں جائز تھا اور اب جائز نہیں رہا، یا مرادآباد میں جائز نہ ہو اور کشمیر میں جائز ہو؟

المستفتی: عظیم علی خان ولد مبارک علی خاں مقرب پور مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: (۱-۲) پالنے والے کی اولاد ہو یا نہ ہو دونوں

صورتوں میں گودلیا بچہ شریعت اسلامی میں پالنے والے کا وارث نہیں بنتا۔

(۳-۴) اگر گود لئے ہوئے بچہ نے شیر خواری کے زمانے میں پالنے والے کی بیوی کا دودھ پیا ہے تو وہ بچہ پالنے والے اور اس کی بیوی کے لیے رضاعی بیٹا بن جاتا ہے اور پالنے والے اور اس کی بیوی کی اولاد سے اس کی شادی شرعاً جائز نہیں ہوتی، ہاں البتہ اگر صرف اس کو پالا ہے اور شیر خوارگی کے زمانہ میں بیوی نے اس بچہ کو دودھ نہیں پلایا ہے تو اس بچہ کی شادی پالنے والے کی اولاد کے ساتھ شرعا جائز اور درست ہے۔

(۵) مقامات کے اعتبار سے بچے کو گود لینے میں دنیا کے کسی خطہ اور کسی علاقہ کا اعتبار نہیں ہے، ہر زمانہ میں گود لینے کا مسئلہ ہر علاقہ میں برابر کا حکم رکھتا ہے، کشمیر اور مرادآباد، یوپی اور پنجاب، ہندوستان اور پاکستان یا عرب وعجم کا کوئی فرق نہیں ہے، سب جگہ کا حکم یکساں ہے۔

عن عائشة زوج النبی صلی الله علیه وسلم أن النبی ﷺ قال: یحرم من الرضاعة ما یحرم من الولادة. (أبو داؤد، باب ما یحرم من الرضاعة ما یحرم من النسب، النسخة الهندية ۱/۲۸۰ دار السلام رقم: ۲۰۵۵، صحيح البخاری، باب ما يحل من الدخول والنظر إلى النساء فی الرضاع، النسخة الهندية ۲/۷٦٤، رقم: ٤٩٠٨، ف: ٥٢٣٩، صحيح مسلم، باب يحرم من الرضاعة ما يحرم من الولادة، النسخة الهندية ۱/٤٦٦، بيت الأفكار رقم: ١٤٤٤)

عن ابن عباسؓ قال قال النبی ﷺ فی بنت حمزة: لاتحل لی، یحرم من الرضاعة ما یحرم من النسب هی بنت أخی من الرضاعة. (صحيح البخاری، باب الشهادة على الأنساب والرضاع المستفيض، النسخة الهندية ۱/۳٦٠، رقم: ۲٥٧١، ف: ٢٦٤٥، صحيح مسلم، باب تحريم ابنة الأخ من الرضاعة، النسخة الهندية ۱/٤٦٧، بيت الأفكار رقم: ١٤٤٧)

وما جعل ادعیاء کم ابناء کم فلایثبت بالتبنی شیئ من أحکام البنوة من الإرث وحرمة النکاح وغیر ذٰلک. (تفسير مظهری زكريا قديم ٧/٢٨٤، جديد ٧/٢٩٢)

والمتبنی لایلحق فی الأحکام بالإبن فلا یستحق المیراث و لایرث عن

المدعی. (أحكام القرآن لمفتی محمد شفیعؒ ۳/ ۲۹۱ بحواله كتاب الفتاویٰ ۶/ ۳۷۵)

یحرم علی الرضیع أبواه من الرضاع و أصولهما وفروعهما من النسب والرضاع جمیعا. (هندیه، كتاب الرضاع، زكریا جدید ۱/ ۴۰۹، قدیم ۱/ ۳۴۳) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
۱۴؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۷۵۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۰/۵/۱۴ھ

مرحوم کے نام سے آنے والے رسالے کس کی ملکیت ہوں گے؟

سوال [۱۰۲۲۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید ایک مدرسہ میں بحیثیت ایک ذمہ دار کے ملازم ہے، ایک دینی رسالہ اس کے نام آرہا ہے، وہ اعزازی ہے یا قیمتاً آرہا ہے اس کا علم کچھ نہیں، اب زید کا انتقال ہوگیا ہے لیکن اب بھی اس کے نام رسالہ آرہا ہے، کئی رسالے جمع ہوگئے ہیں، تو اب وہ رسالے کتب خانہ میں جمع کردیئے جائیں یا زید کے ورثاء کے حوالے کیے جائیں، نیز ناظم مدرسہ کے نام مستقل طور پر رسالہ کتب خانہ میں بھی آرہا ہے؟

المستفتی: احمد علی خادم مدرسہ اشرف المدارس ہردوئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفیق: جس کے نام سے رسالہ آرہا ہے وہ رسالہ اسی کی ملکیت ہے، جب اس کا انتقال ہوگیا تو جتنے رسالے آچکے ہیں وہ سب اس کے وارثین کی ملکیت ہیں، کتب خانہ میں جمع کرنا جائز نہ ہوگا، ہاں اگر سب وارثین بہ خوشی کتب خانہ میں جمع کرادیں تو الگ بات ہے، نیز جہاں سے رسالہ آرہا ہے وہاں سے معلومات حاصل کرلی جائے کہ یہ رسالے قیمتاً ہیں یا اعزازی؟

الحق متی ثبت لایبطل بالتاخیر ولا بالكتمان. (قواعد الفقه اشرفی

ص: ۷۰، قاعده: ۱۱۷،الموسوعة الفقهية الكويتية ۱۵۳/۲٦)

لايجوز لأحد أن يأخذ مال أحد بلا سبب شرعي. (قواعد الفقه اشرفی ص: ۱۱۰، قاعده: ۲٦۹، شرح المجلة رستم اتحاد ۱/٦۱ رقم المادة ۹٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍جمادی الثانیہ ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹٦۲۴)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۱/٦/۱۴۲۹ھ

بہن کے بھائی پر کتنے حقوق ہیں؟

سوال [۱۰۲۲٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کسی خاتون کے اپنے سگے بھائی پر شرعاً کتنے حقوق ہیں؟

المستفتی: عبدالشکور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بھائی پر بہن کا حق یہ ہے کہ اس کے ساتھ صلہ رحمی کا معاملہ کرے، باقی مستفتی کیا پوچھنا چاہتے ہیں، سوال میں کوئی وضاحت نہیں ہے، جیسا مجمل سوال ہے جواب بھی ویسا ہی ہے۔

حدثنا بهز بن حكيم ثني أبي عن جدي قال قلت: يا رسول الله! من أبر، قال: أمك، قال: قلت: ثم من، قال: أمك، قال: قلت: ثم من؟ قال: أمك، قال: قلت: ثم من؟ قال: ثم أباك ثم الأقرب فالأقرب. (ترمذی شریف، باب ماجاء في بر الوالدين، النسخة الهندية ۲/۱۱ دار السلام رقم: ۱۸۹۷، مسند البزار، مكتبة العلوم و الحكم ۱۷۹/۱۷، رقم: ۹۸۰۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍جمادی الاولیٰ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۱۰۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۵/۵/۱۴۳۴ھ

بعض ورثاء کا اپنی جائیداد پر دوسرے وارث کو قبضہ دینا

سوال [۱۰۲۲۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) کہ محمد نعیم خانصاحب کا انتقال ہو گیا ان کے ورثاء میں تین لڑکے شہاب الدین، صلاح الدین، بدرالدین ایک لڑکی پھول جہاں ہے، ہر وارث کو کتنا ملے گا؟

(۲) پھر شہاب الدین نے اپنا حصہ لے لیا اور صلاح الدین اور پھول جہاں کا حصہ اور خود بدرالدین نے اپنا حصہ اپنے قبضہ میں رکھا، اور صلاح الدین اور پھول جہاں نے بدرالدین کو کل اختیارات دیدیئے تھے، پھر بدرالدین نے حالات سے مجبور ہو کر ان تینوں حصوں میں سے زمین فروخت کرنا شروع کردی، اور اسی روپیہ سے اپنا گذر بسر کرتا رہا، صلاح الدین اور پھول جہاں اس فروختگی کو خوب جانتے تھے، لیکن کبھی فروختگی پر روک نہیں لگائی کہ ان کا بھائی بدرالدین ان کی زمین کیوں فروخت کر رہا ہے، صلاح الدین اور پھول جہاں کے شوہر صاحب ثروت تھے، اس لیے بھائی کی کمزوری پر ترس کھا کر گویا ان کو فروخت کرنے کی اجازت دیدی ہے، اپنے اور دونوں کے اکثر حصہ کو فروخت کر کے خرچ کرلیا اس کے بعد جو کچھ زمین بچی وہ پھول جہاں کے شوہر فیض خان نے قبضہ کر کے اشفاق کو مختار عام بنادیا، اشفاق نے وہ بقیہ زمین قبضہ کر کے دوسرے کے ہاتھ فروخت کردی اس میں سے کچھ رقم اشفاق نے خود لی اور کچھ فیض خاں کو دی۔

تو اب دریافت یہ کرنا ہے کہ کیا شرعاً صلاح الدین اور پھول جہاں کی زمین جو بدر الدین نے بیچ کر کھالی ہے اور وہ لوگ خاموش رہے یہ صلاح الدین اور پھول جہاں کی طرف سے فروختگی کی اجازت سمجھی جائے گی یا نہیں؟

(۳) پھر پھول جہاں کے شوہر پر فیض خاں نے جو بقیہ زمین قبضہ کر کے اشفاق کو مختار عام بنا کر بیچ دی اس میں پھول جہاں اور فیض خاں کی اولادوں کو یہ حق ہے کہ اشفاق کو جو زمین مختار عام بنا کر بیچ دی ہے اس سے حصہ طلب کریں یا بدرالدین نے جس کے ہاتھ فروخت کردی ہے اس سے حصہ طلب کرنا شرعاً کیسا ہے؟

المستفتی: صلاح الدین نوہٹہ سرسا، بہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: بشرط صحت سوال وبعد ادائے حقوق ما تقدم وعدم موانع ارث مرحوم محمد نعیم خانصاحب کا ترکہ مذکورہ ورثاء کے درمیان حسب ذیل نقشہ کے مطابق تقسیم ہوگا۔

میت

لڑکا	لڑکا	لڑکا	لڑکی
شہاب الدین	بدرالدین	صلاح الدین	پھول جہاں
۲	۲	۲	۱

کل ترکہ سات سہام میں تقسیم ہوکر تینوں بیٹوں کو دو دو اور بیٹی پھول جہاں کو ایک ملے گا۔

(۲) جب صلاح الدین اور پھول جہاں نے اصل میراث سے اپنا حصہ حاصل کر کے اسے بدرالدین کے قبضہ میں رہنے دیا اور اس کو کل اختیارات دیدیئے، اور بدرالدین کے فروختگی کے علم ہونے کے باوجود اس پر روک نہیں لگائی اور خریدنے والے نے اس میں تصرف بھی کردیا، تو یہ صلاح الدین اور پھول جہاں کی جانب سے فروخت کرنے کی اجازت ہوگی، لہٰذا ان کا حق ساقط ہوگیا، اب انہیں بھی اور ان کی اولاد کو بھی مطالبہ کرنے کا حق باقی نہیں رہتا ہے، نہ تو بدرالدین اور اس کے ورثاء سے اور نہ ہی خریداروں سے۔

(۳) بدرالدین نے جن لوگوں کے ہاتھ فروخت کیا ہے نہ ان لوگوں سے فیض خاں کی اولاد کو مطالبہ کا حق ہے، اور نہ ہی ان لوگوں سے مطالبہ کا حق ہے، جن کے ہاتھ اشفاق نے فروخت کردیا ہے۔

رآه يبيع أرضا أو دارا فتصرف فيه المشتري زمانا وهو ساكت يسقط دعواه. (الأشباه والنظائر کراچی ص:۲۲۶) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸ / ربیع الثانی ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۳۲۱/۳۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۴/۲۰ھ

ہر بھائی اپنی ملکیت میں خود مختار ہے

سوال [۱۰۲۲۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: عرض اینکہ ہمارے والد صاحب مرحوم نے اپنے مسکونہ ومملوکہ مکان کے متعلق اپنی حین حیات ہم چاروں بھائیوں کو بتادیا تھا کہ سڑک کی جانب جو چار ملگیاں ہیں ان میں ایک ایک ملگی ایک ایک بھائی کی ہوگی، اوران ملگیوں کے متصل پیچھے گراؤنڈ فلور پر جو مکان کا حصہ ہے، وہ چوتھے لڑکے جو حافظ قرآن ہیں ان کا ہوگا، اس کے بعد والا گراؤنڈ فلور کا حصہ تیسرے بھائی کا ہوگا اور فرسٹ فلور کے دو حصے پہلے اور دوسرے لڑکے کے ہوں گے، حافظ قرآن کے لیے جو حصہ تجویز ہوا تھا، حافظ صاحب اسی کے ایک حصہ میں رہتے تھے، والد صاحب کی حین حیات اس حصہ کے متعلق جو حافظ قرآن لڑکے کا تھا، کوئی سوال اٹھتا تو والد صاحب کہتے وہ حصہ حافظ صاحب کو دید یا نہیں کا ہے، اس میں تبدیلی نہیں ہوگی، پھر والد صاحب کے انتقال کے بعد والدہ محترمہ کی موجودگی میں والد صاحب کے حسب منشاء مذکورہ بالا تقسیم کے مطابق رجسٹری ہوگئی، جس کو سات آٹھ سال کا عرصہ گذر چکا ہے، اب حکومت کی جانب سے سڑک کی توسیع کی وجہ سے سڑک کی چاروں ملگیاں روڈ کٹنگ میں جارہی ہیں، اور وہ حصہ جو حافظ صاحب کا ہے، لب سڑک آرہا ہے، اس وجہ سے اب دیگر بھائیوں کا تقاضہ ہے کہ حافظ صاحب اپنا مکان چھوڑ دیں، اور پورے مکان کی ازسرنو تعمیر کی جائے، سڑک کی جانب چار ملگیاں نکال کر سب ایک ایک لے لیں، اور پیچھے کا حصہ پارکنگ کے لیے چھوڑ دیا جائے، اور فرسٹ فلور پر ایک پوشن (حصہ) حافظ صاحب کو دیدیا جائیگا، لیکن حافظ صاحب اس کے لیے آمادہ نہیں ہیں۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا دیگر بھائیوں کا اس تجویز پر اصرار کرنا اور حافظ صاحب کو اپنے حصے کے تخلیہ اور نئی تقسیم پر مجبور کرنا شرعاً درست ہے یا نہیں؟ اور حافظ صاحب کے لیے شرعی حکم کیا ہے؟ تفصیلی جواب عنایت فرما کر ممنون فرمائیں۔

المستفتی: عبداللہ حیدرآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حافظ صاحب کو اپنی ملکیت کے بارے میں ہر طرح کا اختیار ہے، وہ اگر اپنے حصہ میں دوکانیں نکال کر بھائیوں کو دینے سے انکار کررہے ہیں تو ان کو اس بات کا اختیار ہے، اس لیے کہ جب باضابطہ رجسٹری کر کے ہر ایک کو اپنی اپنی ملکیت حاصل ہوچکی ہے اور حافظ صاحب کو بھی اپنی ملکیت حاصل ہوچکی ہے، تو جس طرح دوسرے بھائیوں کو اپنے حصوں میں ہر طرح کے تصرف کا حق ہے اسی طرح حافظ صاحب کو بھی اپنے حصہ میں ہر طرح کے تصرف کا حق حاصل ہے، دوسرے بھائیوں کی بات ماننا ان پر لازم نہیں ہے، یہ بات الگ ہے کہ اخلاقی طور پر حافظ صاحب اپنی طرف سے بھائیوں کے ساتھ رواداری کا معاملہ کر کے انہیں کچھ دیدیں، لیکن شرعاً انہیں مجبور نہیں کیا جاسکتا۔

ولكل واحد منهم أن يتصرف في حصته كيف شاء. (شرح المجلة، رستم باز اتحاد ديوبند ١/٦٤٣، رقم المادة: ١١٦٢)

كل يتصرف في ملكه كيف شاء. (شرح المجلة، رستم باز اتحاد ديوبند ١/٦٥٤، رقم المادة: ١١٩٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
۴؍ربیع الثانی ۱۴۳۶ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/۱۱۹۸۰)	۱۴۳۶/۴/۴ھ

ایک بھائی کا دوسرے بھائی کی اجازت کے بغیر اس کی بجلی استعمال کرنے کا حکم

سوال [۱۰۲۲۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) میرا ایک پاور لائٹ کنکشن چھ کلوواٹ کا ہے جس میں سے میرے بھائی نے میری اجازت کے بغیر اور مجھے بتائے بغیر اپنے پورے کارخانہ اور پورے گھر کی لائٹ میرے کنکشن ومیرے کیبل سے لے رکھی ہے، کیا ان کا مجھ سے لائٹ لینا جائز ہے؟ جبکہ میں قانونی اعتبار سے زیادہ پاور چلاکر (اگر بجلی محکمہ کی سرکاری وقانونی کارروائی ہوتی ہے تو اس شکل میں میرے

اوپر میرے نام کے کنکشن ہونے کے ناطے جرمانہ وسزا ہوسکتی ہے)میں اس دباؤ اور ٹینشن میں زندگی گذار رہا ہوں، کیا یہ میرے ساتھ ظلم نہیں ہے،اس کا صحیح جواب دے کر مجھے مطمئن کیا جائے تاکہ میں انہیں اس جواب کو دکھا کر اپنا بجلی کنکشن ان سے کہہ کر الگ کرواسکوں؟

(۲) میں نے اپنے بھائی کے سامنے بجلی کے بارے میں بجلی کا بل دینے کی بات کررکھی ہے جب تک وہ اسے چلاتے ہیں یا فیض اٹھا رہے ہیں یا اس پر کوئی بھی قانونی کارروائی جرمانے کی یا سزا کی ہوتی ہے تو اس کی ذمہ داری تحریری شکل میں چار فریقین کے سامنے لیں تاکہ میری ضمانت وحفاظت ہوسکے؟

المستفتی: حفظ الرحمٰن ٹھٹھیرہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) آپ کی مرضی اور اجازت کے بغیر آپ کے بھائی کا اپنے گھر اور کارخانہ میں آپ کی لائٹ کا استعمال کرنا جائز نہیں اور یہ آپ کے ساتھ صریح ظلم وزیادتی ہے، خاص طور سے جبکہ ان کے اس فعل کی وجہ سے آپ کی عزت اور مال کے خطرہ میں پڑنے کا اندیشہ ہو تو اس کی قباحت اور بھی بڑھ جاتی ہے۔

عن أبی حرة الرقاشی عن عمه أن رسول الله صلی الله علیه وسلم قال: ألا! لا تظلموا، لا یحل مال امرئ إلا بطیب نفس منه. (مسند أحمد بن حنبل ٥/٧٢، رقم: ٢٠٩٧١، شعب الإیمان للبیهقی، باب فی قبض الید عن الأموال المحرمة، دار الکتب العلمیة بیروت ٤/٣٨٧، رقم: ٥٤٩٢، سنن الدار قطنی، البیوع، دار الکتب العلمیة بیروت ٣/٢٢/ ٢٨٦٢- ٢٨٦٣)

(۲) جب آپ کے بھائی کا آپ کے کنکشن کی لائٹ استعمال کرنے کی وجہ سے قانونی کارروائی اور سزا کا خطرہ ہے تو بل دینے کی شرط پر بھی اپنے کنکشن سے لائٹ استعمال کرنے کی اجازت دینا آپ کے لیے درست نہیں۔

﴿**قال الله تعالیٰ: وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّهْلُکَةِ.** [البقرة: ١٩٥]﴾

درء المفاسد أولیٰ من جلب المصالح فإذا تعارضت مفسدة و مصلحة

قدم دفع المفسدة غالبا. (الأشباه والنظائر قديم ص:١٤٧، قواعد الفقه اشرفی ص: ٨١، رقم: ١٣٣، شرح المجلة رستم اتحاد ٣٢/١ رقم المادة: ٣٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٥رجب المرجب ١٤٢٩ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٣٨/٩٦٦٢)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
٥/٧/١٤٢٩ھ

بھائی کا بہنوں کے حقوق دبا کر رکھنے اور ان کو محروم کرنے کا حکم

سوال [١٠٢٣٠]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے والد صاحب (سینٹرل اکس سائز اور کسٹم ڈپارٹمنٹ میں سروس کرتے تھے، اور نادرست طبیعت کی وجہ سے چالو سروس میں ہی نوکری سے استعفیٰ نامہ دیا جس کی وجہ سے سرکار سے پرائیوڈنٹ فنڈ اور سب ملا کر اچھے پیسے آئے، جن پیسوں میں سے ہمارے والد نے ہماری ماں کے نام پر ایک مکان پیرے ماؤنٹ سوسائٹی آنند میں لیا، اور ایک دوکان سپر مارکیٹ میں ہمارے بھائی کے نام سے لی تھی، ہمارے والد صاحب کے ہم پانچ افراد ہیں اس میں ایک بھائی اور چار بہنیں ہیں؟

ہمارے والد صاحب دوکان اور مکان کا ورثہ تقسیم کئے بنا انتقال کر گئے، تھوڑے سال بعد ہماری والدہ کا بھی انتقال ہو گیا، وہاں تک مکان ہماری والدہ کے نام پر ہی تھا، ماں اور باپ کے انتقال کے بعد بھائی نے ہم چاروں بہنوں کو اکٹھا کر کے کہا کہ وہ دوکان میں بڑا دھندا کرنا چاہتا ہے، مگر بینک سے لون لینا پڑیگا، اگر بینک سے اچھا لون لے کر مال وسامان لاؤں گا، تو دھندا اچھا چلے گا، اور تم سب بہنوں کو تمہارا حق حصہ دوں گا، یہ کہہ کر ہم چاروں بہنوں کو کاغذات جو لکھے ہوئے تھے جس میں کیا لکھا ہوا تھا وہ ہمیں معلوم نہیں تھا اس پر ہمارے دستخط کروالئے، ہمارے بھائی نے اس وقت ہم سے یہ کہا تھا کہ میرے پاس پیسے آتے ہی آپ چاروں بہنوں کو مکان اور دوکان میں سے جو حصہ دینے کا بنتا ہے وہ پیسے آتے ہی دے دونگا، ہم چاروں بہنوں کو یہ پتہ بھی نہ تھا کہ ہمارا بھائی یہ دستخط کروا کے ہمارا حق چھین

لے گا، ہم نے اپنے بھائی پر بھروسہ کر کے دستخط کر دیئے تھے۔

ہم کو ایک دو سال کے بعد پتا چلا کہ بھائی نے الگ الگ بینکوں سے تین لاکھ روپئے جیسی بڑی رقم قرضے کے طور پر لے رکھی تھی، جب ہم اپنے بھائی سے اپنے حصہ حق کی بات کرتے تھے، تو وہ ہمیشہ کہتا تھا کہ میں تمہارا حصہ دے دوں گا، تھوڑا صبر کرو کئی بار ہم نے اپنا حصہ لینے کے لیے بھائی سے جھگڑا کیا مگر ہمارے بھائی نے ہم چاروں بہنوں کو حصہ نہیں دیا، آخر میں اس کا بھی انتقال ہو گیا۔

بھائی کی اولاد میں حال میں ایک بھابھی اور دو لڑکے اور ایک لڑکی ہے لڑکی کی شادی ہو چکی ہے، بڑے لڑکے کی بھی شادی ہو چکی ہے، ہمیں پتہ چلا ہے کہ بڑے لڑکے نے حال ہی میں سپر مارکیٹ میں بھائی کے نام کی دوکان بائیس یا ستائیس لاکھ کی بیچ دی ہے ہم چاروں بہنوں نے اپنے حق حصہ کی اپنے بھائی کے لڑکے سے مانگ کی تو وہ بھی ہمیں حق حصہ دینے سے انکار کرتا ہے۔

نوٹ: بھائی نے جو مکان اور دوکان ہمارے والد کے پیسے سے بنائی تھی وہ لون لینے کے بہانے سے ہم سے بغیر پڑھائے، بغیر سمجھائے دستخط کروا لیے، ہم کو اپنے بھائی پر بھروسہ تھا کہ بھائی اپنی بہنوں کا حصہ دیدے گا، اور بھائی بار بار اس کے مطابق بولتا بھی تھا، لیکن ان کی اولاد ہمارا حصہ دینے سے انکار کر رہی ہے کہ آپ چاروں نے دستخط کر کے اپنا حصہ بھائی کی حیات میں چھوڑ دیا، جب کہ ہم کو یہ معلوم بھی نہیں تھا کہ ہمارے یہ دستخط ہمارے حصے کو ختم کروا رہے ہیں، دوکان بیچنے کے بعد بینک کا جو قرض تھا وہ دینے کے بعد ہمارے بھائی کے لڑکے نے منافعہ کے پیسے سے زمین اور پلاٹ وغیرہ لیا ہے، ہمارے بھائی کا لڑکا دوکان اور مکان میں سے حصہ دینے سے انکار کرتا ہے۔

اس کے علاوہ ہم چاروں بہنوں نے اپنے بھائی کی اس کے خراب وقت میں روپیوں سے مدد کی تھی، مگر وہ بھی ہمارا بھتیجا دینے سے انکار کر رہا ہے، آپ صاحب دین اور دنیا بھی ہو اللہ نے آپ کو دین کی حقیقت سے خوب نوازا ہے تو آپ سے اوپر لکھے ہوئے مسئلے کی روشنی میں فتویٰ چاہتے ہیں، کہ ہم چاروں بہنوں کا حصہ دوکان اور مکان میں ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو

کتنا ہے؟ برائے کرم اس کی وضاحت فرمادیجئے کہ کس کو کتنا ملنا چاہئے؟

المستفتیہ: قمر النساء، آنند گجرات

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بھائی نے بہنوں کا حق دھوکہ میں رکھ کر جو دبایا ہے اس کی وجہ سے بہنوں کا حق ختم نہیں ہوگا، بلکہ بدستور باقی ہے، اگر دنیا میں بھائی نے نہیں دیا، اور بھتیجہ بھی نہیں دیتا ہے تو قیامت کے دن سات زمین کا طوق ان کے گلے میں ڈالا جائے گا، بھتیجے پر لازم ہے، کہ جو حق دبایا گیا ہے فوری طور پر وہ حق مستحقین کو دیدے۔

عن سعيد بن زيد بن عمرو بن نفيل ان رسول الله ﷺ قال: من اقتطع شبرا من الأرض ظلما طوقه الله إياه يوم القيامة من سبع أرضين. (مسلم شريف، كتاب المساقات والمزارعة، باب تحريم الظلم وغصب الأرض، النسخة الهندية ۲/۳۲، بيت الأفكار رقم: ۱۶۱۰، صحيح البخاري، كتاب المظالم، باب إثم من ظلم شيئا من الأرض، النسخة الهندية ۱/۳۳۲، رقم: ۲۳۸۸، ف: ۲۴۵۲، سنن أبي داؤد، كتاب الأدب، باب من يأخذ الشيئ من مزاح، النسخة الهندية ۲/۶۸۳، دار السلام رقم: ۵۰۰۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸؍شوال المکرم ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۲۶۵)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۸/۱۰/۱۴۳۴ھ

بڑے بھائی کا چھوٹے بھائی کی کمائی سے فائدہ اٹھانا

سوال [۱۰۲۳۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: عطرت علی کے دولڑکے عشرت علی وحشمت علی تھے، عشرت علی اپنے والد صاحب کے زمانہ میں پڑھنے لکھنے بیٹھ گئے، اور حشمت علی زیادہ کمسن تھے، جب باپ کا انتقال ہوگیا تو عشرت علی پڑھ لکھ کر سرکاری ملازم ہو گئے، اور حشمت علی جب بڑے ہوئے تو گھر کے اقتصادی حالات کی وجہ سے پڑھ نہ پائے، کاشتکاری کے کام میں لگ گئے اور گھر کی پوری

ذمہ داری سنبھالنی شروع کی اور کاشتکاری میں برابر محنت کرتے رہے، اللہ نے حالات بدلے تو ٹھیکہ پر زمین لینی شروع کی، اور اس کی آمد دس پندرہ ہزار روپیہ سالانہ ہوتی، تقریباً بیس سال سے یہ سلسلہ چل رہا ہے، اور اس کی آمد سے چھ بیگھہ زمین خریدی اور اپنے بھائی عشرت علی کا بھی نام اپنے ساتھ بیعنامہ میں لکھوادیا۔

تینوں بہنوں کی شادی اور والدہ کے اخراجات سب کچھ حشمت علی ہی کو برداشت کرنے پڑے، اور عشرت علی اپنی ملازمت کرتے رہے انہوں نے گھر کی طرف کوئی توجہ نہیں کی، نہ تو بہنوں کی شادیوں میں اور نہ والدہ کے اخراجات میں کوئی پائی پیسہ دیا، سب سے لاپرواہی برتتے رہے، اور عشرت علی کی شادی ہوئی، تو ساڑھے تین بیگھہ زمین بیچ کر شادی کی جو کہ شرکت کی زمین تھی، دونوں بھائیوں کی، اور جب ان کی لڑکی کی شادی ہوئی تو ۹۰؍ ہزار روپئے حشمت علی نے لگائے، اور جس وقت حشمت علی کی شادی ہوئی تو خرچ کیا کرتے، شادی میں شرکت بھی نہ کی، ادھر حشمت علی جو کاشتکاری کے پیسہ سے برابر گھر کی تعمیرات میں اضافہ کرتے رہے، عشرت کے رٹائیر ہونے کے بعد گھر جنگل کی زمین کا بٹوارا ہوا تو پکے مکان جو شروع میں کچے تھے چھپر وغیرہ تھے، اس میں تو پورا حصہ لینا چاہتے ہیں اور اپنی کمائی کا کوئی حصہ دینا نہیں چاہتے جبکہ ان کی ایک بلڈنگ لکھنؤ میں بھی ہے؟

المستفتی: حشمت علی سہس پور بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر حشمت علی نے اپنی ہی کمائی اور محنت سے نیا مکان بنایا ہے تو وہ اسی کی ملکیت ہے اور عشرت علی نے اپنی کمائی سے لکھنؤ میں جو بلڈنگ لے رکھی ہے اس کا وہی مالک ہے اور اپنی کمائی اپنے پاس الگ جمع کرتا رہے، ہاں البتہ اگر ایسا کیا جاتا تو درست ہوتا کہ دونوں بھائی اپنی اپنی کمائی ایک جگہ جمع کر کے مشترکہ طور پر خرچ کیا کرتے تو پھر تقسیم میں بھی ہر چیز میں دونوں کا برابر حصہ ہوتا، لیکن واقع میں ایسا نہیں ہے، جیسا کہ سوال نامہ سے واضح ہے۔

لایجوز لأحد من المسلمین أخذ مال أحد بغیر سبب شرعی. (ھندیہ،

كتاب الحدود، فصل في التعزير، زكريا قديم ٢/ ١٦٧، جديد ٢/ ١٨١، شرح المجلة، رستم اتحاد ١/ ٦٢، رقم المادة: ٩٧، الموسوعة الفقهية الكويتية ٣٧/ ٣٥٤، شامي زكريا ٦/ ١٠٦، كراچی ٤/ ٦١، البحر الرائق زكريا ٥/ ٦٨، كوئٹه ٥/ ٤١)

لو تصرف أحد الورثة في التركة المشتركة و ربح فالربح للمتصرف وحده. (هنديه، كتاب الشركة، الباب السادس في المتفرقات، زكريا قديم ٢/ ٣٤٦، جديد ٢/ ٣٤٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰؍ربیع الثانی ۱۴۲۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۸۹۸۵)

ایک بھائی کا دوسرے کو جائیداد سے محروم کرنا

سوال [۱۰۲۳۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسماۃ فاطمہ بیوہ کے تین لڑکے ہیں: محمد یاسین، محمد عثمان، عبد الغنی، تینوں لڑکوں نے محنت ومزدوری کر کے سب سے پہلے مکان کے لیے ایک زمین خریدی اور مشورہ سے اس زمین کو والدہ کے نام کر دیا، پھر اس زمین پر پہلے کچا پھر پکا، مکان بنایا، اور اسی مکان میں ایک دوکان نکالی اسی مکان میں تینوں بھائیوں کی رہائش تھی، پھر دوکان کی کمائی اور بھائیوں کی محنت سے ایک کھیت خریدا گیا، کچھ دنوں بعد اس کھیت کو فروخت کر دیا گیا، بیچنے کے بعد رجسٹری کے وقت محمد عثمان نے کچھ اپنی مجبوری کی وجہ سے کاغذ پر سائن کرنے سے پہلے اپنا حق لے لیا، اس طرح محمد عثمان کو کھیت کا حصہ حاصل ہو گیا، لیکن محمد عثمان کے اپنا حق لے لینے کی وجہ سے دونوں بھائیوں کو ناگواری ہوئی اور انہوں نے اسی وجہ سے محمد عثمان کو گھر کے حصہ سے اس طرح محروم کر دیا کہ محمد عثمان کی عدم موجودگی میں عبد الغنی نے مکان میں اپنا حصہ لے کر بقیہ دو حصوں کو اپنے بڑے بھائی محمد یاسین کے نام پر کر دیا اور والدہ سے بیماری کی حالت میں والدہ کی لاعلمی میں اس کاغذ پر انگوٹھا بھی لگوا دیا، جب محمد عثمان کو معلوم ہوا تو فوراً والدہ کے

پاس گیا اور پوچھا کہ اماں کیا آپ نے اس طرح کیا ہے، کہ محمد یاسین کو دیدیا، اور محمد عثمان کو محروم کردیا، والدہ نے کہا بیٹا: میں نے یہ نہیں کیا ہے، لیکن والدہ نے جو مجھے نفی میں جواب دیا اس پر میرے لیے سوائے خدا کے کوئی گواہ نہیں ہے، اور اب والدہ بھی حیات نہیں ہیں، تو کیا اس طرح محمد عثمان شرعاً اپنے حق واجبی سے محروم ہوجائے گا؟

المستفتی: محمد عثمان کھنڈورہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: محمد عثمان کا حق گھر کے حصہ میں شرعی طور پر مکمل باقی ہے، ماں دستخط کردے یا نہ کرے، دونوں صورتوں میں واجبی حصہ لینے کا حق اس کو ہر وقت حاصل ہے، لہٰذا ماں کے دستخط کے بعد بھی وہ اپنا شرعی حق لے سکتا ہے، اس میں کسی گواہ وغیرہ کی بھی ضرورت نہیں۔

لایجوز لأحد أن یأخذ مال أحد بلا سبب شرعی، لایجوز لأحد أن یتصرف فی ملک الغیر بغیر إذنه. (قواعد الفقه اشرفی ص: ١١٠، قاعده: ٢٦٩، ٢٧٠، شرح المجلة رستم اتحاد ١/ ٦٢،٦٣، رقم المادة ٩٦-٩٧) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
٩ر ربیع الثانی ١٤٣٢ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ٣٩/ ١٠٣٥٢)	٩/ ٤/ ١٤٣٢ھ

ایک بھائی کا دوسرے بھائی کی آمدنی میں حق

سوال [١٠٢٣٣]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں نے جس فرم میں قانونی مصلحت کی بنا پر اس کا نام شامل کیا تھا وہ فرم اس کے جدا ہونے کے ساتھ ساتھ ختم ہوچکی تھی، اور اس کو دس لاکھ روپیہ نقد دے کر اور کافی مقدار جائیداد دے کر الگ فرم قائم کرادی تھی، اور بعد میں بھی پھر اس نے دو لاکھ روپئے لئے اور یہ لڑکوں کی شرکت میں دوسری فرم قائم کی جس میں اس کا کوئی تعلق نہیں اور میرا نام بھی اس فرم

میں نہیں ہے، البتہ یہ چارلڑکے اپنی فرم چلانے میں میرا مشورہ ضرور لیتے ہیں اور میری مرضی کے خلاف کوئی کام یہ لوگ نہیں کرتے ہیں اور اب جو جائیداد خریدی گئی ہیں وہ سب اس دوسری فرم کی آمدنی سے ہیں تو کیا اس میں ظہیر عالم کا کوئی حق ہوسکتا ہے؟

المستفتی: ابوالحسن بارہ دری مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب باپ نے بیٹے کو الگ کرتے وقت کاروبار کے لیے جائیدادیں اور دس بارہ لاکھ روپیہ دے کر الگ سے فرم قائم کروادی ہے تو اس سے واضح ہوتا ہے کہ باپ نے بیٹے کے ساتھ بدخواہی یا نقصان پہنچانے کا معاملہ نہیں کیا ہے، نیز جب بڑے بیٹے کی فرم الگ قائم ہوگئی اور دوسرے چار بیٹوں کی الگ فرم قائم ہوگئی تو جس طرح ظہیر عالم کی فرم کی آمدنی سے دوسرے لڑکوں کو مطالبہ کا حق نہیں ہے اسی طرح ظہیر عالم کو بھی دوسرے بھائیوں کی فرم کی آمدنی سے مطالبہ کا کوئی حق نہیں ہے۔

لایجوز لأحد أن یأخذ مال أحد بلا سبب شرعي. (قواعد الفقه اشرفی ص: ۱۱۰، قاعدہ: ۲۶۹، شرح المجلة رستم اتحاد ۱/ ۶۲، رقم المادة: ۹۶، هندیه زکریا قدیم ۲/ ۱۶۷، جدید ۲/ ۱۸۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴؍ ربیع الثانی ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۷۹۳)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۴/ ۴/ ۱۴۱۷ھ

بھائی کے مکان پر قبضہ کرنے کی کوشش کرنا

سوال [۱۰۲۳۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میرے چار لڑکے میری مرضی اور میرے مشورہ پر چلتے ہیں، میری فیملی میں نہیں، سب کی فیملیاں الگ الگ ہیں اور رہائشی مکان بھی سب کے الگ الگ ہیں، میرا بڑا مکان جو بارہ دری میں ہے، اس کے اوپر کے حصہ میں میرا نافرمان بیٹا ظہیر عالم رہتا ہے اور نیچے

کے مکان میں میرا فرمانبردار لڑکا ماہ عالم رہتا ہے، اور اس مکان میں میرے چھ لڑکوں کا نام ہے، ظہیر عالم چاہتا ہے کہ پورا مکان وہ خود لے کر اپنے چھوٹے بھائی کو اس مکان سے نکال دے، جبکہ اس میں صرف چھٹا حصہ ظہیر عالم کے نام ہے، یہی جھگڑے کی اصل بنیاد ہے کہ وہ پورا مکان میں کسی بنا پر ظہیر عالم کو دیدوں جبکہ اس کا کاروبار بالکل الگ ہے، اس میں میرا کوئی دخل نہیں ہے، اور اس کے پاس اس وقت ہزار بیگھہ سے اوپر ہی زمین موجود ہے، پھر بھی چھوٹے بھائی کو رہائشی مکان سے نکال کر پورا اپنے قبضے میں لینے کے لیے ہر قسم کی جھوٹی اسکیمیں بنا رہا ہے اور عدالتی دھمکیاں بھی دیتا رہتا ہے اس کا خیال یہ ہے کہ سب کچھ اس کو مل جائے اور دوسرے بھائیوں کو چاہے کچھ بھی نہ ملے، اور اس وقت تنہا اس کے پاس جتنی دولت ہے ان چاروں لڑکوں کی کل دولت سے کم نہیں ہے؟

المستفتی: ابوالحسن بارہ دری مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر جھگڑے کی اصل بنیاد چھوٹے بھائی کو مشترکہ مکان سے نکالنے کی اسکیم ہے اور سوالنامہ سے واضح ہو رہا ہے کہ اس کے پاس ہزار بیگھہ سے زائد جائیداد اور سب بھائیوں سے زیادہ دولت ہے تو نہایت افسوس اور بے رحمی کی بات ہے کہ وہ اپنے چھوٹے بھائی کو پورے مکان سے نکال کر خود پورے مکان پر قبضہ کرنے کی کوشش کر رہا ہے، تو ایسے حالات میں باپ کو اختیار ہے، کہ اپنی مصلحت کے مطابق جو چاہے فیصلہ کرے اور باپ کو شرعاً یہ بھی اجازت ہے کہ نافرمان بیٹے کو کچھ بھی نہ دے کر ساری دولت دوسری اولاد کو یا کار خیر میں صرف کر دے۔

لا بأس بأن يعطى من أولاده من كان عالما متأدبا ولا يعطى منهم من كان فاسقا فاجرا. (مجمع الأنهر، كتاب الهبة، دار الكتب العلمية بيروت ٤٩٧/٣، مصرى قديم ٣٥٨/٢)

ولو كان ولده فاسقا و أراد أن يصرف ماله إلى وجوه الخير ويحرمه عن الميراث هذا خير من تركه. (عالمگیری، الباب السادس فی الهبة للصغير، زکریا قدیم ٣٩١/٤، جدید ٤١٦/٤)

فتاویٰ احیاء العلوم ۱/ ۲۸۳، احسن الفتاویٰ ۷/ ۲۵۶، فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۴/ ۴۴۶، جدید ڈابھیل ۱۶/ ۵۰۴ میں بھی یہی حکم موجود ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
۲۴ / ربیع الثانی ۱۴۱۷ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۷۹۳)	۲۴/ ۴/ ۱۴۱۷ھ

لڑکے کی کمائی میں کیا اس کے بھائیوں کا حق ہوگا

سوال [۱۰۲۳۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک نے اپنی کمائی سے کانی گھر زمین میں دوکان بنالی، باپ کی کوئی وراثت نہیں ہے تو کیا اس صورت میں اس کی کمائی میں سے کوئی حصہ لے سکتا ہے یا نہیں؟ مثال کے طور پر اس شخص کے چھوٹے بھائی ہیں یا اور عزیز واقارب ہیں اور ماں باپ بھی زندہ ہیں، اگر یہ لوگ حصہ مانگیں تو کیا یہ لوگ حقدار ہوں گے یا نہیں؟

المستفتی: اصغر علی بارہ دری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر شخص مذکور نے باپ کی فیملی میں رہ کر یہ ترقی کی ہے تو ساری دولت شرعاً باپ کی ملکیت میں شمار ہوگی، اور اگر باپ سے الگ ہو کر کمائی ہے تو اس میں کسی دوسرے کا حق نہ ہوگا، پہلی صورت میں باپ کے تمام ورثاء کا حق ہوگا۔

الأب و ابنه يكتسبان في صنعة واحدة ولم يكن لهما شيئ فالكسب كله للأب إن كان الابن في عياله لكونه معينا له. (فتاویٰ شامی، الشركة، مطلب: اجتمعا في دار واحدة واكتسبا …… زكريا ۶/ ۵۰۲، كراچی ۴/ ۳۲۵، هنديه زكريا قديم ۲/ ۳۲۹، جديد ۲/ ۳۳۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
۱۱/ ربیع الاول ۱۴۱۵ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۹۰۳)	۱۱/ ۳/ ۱۴۱۵ھ

گھر کا چھجہ سڑک پر نکال سکتے ہیں یا نہیں؟

سوال [۱۰۲۳۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک زمین ہم نے دوسو اکیس گز خریدی اس میں ہم نے بھراؤ کر کے اس کو پورا ناپ لیا تھا، اب دوسرا فریق جو کہ ہمارا پڑوسی ہے، ایک دن صبح فجر کے بعد وہ ہم کو کوس رہے تھے، ہم نے اس سے معلوم کیا آپ ہم کو کیوں کوس رہے ہیں، جواب دیا کہ تم نے بہت زیادہ زمین پر قبضہ کرلیا ہے اور ہمارے پاس بہت کم رہ گئی ہے، لہٰذا آپ ہم کو اس میں سے کچھ زمین دیدو، نمبر ایک فریق نے خدا سے ڈر کر اس کو تقریباً چھ فٹ چوڑائی اور ۴۰ رفٹ لمبی زمین دیدی، اس کے بعد آگے والا حصہ کو جب بنانے چلے تو محلّہ کے کچھ لوگوں نے چھ فٹ چوڑائی تقریباً ۳۰ رفٹ لمبی زمین چھوڑوائی، وہ زمین سڑک میں گئی، اب نمبر ایک فریق اس سڑک کے اوپر اپنا چھجہ نکالنے کا حق رکھتا ہے، یا نہیں؟ اور نمبر دو فریق سے واپس لینے کا حق دار ہے یا نہیں؟

المستفتی: عبداللطیف پیرزادہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مذکورہ میں فریق اول کو راستہ میں اس طرح چھجہ نکالنے کا حق ہوسکتا ہے کہ جس سے لوگوں کے گذرنے میں پریشانی نہ ہو۔

عن ابن عباس – رضی الله عنه– قال: قال رسول الله ﷺ لاضرر ولاضرار. (مسند أحمد بن حنبل ۱/ ۳۱۳، رقم: ۲۸٦۷)

لاتدخل الظلة فی بیع الدار إلا إذا قال بکل حق وهی الساباط الذی یکون أحد طرفیه علی الدار. (البحر الرائق، کتاب البیوع، باب الحقوق، کوئٹه ٦/ ۱۳۲، زکریا ٦/ ۲۲۹)

(۲) فریق اول نے فریق ثانی کو جو حصہ دیا ہے وہ شرعاً ہبہ ہے اور ہبہ کی ہوئی زمین پر جب تعمیر ہو جائے تو اس کو واپس لینا جائز نہیں ہے۔

عن ابن عباس – رضی الله عنه– قال: قال رسول الله ﷺ: العائد

فی هبته کالعائد فی قیئه. (صحیح البخاری، هبة، باب لایحل لأحد أن یرجع فی هبته وصدقته، النسخة الهندیة ۱/ ۳۵۷، رقم: ۲۵۴۷، ف: ۲۶۲۱)

لایرجع الواهب فی هبته لحدوث الزیادة فی العین. (البحر الرائق، کتاب الهبة، باب الرجوع فی الهبة، کوئٹه ۷/ ۲۹۱، زکریا ۷/ ۴۹۶) **فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍رمضان المبارک ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۵۹۱)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۲/۹/۱۴۱۰ھ

کیا میکہ والوں کو اپنی لڑکی اور اس کی اولاد کے خرچہ کے مطالبہ کا حق ہے؟

سوال [۱۰۲۳۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میری چھوٹی بیٹی امۃ اللہ کی شادی محمد عقیلی ساکن موضع میر غیاث چک سے آج سے تقریباً چھ برس پہلے ہوئی تھی، جس میں میری بیٹی امۃ اللہ اپنی سسرال موضع میر غیاث چک میں اپنے شوہر کی مرضی سے جانا آنا کرتے کراتے، چھ ماہ رہی ہوگی، بقیہ ساڑھے پانچ برس سے اپنے شوہر کے مشورہ سے مگر بغیر میری اجازت کے میرے یہاں یعنی میکے میں رہ رہی ہے، اس ساڑھے پانچ برس میں کبھی بھی محمد عقیلی مذکور نے اپنے بیوی بچوں کا کھانا خرچہ مجھے نہیں دیا اور نہ ہم سے انہوں نے اس طرح کی بات کبھی کی کہ ابھی اتنے سال اپنے یہاں رکھئے، اس کے بعد ہم کھانا خرچہ دیں گے یا اپنے ساتھ لے جائیں گے، کبھی کبھی ہم نے محمد عقیلی سے امۃ اللہ کے کھانا وغیرہ کا خرچا مانگا تو وہ خاموش رہے اور ان کی جگہ پر میری بیٹی امۃ اللہ اپنا سر اور سینہ پیٹنے لگی، پتہ نہیں، ان دونوں کے درمیان کچھ طے ہوا ہے، یا شوہر نے امۃ اللہ مذکورہ کو سمجھایا ہے یا دھمکایا ہے یا پھسلایا ہے، جس سبب سے میری مذکورہ بیٹی اس طرح کرنے لگتی ہے، جبکہ اس ساڑھے پانچ برس میں محمد عقیلی خود بھی آنا جانا کرتے کراتے میرے یہاں کم سے کم چار برس کھانا پینا کئے ہوں گے، اور میرے یہاں رہے ہوں گے اور ابھی بھی میرے یہاں رہتے آرہے ہیں؟

نوٹ: محمد عقیلی بیوی بچوں کا بوجھ اٹھانا نہیں چاہتے ہیں۔

اب میری بیٹی کے دو بچے (ایک تین برس کا اور ایک سوا برس کا ہے) جبکہ شادی سے پہلے محمد عقیلی نے سات ایکڑ زمین کا اپنے کو مالک بتایا تھا، میں نے ڈر کے مارے کسی دار القضاء میں مقدمہ بھی نہیں کیا کہ پتہ نہیں کہ محمد عقیلی میری مذکورہ بیٹی امۃ اللہ کے ساتھ کیا کر بیٹھے، لہٰذا یہ بتایا جائے کہ صورت مسئولہ میں (۱) محمد عقیلی کی پکڑ خدائے پاک کے یہاں ہوگی یا نہیں؟ اور (۲) مجھے اس ظلم کا صلہ آخرت یا دنیا میں اللہ پاک کی طرف سے ملے گا یا نہیں؟ (۳) میری بیٹی امۃ اللہ کی پکڑ ہوگی یا نہیں؟

المستفتی: مولانا فیاض الدین بہار شریف نالندہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شریعت کا حکم یہ ہے کہ شوہر کے اوپر اپنی بیوی کا خرچہ واخراجات اور کھانے پینے کا نظم کرنا لازم اور واجب ہے، اگر وہ بیوی بچوں کا خرچہ نہیں دیتا ہے اور بغیر خرچہ دیئے ہوئے بیوی کے پاس آنا جانا رکھتا ہے تو اس سے کہا جا سکتا کہ تم اپنے بیوی بچوں کو اپنے یہاں لے جا کر ان کے خرچہ اخراجات کا انتظام کرو اور اگر انہیں میکہ میں چھوڑو گے تو ان کا خرچہ دینا پڑے گا، لہٰذا میکہ والوں کو اس طرح خرچہ دینے کا مطالبہ کرنے کا حق ہے۔

تجب على الرجل نفقة امرأته المسلمة والذمية والفقيرة والغنية دخل بها أو لم يدخل كبيرة كانت المرأة أو صغيرة. (خانية، باب النفقة، جديد زكريا ۱/۲٥٤،و على هامش الهندية ۱/٤۲٤، هنديه زكريا قديم ۱/٥٤٤، جديد ۱/٥٩٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲؍ رجب المرجب ۱۴۳۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/ ۱۲۱۶۵)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۲/۷/۱۴۳۶ھ

دو منزلہ مکان کی تقسیم

سوال [۱۰۲۳۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: ایک قطعہ مکان ۱۰۰ گز میں ہے وہ بالکل پٹا ہوا ہے، مین روڈ پر ہے، اس مکان کے دو بھائی مالک ہیں، ایک بھائی نیچے کی جگہ پر قابض ہے اور دوسرا بھائی اس کے اوپر کے حصہ پر قابض ہے، آپس میں تقسیم ہونی ہے شرع کے حساب سے، تو کیا نیچے اوپر کی قیمت برابر رہے گی؟ کس طرح تقسیم ہوگی شرع کیا کہتی ہے؟

المستفتی: محمد نسیم تمبا کو اسٹریٹ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: پچاس پچاس گز کے اعتبار سے پورا مکان دونوں بھائیوں کے درمیان برابر تقسیم ہوگا، اور اگر دونوں ہی چاہتے ہیں کہ ایک اوپر رہے اور دوسرا نیچے رہے تو اوپر کی قیمت الگ لگائی جائے گی، اور نیچے کی قیمت الگ لگائی جائے گی، جس کے حصے کی قیمت کم ہے وہ دوسرے سے قیمت لے کر تلافی کر لے۔

وسفل له علو قوم كل واحد على حدته وقسم بالقيمة ولامعتبر بغير ذلك. (هدايه، كتاب القسمة، اشرفي ديوبند ٤١٨/٤، رشيديه ٤٠٢/٤، البحر الرائق زكريا ٢٧٩/٨، كوئٹه ١٥٤/٨، هنديه زكريا قديم ٢٠٤/٥، جديد ٢٣٨/٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍ربیع الاول ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۵۱۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۳/۳ھ

٤ باب النفقة

کئی سالوں سے معلق بیوی کے نان ونفقہ کا حکم

سوال [۱۰۲۳۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہندہ کی زید سے جس روز شادی ہوئی اسی روز زید نے ہندہ کو مہر معاف کرانے کے لیے مارا پیٹا، اور اس ہی شب میں رات کو واپس کردیا (لیکن یہ واپسی تو دستور کے مطابق ہوئی) دوسرے روز پھر ہندہ کو رخصت کیا اور زید کے پاس بھیج دیا، برادری کے لوگ آئے اور کہہ سن کر لے گئے، دوسری مرتبہ میں ہندہ سات یوم زید کے یہاں رہی لیکن زید نے ہندہ سے دوری اختیار کی، اورحق زوجیت ادانہیں کیا، بلکہ اپنے دوسرے بھائی کے یہاں قیام کیا، ایک ماہ پھر سسرال بھیجا، تیسری مرتبہ میں قریب پونے تین ماہ بعد رہی، لیکن پھر بدچلنی کا الزام لگا کر واپس کردیا۔

دوسال بعد ہندہ کی طرف سے طلاق کا مطالبہ ہوا تو پنچایت کے درمیان یہ طے ہوا کہ اب میں مار پیٹ نہیں کروں گا، اور سسرال والوں کا احترام کروں گا، اب اگر کوئی ناراضگی کی بات ہوجائے تو میں ساٹھ روپیہ ماہانہ ہندہ کو دیتا رہوں گا، اسٹامپ پر یہ اقرارنامہ تحریر پایا، زید اور اس کے بھائیوں کا بیت الخلاء مشترک تھا، زید کے بھائیوں اور بھاوج وغیرہ نے ہندہ کے لیے پیشاب، پاخانہ کے لیے بیت الخلاء میں داخلہ بند کردیا، ہندہ کو پیشاب لگا اس نے شدت پیشاب کی وجہ سے باہر ہی پیشاب کردیا اس پر بھاوج نے باہر پیشاب کرنے کی شکایت کی اس پر زید نے پھر ہندہ کو مارا، اور مار کر بھگا دیا، جب بچہ کی پیدائش کا وقت قریب ہوا تو پھر چند حضرات آکر ہندہ کو لے گئے، شادی پر چڑھے زیور کو منگانے کے لیے پھر مار پیٹ کی اور زیور کے لیے پھر میکے بھیج دیا، کہ زیورا گر لائے تو آنا ورنہ مت آنا، ہندہ کے والد نے کہا کہ دو معتبر آدمیوں کو بلالاؤ اور اپنا زیور لے جانا، لیکن وہ دو معتبر آدمی نہیں لائے لیکن ہندہ اپنے شوہر کے یہاں چلی گئی پھر رات کو مار پیٹ کی، ہندہ فجر میں پھر اپنے والدین کے گھر آگئی، اپنے والدین

کے گھر قیام کے دوران راستہ سے زید ہندہ کو اٹھا کر لے گیا، چار ماہ بعد پھر مار پیٹ کر بھگا دیا، لیکن پھر ہندہ کو سسرال بھیج دیا گیا، اس نے خرچہ کے پیسہ مانگے لیکن اسے خرچہ نہ دے کر بھگا دیا گیا، کل ملا کر لڑکی اپنے شوہر کے یہاں تقریباً پندرہ ماہ رہی، اکیس سال سے میکے میں ہے، اب اکیس سال کے نان ونفقہ کا ذمہ دار شوہر ہے یا نہیں؟ بیوی نفقہ کا مطالبہ کرسکتی ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد ابراہیم ہلدوانی نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر واقع میں سائل کا سوال صحیح اور درست ہے اور بیوی کو پریشان کر کے میکے بھیج دینے پر ٦٠ روپیہ ماہانہ دینے کا معاملہ طے کیا ہے اور بعد میں مختلف مراحل سے گذرتے ہوئے واقعی زید نے بلاوجہ ظلماً مار پیٹ کر کے ہندہ کو میکے بھیج دیا ہے اور ہندہ ازخود شوہر کی حکم عدولی کر کے نہیں آئی ہے بلکہ شوہر نے مذکورہ ظالمانہ حرکتوں کے ساتھ میکے بھیج دیا ہے اور بغیر طلاق کے یوں ہی معلق چھوڑ رکھا ہے تو ماہانہ ٦٠ روپئے کے حساب سے ہندہ کو اپنا خرچہ ملے گا، اور وہ اس کی حقدار ہے۔

القاضی فرض لهما النفقة أو صالحت الزوج على مقدار نفقتها فيقضى لها بنفقة ما مضى. (هدايه، كتاب الطلاق، باب النفقة، اشرفی دیو بند ٢/ ٤٤٠)

وإذا طالبت المرأة زوجها بالنفقة وهى امرأته على حالها وقالت: إنه يضيق علي ويضربني، فالقاضي يأمره بالنفقة. (تاتارخانية زكريا ٥/٣٦٩، رقم: ٨٢٦٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٧؍ربیع الاول ١٤١٣ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٢٨/ ٣٠٧٨)

ناشزہ، والدہ، بہن اور چھوٹے بھائی کے نفقہ کا حکم

سوال [١٠٢٤٠]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: زید کی شادی تقریباً چار سال قبل ہندہ سے ہوئی تھی، دونوں کا آبائی وطن اعظم گڑھ ہے، مگر ہندہ کے والدین سہارنپور کے علاقے میں رہتے ہیں، اس کے والد ایک مدرسہ میں شیخ الحدیث ہیں، شادی کے بعد سے ہندہ اکثر اپنے میکے رہی، جب زید رخصتی کی بات کرتا تو اس کے والدین ٹال مٹول کرتے اور پھر رخصت کرتے، ان چار سالوں میں ہندہ بمشکل آٹھ ماہ اپنی سسرال رہی ہوگی، زید ہندہ کے خرچ کے لیے اپنی استطاعت کے بقدر ہزار پانچ سو کی رقم دیدیتا اور کبھی نہیں بھی دی، ہندہ اکثر بیمار رہتی ہے اس کی دوا وغیرہ اگر میکے میں رہتی ہے تو اس کے والدین کراتے ہیں یا اگر کبھی شوہر وہاں پہنچ گیا تو دلا دیتا ہے اور اگر ہندہ اپنی سسرال رہتی ہے تو دوا وغیرہ اس کا شوہر ہی لاکر دیتا ہے۔

ایک روز سسرال میں ہندہ اور اس کی ساس اور نند سے کسی بات پر کہا سنی ہوئی تو ہندہ کہتی ہے کہ میرے شوہر نے نہ تو کبھی مجھے ایک پیسہ دیا اور نہ ہی کبھی ایک ٹیبلیٹ (دوا کی ٹکیہ) لاکر دی، اور کہتی ہے کہ میں اس پر حلف اٹھا سکتی ہوں، حالانکہ واقعہ اسکے برعکس ہے جیسا کہ اوپر مذکور ہوا، نیز زید کے خسر جو کہ زید کے استاذ بھی ہیں وہ کہتے ہیں کہ زید بیوی کے حقوق صحیح طور پر ادا نہیں کر رہا ہے، اب زید سسرال جانا چاہتا ہے، تو زید کی ساس اس سے لڑائی کرنے پر تلی ہیں اور کہتی ہیں کہ اگر آ گئے تو تمہاری خیر نہیں اور زید کے خسر بھی آنے سے منع کر رہے ہیں جبکہ اس عرصہ میں دو ماہ سے زائد گذر چکے ہیں۔

یہ بات بھی معلوم ہونی چاہیے کہ زید کی ماہانہ تنخواہ چھ ہزار روپئے ہے اس کے گھر میں اس کی والدہ ایک چھوٹا بھائی اور چھوٹی بہن ہے، جبکہ والد کا انتقال ہو چکا ہے، ایک بڑے بھائی ہیں جو بیوی بچوں کے ساتھ ان لوگوں سے الگ رہتے ہیں تو دریافت امر یہ کہ زید ان لوگوں کا خرچ کس طرح سے ادا کرے گا کیا اپنی والدہ وغیرہ کو چھوڑے یا سب کو ساتھ لے کر چلے اور بیوی کو ماہانہ کتنی رقم دیا کرے، نیز زید کو سسرال جانے سے اس کے ساس سسر کا روکنا اس کا کیا حکم ہے؟ امید ہے کہ قرآن وسنت کی روشنی میں جواب مرحمت فرما کر ممنون فرمائیں گے۔

المستفتی: عبید اللہ شمیم قاسمی جامعہ اسلامیہ مظفر پور اعظم گڑھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بیوی کا نان ونفقہ خرچ واخراجات شوہر کے اوپر اس وقت لازم ہوتے ہیں، جب بیوی شوہر کے گھر پر رہتی ہو، اور اگر شوہر کی مرضی کے بغیر میکہ یا کسی اور جگہ جاکر رہتی ہو، تو ایسی صورت میں شرعی طور پر بیوی ناشزہ کہلاتی ہے اور اس کا نان ونفقہ خرچ واخراجات اس وقت تک شوہر پر لازم نہیں ہوتے، جب تک شوہر کے پاس لوٹ کر نہ آجائے، اور سوالنامہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ بیوی شوہر کی مرضی کے بغیر میکہ جاکر رہ رہی ہے اور شوہر بیوی کو لانے کے لیے پریشان ہے، لہٰذا ایسی صورت میں جب تک بیوی آپ کے پاس نہ آجائے اس وقت تک کسی قسم کا خرچہ دینا آپ پر لازم نہیں ہے۔

عن الشعبي: أنه سئل عن امرأة خرجت من بيتها عاصية لزوجها، ألها نفقة؟ قال: لا، وإن مكثت عشرين سنة. (مصنف ابن أبي شيبة، مؤسسة علوم القرآن بيروت ۱۵۲/۱۰، رقم: ۱۹۳۶۹، مصنف عبد الرزاق، المجلس العلمي بيروت ۹۵/۷، رقم: ۱۲۳۵۲)

وإن نشزت فلا نفقة لها، حتى تعود إلى منزله لأن فوت الاحتباس منها. (هدايه، كتاب الطلاق، باب النفقة، اشرفي ديو بند ۲/۴۳۸)

لانفقة لخارجة من بيته بغير حق وهي الناشزة حتى تعود. (در مختار زكريا ۲۸٦/۵، کراچی ۵۷٦/۳)

المعتبر في إيجاب النفقة احتباس ينتفع به الزوج بالوطئ أو الدواعي. (مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ۱۸۰/۲)

وفي الشامية: فالمختار وجوب النفقة لقيام الاحتباس. (شامی کراچی ۵۷۵/۳، زكريا ۲۸۵/۵)

اب رہی یہ بات کہ والدہ اور بہن کا خرچہ، تو یہ آپ کے اوپر حسب حیثیت لازم ہے، اور چھوٹا بھائی اگر نابالغ ہو تو اس کا خرچہ بھی لازم ہوگا، اور جب بیوی واپس آجائے، تو بیوی کا خرچہ بھی آپ پر آپ کی حیثیت کے اعتبار سے لازم ہوگا، حیثیت سے زیادہ لازم نہ ہوگا، اور

جب سب لوگ ایک ساتھ ایک ہی فیملی میں رہتے ہوں، تو ان کے لیے الگ الگ خرچ دینا لازم نہیں ہے، بلکہ مجموعی خرچ سے سب لوگوں کا گذارا ہوسکتا ہے۔

ویعتبر فی هذه النفقة مایکفیها وهو الوسط من الکفایة وهی غیر مقدرة. (هندیه، الفصل الثالث نفقة المعتدة، زکریا قدیم ۱/۵۵۸، جدید ۱/۶۰۶)

وقال الکرخیؒ: یعتبر حال الزوج. (هدایه اشرفی دیوبند ۲/۴۳۷)

والأم إذا کانت فقیرة فإنه یلزم الإبن نفقتها. (هندیه، الفصل الخامس فی نفقة ذوی الأرحام، زکریا قدیم ۱/۵۶۵، جدید ۱/۶۱۱)

والأم إذا احتاجت أو الأب کذٰلک جاز أن یصرف إلیها من هذا الکسب مقدار حاجتها. (تاتارخانیة زکریا ۵/۴۱۹، رقم: ۸۲۵۰)

وتجب أیضا لکل ذی رحم محرم صغیر أو أنثی بالغة صحیحة أو کان الذکر بالغا لکن عاجزا عن الکسب. (در مختار مع الشامی زکریا ۵/۳۶۲، کراچی ۳/۶۲۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍ ذی قعدہ ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۵۰۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۱۱/۳ھ

۵ باب الحضانة

کیا نافرمان بالغ لڑکیوں کے نان ونفقہ کی ذمہ داری والد پر ہے

سوال [۱۰۲۴۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) زید نے اپنی بیوی کو سات سال پہلے طلاق دیدی تھی، اس کی دو لڑکیاں اپنی ماں کے پاس رہ رہی ہیں، جو اس وقت بالغ ہیں، دریافت یہ کرنا ہے کہ زید ان لڑکیوں کو اپنے پاس رکھنے کا حق رکھتا ہے یا نہیں؟

(۲) اگر یہ لڑکیاں زید (باپ) کے پاس آنے کے لیے تیار نہ ہوں یا ان کی ماں نہ آنے دے تو کیا زید پر ان لڑکیوں کا خرچہ مع شادی وغیرہ لازم ہے یا نہیں، اگر لازم ہے تو شرعاً باپ کی آمدنی وحیثیت کے مطابق خرچہ ہوگا یا بیوی کے مطالبہ کے مطابق؟ شرعی حکم تحریر فرمادیں؟

المستفتی: محمد ممتاز اصالت پورہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) جب ماں باپ کے درمیان تفریق واقع ہو جائے تو چھوٹے بچوں کی پرورش کا حق ماں کو حاصل رہتا ہے اگر لڑکا ہو تو سات سال تک ماں کو اپنے پاس رکھنے کا حق ہے، اور اگر لڑکی ہو تو بالغ ہونے تک رکھنے کا حق ہے، اس کے بعد باپ کو اپنے پاس رکھنے کا حق ہوتا ہے۔

وأما في الجارية: فحد الاستغناء على أن تحيض أو تبلغ مبلغ النساء بالسن فبعد ذٰلك الأب أولىٰ. (تاتارخانية زكريا ٥/٢٧٣، رقم: ٧٨٣٣)

وذكر الخصاف في كتاب النفقات: أن الأم أحق بالغلام مالم يبلغ سبع سنين أو ثمان سنين وفي الكافي: والفتوىٰ على سبع سنين. (تاتارخانية زكريا ٥/٢٧٣، رقم: ٧٨٣٢)

(۲) اگر دونوں لڑکیوں کو بالغ ہونے کے بعد ماں اپنے پاس روک لیتی ہے اور لڑکیاں بھی باپ کے پاس آنا نہیں چاہتیں اور باپ اپنے پاس لانا چاہتا ہے مگر باپ کے چاہنے کے باوجود وہ لڑکیاں باپ کے پاس نہیں آتی ہیں تو لڑکیاں باپ کی نافرمان ہیں، ایسی صورت میں ان لڑکیوں کے خرچ واخراجات شادی بیاہ وغیرہ کی ساری ذمہ داری ماں کے اوپر عائد ہو جائے گی، اور باپ کے اوپر یہ دباؤ نہیں ڈالا جاسکتا ہے کہ بالغ لڑکیوں کا خرچہ ماں کے پاس بھیجا کرے، بلکہ اپنے پاس رکھ کر اپنی حیثیت کے مطابق لڑکیوں پر خرچ کریگا، اوران کی شادی وبیاہ کا انتظام کرے گا۔

والأم والجد أحق بالجارية حتى تحيض، لأن بعد الاستغناء تحتاج إلى معرفة آداب النساء والمرأة على ذٰلک أقدر وبعد البلوغ تحتاج إلى التحصين والحفظ، والأب فيه أقوىٰ واهدىٰ وعن محمدؒ أنها تدفع إلى الأب إذا بلغت حد الشهوة لتحقق الحاجة إلى الصيانة. (هدايه، كتاب الطلاق، باب حضانة الولد، اشرفی ديوبند ۲/ ۴۳۵)

أن النفقة جزاء الاحتباس و كل من كان محسوبا بحق مقصود لغيره كانت نفقته عليه. (هدايه، باب النفقة، اشرفی ديوبند ۲/ ۴۳۷)

وأقول: الحق الذى تقبله الطباع المستقيمة ولا تنفر منه الأذواق السليمة القول بوجوبها لذى الرشد لا غيره. (شامى باب النفقة، مطلب: الكلام فى نفقة الأقارب كراچى ۳/ ۶۱۴، زكريا ۵/ ۳۴۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴ /ربیع الثانی ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۰۱۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۴/۱۴ھ

وضع حمل کا خرچ اور بچہ کے نان ونفقہ کا حکم

سوال [۱۰۲۴۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) زید نے اپنی حاملہ زوجہ کو (جس کا مہر وہ ادا کرچکا تھا) اپنے اہل خانہ کے

سامنے تین طلاقیں دیں بوقت طلاق زید کی زوجہ اپنے والدین کے گھر تھی، جس کا وضع حمل بذریعہ آپریشن نرسنگ ہوم میں ہوا، (اسپتال میں وضع حمل کی تجویز زید کی تھی) اور بچہ بھی ساڑھے پانچ سال کی مدت سے اپنی ماں کے زیر پرورش ہے جو اپنے والد کے ساتھ رہتی ہے، وضع حمل کا ڈاکٹری خرچ اہلیہ و بچہ کے نان ونفقہ کی مدت کے بارہمیں شریعت کا حکم واضح فرمائیں؟

(۲) بیٹی اپنی مطلقہ ماں کے زیر سرپرستی کتنی مدت تک رہ سکتی ہےاور اس کا نان ونفقہ کتنے سال کی مدت تک اس کے باپ کے ذمہ ہوگا؟

المستفتی: محمد ادریس صدیقی محمد علی خاں کاشی پورا ودھم سنگھ نگر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: (۱) اگر یہ بات صحیح ہے کہ بیوی کا وضع حمل ہسپتال میں شوہر کی مرضی اور اس کی اجازت سے ہوا ہے، اور ہسپتال کا خرچہ بھی اسی کی مرضی سے ہوا ہے، تو اس خرچہ کا ذمہ دار شوہر ہے، اور اگر خرچہ اس کی مرضی کے مطابق نہیں ہوا ہے تو اس خرچہ کا ذمہ دار وہ نہیں ہے، بلکہ جس نے خرچ کیا ہے وہی ذمہ دار ہوگا۔

وأجرة القابلة ...... ولو استاجرها الزوج فعليه. (هنديه، كتاب الطلاق، الباب السابع عشر في النفقات، زكريا قديم ۱/۵۴۹، جديد ۱/۵۹۹)

وأجرة القابلة على من استاجرها من زوجة و زوج. (شامي كراچي ۳/۵۷۹، زكريا ۵/۲۹۱)

لايلزمه مداواتها أى اتيانه لها بدواء المرض ولا أجرة الطبيب . (شامي كراچي ۳/۵۷۵، زكريا ۵/۲۸۵)

ولايجب الدواء للمرض ولا أجرة الطبيب. (هنديه زكريا قديم ۱/۵۴۹، جديد ۱/۵۹۹)

(۲) بچہ کی ولادت کے بعد عدت پوری ہو جاتی ہےاور عدت گذرنے کے بعد شوہر پر خرچ واخراجات کی کوئی ذمہ داری نہیں رہتی، البتہ بچہ کے لیے اخراجات کی ذمہ داری شوہر پر رہتی ہے۔

إذا طلق الرجل امرأته فلها النفقة والسكنىٰ في عدتها. (هدايه اشرفى

دیوبند ۲/ ٤٤٣، اللباب، دار الایمان ۱/ ۲۱۱)

وإذا مضت مدة لم ينفق الزوج عليها وطالبته بذٰلك فلا شيئ لها. (هدایه اشرفی دیوبند ۲/ ٤٤٠)

ونفقة الأولاد الصغار على الأب لايشاركه فيها أحد. (هدایه اشرفی دیوبند ۲/ ٤٤٤، هندیه زکریا قدیم ۱/ ٥٦٠، جدید ۱/ ٦٠٧)

إذا لم يكن للصبى مال فالنفقة على والده. (تاتارخانية ٥/ ٤١٢، رقم: ٨٣٣٤)

وتجب النفقة بأنواعها على الحر لطفله يعم الأنثىٰ والجمع الفقير أى إن لم يبلغ حد الكسب. (شامی، باب النفقة، مطلب: الصغير والمكتسب نفقة فى كسبه، کراچی ۳/ ٦١٢، زکریا ٥/ ٣٣٦)

(۳) اوراگرلڑکی ہےتواس کے بالغ ہونے تک ماں کے پاس رہنے کا حق ہے،اور بالغ ہونے کے بعد باپ کواپنے پاس لے آنے کا حق ہوگا۔

والأم والجدة لأم و لأب أحق بها بالصغيرة حتى تحيض أى تبلغ فى ظاهر الرواية. (در مختار، باب الحضانة، کراچی ۳/ ٥٦٦، زکریا ٥/ ٢٦٨)

وأما الجارية فهى أحق بها حتى تحيض كذا ذكر فى ظاهر الرواية. (بدائع زکریا ۳/ ٤٥٩)

والجارية عند الأم أو الجدة حتى تحيض. (مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ۲/ ١٦٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍محرم الحرام ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۵۴۰/۳۹)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۳/۱/۳ھ

نابالغ لڑکیوں کا خرچ اور شادی باپ پر لازم ہے نہ کہ بالغ لڑکوں کا

سوال [۱۰۲۴۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: محمد شعیب کسرول کا رہنے والا ہوں میری بیوی میری مرضی کے خلاف چلتی تھی، اوراس دنیا میں میرا کوئی نہیں ہے اس کا فائدہ اٹھاتی تھی، اپنے بچوں کو اپنی طرف کر رکھا تھا، اس پر تکرار ہوتا تھا، اس لیے ۱۸/۱۰/۲۰۰۵ء کو مجھے یہ معلوم ہوا کہ وہ میری ایک بیٹی کو فرم میں کام کرنے کے لیے لے جانے لگی، اسے چلے جانے کو کہا کہ اپنے میکے چلی جاؤ وہ ۱۸/۱۰/ ۲۰۰۵ء کو ساڑھے پانچ چھ بجے کے دوران چلی گئی اور میرے پیچھے آکر میرے سات بچوں کو اپنے ساتھ لے گئی، جب میں رات کو دس گیارہ بجے بلانے گیا تو انہوں نے نہیں بھیجا ۱۹/۱۰/ ۲۰۰۵ء کو جب میں پھر گیا تو وہ کہتے ہیں کہ ہمارے یہاں نہیں ہیں، اس وقت کے بارے میں ایس ایس پی تھانہ ناگ پھنی ایس او تحصیل اسکول چوکی کو بھی معلوم ہے، نام محشر جہاں، عمر: ۲۴/سال جس کی شادی کردی ہے، نوشاد حسین ۲۳/سال، فیصل جہاں ۲۲/سال، شاداب ۲۱/سال، سلطان جہاں ۲۰/سال، شاکر حسین ۱۶/سال شمع پروین ۱۳/سال رانی ۸/سال کی ہے اب یہ کبھی بھی آئیں تو بچوں کو رہنے کا حق کس کے ساتھ ہوگا اور والد پر کیا حقوق ہوں گے، میں محمد شعیب اپنی شادی کرنا چاہتا ہوں شریعت کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: محمد شعیب کسرول

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جولڑکیاں بالغ ہوگئی ہیں ان کی شادی ہونے تک باپ کو اپنی پرورش میں رکھنے کا حق ہے، اوران کی شادیاں کرنا بھی باپ پر لازم ہے، اور بالغ لڑکوں کا خرچہ باپ کے اوپر لازم نہیں ہے وہ خود اپنے اخراجات کے ذمہ دار ہیں، ہاں البتہ نابالغ لڑکوں کے اخراجات کا ذمہ دار باپ ہوتا ہے اور بیوی کا نان ونفقہ شوہر پر اس وقت لازم ہوتا ہے کہ جب بیوی شوہر کے پاس رہے اور جب بیوی شوہر کی اجازت کے بغیر شوہر کو چھوڑ کر چلی جائے تو شوہر کے اوپر ایسی بیوی کا خرچہ اور نان ونفقہ لازم نہیں ہوتا اسی طرح لڑکیوں کا خرچہ باپ کے اوپر اس وقت لازم ہوتا ہے کہ جب باپ کے اختیارات کے دائرے میں رہیں، اب رہا محمد شعیب کا اپنی دوسری شادی کرنا تو اس کو اس کا اختیار رہے جبکہ

بیوی کے اخراجات کی پوری ذمہ داری ادا کرسکتا ہو۔

ونفقة الإناث واجبة مطلقا على الآباء مالم يتزوجن إذا لم يكن لهن مال. (عالمگیری، کتاب الطلاق، الباب السابع عشر فی النفقات، زکریا قدیم ۱/۵۶۳، جدید ۱/۶۰۹)

وبعد ما استغنى الغلام وبلغت الجارية فالعصبة أولىٰ يقدم الأقرب فالأقرب. (عالمگیری، الباب السادس عشر فی الحضانة، زکریا قدیم ۱/۵۴۲، جدید ۱/۵۹۳)

وإذا كان الابن قادراً على الكسب لاتجب نفقته على الأب. (البحر الرائق، کتاب الطلاق، باب النفقة، زکریا ۴/۳۵۰)

نفقة الأولاد الصغار على الأب لايشاركه فيها أحد. (عالمگیری زکریا قدیم ۱/۵۶۰، جدید ۱/۶۰۷)

لانفقة لأحد عشر مرتدة (الی قوله) و خارجة من بيته بغير حق وهي الناشزة حتى تعود. (شامی زکریا ۵/۲۸۶، کراچی ۳/۵۷۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵/محرم الحرام ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۱۵۴)

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۸/۱/۵ھ

میکہ میں رہنے والی بیوی کا خرچ شوہر پر لازم نہیں

سوال [۱۰۲۴۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: احقر کی شادی تقریباً ۴/سال قبل ہوئی تھی، احقر کے دو بچے ہیں لیکن اس وقت میری سسرال کے لوگ میری بیوی کو میرے گھر نہیں بھیجنا چاہتے ہیں، جبکہ میری خواہش ہے کہ میری بیوی اور بچے میرے ساتھ رہیں، نیز سسرال والوں کی طرف سے یہ دباؤ ہے کہ تم بیوی اور بچیوں کا خرچ سسرال ہی پہنچاؤ گے، تو معلوم یہ کرنا ہے کہ اس طرح گھر بیٹھ کر بیوی کے لیے خرچہ لینا درست ہے جبکہ میں اپنے بچوں اور بیوی کو اپنے گھر لانا چاہتا ہوں؟

المستفتی: محمد انتخاب عالم حسن پور مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجـواب وبـالله التوفيق: سوالنامہ میں بیوی کے بارے میں جوصورت حال لکھی گئی ہے ایسی صورت میں بیوی شرعی طور پر ناشزہ اورنافرمان ہے،شوہر کی مرضی کے بغیر بیوی کا میکہ جا کر بیٹھ جانا،خرچہ کا مطالبہ کرنا اوربچوں کوبھی ساتھ میں لے جانا نافرمانی کے ساتھ ساتھ انتہائی ظالمانہ حرکت ہے،ایسی بیوی کے لیےاس وقت تک نان ونفقہ اورکسی قسم کا خرچہ شوہر پر لازم نہیں ہوتا جب تک شوہر کے گھر واپس آ کرشوہر کے حقوق صحیح طور پرادا نہ کرے۔(مستفاد:محمودیہ ڈابھیل۱۳/ ۴۴۵)

عن الشعبی: أنه سئل عن امرأة خرجت من بيتها عاصية لزوجها، ألها نفقة؟ قال: لا، وإن مكثت عشرين سنة. (مصنف ابن أبی شيبة، مؤسسة علوم القرآن بيروت ١٥٢/١٠، رقم: ١٩٣٦٩، مصنف عبد الرزاق، المجلس العلمي بيروت ٩٥/٧،رقم: ١٢٣٥٢)

وإن نشزت فلا نفقة لها، حتى تعود إلى منزله لأن فوت الاحتباس منها. (هدايه، كتاب الطلاق، باب النفقة، اشرفى ديوبند ٤٣٨/٢)

لانفقة لخارجة من بيته بغير حق وهی الناشزة حتى تعود. (در مختار زكريا ٢٨٦/٥، كراچی ٥٧٦/٣)

المعتبر فی إيجاب النفقة احتباس ينتفع به الزوج بالوطئ أو الدواعی. (مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ١٨٠/٢)

وفی الشامية: فالمختار وجوب النفقة لقيام الاحتباس. (شامی كراچی ٥٧٥/٣، زكريا ٢٨٥/٥) **فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ:شبیر احمد عفا اللہ عنہ
۲۷رشوال المکرّم ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر:۳۹/ ۱۰۴۹۱)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۱۰/۲۸ھ

الگ رہنے والی بیوی کا ۱۲/۱۴/سالہ بچوں کا خرچ شوہر سے وصول کرنا

سوال [۱۰۲۴۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ میاں بیوی میں اختلاف ہوگیا، طلاق نہیں ہوئی، لیکن دونوں الگ الگ رہتے ہیں، بیوی چاہتی ہے کہ الگ رہتے ہوئے بچوں کا خرچ شوہر سے وصول کرے اس وقت ایک بچہ کی عمر۱۲؍سال دوسرے بچے کی عمر۱۴؍سال ہے، باپ چاہتا ہے کہ اپنے بچوں کو اپنے پاس ہی رکھوں تو کیا ان حالات میں بیوی کو یہ حق ہے کہ زبردستی بچوں کو اپنے پاس روک کر شوہر سے بچوں کا خرچ وصول کرے جبکہ شوہر چاہتا ہے کہ وہ اپنے بچوں کو اپنے پاس رکھ کر ان کی پرورش کرے تو ان حالات میں شریعت کا کیا فیصلہ ہے؟

المستفتی: صغیر احمد منڈاوار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب بچے۱۲؍اور۱۴؍سال کے ہوگئے ہیں تو اب بیوی کو کوئی حق نہیں پہنچتا ہے کہ بچوں کو زبردستی روک کر شوہر سے بچوں کا خرچ وصول کرے، بلکہ جب شوہر خود اپنے بچوں کی پرورش کرنا چاہتا ہے تو اس کو شریعت کی رو سے پورا پورا حق پہنچتا ہے کہ بیوی کے پاس سے بچوں کو لے آئے اور خود پرورش کرے اور بیوی کو بھی چاہیے کہ بچے شوہر کے حوالے کردے، ماں کے لیے بچوں کو اپنے پاس رکھنے کا حق صرف سات سال کی عمر تک رہتا ہے۔

والأم أحق بالغلام حتی یأکل وحدہ ویشرب وحدہ (الی قولہ) والأب أقدر علی التأدیب والتثقیف، والخصاف قدر الاستغناء بسبع سنین اعتباراً للغالب. (هدایه، کتاب الطلاق، باب حضانة الولد ومن أحق به، اشرفی دیو بند ۲/۴۳۵)

وفی الفتح: وعلیہ الفتویٰ کذا فی الکافی وغیرہ. (فتح القدیر، دار الفکر بیروت ۴/۳۷۱، کوئٹہ ۴/۱۸۷، زکریا ۴/۳۳۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵؍جمادی الاولیٰ ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۶۱۷۰)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۵/۲۵ھ